کلیاتِ پریم چند

16



مُرتبہ

مدن گوپال

قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی

A

کلیاتِ پریم چند

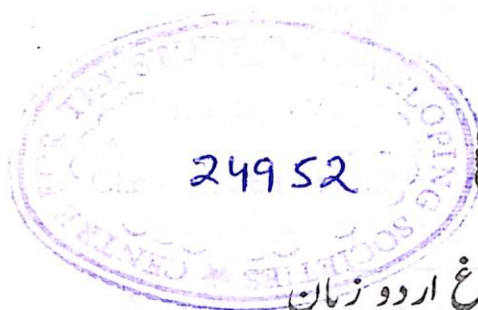
16

سنگرام، نیائے، ہڑتال، چاندی کی ڈبیا



مرتبہ

مدن گوپال





قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)

ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

Kulliyat-e-Premchand-16
Edited by : Madan Gopal
Project Assistant : Dr. Raheel Siddiqui
Project Coordinator : Dr. Mohd. Ahsan

سنہ اشاعت : جولائی، ستمبر 2001 شک 1923
پہلا اڈیشن : 1100
قیمت : =/159
سلسلہ مطبوعات : 873

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، آر.کے.پورم، نئی دہلی 110066
طابع : میکاف پرنٹرس، ترکمان گیٹ، دہلی 110006

پیش لفظ

اردو زبان وادب میں پریم چند کو خاص مقبولیت حاصل ہے۔ عرصۂ دراز سے ان کی تصانیف مختلف سطحوں کے تعلیمی نصابوں میں شامل رہی ہیں۔ ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ پریم چند کی تمام تصانیف کے مستند اڈیشن یکجا صورت میں منظر عام پر آئیں۔ بالآخر قومی اردو کونسل نے پریم چند کی تمام تحریروں کو ''کلیاتِ پریم چند'' کے عنوان سے مختلف جلدوں میں ایک مکمل سِٹ کی صورت میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کلیات 22 جلدوں پر مشتمل ہوگا جس میں پریم چند کے ناول، افسانے، ڈرامے، خطوط، تراجم، مضامین اور اداریے بہ اعتبارِ اصناف یکجا کیے جائیں گے۔ جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

ناول : جلد 1 سے 8 تک، افسانے : جلد 9 سے جلد 14 تک، ڈرامے : جلد 15 و جلد 16، خطوط : جلد 17، متفرقات : جلد 18 سے جلد 20 تک، تراجم : جلد 21 و جلد 22 تک

''کلیاتِ پریم چند'' میں متون کے استناد کا خاص خیال رکھا جارہا ہے۔ مواد کی فراہمی کے لیے مختلف شہروں کے کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور پریم چند سے متعلق شخصیتوں سے بھی ذاتی طور پر ملاقات کر کے مدد لی گئی ہے۔ اس سلسلے میں پریم چند کے پسر زادے پروفیسر آلوک رائے نے بہت سی مفید معلومات بہم پہنچائیں۔

''کلیاتِ پریم چند'' کی ترتیب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ ہر صنف کی تحریریں زمانی ترتیب کے ساتھ شاملِ اشاعت ہوں اور ہر تحریر کے آخر میں اول سنِ اشاعت، جس میں شائع ہوئی ہو، اس رسالہ کا نام اور مقامِ اشاعت بھی درج ہو۔ اس سے مطالعہ پریم چند کے نئے امکانات پیدا ہوں گے۔ ہماری کوشش ہے کہ ''کلیاتِ پریم چند'' میں شامل تمام تحریروں کا مستند متن قارئین تک پہنچے۔

''کلیاتِ پریم چند'' کی شکل میں یہ منصوبہ نقشِ اولیں ہے ہماری پوری کوشش کے باوجود جہاں تہاں کوئی کوتاہی راہ پاسکتی ہے۔ مستقبل میں پریم چند کی نودریافت تحریروں کا

خیر مقدم کیا جائے گا اور نئی اشاعت میں ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔ کلیات سے متعلق قارئین کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔

اردو کے اہم کلاسیکی ادبی سرمایے کو شائع کرنے کا منصوبہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ ان ادبی متون کے انتخاب اور ان کی اشاعت کا فیصلہ قومی اردو کونسل کے ادبی پینل نے پروفیسر شمس الرحمن فاروقی کی سربراہی میں کیا۔ ادبی پینل نے اس پروجیکٹ سے متعلق تمام بنیادی امور پر غور کر کے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے میں ہماری رہنمائی کی۔ قومی اردو کونسل ادبی پینل کے تمام ارکان کی شکر گذار ہے۔ "کلیاتِ پریم چند" کے مرتب مدن گوپال اور پروجیکٹ اسسٹنٹ ڈاکٹر رحیل صدیقی بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے اور انھیں ترتیب دینے میں بنیادی رول ادا کیا۔

امید ہے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی دیگر مطبوعات کی طرح "کلیاتِ پریم چند" کی بھی پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائرکٹر

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل، حکومتِ ہند،

نئی دہلی

دیباچہ

اس جلد میں چار ڈرامے پیش کیے جا رہے ہیں۔ پہلا ڈرامہ 'سنگرام' اور باقی تین ڈرامے 'نیائے'، 'ہڑتال' اور 'چاندی کی ڈبیا' ہیں۔ 'سنگرام' کے بارے میں جلد نمبر 10 میں بتایا جاچکا ہے کہ پریم چند نے 'گوشہ عافیت' کی تخلیق کے وقت 'سنگرام' لکھا تھا۔ 'سنگرام' کے دیباچہ میں پریم چند نے لکھا — ''آج کل ڈراما لکھنے کے لیے موسیقی کا جاننا ضروری ہے۔ کچھ شاعرانہ صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔ میں ان دونوں خوبیوں سے غیر معمولی طور پر محروم ہوں لیکن اس کہانی کا ڈھنگ ہی کچھ ایسا تھا کہ میں اسے ناول کی شکل نہیں دے سکتا تھا۔ یہی اس غیر مستحق کوشش کا خاص سبب ہے۔ امید ہے مخلص قارئین مجھے معاف فرمائیں گے۔ مجھ سے ہرگز پھر ایسی بھول نہ ہوگی۔ ادب کے اس شعبہ میں یہ میرا پہلا اور آخری جرأت مندانہ اقدام ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ ڈراما اسٹیج پر کھیلا جاسکتا ہے۔ ہاں اسٹیج منیجر کو کہیں کہیں کاٹ چھانٹ کرنی پڑے گی۔ میرے لیے ڈراما لکھنا ہی کم جرأت کا کام نہ تھا۔ اسے اسٹیج کے لائق بنانے کی گستاخی ناقابلِ معافی ہے۔ مگر میری خطاؤں کا اختتام ابھی نہیں ہوا۔ میں نے ایک تیسری خطا بھی کی ہے۔ موسیقی سے مکمل لاعلمی کے باوجود بھی میں نے جہاں کہیں جی میں آیا ہے گانے دے دیے ہیں۔ دو خطائیں معاف کرنے کی گزارش تو میں نے کی؛ لیکن تیسری خطا کس منھ سے معاف کراؤں۔ اس کے لیے قارئین صاحبان اور ناقدین حضرات جو سزا دیں بہ سرو چشم قبول ہے''۔

'سنگرام' کے علاوہ اس جلد میں تین ڈرامے اور ہیں۔ 'نیائے'، 'ہڑتال' اور 'چاندی کی ڈبیا' جو گالزوروی کے ڈراموں جسٹس، اسٹرائف (Strife) اور سلور باکس کے

تراجم ہیں۔ یہ ہندستانی اکیڈمی کے لیے کیے گئے تھے اور تین سال بعد 1930 میں شائع ہوئے تھے۔ ہندستانی اکیڈمی صوبہ جات متحدہ ہی نہیں بلکہ ملک بھر میں اپنی طرح کا اکیلا ادارہ تھا۔ اس کا مقصد تھا اردو ہندی کے درمیانی خلا کو کم کرنا اور نئے ادیبوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

اس دور میں صوبہ متحدہ کے ایک نئے گورنر سر ولیم میرس تعینات ہوئے۔ زمانہ کے ستمبر 1926 کے شمارہ میں (صفحہ 169) لکھا تھا کہ سر ولیم میرس نے ہندستانی اکیڈمی کی اسکیم منظور کرلی ہے۔ 22 فروری 1927 کو یوپی گورنمنٹ کے گزٹ میں گورنمنٹ ریجولیوشن شائع ہوا (صفحہ 3-82)۔ انتظامیہ کمیٹی کے پانچ ممبر نامزد کیے گئے۔ یہ تھے منسٹر تعلیم، ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن، الہٰ آباد، علی گڑھ اور لکھنؤ یونیورسٹی کے وائس چانسلر۔ ان کے علاوہ تیس ممبر تھے۔ چھٹے نمبر پر نام تھا بابو دھنپت رائے کا۔ تیج بہادر سپرو کو صدر بنایا گیا اور ڈاکٹر تارا چند کو جنرل سکریٹری۔ اکیڈمی کا دفتر الہٰ آباد میں رکھا جانا تھا۔ اکیڈمی کا افتتاح سر ولیم میرس نے 29/ مارچ 1927 کو بارہ دری لکھنؤ میں کیا۔ پہلے ہی سال میں اکیڈمی نے پریم چند کے ناول رنگ بھومی (چوگانِ ہستی) کے لیے پانچ سو روپے کے انعام کا فیصلہ کیا۔

اگلے سال ہندستانی اکیڈمی نے فیصلہ کیا کہ اشاعتی پروگرام میں مستند کتابوں کے تراجم شائع کیے جائیں۔ گالزوردی کے تین ڈرامے جسٹس، بلوربا کس اور اسٹرائف کے ہندی ترجمے کا کام پریم چند کو سونپا گیا اور اردو ترجموں کا کام منشی دیانرائن نگم کو سونپا گیا۔ پریم چند جو ان دنوں صبح 'کرم بھومی' لکھ رہے تھے اور شام کو مکایا کلپ' (پردہ مجاز) کا ترجمہ کرتے تھے۔ 'گالزوردی' کے ڈراموں کا ترجمہ ہاتھ میں لیا کیونکہ اس سے آمدنی ہونی تھی۔ یہ تینوں ڈراموں کے تراجم 1930 میں شائع ہوئے۔ ان تین ڈراموں کو اس جلد میں پیش کیا جارہا ہے۔ اردو تراجم کا کام دیانرائن نگم کو سونپا تھا۔ پریم چند اور دیانرائن نگم کے تعلقات برادرانہ تھے۔ نگم نے پریم چند سے کہا کہ وہ اردو ترجمہ بھی کردیں۔ 28 فروری 1929 کو پریم چند نے نگم کو لکھا کہ "جسٹس شروع کردیا ہے۔ 16، 17 صفحات کر ڈالے لیکن ابھی تک اس کا ہندی ترجمہ تو آیا نہیں۔ اس لیے وہ سب مشکلات جو پہلے ڈکشنریوں یا مشوروں سے حل کی تھیں پھر آرہی ہیں۔ اس

لیے جب تک ہندی ترجمہ نہ آجائے کچھ وقت تک کے لیے ملتوی کرتا ہوں۔ دوسری کتابوں کے متعلق میں یہی کہوں گا کہ آپ خود ہی کرلیں۔ میں نے سمجھا تھا ایک نشست میں سات آٹھ صفحات ہوجائیں گے پر اب دیکھتا ہوں تو مشکل ہے۔ چار صفحات ہوتے ہیں اور میرے پاس ایک نشست سے زیادہ وقت نہیں ہے۔ اگر اسے کرتا ہوں تو پردۂ حجاز جاتا رہتا ہے۔ صبح کو کرتا ہوں تو 'کرم بھومی' میں حرج ہوتا ہے۔ اور دوسرا کون سا وقت ہے لیکن باقی دونوں کو میرا استعفےٰ ہے۔ اتنے ہی وقت میں میں زیادہ فائدے کا کام کرسکتا ہوں"۔ اپریل 1929 کو "میں نے ڈرامہ قریب نصف ختم کرلیا ہے۔ باقی اس ماہ میں ختم کرلوں گا۔ آپ نے اپنے دونوں ڈراموں کو شروع کیا یا نہیں، کتنا کرچکے"۔ مگر نگم نے اس کام کو پریم چند کو کرنے پر آمادہ کرلیا۔ پندرہ دن بعد (11.08.1930) پریم چند نے نگم کو لکھا کہ "ناٹکوں کے متعلق کیا ہوا۔ ذرا توجہ دیجیے ورنہ ہندستانی اکیڈمی میں خدا جانے کب تک معاملہ کھٹائی میں پڑا رہے"۔

ایک سال بعد (4.7.1931) "ایسا نہ ہو آپ ان کتابوں کو سال چھ مہینے کے لیے ڈراور میں بند کردیں ایک بار ان کی نظرثانی کر جائیے۔ چار پانچ دن اور لگیں گے۔ پھر کسی سے خوش خط لکھوا لیجیے۔ اپنی دانشت میں تو ترجمہ بُرا نہیں کیا۔ لیکن بہتری کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے اور جولائی میں اسے چلتا کیجیے۔ تاکہ ایک ماہ میں روپے مل جائیں"۔ (30.8.1931) ان دونوں کتابوں کے متعلق (ہڑتال اور چاندی کی ڈبیا) کیا کارروائی ہوئی۔ نظرثانی ہوئی یا نہیں۔ اب تو بہت دیر ہورہی ہے"۔ (11.9.1931) مسودہ آپ نے ابھی تک نہیں دیکھا۔ ادھر اکیڈمی شاید اب ایسے تراجم بیکار سمجھ رہی ہے۔ بابو ہر پرساد سکسینہ ابھی کئی روز پہلے ڈاکٹر تارا چند کے کسی کام کی تلاش کے سلسلے میں ملے تھے۔ انھوں نے اس وقت یہ خیال ظاہر کیا کہ ان ڈراموں سے کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلا۔ ایسا نہ ہو اردو ترجموں کے متعلق یہی خیال ہو اور ہم لوگوں کی محنت برباد ہو"۔ چار مہینے بعد (12.11.1931) "اب تو گالزوردی پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ شاید سات مہینے سے زیادہ ہوگئے۔ اس طرح تو کبھی کام ختم نہ ہوگا۔ دس پانچ روز میں مستقل طور پر بیٹھ کر کام کو نبٹا ڈالیے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اکیڈمی

نے ترجمہ اپنے پروگرام سے خارج کردیے ہوں۔ اگر یہی کیفیت ہو تو بھی چند افسوس کا مقام نہیں۔ میں تو ان کتابوں کو خود چھپوا ڈالنے کو آمادہ ہوں۔ آٹھ آنے قیمت میں بیچ کر دام وصول کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو اب تو انتظار مشکل ہے"۔ پانچ مہینے بعد (10.4.1932) "اس وقت تو آپ دوسری مصروفیات میں ہیں مگر مجھے امید ہے آپ نے ڈرامے کے مسودے کی تکمیل کردی ہوگی۔ خیال کیجیے سال بھر سے زیادہ ہوگیا۔ اس کام میں میں اور بابو ہر پرساد سکسینہ دونوں ہی شریک تھے۔ وہ بے چارے جیل میں ہیں۔ انھوں نے اپنا نام پوشیدہ رکھنے کی تاکید کردی تھی۔ اس لیے میں نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ مگر میں نے فقط ان کی ضروریات کا خیال کرکے ان کی امداد لی تھی۔ آج جیل سے ان کا دردناک خط آیا اس لیے میں پھر یاددہانی کرنے پر مجبوری ہوا ہوں۔ اگر آپ اس وقت ایک سو روپیہ بھی پیشگی وصول کرسکیں تو میں ان کی بیوی کو دے دوں۔ ابھی ابھی یہاں آئی تھیں۔ میری حالت اس وقت ایسی نہیں ہے کہ میں سو روپیہ نکال کر دے سکوں۔ میں ابھی باہر ہوں اور مجھے ایسی شدید ضرورت نہیں۔ مگر ان کی حالت ہمدردی طلب ہے۔ جو کچھ ہوسکے جلدی کیجیے۔ مئی میں وہ رہا ہوکر آجائیں گے۔ اس وقت کتنی ندامت ہوگی"۔ (13.9.1933) سلور باکس اور جسٹس کے ترجموں میں مجھے بڑی جگر سوزی کرنی پڑی۔ ایک طرف یہ خیال کہ سنسکرت الفاظ نہ آنے پائیں۔ اس کے ساتھ فارسی کے غیر مانوس الفاظ رہنے کا خیال۔ ایک ایک ترجمہ کے لیے گھنٹوں سوچنا پڑا۔ اس پر بھی ڈاکٹر صاحب کو پسند نہ آئے تو مجبور ہے۔ ابھی اسٹرائف میرے پاس ہے۔ ختم کرچکا ہوں نظرثانی کررہا ہوں۔ آپ سے ڈاکٹر صاحب سے اس مسئلہ پر کچھ گفتگو نہیں ہوئی۔ کیسی زبان ہو۔ آپ کب تک بھیجنے کا قصد کرتے ہیں یا بھیج دیا؟"

7 جون 1932 کو "اب ناٹکوں کا ذکر کرنا ضروری ہوگیا۔ بابو ہر پرساد سکسینہ جیل سے چھوٹ آئے اور بہت تنگ حال ہیں۔ میرے پاس دردناک خط لکھا ہے۔ کیا جواب دوں۔ مرحلہ کتنا طے ہو۔ آپ نے نظرثانی کی یا نہیں۔ اکیڈمی میں کیا پیشگی کا سوال نہیں پیں ہوسکتا؟ سو روپیہ پیشگی لے کر ان کے پاس بھجوا دیجیے۔ بے چارے بڑی تکلیف میں ہیں۔ میں مجبور ہوں۔ حالانکہ جانتا ہوں یہ مجبوری عارضی ہے۔ آپ

ہی سوچیے کتنی مدت گزر گئی۔ غالباً ڈیڑھ سال ہوگئے۔ اب تو وعدہ بھی کرتے نہیں بنتا"۔ بیس دن بعد "ناٹکوں کے متعلق کچھ لکھتے ہوئے مجھے ڈر لگتا ہے کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کتنا بے صبر آدمی ہے۔ لیکن جب ہر پرساد صاحب کی یاددہانی آجاتی ہے تو مجبور ہوجاتا ہوں۔ اس وقت انھیں سو روپیہ لاکھ روپے کے برابر ہے۔ میرے لیے بھی سو تو سو کے برابر نہیں سہی۔ آپ کے لیے بھی غالباً سو پچاس کے برابر ہوں گے۔" چار مہینے بعد (26.10.1932) کو "ناٹکوں کے متعلق کچھ پوچھنا نہ چاہتا تھا لیکن جب بابو ہرپرساد کی یاددہانی آجاتی ہے تو مجبور ہوجاتا ہوں۔ اب تو پورے ڈیڑھ سال ہوگئے۔ کچھ ان کے چھپنے کی امید ہے یا نہیں۔ میں چاہتا ہوں اب یہ قصہ تمام ہوجائے۔ مجھے ہر پرساد صاحب سے جو ندامت ہوئی ہے وہ بہت دن یاد رہے گی۔ میں سمجھتا ہوں اکیڈمی اب ڈراموں کو شائع کرنا نہیں چاہتی اور آپ محض شرمندگی کی وجہ سے انھیں رکھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں انھیں دو ماہ کے اندر شائع کرالوں گا یا خود یا کسی پبلشر سے۔ اس لیے آپ براہِ کرم مسودہ واپس کردیں۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔" اس کے بعد معاملہ ختم ہوگیا۔ 1936 میں پریم چند کی وفات ہوئی۔ نگم نے صرف انصاف اکیڈمی کو دیا جو نگم کے نام سے شائع ہوا۔ حالانکہ ترجمہ پریم چند نے کیا تھا۔ سلور باکس اور اسٹرائف کے اردو ترجمے نہیں شائع ہوئے۔

مدن گوپال

فہرست

سنگرام

ڈرامے کے کردار

ہلدھر	مدھوبن کا کسان
پھتو	مدھوبن کا کسان
منگرو	مدھوبن کا کسان
ہرداس	مدھوبن کا کسان
سبل سنگھ	مدھوبن کا زمیندار
کنچن سنگھ	سبل سنگھ کا بھائی
اَچل سنگھ	سبل سنگھ کا بیٹا
چیتن داس	ایک سنیاسی
بھریگو ناتھ	گلابی کا بیٹا
راجیشوری	ہلدھر کی بیوی
سلونی	مدھوبن کی ایک بزرگ عورت
گیانی	سبل سنگھ کی بیوی
گلابی	سبل سنگھ کی مہراجن
چمپا	بھریگو ناتھ کی بیوی

انسپکٹر، تھانیدار، سپاہی، ڈاکو وغیرہ

پہلا حصہ

پہلا منظر

[صبح کا وقت، سورج کی سنہری کرنیں کھیتوں اور درختوں پر پڑ رہی ہیں۔ درختوں کے جھرمٹ میں چڑیوں کے شور اور چہچے ہورہے ہیں۔ بسنت کا موسم ہے۔ نئی نئی کونپلیں نکل رہی ہیں۔ کھیتوں میں ہریالی چھائی ہوئی ہے۔ کہیں کہیں سرسوں بھی پھول رہی ہے۔ شبنم کے قطرے پودوں پر چمک رہے ہیں۔]

بلدھر : اب اور کوئی بادھا (رکاوٹ) نہ پڑے تو اب کی اُپج اچھی ہوگی۔ کیسی موٹی موٹی بالیں نکل رہی ہیں۔

راجیشوری : یہ تمھاری کٹھن تپسّیا کا پھل ہے۔

بلدھر : میری تپسّیا کبھی اتنی سپھل نہ ہوئی تھی۔ یہ سب تمھارے پیروں کی برکت ہے۔

راجیشوری : اب کی سے تم ایک مجّور رکھ لینا۔ اکیلے حیران ہوجاتے ہیں۔

بلدھر : کھیت ہی نہیں ہے۔ ملیں تو اکیلے ہی اس کے دُگنے جوت سکتا ہوں۔

راجیشوری : میں تو گائے جرور لوں گی۔ گئو کے بنا گھر سونا معلوم ہوتا ہے۔

بلدھر : میں پہلے تمھارے لیے کنگن بنواکر تب دوسری بات کروں گا۔ مہاجن سے روپے لے لوں گا۔ اَناج تول دوں گا۔

راجیشوری : کنگن کی اتنی کیا جلدی ہے کہ مہاجن سے اُدھار لو۔ ابھی پہلے کا بھی تو کچھ دینا ہے۔

بلدھر : جلدی کیوں نہیں ہے۔ تمھارے میکے سے بُلاوا آئے گا ہی۔ کسی نئے گہنے بنا جاؤگی تو گاؤں گھر کے لوگ مجھے ہنسیں گے کہ نہیں؟

راجیشوری : تو تم بلاوا پھیر دینا۔ میں کرج (قرض) لے کر کنگن نہ بنواؤں گی۔ ہاں، گائے پالنا جروری (ضروری) ہے۔ کسان کے گھر گورس نہ ہو تو کسان کیسا! تمھارے لیے دودھ روٹی کلیوا لایا کروں گی۔ بڑی گائے لینا، چاہے دام کچھ بیشی دینا پڑ جائیں۔

ہلدھر : تمھیں اور ہلکان نہ ہونا پڑے گا۔ ابھی کچھ دن آرام کرلو، پھر تو یہ چکّی پیسنی ہی ہے۔

راجیشوری : کھیلنا کھانا بھاگ میں لکھا ہوتا تو ساس سسُر کیوں سدھار جاتے؟ میں ابھاگن ہوں۔ آتے ہی آتے اُنھیں چٹ کرگئی۔ نارائن دیں تو اُن کی برسی دھوم سے کرنا۔

ہلدھر : ہاں، یہ تو میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں، پر تمھارا کنگن بننا بھی جروری ہے۔ چار آدمی تانے (طعنے) دینے لگیں تو کیا کروگی؟

راجیشوری : اس کی چنتا مت کرو، میں اُن کا جواب دے دوں گی لیکن میری تو جانے کی اِچّھا (خواہش) ہی نہیں ہے۔ جانے اور بہوئیں کیسے میکے جانے کو بیاکل ہوتی ہیں، میرا تو اب وہاں ایک دن بھی جی نہ لگے گا۔ اپنا گھر سب سے اچھا لگتا ہے۔ اب کی تُلسی کا چوترا جرور بنوادینا، اُن کے آس پاس بیلا، چمیلی، گیندا اور گلاب کے پھول لگادوں گی تو آنگن کی شوبھا کیسی بڑھ جائے گی۔

ہلدھر : وہ دیکھو، توتوں کا جھنڈ مٹر پر ٹوٹ پڑا۔

راجیشوری : میرا بھی جی ایک توتا پالنے کو چاہتا ہے۔ اُسے پڑھایا کروں گی۔

(ہلدھر غلیل اٹھاکر توتوں کی طرف چلاتا ہے)

راجیشوری : چھوڑنا مت، بس دِکھا کر اُڑا دو۔

ہلدھر : وہ مارا! ایک گر گیا۔

راجیشوری : رام رام، یہ تم نے کیا کیا؟ چار دانوں کے پیچھے اُس کی جان ہی لے لی۔ یہ کون سی بھل منسی ہے؟

ہلدھر : (شرمندہ ہوکر) میں نے جان کر نہیں مارا۔

راجیشوری : اچھا تو اسی دَم گلیل (غلیل) توڑ کر پھینک دو۔ مجھ سے یہ پاپ نہیں دیکھا جاتا۔ کسی پشوپکشی کو تڑپتے دیکھ کر میرے روئیں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میں تو دادا کو ایک بار بیل کی پونچھ مروڑتے دیکھا تھا۔ رونے لگی۔ جب دادا نے وَچن دیا کہ اب کبھی بیلوں کو نہ ماروں گا تب جاکر چُپ ہوئی۔ میرے گاؤں میں سب لوگ اَونگی سے بیلوں کو ہانکتے ہیں۔ میرے گھر کوئی مجور بھی اونگی نہیں چلا سکتا۔

ہلدھر : آج سے پُرن کرتا ہوں کہ کبھی کسی جانور کو نہ ماروں گا۔

(پھتو میاں کا داخلہ)

پھتو : ہلدھر، نجر (نظر) نہیں لگاتا، پر اب کی تمھاری کھیتی گاؤں بھر سے اوپر ہے۔ تم نے جو آم لگائے ہیں وہ بھی کھوب (خوب) بَورے ہیں۔

ہلدھر : دادا، یہ سب تمھارا آشیر وار ہے۔ کھیتی نہ لگتی تو کاکا کی برسی کیسے ہوتی؟

پھتو : ہاں بیٹا، بھیا کا کام دل کھول کر کرنا۔

ہلدھر : تمھیں معلوم ہے دادا، چاندی کا کیا بھاؤ ہے؟ ایک کنگن بنوانا تھا۔

پھتو : سنتا ہوں اب روپے کی روپے بھر ہوگئی ہے۔ کتنے کی چاندی لوگے؟

ہلدھر : یہی کوئی چالس پینتالیس روپے کی۔

پھتو : جب کہنا چل کر لے دوں گا۔ ہاں، میرا ارادہ کٹرے جانے کا ہے۔ تم بھی چلو تو اچھا۔ ایک اچھی بھینس لانا۔ گڑ کے روپے تو ابھی رکھے ہوں گے نا؟

ہلدھر : کہاں دادا، وہ سب تو کنچن سنگھ کو دے دیے۔ بیگھے بھر بھی تو نہ تھی، کمائی بھی اچھی نہ ہوئی تھی، نہیں تو کیا اتنی جلدی پیل پال کر چھٹی پا جاتا؟

پھتو : مہاجن سے تو کبھی گلا ہی نہیں چھوٹتا۔

ہلدھر : دو سال بھی تو لگاتار کھیتی نہیں جمتی، گلا کیسے چھوٹے!

پھتو : وہ گھوڑے پر کون آرہا ہے؟ کوئی افسر ہے کیا؟

ہلدھر : نہیں، ٹھاکر صاحب تو ہیں۔ گھوڑا نہیں پہچانتے؟ ایسے سچے پانی کا گھوڑا دس

پانچ کوس تک نہیں ہے۔

پھتو : سُنا ایک ہجار (ہزار) دام لگتے تھے پر نہیں دیا۔

ہلدھر : اچھا جانور بڑے بھاگوں سے ملتا ہے۔ کوئی کہتا تھا اب کی گھڑدوڑ میں باجی (بازی) جیت گیا۔ بڑی بڑی دور سے گھوڑے آئے تھے، پر کوئی اس کے سامنے نہ ٹھہرا۔ کیسا شیر کی طرح گردن اٹھا کے چلتا ہے۔

پھتو : ایسے سردار کو ایسا ہی گھوڑا چاہیے۔ آدمی ہو تو ایسا ہو۔ اللہ نے اتنا کچھ دیا ہے، پر گھمنڈ چھو تک نہیں گیا۔ ایک بچہ بھی جائے تو اُس سے پیار سے باتیں کرتے ہیں۔ اب کی تاؤن (طاعون) کے دنوں میں انھوں نے دوڑ دھوپ نہ کی ہوتی تو سینکڑوں جانیں جاتیں۔

ہلدھر : اپنی جان کو تو ڈرتے ہی نہیں۔ اِدھر ہی آرہے ہیں۔ سیرے سیرے (سویرے سویرے) بھلے آدمی کے درشن ہوئے۔

پھتو : اُس جنم کے کوئی مہاتما ہیں، نہیں تو دیکھتا ہوں جس کے پاس چار پیسے ہوگئے وہ یہی سوچنے لگتا ہے کہ کسے پیس کے پی جاؤں۔ ایک بے گار بھی نہیں لگتی، نہیں تو پہلے بے گار دے دیتے دُھرّے اُڑ جاتے تھے۔ اسی گریب پروری (غریب پروری) کی برکت ہے کہ گاؤں میں نہ کوئی کارندا ہے، نہ چپراسی، پر لگان نہیں رُکتا۔ لوگ میاد (میعاد) کے پہلے ہی دے آتے ہیں۔ بہت گاؤں دیکھے پر ایسا ٹھاکر نہیں دیکھا۔

(سبل سنگھ گھوڑے پر آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دونوں آدمی جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ راجیشوری گھونگھٹ نکال لیتی ہے۔)

سبل : کہو بڑے میاں، گاؤں میں سب خیریت ہے نا؟

پھتو : ہجور (حضور) کے اکبال (اقبال) سے سب کھیریت (خیریت) ہے۔

سبل : پھر وہی بات۔ میرے اقبال کو کیوں سراہتے ہو۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ایشور کی دیا سے یا اللہ کے فضل سے خیریت ہے۔ اب کی کھیتی تو اچھی دکھائی دیتی ہے؟

پھتو : ہاں سرکار، ابھی تک تو کھدا کا فجل (خدا کا فضل) ہے۔

سبل : بس اِسی طرح باتیں کیا کرو۔ کسی آدمی کی خوشامد مت کرو، چاہے وہ ضلع کا حاکم ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں، ابھی کسی افسر کا دورہ تو نہیں ہوا؟

پھتو : نہیں سرکار، ابھی تک تو کوئی نہیں آیا۔

سبل : اور نہ شاید آئے گا۔ لیکن کوئی آ بھی جائے تو یاد رکھنا، گاؤں سے کسی طرح کی بے گار نہ ملے۔ صاف کہہ دینا، ہنا زمیندار کے حکم کے ہم لوگ کچھ نہیں دے سکتے۔ مجھ سے جب کوئی پوچھے گا تو دیکھ لوں گا۔ (مُسکرا کر) ہلدھر! نیا گونا لائے ہو۔ ہمارے گھر بینا نہیں بھیجا؟

ہلدھر : ہجور، میں کس لایک (لائق) ہوں۔

سبل : یہ تو تم جب کہتے جب میں تم سے موتی چور کے لڈو یا گھی کے کھاجے مانگتا۔ پریم سے شیرے اور ستو کے لڈو بھیج دیتے تو میں اُسی کو دھنیہ بھاگ کہتا۔ یہ نہ سمجھو کہ ہم لوگ سدا گھی اور میدے کھایا کرتے ہیں۔ مجھے باجرے کی روٹیاں اور تِل کے لڈو اور مٹر کا چبینا کبھی کبھی حلوے اور مربّے سے بھی اچھے لگتے ہیں۔ ایک دن میری دعوت کرو، میں تمھاری نئی دلہن کے ہاتھ کا بنایا ہوا بھوجن کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھیں یہ میکے سے کیا گُن سیکھ کر آئی ہیں۔ مگر کھانا بالکل کسانوں کا سا ہو۔ امیروں کا کھانا بنوانے کی فکر مت کرنا۔

ہلدھر : ہم لوگوں کے لِٹّ سرکار کو پسند آئیں گے؟

سبل : ہاں، بہت پسند آئیں گے۔

ہلدھر : جب حکم ہو۔

سبل : مہمان کے حکم سے دعوت نہیں ہوتی۔ کھلانے والا اپنی مرضی سے تاریخ اور وقت ٹھیک کرتا ہے۔ جس دن کہو آؤں۔ پھتو تم بتلاؤ، اس کی بہو کام کاج میں چُتر ہے نا؟ زبان کی تیز تو نہیں ہے؟

پھتو : ہجور، منھ پر کیا بکھان کروں، ایسی مہنتِن (محنتی) عورت گاؤں میں اور نہیں ہے۔ کھیتی کا تار طور جتنا یہ سمجھتی ہے اتنا ہلدھر بھی نہیں سمجھتا۔ سُشیل (خوش خلق، نیک چلن) ایسی ہے کہ یہاں آئے آٹھواں مہینہ ہوتا ہے کسی پڑوسی نے آواج نہیں سُنی۔

سبل : اچھا تو اب میں چلوں گا، ذرا مجھے سیدھے راستے پر لگا دو، نہیں تو یہ جانور کھیتوں کو روند ڈالے گا۔ تمھارے گاؤں سے مجھے سال میں 1500 روپے ملتے ہیں۔ اس نے ایک مہینے میں 5000 روپے کی بازی ماری۔ ہلدھر، دعوت کی بات بھول نہ جانا۔

(پھتو اور سبل سنگھ جاتے ہیں)

راجیشوری : آدمی کاہے کو ہیں، دیوتا ہیں۔ میرا تو جی چاہتا تھا اُن کی باتیں سنا کروں۔ جی ہی نہیں بھرتا تھا۔ ایک ہمارے گاؤں کا جمیندار (زمیندار) ہے کہ پرجا کو چین نہیں لینے دیتا۔ نِتیہ (روز) ایک نہ ایک بے گار، کبھی بے دکھلی (بے دخلی)، کافی جاپھا (اضافہ)، کبھی کُڑکی، اس کے سپاہیوں کے مارے چھپّر پر کُمھڑے کدّو تک نہیں بچنے پاتے۔ عورتوں کو راہ چلتے چھیڑتے ہیں۔ لوگ رات دن منایا کرتے ہیں کہ اس کی مٹی اٹھے۔ اپنی سواری کے لیے ہاتھی لاتا ہے، اُس کا دام اَسامیوں سے وصول کرتا ہے۔ حاکموں کی دعوت کرتا ہے، سامان گاؤں والوں سے لیتا ہے۔

ہلدھر : داوَت (دعوت) سچ مچ کروں کہ دل لگی کرتے تھے؟

راجیشوری : دل لگی نہیں کرتے تھے، داوَت (دعوت) کرنی ہوگی۔ دیکھا نہیں چلتے چلتے کہہ گئے۔ کھائیں گے تو کیا، بڑے آدمی چھوٹوں کا مان رکھنے کے لیے ایسی باتیں کیا کرتے ہیں، پر آئیں گے جرور۔

ہلدھر : اُن کے کھانے لایک (لائق) بھلا ہمارے یہاں کیا بنے گا؟

راجیشوری : تمھارے گھر وہ امیری کھانا کھانے تھوڑے ہی آئیں گے۔ پوری مٹھائی تو نتیہ ہی کھاتے ہیں۔ میں تو کُٹے ہوئے جَو کی روٹی، ساواں کی مَہیر، بتھوئے کا

ساگ، مٹر کی مسالے دار دال اور دو تین طرح کی ترکاری بناؤں گی۔ لیکن میرا بنایا کھائیں گے؟ ٹھاکر ہیں نا؟

بلدھر : کھانے پینے کا اِن کو کوئی وِچار نہیں ہے۔ جو چاہے بنا دے۔ یہی بات اِن میں بُری ہے۔ سُنا ہے انگریجوں کے ساتھ کلپ (کلب) گھر میں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

راجیشوری : اِیسائی (عیسائی) مت میں آگئے ؟

بلدھر : نہیں، اسنان، دھیان سب کرتے ہیں۔ گئو کو کوُرا دیے بنا کور نہیں اٹھاتے۔ کتھا پُران سنتے ہیں۔ لیکن کھانے پینے میں بھرشٹ ہوگئے ہیں۔

راجیشوری : اونہہ، ہوگا، ہمیں کون اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا ہے۔ کسی دن بُلاوا بھیج دینا۔ اُن کے مَن کی بات رہ جائے گی۔

بلدھر : کھوب من لگا کر بنانا۔

راجیشوری : جتنا سَہور (شعور) ہے اتنا کروں گی۔ جب وہ اتنے پریم سے بھوجن کرنے آئیں گے تو کوئی بات اٹھا تھوڑے ہی رکھوں گی۔ بس اِسی اِکادشی کو بلا بھیجو، ابھی پانچ دن ہیں۔

بلدھر : چلو پہلے گھر کی صفائی تو کر ڈالیں۔

دوسرا منظر

(سبل سنگھ اپنے سجے ہوئے دیوان خانے میں اُداس بیٹھے ہیں۔ ہاتھ میں ایک اخبار ہے۔ لیکن اُن کی آنکھیں دروازے کے سامنے باغ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔)

سبل : (آپ ہی آپ) دیہات میں پنچایتوں کا ہونا ضروری ہے۔ سرکاری عدالتوں کا خرچ اتنا بڑھ گیا ہے کہ کوئی غریب آدمی وہاں نیائے (انصاف) کے لیے جا

ہی نہیں سکتا۔ ذرا سی بھی کوئی بات کہنی ہو تو اسٹامپ کے بغیر کام نہیں چل سکتا .... اُس کا کتنا سڈول شریر (جسم) ہے، ایسا جان پڑتا ہے کہ ایک ایک سانچے میں ڈھلا ہے۔ رنگ کتنا پیارا ہے، نہ اتنا گورا کہ آنکھوں کو بُرا لگے، نہ اتنا سانولا .... ہوگا مجھے اس سے کیا مطلب۔ وہ پرائی استری (غیر عورت) ہے، مجھے اُس کے روپ لاونیہ (شکل کی ملاحت، حُسن) سے کیا واسطہ۔ سنسار میں ایک سے ایک سُندر استریاں، کچھ یہی ایک تھوڑی ہے؟ گیانی اُس سے کسی بات میں کم نہیں، کتنی سَرل ہردیا (سادہ دل، معصوم)، کتنی مدھر بھاشی (شیریں زبان)، رَمنی (حسین عورت) ہے۔ اگر میرا ذرا سا اشارہ ہو تو آگ میں کود پڑے۔ مجھ پر اُس کی کتنی بھکتی، کتنا پریم ہے۔ کبھی سر میں درد بھی ہوتا ہے تو باولی ہوجاتی ہے۔ اَب اُدھر مَن کو جانے ہی نہ دوں گا۔

(کرسی سے اٹھ کر الماری سے ایک کتاب نکالتے ہیں، اُس کے دو چار صفحے اِدھر اُدھر سے پلٹ کر کتاب کو میز پر رکھ دیتے ہیں اور پھر کرسی پر جا بیٹھتے ہیں۔ اچل سنگھ ہاتھ میں ایک ہوائی بندوق لیے دوڑا آتا ہے۔)

اَچل : دادا جی، شام ہوگئی۔ آج گھومنے نہ چلیے گا؟

سبل : نہیں بیٹا! آج تو جانے کا جی نہیں چاہتا۔ تم گاڑی جُتوا لو۔ یہ بندوق کہاں پائی؟

اَچل : انعام میں، میں دوڑنے میں سب سے اوّل نکلا۔ میرے ساتھ کوئی پچیس لڑکے دوڑے تھے۔ کوئی کہتا تھا، میں بازی ماروں گا، کوئی اپنی ڈینگ مار رہا تھا۔ جب دوڑ ہوئی تو میں سب سے آگے .نکلا، کوئی میرے گرد کو بھی نہ پہنچا، اپنا سا منھ لے کر رہ گئے۔ اِس بندوق سے چاہوں تو چڑیا مارلوں۔

سبل : مگر چڑیوں کا شکار نہ کھیلنا۔

اَچل : جی نہیں، یوں ہی بات کہتا تھا۔ بے چاری چڑیوں نے میرا کیا بگاڑا ہے کہ اُن کی جان لیتا پھروں۔ مگر جو چڑیاں دوسری چڑیوں کا شکار کرتی ہیں اُن

کے مارنے میں تو کوئی پاپ نہیں ہے۔

سبل : (اسمجن (تذبذب) میں پڑ کر) میری سمجھ میں تو تمھیں شکاری چڑیوں کو بھی نہ مارنا چاہیے۔ چڑیوں میں کرم اَکرم کا گیان نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کرتی ہیں کیول سوبھاؤ وَش (فطری طور پر) کرتی ہیں۔ اس لیے وہ دنڈ کی بھاگی نہیں ہو سکتیں۔

اچل : کتا کوئی چیز چُرا لے جاتا ہے تو کیا جانتا نہیں کہ میں بُرا کررہا ہوں۔ چپکے چپکے، پیر دبا کر، ادھر اُدھر چوکنّی آنکھوں سے تاکتا ہوا جاتا ہے اور کسی آدمی کی آہٹ پاتے ہی بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ کوّے کا بھی یہی حال ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پشو پَکشیوں کو بھی بھلے بُرے کا گیان ہوتا ہے؛ تو پھر اُن کو دنڈ کیوں نہ دیا جائے؟

سبل : اگر ایسا ہی ہو تو ہمیں ان کو دنڈ دینے کا کیا اَدِھکار ہے؟ حالانکہ اس وِشے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ شکاری چڑیوں میں وہ گیان ہوتا ہے جو کتے یا کوّے میں ہے، یا نہیں۔

اَچل : اگر ہمیں پشو پکشی چوروں کو دنڈ دینے کا ادھکار نہیں ہے تو منشیہ میں چوروں کو کیوں تاڑنا (سزا) دی جاتی ہے؟ وہ جیسا کریں گے اُس کے پھل آپ پائیں گے؛ ہم کیوں انھیں دنڈ دیں؟

سبل : (من میں) لڑکا ہے تو ننھا سا بالک مگر تَرک خوب کرتا ہے۔ (پرکٹ) بیٹا! اِس وشے (موضوع) میں ہمارے پراچین (قدیم) رِشیوں نے بڑی مارمِک (اندرونی) بیوستھائیں (آئین، نظام) کی ہیں، ابھی تم نہ سمجھ سکوگے۔ جاؤ سَیر کر آؤ، اُووَر کوٹ پہن لینا، نہیں تو سردی لگ جائے گی۔

اچل : مجھے وہاں کب لے چلیے گا جہاں آپ کل بھوجن کرنے گئے تھے؟ میں بھی راجیشوری کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا کھانا چاہتا ہوں۔ آپ چپکے سے چلے گئے، مجھے بُلایا تک نہیں۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ نتیہ گاؤں ہی میں رہتا، کھیتوں

میں گھوما کرتا۔

سبل : اچھا، اب جب وہاں جاؤں گا تو تمھیں بھی ساتھ لے لوں گا۔

(اچل سنگھ چلا جاتا ہے)

سبل : (آپ ہی آپ) لیکھ کا دوسرا پائنٹ (مدعا) کیا ہوگا؟ عدالتیں سبلوں (طاقت ور لوگ) کے انیائے کی پوشک (پرورش کنندہ) ہیں۔ جہاں روپیوں کے دُوارا فریاد کی جاتی ہو، جہاں وکیلوں بیرسٹروں کے منہ سے بات کی جاتی ہو، وہاں غریبوں کی کہاں پیٹھ؟ یہ عدالت نہیں، نیائے کی بلی ویدی ہے۔ جس کسی راجیہ کی عدالتوں کا یہ حال ہو .... جب وہ تھالی پروس کر میرے سامنے لائی تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی میرے ہردَے کو کھینچ رہا ہو۔ اگر اُس سے میرا اسپرش ہو جاتا تو شاید میں مُرچھت (بے ہوش) ہو جاتا۔ کسی اُردو کوی (شاعر) کے شبدوں میں 'جوبن پھٹا پڑتا تھا۔' کتنا کومل گات (نرم و نازک عضو، حسین جسم) ہے، نہ جانے کھیتوں میں کیسے اتنی محنت کرتی ہے۔ نہیں، یہ بات نہیں۔ کھیتوں میں کام کرنے ہی سے اُس کا چمپئی رنگ نکھر کر کُندن ہوگیا ہے۔ وایُو اور پرکاش نے اُس کے سوندریہ کو چمکا دیا ہے۔ سچ کہا ہے حُسن کے لیے گہنوں کی آوشیکتا نہیں۔ اُس کے شریر پر کوئی آبھوشن (زیور) نہ تھا، کنتو سادگی آبھوشنوں سے کہیں زیادہ منوہارنی تھی۔ گہنے سوندریہ کی شوبھا کیا بڑھائیں گے، سُسیم (دلکش) اپنی شوبھا بڑھاتے ہیں۔ اُس سادے وینجن (کھانا) میں کتنا سواد تھا؟ روپ، لاونیہ (ملاحت، حسن) نے بھوجن کو بھی سوادِشٹ بنا دیا تھا۔ مَن پھر اُدھر گیا، یہ مجھے ہو کیا گیا ہے؟ یہ میری یوَاوستھا نہیں ہے کہ کسی سُندری کو دیکھ کر لٹّو ہوجاؤں، اپنا پریم ہتھیلی پر لیے پرتیک (ہرایک) سندری کی بھینٹ کرتا پھروں۔ میری پَروڑھاوستھا (پختہ عمر) ہے، پینتیسویں ورس میں ہوں۔ ایک لڑکے کا باپ ہوں جو چھ سات ورشوں میں جوان ہوگا۔ ایشور نے دیے ہوتے تو چار پانچ سنتانوں کا پتا ہوسکتا تھا۔ یہ لولپتا (حرص، ہوس) ہے،

چھچھوراپن ہے۔ اس اَوستھا میں، اتنا وچار شیل ہوکر بھی میں اتنا مَلِن ہردے (پراگندہ دل) ہورہا ہوں۔ کشوراوستھا (نوجوانی) میں تو میں آتم شُدھی پر جان دیتا تھا، پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا، آدرس جیون وِیَتِیت (بِتانا، گزارنا) کرتا تھا اور اس اَوستھا میں جب مجھے آتم چِنتن (خود احتسابی) میں مگن ہوناچاہیے، میرے سر پر یہ بھوت سوار ہوا ہے۔ کیا یہ مجھ سے اُس سمے کے سَنیم (ضبطِ نفس) کا بدلا لیا جارہا ہے، اب میری پریکشا کی جا رہی ہے؟

(گیانی کا پرویش)

گیانی : تمھاری یہ سب کتابیں کہیں چھپا دوں؟ جب دیکھو تب ایک نہ ایک پوتھا کھولے بیٹھے رہتے ہو۔ درشن تک نہیں ہوتے۔

سبل : تمھارا اپرادھی میں ہوں، جو دنڈ چاہے دو۔ یہ بے چاری پستکیں بے قصور ہیں۔

گیانی : گلبیا آج بغیچے کی طرف گئی تھی۔ کہتی تھی، آج وہاں کوئی مہاتما آئے ہیں۔ سینکڑوں آدمی اُن کے درشنوں کو جارہے ہیں۔ میری بھی اِچھا ہورہی ہے کہ جاکر درشن کر آؤں۔

سبل : پہلے میں جاکر ذرا اُن کے رنگ ڈھنگ دیکھ لوں تو پھر تم جانا۔ گیروے کپڑے پہن کر مہاتما کہلانے والے بہت ہیں۔

گیانی : تم تو آکر یہی کہہ دوگے کہ وہ بنا ہوا ہے، پاکھنڈی ہے، دھورت (دغاباز) ہے، اُس کے پاس نہ جانا۔ تمھیں جانے کیوں مہاتماؤں سے چڑھ ہے۔

سبل : اسی لیے چڑھ ہے کہ مجھے کوئی سچا سادھو نہیں دکھائی دیتا۔

گیانی : ان کی میں نے بڑی پرشنسا (تعریف) سنی ہے۔ گلابی کہتی تھی کہ اُن کا منھ دیپک کی طرح دَمک رہا تھا۔ سینکڑوں آدمی گھیرے ہوئے تھے پر وہ کسی سے بات تک نہ کرتے تھے۔

سبل : اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کوئی سِدّھ پُروش (کامل انسان) ہیں۔

اشسٹتا (ناشائستگی) مہاتماؤں کا لکشن نہیں ہے۔

گیانی : کھوج میں رہنے والے کو کبھی کبھی سِدّھ پُروش بھی مل جاتے ہیں۔ جس میں شردھا نہیں ہے اُسے کبھی کسی مہاتما سے ساکشات (ملاقات، سامنا) نہیں ہوسکتا۔ تمھیں سنتان کی لالسا نہ ہو پر مجھے تو ہے۔ دودھ پوت سے کسی کا من بھرتے آج تک نہیں سُنا۔

سبل : اگر سادھوؤں کے آشیرواد سے سنتان مل سکتی تو آج سنسار میں کوئی نِرسنتان پرانی کھوجنے سے بھی نہ ملتا۔ تمھیں بھگوان نے ایک پُتر دیا ہے۔ اُن سے یہی یاچنا کرو کہ اُسے کُشل سے رکھیں۔ ہمیں اپنا جیون اب سیوا اور پروپکار (دوسرے کی بھلائی کے کام) کی بھینٹ کرنا چاہیے۔

گیانی : (چڑھ کر) تم ایسی نِردیتا سے باتیں کرنے لگتے ہو، اسی سے کبھی اِچّھا نہیں ہوتی کہ تم سے اپنے من کی کوئی بات کہوں۔ لو، اپنی کتابیں پکڑو جن میں تمھاری جان بستی ہے، جاتی ہوں۔

سبل : بس روٹھ گئیں۔ چِترکاروں نے کرودھ کی بڑی بھینکر کلپنا کی ہے، پر میرے انوبھو سے یہ سِدّھ ہوتا ہے کہ سوندریہ کرودھ ہی کا رُوپانتر ہے۔ کتنا اَنرتھ ہے کہ ایسی موہنی مورتی کو اتنا وکرال سوروپ (خوفناک شکل) دے دیا جائے۔

گیانی : (مُسکرا کر) نمک مرچ لگانا کوئی تم سے سیکھ لے۔ مجھے بھولی پاکر باتوں میں اُڑا دیتے ہو؛ لیکن آج میں نہ مانوں گی۔

سبل : ایسی جلدی کیا ہے؟ میں سوامی جی کو یہیں بلا لاؤں گا، خوب جی بھر کر درشن کرلینا۔ وہاں بہت سے آدمی جمع ہوں گے، اُن سے باتیں کرنے کا بھی اَوسَر نہ ملے گا۔ دیکھنے والے ہنسی اڑائیں گے کہ پتی تو صاحب بنا پھرتا ہے اور اِستری سادھوؤں کے پیچھے دوڑا کرتی ہے۔

گیانی : اچھا تو کب بلادوگے؟

سبل : کل پر رکھو۔

(گیانی چلی جاتی ہے)

سبل سنگھ :(آپ ہی آپ) سنتان کی کیوں اتنی لالسا (آرزو) ہوتی ہے؟ جس کے سنتان نہیں ہے وہ اپنے کو ابھاگا سمجھتا ہے، اَہرنش (شب و روز، ہمہ وقت) اسی کشوبھ (غم و غصہ، ندامت) اور چِنتا میں ڈوبا رہتا ہے۔ یدی یہ الالسا اتنی ویاپک نہ ہوتی تو آج ہمارا دھارمِک جیون کتنا شِتھل (سُست، ماندہ) کتنا نیر و (پھیکا، بے کیف) ہوتا۔ نہ تیرتھ یاتراؤں کی اتنی دھوم ہوتی، نہ مندروں کی اتنی رونق، نہ دیوتاؤں میں اتنی بھکتی، نہ سادھو مہاتماؤں پر اتنی شردّھا، نہ دان اور وَرت (روزہ) کی اتنی دھوم۔ یہ سب کچھ سنتان لالسا کا ہی چمتکار ہے! خیر کل چلوں گا، دیکھوں اِن سوامی کے کیا رنگ ڈھنگ ہیں ....
عدالتوں کی بات سوچ رہا تھا۔ یہ آکشیپ (اعتراض، الزام) کیا جاتا ہے کہ پنچایتیں یتھارتھ (مناسب، حق) نیائے نہ کرسکیں گی، پنچ لوگ منھ دیکھی کریں گے اور وہاں بھی سبلوں کی ہی جیت ہوگی۔ اس کا نِوارَن (حل) یوں ہوسکتا ہے کہ استھائی پنچ نہ رکھے جائیں۔ جب ضرورت ہو دونوں پکشوں کے لوگ اپنے اپنے پنچوں کو نِیُت (معین، مقرر) کردیں .... کسانوں میں بھی ایسی کامنیاں (حسینائیں) ہوتی ہیں، یہ مجھے نہ معلوم تھا۔ یہ نِسّندیہہ کسی اُچّ کُل کی لڑکی۔ کسی کارن وش اس دُروَستھا میں آپھنسی ہے۔ وِدھاتا نے اس اَوستھا میں رکھ کر اُس کے ساتھ اتیاچار کیا ہے۔ اُس کے کومل ہاتھ کھیتوں میں کُدال چلانے کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں، اس کی مدُھر وانی کھیتوں میں کوّے ہانکنے کے لیے اُپیکت نہیں ہے، جن کیشوں سے جھومر کا بھار بھی نہ سہا جائے اُن پر اُپلے اور اناج کے ٹوکرے رکھنا مہان انرتھ ہے، مایا کی وِشَم (غیر معمولی) لیلا ہے، بھاگیہ کا کُرور رہسیہ (بے رحم انداز) ہے۔ وہ اَبلا ہے، وِوَش ہے، کسی سے اپنے ہردَے کی وِیتھا (درد، غم) کہہ نہیں سکتی۔ اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ وہ اس حالت میں سُکھی ہے، تو

مجھے سنتوش ہوجائے گا۔ پر یہ کیسے معلوم ہو۔ کُل وَتی (خاندانی شریف) استریاں اپنی وِپتّی کتھا (مصیبتوں کی کہانی) نہیں کہتیں۔ بھیتر ہی بھیتر جلتی ہیں پر زبان سے ہائے نہیں کرتیں۔ .... میں پھر اُسی اُدھیڑبُن میں پڑگیا۔ سمجھ میں نہیں آتا میرے چِت (طبیعت، دل) کی یہ دَشا کیوں ہورہی ہے۔ اب تک میرا من کبھی اتنا چنچل نہیں ہوا تھا۔ میرے یووا کال کے سہواسی (درست، ہم صحبت) تک میری اَرسِکتا پر آشچریہ کرتے تھے۔ اگر میری اس لولُپتا کی ذرا بھی بھَنک اُن کے کان میں پڑ جائے تو میں کہیں منہ دکھانے لائق نہ رہوں۔ یہ آگ میرے ہردَے میں ہی جلے، اور چاہے ہردَے جل کر راکھ ہوجائے پر اُس کی کراہ کسی کے کان میں نہ پڑے گی۔ ایشور کی اِچّھا کے بِنا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ پریم جیوتی اُدّیپت (مشتعل، متحرک) کرنے میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔

(گھنٹی بجاتا ہے)

ایک نوکر: ہجور حکم ؟

سبل : گھوڑ کھینچو۔

نوکر : بہت اچھا۔

تیسرا منظر

(سَمے -- 8 بجے دن، استھان — سبل سنگھ کا مکان، کنچن سنگھ اپنی سجی ہوئی بیٹھک میں دوشالا اوڑھے، آنکھوں پر سنہری عینک چڑھائے مسند لگائے بیٹھے ہیں، منیم جی بَہی میں کچھ لکھ رہے ہیں۔)

کنچن : سمسّیا یہ ہے کہ سود کی در کیسے گھٹائی جائے۔ بھائی صاحب مجھ سے نتیہ (روز) تاکید کیا کرتے ہیں کہ سود کم لیا کرو۔ کسانوں کی ہی سہایتا کے لیے

انھوں نے مجھے اس کاروبار میں لگایا۔ اُن کا مکھیہ اڈیشیہ یہی ہے۔ پر تم جانتے ہو دَھن کے بنا دھرم نہیں ہوتا۔ علاقے کی آمدنی گھر کے ضروری خرچ کے لیے ہی کافی نہیں ہوتی۔ بھائی صاحب نے کفایت کا پاٹھ نہیں پڑھا۔ اُن کے ہزاروں روپے سال تو کیول اُدھکاریوں کی ستکار کی بھینٹ ہو جاتے ہیں۔ گھڑدوڑ اور پولو اور کلب کے لیے دھن چاہیے۔ اگر اُن کے آسرے رہوں تو سینکڑوں روپے جو میں سُیم (خود) سادھوجنوں کی اَتِتھی سیوا میں خرچ کرتا ہوں کہاں سے آئیں؟

منیم : وہ بدھمان پُروش ہیں، پر نہ جانے یہ فضول کھرچی کیوں کرتے ہیں؟

کنچن : مجھے بڑی لالسا ہے کہ ایک وِشال دھرم شالا بنواؤں۔ اس کے لیے دھن کہاں سے آئے گا؟ بھائی صاحب کے آگیانوسار (حکم کے مطابق) نام ماتر کے لیے بیاج (سود) لوں تو میری سب کامنائیں دھری ہی رہ جائیں۔ میں اپنے بھوگ بلاس کے لیے دھن نہیں بٹورنا چاہتا، کیول پروپکار (صرف دوسروں کی بھلائی کے کام) کے لیے چاہتا ہوں۔ کتنے دنوں سے ارادہ کررہا ہوں کہ ایک سُندر واچنالئے کھول دوں۔ پر پریاپت (کافی، زیادہ) دھن نہیں۔ یورپ میں کیول ایک دان ویر (سخی) نے ہزاروں واچنالے کھول دیے ہیں۔ میرا حوصلہ اتنا تو نہیں پر کم سے کم ایک اُتم واچنالے کھولنے کی اوشیہ (ضرور) اچھا ہے۔ سود نہ لوں تو منورتھ (آرزو، مدعا) پورے ہونے کے کیا سادھن ہیں؟ اس کے اترِکت یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ میرے کتنے روپے مارے جاتے ہیں۔ جب اسامی کے پاس کچھ جائداد ہی نہ ہو تو روپے کہاں سے وصول ہوں۔ یدی یہ نیم کرلوں کہ بنا اچھی ضمانت کے کسی کو روپے نہ دوں گا تو غریبوں کا کام کیسے چلے گا؟ اگر غریبوں سے بیوہار نہ کروں تو اپنا کام نہیں چلتا۔ وہ بیچارے روپے چُکا تو دیتے ہیں۔ موٹے آدمیوں سے لین دین کیجیے تو عدالت گئے بِنا کوڑی نہیں وصول ہوتی۔

(ہلدھر کا پرویش)

کنچن : کہو ہلدھر، کیسے چلے؟

ہلدھر : کچھ نہیں سرکار، سلام کرنے چلا آیا۔

کنچن : کسان لوگ بنا کسی پریوجن (مقصد) کے سلام کرنے نہیں چلتے۔ فارسی کہاوت ہے -- سلام دوستائی بے غرض نیست۔

ہلدھر : آپ تو جانتے ہی ہیں پھر پوچھتے کیوں ہیں؟ کچھ روپیوں کا کام تھا۔

کنچن : تمھیں کسی پنڈت سے سایت (ساعت) پوچھ کر چلنا چاہیے تھا۔ یہاں آج کل روپیوں کا ڈول (آمد) نہیں ہے۔ کیا کروگے روپے لے کر؟

ہلدھر : کاکا کی برسی ہونے والی ہے۔ اور بھی کئی کام ہیں۔

کنچن : اِستری کے لیے گہنے بھی بنوانے ہوں گے؟

ہلدھر : (ہنس کر) سرکار، آپ تو مَن کی بات تاڑ لیتے ہیں۔

کنچن : تم لوگوں کے من کی بات جان لینا ایسا کوئی کٹھن کام نہیں، کیول کھیتی اچھی ہونی چاہیے۔ یہ فصل اچھی ہے، تم لوگوں کو روپے کی ضرورت ہونا سوابھاوِک ہے۔ کسان نے کھیت میں پودے لہراتے ہوئے دیکھے اور اس کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے، نہیں تو رِن (قرض) لے کر برسی کرنے یا گہنے بنوانے کا کیا کام، اتنا صبر نہیں ہوتا کہ اناج گھر میں آجائے تو یہ سب منصوبے باندھیں۔ مجھے روپیوں کا سود دوگے، لکھائی دوگے، نذرانہ دوگے، منیم جی کی دستوری دوگے، دس کے آٹھ لے کر گھر جاؤگے، لیکن یہ نہیں ہوتا کہ مہینے دو مہینے رُک جائیں۔ تمھیں تو اس گھڑی روپے کی دُھن ہے، کتنا ہی سمجھاؤں، اونچ نیچ سُجھاؤں مگر کبھی نہ مانوگے۔ روپے نہ دوں، تو من میں گالیاں دوگے اور کسی دوسرے مہاجن کی چِروری (منت سماجت) کروگے۔

ہلدھر : نہیں سرکا، یہ بات نہیں ہے۔ مجھے سچ مچ ہی بڑی جرورت ہے۔

کنچن : ہاں، ہاں۔ تمھاری ضرورت میں کسے سندیہہ ہے۔ ضرورت نہ ہوتی تو یہاں

آتے ہی کیوں؛ لیکن یہ ایسی ضرورت ہے جو ٹل سکتی ہے، میں اسے ضرورت نہیں کہتا، اس کا نام تاؤ (جوش) ہے جو کھیتی کا رنگ دیکھ کر سر پر سوار ہو گیا ہے۔

ہلدھر : آپ مالک ہیں جو چاہیں کہیں۔ روپیوں کے بنا میرا کام نہ چلے گا۔ برسی میں بھوج بھات (دعوت) دینا ہی پڑے گا، گہنا پاتی بنوائے بنا برادری میں بدنامی ہوتی ہے، نہیں تو کیا اتنا میں نہیں جانتا کہ کرج (قرض) لینے سے بھرم اٹھ جاتا ہے۔ کرج کرتیجے (کلیجے) کی چیر ہے۔ آپ تو میری بھلائی کے لیے اتنا سمجھا رہے ہیں، پَر میں بڑا سنکٹ میں ہوں۔

کنچن : میری روکڑ (سرمایہ، رقم) اس سے بھی زیادہ سنکٹ میں ہے۔ تمھارے لیے بینک گھر سے روپے نکالنے پڑیں گے۔ کوئی اور ہوتا تو میں اُسے سوکھا جواب دیتا، لیکن تم میرے پُرانے اسامی ہو۔ تمھارے باپ سے بھی میرا بیوپار تھا، اس لیے تمھیں نراش نہیں کرنا چاہتا۔ مگر ابھی سے جتائے دیتا ہوں کہ جیٹھ (ہندی مہینہ) ہی میں سب روپیہ سود سمیت (مع سود) چکانا پڑے گا۔ کتنے روپے چاہتے ہو؟

ہلدھر : سرکار 200 روپے دلادیں۔

کنچن : اچھی بات ہے، منیم جی لکھا پڑھی کر کے روپے دے دیجیے۔ میں پوجا کرنے جاتا ہوں۔

(جاتا ہے)

منیم : تو تمھیں دو سو روپے چاہیے نہ۔ پہلے پانچ روپے سینکڑے نذرانہ لگتا تھا اب دس روپے سینکڑے ہو گیا ہے۔

ہلدھر : جیسی مرجی (مرضی)۔

منیم : پہلے دو روپے سینکڑے لکھائی پڑتی تھی، اب چار روپے سینکڑے ہو گئی ہے۔

ہلدھر : جیسا سرکار کا حکم۔

منیم : اسٹامپ کے پانچ روپے لگیں گے۔

ہلدھر : صحیح ہے۔

منیم : چپراسیوں کا حق دو روپے ہوگا۔

ہلدھر : جو حکم۔

منیم : میری دستوری بھی پانچ روپے ہوتی ہے، لیکن تم غریب آدمی ہو، تم سے چار لے لوں گا! جانتے ہی ہو مجھے یہاں سے کوئی طلب تو ملتی نہیں، بس اسی دستوری کا بھروسہ ہے۔

ہلدھر : بڑی دَیا ہے۔

منیم : ایک روپیہ ٹھاکر جی کو چڑھانا ہوگا۔

ہلدھر : چڑھا دیجیے۔ ٹھاکر تو سبھی کے ہیں۔

منیم : اور ایک روپیہ ٹھکرائن کے پان کا خرچ۔

ہلدھر : لے لی جئے۔ سُنا ہے گریبوں (غریبوں) پر بڑی دیا کرتی ہیں۔

منیم : کچھ پڑھے ہو؟

ہلدھر : نہیں مہاراج، کِریا اچھر بھینس برابر ہے۔

منیم : تو اس اسٹام (اسٹامپ) پر بائیں انگوٹھے کا نشان کرو۔

(سادے اسٹامپ پر نشان بنواتا ہے)

منیم : (صندوق سے روپے نکال کر) گن لو۔

ہلدھر : ٹھیک ہی ہوگا۔

منیم : چوکھٹ پر جاکر تین بار سلام کرو اور گھر کی راہ لو۔

(ہلدھر روپے انگوچھے میں باندھتا ہوا جاتا ہے۔ کنچن سنگھ کا داخلہ)

منیم : ذرا بھی کان پونچھ نہیں ہلائی۔

کنچن : ان مورکھوں پر تاؤ سوار ہوتا ہے تو انھیں کچھ نہیں سوجھتا، آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ ان پر دَیا آتی ہے، پر کروں کیا؟ دھن کے بِنا دھرم بھی تو نہیں ہوتا۔

چوتھا منظر

(استھان — مدھوبن، سبل سنگھ کا چوپال، سَمے — 8 بجے رات، پھاگن کا آرمبھ)

چپراسی : ہجور، گاؤں میں سب سے کہہ آیا، لوگ جادو کے تماشے کی کھبر (خبر) سُن کر بہت اُتسُک (مشتاق، مضطرب) ہورہے ہیں۔

سبل : استریوں کو بھی بلاوا دے دیا ہے نہ؟

چپراسی : جی ہاں، ابھی سب کی سب گھر والوں کو کھانا کھلا کر آئی جاتی ہیں۔

سبل : تو اس برآمدے میں ایک پردہ ڈال دو۔ استریوں کو پردے کے اندر بٹھانا۔ گھاس، چارے، دودھ، لکڑی آدی (وغیرہ) کا پربندھ (انتظام) ہوگیا نہ؟

چپراسی : ہجور، سبھی چیجوں (چیزوں) کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ جب یہ چیجیں (چیزیں) بے گار میں لی جاتی تھیں تب ایک ایک مٹھی گھاس کے لیے گالی اور مار سے کام لینا پڑتا تھا۔ ہجور نے بے گار بند کرکے سارے گاؤں کو بنا دام گلام (غلام) بنا لیا ہے۔ کسی نے بھی دام لینا منجور (منظور) نہیں کیا۔ سب یہی کہتے ہیں کہ سرکار ہمارے مہمان ہیں۔ دھنیہ بھاگ (زہے قسمت، اچھا نصیب)! جب تک چاہیں سر اور آنکھوں پر رہیں۔ ہم کھدمت (خدمت) کے لیے دل و جان سے ہاجر (حاضر) ہیں۔ دودھ تو اتنا آگیا ہے کہ شہر میں چار روپے کو بھی نہ ملتا۔

سبل : یہ سب احسان کی برکت ہے۔ جب میں نے بیگار بند کرنے کا پرستاؤ کیا تو تم لوگ، یہاں تک کہ کنچن سنگھ بھی، سبھی مجھے ڈراتے تھے۔ سب کو بھے تھا کہ اسامی شوخ ہوجائیں گے، سر پر چڑھ جائیں گے۔ لیکن میں جانتا تھا

کہ احسان کا نتیجہ کبھی بُرا نہیں ہوتا۔ اچھا، مہراج سے کہو کہ میرا بھوجن بھی جلد بنادیں۔

(چپراسی چلا جاتا ہے)

سبل : (من میں) بیگار بند کرکے میں نے گاؤں والوں کو اپنا بھکت بنالیا۔ بیگار کھلی رہتی تو کبھی نہ کبھی راجیشوری کو بھی بیگار کرنی ہی پڑتی، میرے آدمی جاکر اُسے دِق کرتے۔ اب یہ نوبت کبھی نہ آئے گی۔ شوک (غم) یہی ہے کہ یہ کام میں نے نیک ارادوں سے نہیں کیا، اس میں میرا سوارتھ چھپا ہوا ہے۔ لیکن ابھی تک میں نشچے نہیں کرسکا کہ اس کا انت (انجام) کیا ہوگا؟ راجیشوری کے اُدّھار (بہتری) کرنے کا وِچار تو کیوَل بھرانت (دھوکہ) ہے۔ میں اس کی انوپم روپ چھٹا (بے نظیر حسن کی دمک)، اس کے سرل (سادہ) بیوہار اور اس کے نردوش انگ و نیاس (معصوم سراپا) پر آسکت (عاشق) ہوں۔ اس میں رتّی بھر بھی سندیہہ نہیں ہے۔ میں کام واسنا کی چپیٹ میں آگیا ہوں اور کسی طرح مُکت نہیں ہوسکتا۔ خوب جانتا ہوں کہ یہ مہاگھور (بہت بڑا) پاپ ہے! آشچریہ ہوتا ہے کہ اتنا سَیم شیل (محتاط، خود ضبط) ہوکر بھی میں اس کے داؤں میں کیسے آپڑا۔ گیانی کو اگر ذرا بھی سندیہہ ہوجائے تو وہ تُرنت (فوراً) وِش (زہر) کھالے۔ لیکن اب پرستھتی پر ہاتھ ملنا بیَرتھ (بیکار) ہے۔ یہ وچار کرنا چاہیے کہ اس کا انت کیا ہوگا۔ مان لیا کہ میری چالیس سیدھی پڑتی گئیں اور وہ میرا کلمہ پڑھنے لگی تو؟ کلشِت (گناہ گار) پریم! پاپابھنے! بھگون! اُس گھور نارکیہ اگنی کنڈ (جہنم کی آتش کدہ) میں مجھے مت ڈالنا۔ میں اپنے مکھ کو اور اس سرل ہردَیا بالِکا کہ آتما کو اس کالما (سیاہی، داغ) سے ویشٹھت نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس سے کیوَل پوِتر (پاک) پریم کرنا چاہتا ہوں، اس کی میٹھی میٹھی باتیں سننا چاہتا ہوں، اس کی مدُھر مُسکان کی چھٹا (روشنی، ادا، جھلک) دیکھنا چاہتا ہوں اور کلشِت پریم کیا ہے .... جو ہو، اب تو ناؤ ندی میں ڈال دی ہے، کہیں نہ کہیں پار لگے گی

ہی۔ کہاں ٹھکانے لگے گی؟ سروناش کے گھاٹ پر؟ ہاں، میرا سروناش اسی بہانے ہوگا۔ یہ پاپ پشاچ میرے کُل کو بھکچھن (ہضم) کر جائے گا۔ اوہ! یہ نرمول شنکائیں ہیں۔ سنسار میں ایک سے ایک کُکرمی وبھچاری (زانی) پڑیہوئے ہیں، ان کا سروناش نہیں ہوتا۔ کتنوں ہی کو میں جانتا ہوں جو وشے بھگ (شہوت پرستی، عیاشی) میں لپت (ملوث) ہورہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ انھیں یہ دنڈ ملتا ہے کہ جنتا کہتی ہے، بگڑ گیا۔ کُل میں داغ لگا دیا۔ لیکن ان کی مان پرتشٹھا میں ذرا بھی اَنتر (فرق) نہیں پڑتا۔ یہ پاپ مجھے کرنا پڑے گا۔ کداچت یہ میرے بھاگ میں بدا (لکھا ہے) ہوا ہے۔ ہری اچّھا، ہاں اس کا پرایشچت کرنے میں کوئی کسر نہ رکھوں گا۔ دان، برت، دھرم، سیوا، ان کے پردے میں میرا اَبھنے (اداکاری) ہوگا۔ دان، برت، پروپکار، سیوا۔ یہ سب مل کر کپٹ پریم کی کالما کو نہیں دھوسکتے۔ ارے، لوگ ابھی سے تماشا دیکھنے آنے لگے۔ خیر، آنے دوں۔ بھوجن میں دیر ہوجائے گی۔ کوئی چنتا نہیں۔ بارہ بجے سب فلم ختم ہوجائیں گے۔ چلوں سب کو بٹھاؤں۔ (ظاہر) تم لوگ یہاں آکر فرش پر بیٹھو، استریاں پردے میں چلی جائیں (من میں) ہے، وہ بھی ہے۔ کیسا سُندر انگ ونیاس (سراپا، اعضا) ہے۔ آج گلابی ساڑی پہنے ہوئے ہے۔ اچھا اب کی تو کئی آبھوشن بھی ہیں۔ گہنوں سے اس کے شریر کی شوبھا ایسی بڑھ گئی ہے مانو برچّھ (گویا درخت) میں پھول لگے ہوں۔

(تماشائی حسبِ مقام بیٹھ جاتے ہیں، سبل سنگھ تصویروں کو دکھانا شروع کرتے ہیں)۔

(پہلی چتر (تصویر) — کئی کسانوں کا ریل گاڑی میں سوار ہونے کے لیے دھکّم دھکا کرنا، بیٹھنے کی جگہ نہ ملنا، گاڑی میں کھڑے رہنا، ایک قُلی کو جگہ کے لیے گھوس دینا، اس کا ان کو مال گاڑی میں بیٹھا دینا۔ ایک اِستری کا چھوٹ جانا اور رونا۔ گارڈ کو گاڑی کو نہ روکنا)۔

ہلدھر : بے چاری کی کیسی دُرگت ہورہی ہے۔ لو، لات گھونسے چلنے لگے۔ سب مار کھا رہے ہیں۔

پھتو : یہاں بھی گھوس دیے بِنا نہیں چلتا۔ کرایہ دیا، گھوس اوپر سے۔ لات گھونسے کھائیں اُس کی کوئی گنتی نہیں۔ بڑا اندھیر ہے۔ روپے بڑے جَتن سے رکھے ہوئے ہیں۔ کیسا جلدی نکال رہا ہے کہ کہیں گاڑی نہ کھل جائے۔

راجیشوری : (سلونی سے) ہائے ہائے۔ بے چاری چھوٹ گئی، گود میں لڑکا بھی ہے۔ گاڑی نہیں رُکی۔ سب بڑے نِردئی ہیں۔ ہائے بھگون، اُس کا کیا حال ہوگا؟

سلونی : اک بیر (دفع، بار) اسی طرح میں بھی چھوٹ گئی تھی۔ ہرُدوار جاتی تھی۔

راجیشوری : ایسی گاڑی پر کبھی نہ سوار ہو، پُنیہ (ثواب، جزا) تو آگے پیچھے ملے گا یہ وِپتی (مصیبت) ابھی سے سر پر آپڑی۔

(دوسرا چِتر — گاؤں کا پٹواری کھاٹ پر بستہ کھولے بیٹھا ہے۔ کئی کسان آس پاس کھڑے ہیں۔ پٹواری سبھی سے سالانہ نظر وصول کررہا ہے۔)

ہلدھر : لالہ کا پیٹ تو پھول کر کُپّا ہوگیا ہے۔ چُٹیا اتنی بڑی ہے جیسے بیل کی پگھیا (رسّی)۔

پھتو : اتنے آدمی کھڑے گڑگڑا رہے ہیں، پر سر نہیں اٹھاتے، مانو کہیں کے راجا ہیں! اچھا، پیٹ پر ہاتھ دھر کر لیٹ گیا۔ پیٹ اپھر رہا ہے، بیٹھا نہیں جاتا۔ چُٹکی بجا کر دکھاتا ہے کہ بھینٹ لاؤ۔ دیکھو، ایک کسان کمر سے روپیہ نکالتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، بیمار رہا ہے، بدن پر مِرجئی (مرزئی) بھی نہیں ہے۔ چاہے تو چھاتی کے ہاڑ گن لو۔ واہ منشی جی! روپیہ پھینک دیا، منھ پھیر لیا، اب بات نہ کریں گے۔ جیسے بندریا روٹھ جاتی ہے اور بندر کی اُور پیٹھ پھیر کر بیٹھ جاتی ہے۔ بے چارہ کسان کیسے ہاتھ جوڑ کر منا رہا ہے، پیٹ دکھا کر کہتا ہے، بھوجن کا ٹھکانہ نہیں، لیکن لالہ صاحب کب سنتے ہیں۔

ہلدھر : بڑی گلاکاٹو جات ہے۔

پھتو : جانتا ہے کہ چاہے بنادوں، چاہے بگاڑدوں۔ یہ سب ہماری ہی دَشا تو دکھائی

جا رہی ہے۔

(تیسرا چتر — تھانے دار صاحب گاؤں میں ایک کھاٹ پر بیٹھے ہیں۔ چوری کے مال کی تفتیش کررہے ہیں۔ کئی کانسٹیبل وردی پہنے کھڑے ہیں۔ گھروں میں خانہ تلاشی ہورہی ہے۔ گھر کی سب چیزیں دیکھی جارہی ہیں۔ جو چیز جس کو پسند آتی ہے اٹھا لیتا ہے۔ عورتوں کے بدن پر کے گہنے بھی اتروا لیے جاتے ہیں)۔

پھتو : ان جالموں (ظالموں) سے کھدا (خدا) بچائے۔

ایک کسان : آئے ہیں اپنے پیٹ بھرنے۔ بہانہ کردیا کہ چوری کے مال کا پتہ لگانے آئے ہیں۔

پھتو : اللہ میاں کا کہر (قہر) بھی ان پر نہیں گرتا۔ دیکھو بے چاروں کی کھانہ تلاشی (خانہ تلاشی) ہورہی ہے۔

ہلدھر : کھانہ تلاشی (خانہ تلاشی) کاہے کو ہے لوٹ ہے۔ اس پر لوگ کہتے ہیں کہ پولس تمھاری جان مال کی رکشا (حفاظت) کرتی ہے۔

پھتو : اس کے گھر میں کچھ نہیں نکلا۔

ہلدھر : یہ دوسرا گھر کسی مال دار کسان کا ہے۔ دیکھو ہانڑی (ہانڈی) میں سونے کا کنٹھا رکھا ہوا ہے۔ گوپ بھی ہے۔ مہتو اسے پہن کر نیوتا (دعوت) کھانے جاتے ہوں گے۔ چوکیدار نے اڑا لیا۔ دیکھو، عورتیں آنگن میں کھڑی کی گئیں ہے۔ ان کے گہنے اتارنے کو کہہ رہا ہے۔

پھتو : بے چارہ مہتو تھانے دار کے پیروں پر گر رہا ہے اور انجلی (چلّو) بھر روپے لیے کھڑا ہے۔

راجیشوری : (سلونی سے) پُلس (پولس) والے جس کی اِجّت (عزّت) چاہیں لے لیں۔

سلونی : ہاں، دیکھتے تو ساٹھ برس ہوگئے۔ ان کے اوپر تو جیسے کوئی ہے ہی نہیں۔

راجیشوری : روپے لے لیے، بے چاریوں کی جان بچی۔ میں تو ان سبھی کے سامنے کبھی نہ کھڑی ہوسکوں، چاہے کوئی مار ہی ڈالے۔

سلونی : تصویریں نہ جانے کیسے چلتی ہیں۔

راجیشوری : کوئی کل ہوگی اور کیا۔

ہلدھر : اب تماشا بند ہورہا ہے۔

ایک کسان : آدھی رات بھی ہوگئی۔ سیرے اوکھ کاٹنی ہے۔

سبل : آج تماشا بند ہوتا ہے۔ کل تم لوگوں کو اور اچھے اچھے چتر دکھائے جائیں گے، جس سے تمھیں معلوم ہوگا کہ بیماری سے اپنی رکشا کیسے کی جاسکتی ہے۔ گھروں کی اور گاؤں کی صفائی کیسے ہونی چاہیے، کوئی بیمار پڑجائے تو اس کی دیکھ ریکھ کیسے کرنی چاہیے۔ کسی کے گھر میں آگ لگ جائے تو اُسے کیسے بجھانا چاہیے۔ مجھے آشا ہے کہ آج کی طرح تم لوگ کل بھی آوگے۔

(سب لوگ جاتے ہیں)

پانچواں منظر

(پراتھہ کال کا سَمے — راجیشوری اپنے گائے کو ریوڑ میں لے جارہی ہے۔ سبل سنگھ سے مٹھ بھیڑ)

سبل : آج تین دن سے میرے چندرما بہت بلوان ہیں۔ روز ایک بار تمھارے درشن ہو جاتے ہیں۔ مگر میں آج کیول دیوی کے درشنوں سے ہی سنتشٹ نہ ہوں گا۔ کچھ وردان بھی لوں گا۔

(راجیشوری تذبذب سے ادھر اُدھر دیکھتی ہے اور سر جھکا کر کھڑی ہوجاتی ہے)

سبل : دیوی، اپنے اُپاسکوں (پجاری، عقیدت مند) سے یوں نہیں لجایا کرتیں۔ انھیں دھیرج دیتی ہیں، ان کی دُکھ کتھا سنتی ہیں، ان پر دَیا کی دِرِشٹی پھیرتی ہیں۔ راجیشوری، میں بھگوان کو ساکشی (گواہ، شاہد) دے کر کہتا ہوں کہ

مجھے تم سے جتنی شردھا اور پریم ہے اتنی کسی اُپاسک کو اپنی ایشٹ (مطلوب) دیوی سے بھی نہ ہوگی۔ میں نے جس دن سے تمھیں دیکھا ہے اسی دن سے اپنے ہردے مندر میں تمھاری پوجا کرنے لگا ہوں۔ کیا مجھ پر ذرا بھی دیا نہ کروگی؟

راجیشوری : دَیا آپ کی چاہیے، آپ ہمارے ٹھاکر ہیں۔ میں تو آپ کی چیری (غلام، باندی) ہوں۔ اب میں جاتی ہوں۔ گائے کسی کے کھیت میں پیٹھ جائے گی۔ کوئی دیکھ لے گا تو اپنے من میں نہ جانے کیا کہے گا۔

سبل : تینوں طرف ارہر اور اوکھ کے کھیت ہیں، کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ میں اتنی جلد تمھیں نہ جانے دوں گا۔ آج مہینوں کے بعد مجھے یہ سُواَوسَر (اچھا موقع، مناسب موقع) ملا ہے، بِنا وردان لیے نہ چھوڑوں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ اس کاک منڈی (کووں کی ٹولی) میں تم جیسی ہنسنی کیوں کر آپڑی؟ تمھارے ماتا پتا کیا کرتے ہیں؟

راجیشوری : یہ کہانی کہنے لگوں گی تو بڑی دیر ہوجائے گی۔ مجھے یہاں کوئی دیکھ لے گا تو انرتھ ہوجائے گا۔

سبل : تمھارے پتا بھی کھیتی کرتے ہیں؟

راجیشوری : پہلے بہت دنوں تک ٹاپو میں رہے۔ وہیں میرا جنم ہوا۔ جب وہاں کی سرکار نے ان کی زمین چھین لی تو یہاں چلے آئے۔ تب سے کھیتی باری کرتے ہیں۔ ماتا کا دیہانت ہوگیا۔ مجھے یاد آتا ہے، کندن کا سا رنگ تھا۔ بہت سندر تھیں۔

سبل : سمجھ گیا (پیاسی نظروں سے دیکھ کر) تمھارا تو ان گنواروں میں رہنے سے جی گھبراتا ہوگا۔ کھیتی باری کی محنت بھی تم جیسی کوملانگی (نازک بدن والی) سندری کو بہت اکھرتی ہوگی۔

راجیشوری : (من میں) ایسے تو بڑے دَیالو اور سجّن آدمی ہیں، لیکن نگاہ اچھی نہیں جان

پڑتی۔ ان کے ساتھ کچھ کپٹ بیوہار کرنا چاہیے۔ دیکھوں کس رنگ پر چلتے ہیں۔ (ظاہر) کیا کروں بھاگیہ میں جو لکھا تھا وہ ہوا۔

سبل : بھاگیہ تو اپنے ہاتھ کا کھیل ہے۔ جیسے چاہو ویسا بن سکتا ہے۔ جب میں تمھارا بھکت ہوں تو تمھیں کسی بات کی چنتا نہ کرنی چاہیے۔ تم چاہو تو کوئی نوکر رکھ لو۔ اس کی طلب میں دے دوں گا، گاؤں میں رہنے کی اِچّھا نہ ہو تو شہر چلو، ہلدھر کو اپنے یہاں رکھ لوں گا، تم آرام سے رہنا۔ تمھارے لیے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، کیول تمھاری دَیا دِرشٹی چاہتا ہوں۔ راجیشوری، میری اتنی عمر گزر گئی لیکن پرماتما جانتے ہیں کہ آج تک مجھے نہ معلوم ہوا کہ پریم کیا وستو (شے) ہے۔ میں اس رس کے سواد کو جانتا ہی نہ تھا، لیکن جس دن سے تم کو دیکھا ہے پریمانند کا انوپم (بے مثل، بے نظیر) سکھ بھوگ رہا ہوں۔ تمھاری صورت ایک شَن (لمحہ) کے لیے بھی آنکھوں سے نہیں اترتی۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا، تمھیں چتّ میں بسی رہتی ہو۔ بغیچے میں جاتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ پھولوں میں تمھاری ہی سگندھ ہے، شیاما کی چہک سنتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری ہی مدھر دھونی ہے۔ چندرما کو دیکھتا ہوں تو جان پڑتا ہے کہ وہ تمھاری ہی مورتی ہے۔ پربل اُتکنٹھا (اضطراب، اشتیاق) ہوتی ہے کہ چل کر تمھارے چرنوں پر سر جھکا دوں۔ ایشور کے لیے یہ مت سمجھو کہ میں تمھیں کلنکِت کرنا چاہتا ہوں۔ کداپی نہیں! جس دن یہ کبھاؤ (بڑے خیال)، یہ کچیشٹا (بُری کوشش)، من میں اُتپن (پیدا) ہوگی اس دن ہردَے کو چیر کر باہر پھینک دوں گا۔ میں کیول تمھارے درشن سے اپنی آنکھوں کو ترپت (سیر) کرنا، تمھاری سُلِلت وانی (پرلطف زبان) سے اپنے شرون (گوش، کان) کو مُگدھ (سحرزدہ، فریفتہ) کرنا چاہتا ہوں۔ میری یہی پرماکانچھا (اعلیٰ خواہش) ہے کہ تمھارے نِکٹ رہوں، تم مجھے اپنا پریمی اور بھکت سمجھو اور مجھ سے کسی پرکار

کا پردہ یا سنکوچ نہ کرو۔ جیسے کسی ساگر کے نِکٹ کے برکش اس سے رس کھینچ کر ہرے بھرے رہتے ہیں اسی پرکار تمھارے سمیپ رہنے سے میرا جیون آنندمے ہو جائے گا۔

(چیتن داس بھجن گاتے ہوئے دونوں کو دیکھتے چلے جاتے ہیں)

راجیشوری : (من میں) میں ان سے کوشل (ہوشیاری، دھوکہ) کرنا چاہتی تھی پر نہ جانے ان کی باتیں سُن کر کیوں ہردَے پُلکِت (خوش) ہو رہا ہے۔ ایک ایک شبد میرے ہردَے میں چُبھ جاتا ہے۔ (ظاہر) ٹھاکر صاحب، ایک دین مجوری کرنے والی استری سے ایسی باتیں کرکے اُس کا سر آسمان پر نہ چڑھائیے۔ میرا جیون نشٹ ہو جائے گا۔ آپ دھرماتما ہیں، جَسی (نیک نام) ہیں، دیاوان ہیں۔ آج گھر گھر آپ کے جَس کا بکھان ہو رہا ہے، آپ نے اپنی پرجا پر جو دَیا کی ہے اس کی مہما میں نہیں گا سکتی۔ لیکن یہ باتیں اگر کسی کے کان میں پڑ گئیں تو یہی پرجا، جو آپ کے پیروں کی دھول ماتھے پر چڑھانے کو ترستی ہے، آپ کی بَیری (دشمن) ہو جائے گی، آپ کے پیچھے پڑ جائے گی۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ مجھے بھول جائیے۔ سنسار میں ایک سے ایک سندر عورتیں ہیں۔ میں گنوارن ہوں۔ مجوری کرنا میرا کام ہے۔ ان پریم کی باتوں کو سُن کر میرا چِت ٹھکانے نہ رہے گا۔ میں اُسے اپنے بس میں نہ رکھ سکوں گی۔ وہ چنچل ہو جائے گا اور نہ جانے اس اچیت دَشا (بے ہوشی کی حالت) میں کیا کر بیٹھے۔ اُسے پھر نام کی گُل کی، نِندا کی لاج نہ رہے گی۔ پریم بڑھتی ہوئی ندی ہے۔ اسے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہاں تک چڑھنا، اس کے آگے نہیں۔ چڑھاؤ ہوگا، تو وہ کسی کے روکے نہ رکے گی۔ اس لیے میں آپ سے بنتی کرتی ہوں کہ یہیں تک رہنے دیجیے۔ میں ابھی تک اپنی دَشا میں سنتشٹ ہوں۔ مجھے اسی دَشا میں رہنے دیجیے۔ اب مجھے دیر ہو رہی ہے جانے دیجیے۔

سبل : راجیشوری، پریم کے مَد (نشہ) سے متوالا آدمی اُپدیش نہیں سُن سکتا۔ کیا تم

سمجھتی ہو کہ میں نے بنا سوچے سمجھے اس پتھ (راستے) پر پگ رکھا ہے۔ میں دو مہینوں سے اسی بھیس بیص میں ہوں۔ میں نے نیتی (اخلاق) کا، سداچرن (نیک چلنی، تقویٰ) کا، دھرم کا، لوک ہندا کا آشرے لے کے دیکھ لیا، کہیں شنتوش نہ ہوا تب میں نے یہ پتھ پکڑا۔ میرے جیون کا بنانا بگاڑنا اب تمھارے ہی ہاتھ ہے۔ اگر تم نے مجھ پر ترس نہ کھایا تو انت یہی ہوگا کہ مجھے آتم ہتیا (خودکشی) بھیشن (خوفناک، شدید) پاپ کرنا پڑے گا، کیونکہ میری دَشا اسہائے ہوگئی ہے۔ میں اسی گاؤں میں گھر بنالوں گا، یہیں رہوں گا، تمھارے لیے بھی مکان، دھن سمپتی، جگہ زمین کسی پدارتھ کی کمی نہ رہے گی۔ کیول تمھاری سنیہہ درشٹی چاہتا ہوں۔

راجیشوری : (من میں) ان کی باتیں سُن کر میرا چِت چنچل ہوا جاتا ہے۔ آپ ہی آپ میرا ہردَے ان کی اُور کھینچا جاتا ہے۔ پر یہ تو سروناش کا مارگ ہے۔ اس سے میں انھیں کٹوُوَچن (تلخ بات) سنا کر یہیں روک دیتی ہوں۔ (ظاہر) آپ وِدّوان ہیں، سجّن ہیں، دھرماتما ہیں، پروپکاری (دوسروں کا بھلا کرنے والا) ہیں، اور میرے من میں آپ کا جتنا مان ہے وہ میں کہہ نہیں سکتی۔ میں اب سے تھوڑی دیر پہلے آپ کو دیوتا سمجھتی تھی۔ پر آپ کے منھ سے ایسی باتیں سُن کر دُکھ ہوتا ہے۔ آپ سے میں نے اپنا حال صاف صاف کہہ دیا۔ اس پر بھی آپ وہی باتیں کرتے جاتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اہیر جات (گوالا ذات) اور کسان ہوں تو مجھے اپنے دھرم کرم کا کچھ وچار نہیں ہے اور میں دھن اور سمپتی پر اپنے دھرم کو بیچ دوں گی۔ آپ کا یہ بھرم ہے۔ آپ کو میں اتنی سرِدّھا سے نہ دیکھتی ہوتی تو اس سَمے آپ یہاں اس طرح بے دھڑک میرے دھرم کو ستیاناش (برباد) کرنے کی بات چیت نہ کرتے۔ ایک پکار پر سارا گاؤں یہاں آجاتا اور آپ کو معلوم ہوجاتا کہ دیہات کے گنوار اپنی عورتوں کی لاج کیسے رکھتے ہیں۔ میں جس

دشا میں بھی ہوں سنتشٹ ہو، مجھے کسی وستو کی ترشنا نہیں ہے۔ آپ کا دھن آپ کو مبارک رہے۔ آپ کی کشل اسی میں ہے کہ ابھی آپ یہاں سے چلے جائیے۔ اگر گاؤں والوں کے کانوں میں ان باتوں کی جُرا (ذرا) بھی بھنک پڑی تو وہ مجھے تو کسی طرح جیتا نہ چھوڑیں گے، پر آپ کے بھی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ آپ کی دَیا، اُپکار، سیوا ایک بھی آپ کو اُن کے کوپ سے نہ بچا سکے گا۔

(چلی جاتی ہے)

سبل : (آپ ہی آپ) اس کی سمّتی (رائے مشورہ) میرے چِت کو ہٹانے کی جگہ اور بھی بل کے ساتھ اپنی اور کھینچتی ہے۔ گرامین استریاں بھی اتنی دِرڑھ اور آتما بھمانی (خودداری) ہوتی ہیں، اس کا مجھے گیان نہ تھا۔ ابودھ (نادان) بالک کو جس کام کے لیے منع کرو وہی اَدبدا کر کرتا ہے۔ میرے چِت کی دشا اسی بالک کے سَمان ہے۔ وہ اوہیلنا (ناقدری، بے اعتنائی) سے ہتوتساہ (بے حوصلہ) نہیں، ورن (بلکہ) اور بھی اُتیجت (مشتعل) ہوتا ہے۔

(پرستھان)

چھٹا منظر

(استھان — مدھوبن گاؤں، سَمے — پھاگن کا خاتمہ، تیسرا پہر، گاؤں کے لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں)

ایک کسان : بے گار تو سب بند ہو گئی تھی۔ اب یہ دُلہائی کی بے گار کیوں مانگی جاتی ہے؟

دوسرا : جمیندار کی مرجی (مرضی)۔ اسی نے اپنے حکم سے بے گار بند کی تھی وہی اپنے حکم سے جاری کرتا ہے۔

ہلدھر : یہ کسی بات پر چڑھ گئے؟ ابھی تو چار ہی پانچ دن ہوتے ہیں، تماشا دکھا کر گئے ہیں۔ ہم لوگوں نے ان کے سیوا ستکار (خدمت اور تواضع) میں تو کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔

پھتو : بھائی، راجا ٹھاکر ہیں، ان کا مجاج (مزاج) بدلتا رہتا ہے۔ آج کسی پر کھوش (خوش) ہوگئے تو اُسے نہال کردیا، کل ناکھوش (ناخوش) ہوگئے تو ہاتھی کے پیروں تلے کچلوا دیا۔ من کی بات ہے۔

ہلدھر : اکارن (بلاوجہ) ہی تھوڑے کسی کا مجاج بدلتا ہے۔ وہ تو کہتے تھے، اب تم لوگ حاکم، حکّام کسی کو بھی بے گار مت دینا۔ جو کچھ ہوگا میں دیکھ لوں گا۔ کہاں آج یہ حکم نکال دیا۔ جرور (ضرور) کوئی بات مرجی (مرضی) کے کھِلاف (خلاف) ہوئی ہے۔

پھتو : ہوئی ہوگی۔ کون جانے گھر ہی میں کسی نے کہا ہو، اسامی اب سیر (شیر) ہوگئے، تمھیں بات بھی نہ پوچھیں گے۔ انھوں نے کہا ہو کہ سیر کیسے ہوجائیں گے۔ دیکھو ابھی بے گار لے کر دکھا دیتے ہیں۔ یا کون جانے کوئی کام کاج آپڑا ہو۔ ارہر بھری رکھّی ہو، دَلوا کر بیچ دینا چاہتے ہوں۔

کئی آدمی : ہاں، ایسی ہی کوئی بات ہوگی۔ جو حکم دیں گے بجا لانا ہی پڑے گا نہیں تو رہیں گے کہاں۔

ایک کسان : اور جو بے گار نہ دیں تو کیا کریں؟

پھتو : کرنے کی ایک ہی کہی۔ ناک میں دم کردیں، رہنا مسکل (مشکل) ہوجائے۔ ارے اور کچھ نہ کریں لگان کی رسید ہی نہ دیں تو ان کا کیا بنالوگے؟ کہاں فریاد لے جاؤ گے اور کون سُنے گا؟ کچہری کہاں تک دوڑوگے؟ پھر وہاں بھی ان کے سامنے تمھاری کون سُنے گا۔

کئی آدمی : آج کل مرنے کی چھٹی ہی نہیں ہے، کچہری کون دوڑے گا؟ کھیتی تیار کھڑی ہے، ادھر اوکھ بونا ہے، پھر اناج ماڑنا پڑے گا۔ کچہری کے دھکّے

کھانے سے تو یہی اچھا ہے کہ جمیندار جو کہے وہی بجائیں۔

پھتو : گھر پیچھے ایک عورت جانی چاہیے۔ بڑھیوں کو چھانٹ کر بھیجا جائے۔

ہلدھر : سب کے گھر بڑھیا کہاں؟

پھتو : تو بہو بیٹیوں کو بھیجنے کی صلاح میں نہ دوں گا۔

ہلدھر : وہاں اس کا کون کھٹکا ہے؟

پھتو : تم کیا جانو، سپاہی ہیں، چپراسی ہیں، کیا وہاں سب کے سب دیوتا ہی بیٹھے ہیں۔ پہلے کی بات دوسری تھی۔

ایک کسان : ہاں، یہ بات ٹھیک ہے۔ میں تو اماں کو بھیج دوں گا۔

ہلدھر : میں کہاں سے اماں لاؤں؟

پھتو : گاؤں میں جتنے گھر ہیں کیا اتنی بڑھیاں نہ ہوں گی۔ گنو، ایک، دو، تین، راجا کی ماں چار .... اس ٹولے میں پانچ، چھَٹم اور سات، میری طرف نو — کُل پچیس بڑھیاں ہیں۔

ہلدھر : گھر کتنے ہوں گے؟

پھتو : گھر تو اب کی مردم سُماری (مردم شماری) میں تیس تھے۔ کہہ دیا جائے گا، پانچ گھروں میں کوئی عورت ہی نہیں ہے، حُکم ہو تو مرد ہی ہاجر (حاضر) ہوں۔

ہلدھر : میری اور سے کون بڑھیا جائے گی؟

پھتو : سلونی کاکی کو بھیج دو۔ لو وہ آپ ہی آگئی۔

(سلونی آتی ہے)

پھتو : ارے سلونی کاکی، تجھے جمیندار کی دَلہائی میں جانا پڑے گا۔

سلونی : جائے لؤج، جمیندار کے منھ میں لوکا لگے، میں اس کا کیا چاہتی ہوں کہ بے گار لے گا۔ ایک دُھر جمین بھی تو نہیں ہے اور بے گار تو اس نے بند کردی تھی؟

پھتو : جانا پڑے گا، اس کے گاؤں میں رہتی ہو کہ نہیں؟

سلونی : گاؤں اس کے پُرکھوں کا نہیں ہے، ہاں نہیں تو۔ پھتوا، مجھے چڑھا مت، نہیں کچھ کہہ بیٹھوں گی۔

پھتو : جیسے گاگا کر چکّی پیستی ہو اسی طرح گاگا کر دال دلنا۔ بتا کون گیت گاؤ گی۔

سلونی : داڑھی جار، مجھے چڑھا مت، نہیں گالی دے دوں گی۔ میری گود کا کھیلا لونڈا مجھے چڑھاتا ہے۔

پھتو : کچھ تو ہی تھوڑے جائے گی۔ گاؤں کی سبھی بڑھیاں جائیں گی۔

سلونی : گنگا اسنان ہے کیا؟ پہلے تو بڑھیاں چھانٹ کر نہ جاتی تھیں۔ میں اُمر بھر (عمر بھر) کبھی نہیں گئی۔ اب کیا بہوؤں کو پردہ لگا ہے۔ گہنے گڑھا گڑھا کر تو وہ پہنیں، بے گار کرنے بڑھیاں جائیں۔

پھتو : اب کی کچھ ایسی ہی بات آپڑی ہے۔ ہلدھر کے گھر کوئی بڑھیا نہیں ہے۔ اُس کی گھر والی کل کی بہوریا ہے، جا نہیں سکتی۔ اس کی اور سے چلی جا۔

سلونی : ہاں، اس کی جگہ پر چلی جاؤں گی۔ بے چاری میری بڑی سیوا کرتی ہے۔ جب جاتی ہوں تو بِنا سر میں تیل ڈالے اور ہاتھ پیر دبائے نہیں آنے دیتی۔ لیکن بہلی جُتا دے گا نہ؟

پھتو : بے گار کرنے رتھ پر بیٹھ کر جائے گی۔

ہلدھر : نہیں کاکی، میں بہلی جُتا دوں گا۔ سب سے اچھی بہلی میں تم بیٹھنا۔

سلونی : بیٹا تیری بڑی اُمّر (عمر) ہو، جُگ جُگ جی۔ بہلی میں ڈھول مجیرا رکھ دینا۔ گاتی بجاتی جاؤں گی۔

ساتواں منظر

(سمے — سندھیا (شام)، استھان — مدھوبن، اولے پڑگئے ہیں، گاؤں کی استری پُروش کھیتوں میں جمع ہیں)۔

پھتو : اللہ نے پرسی پرسائی تھالی چھین لی۔

بلدھر : بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔

پھتو : چھاوت لاگت چھ برس اور چھن میں ہوت اجاڑ۔ کئی سال کے بعد تو اب کی کھیتی ذرا رنگ پر آئی تھی۔ کل ان کھیتوں کو دیکھ کر کیسی گج (گز) بھر کی چھاتی ہوجاتی تھی۔ ایسا جان پڑتا تھا، سونا بچھا دیا گیا ہے۔ بتے بتے بھر کی بالیں لہراتی تھیں، پر اللہ نے مارا سب ستیاناس کردیا۔ باگ (باغ) میں نکل جاتے تھے تو بور کی مہک سے چت کھل اٹھتا تھا۔ پر آج بور کی کون کہے پتے تک جھڑ گئے۔

ایک بزرگ کسان : میری یاد میں اتنے بڑے بڑے اولے کبھی نہ پڑے تھے۔

بلدھر : میں نے اتنے بڑے اولے دیکھے ہی نہ تھے، جیسے چٹان کاٹ کاٹ کر لڑھکا دیا گیا ہو۔

پھتو : تم ابھی ہو کے دن کے؟ میں نے بھی اتنے بڑے اولے نہیں دیکھے۔

ایک بزرگ کسان : ایک بیر میری جوانی میں اتنے بڑے اولے گرے تھے کہ سینکڑوں ڈھور مرگئے۔ جدھر دیکھو مری ہوئی چڑیاں گری ملتی تھیں۔ کتنے ہی پیڑ گر پڑے۔ پکی چھتیں تک پھٹ گئی تھیں۔ بکھاروں میں اناج سڑ گئے، رسوائی میں برتن چکناچور ہوگئے۔ مدا (خیر ہوئی) اناج کی مڑائی ہوچکی تھی۔ اتنا نکسان (نقصان) نہیں ہوا تھا۔

سلونی : مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ جمیندار کی نیت بگڑ گئی ہے، تبھی ایسی تباہی ہوئی ہے۔

راجیشوری : کاکی، بھگوان نہ جانے کیا کرنے والے ہیں۔ بار بار منع کرتی تھی کہ ابھی مہاجن سے روپے نہ لو۔ لیکن میری کون سنتا ہے۔ دوڑے دوڑے گئے دو سو روپے اٹھا لائے، جیسے دھروہر (امانت) ہو۔ دیکھیں اب کہاں سے دیتے ہیں۔ لگان اوپر سے دینا ہے۔ پیٹ تو مجوری کرکے بھر جائے گا لیکن مہاجن

سے کیسے گلا چھوٹے گا؟

بلدھر : بھلا پوچھو تو کاکی، کون جانتا تھا کہ کیا سدنی (شدنی، ہونے والا) ہے۔ آگم دیکھ کے تب روپے لیے تھے۔ یہ آفت نہ آجاتی تو سو روپے کا تو اکیلے تلہن نکل جاتا۔ چھاتی بھر گیہوں کھڑا تھا۔

پھتو : اب تو جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ پچھتانے سے کیا ہاتھ آئے گا؟

راجیشوری : آدمی ایسا کام ہی کیوں کرے کہ پیچھے سے پچھتانا پڑے۔

سلونی : میری صلاح مانو، سب جنے جاکر ٹھاکر سے فریاد کرو کہ لگان کی مانی (معافی) ہو جائے۔ دَیاوان آدمی ہیں۔ مجھے تو وشواس ہے کہ ماف (معاف) کردیں گے۔ دلہائی کی بے گار میں ہم لوگوں سے بڑے پریم سے باتیں کرتے رہے۔ کسی کو چھٹانک بھر بھی دال نہ دلنے دی۔ پچھتاتے رہے کہ ناہک (ناحق) تم لوگوں کو دِک (دِق) کیا۔ مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ میں تو پھر کہوں گی کہ آدمی نہیں دیوتا ہیں۔

پھتو : جمیندار (زمیندار) کے ماف (معاف) کرنے سے تھوڑے مانی (معافی) ہوتی ہے۔ جب سرکار ماف (معاف) کرے تب نہ؟ نہیں تو جمیندار (زمیندار) کو مالگجاری (مالگزاری) گھر سے چکانی پڑے گی۔ تو سرکار سے اس کی کوئی آشا نہیں۔ اَملے (عملے) لوگ تہکیکات (تحقیقات) کرنے کو بھیجے جائیں گے۔ وہ اسامیوں سے کھوب (خوب) رسوت (رشوت) پائیں گے تو نکسان (نقصان) دکھائیں گے، نہیں تو لکھ دیں گے جیادا (زیادہ) نکسان (نقصان) نہیں ہوا۔ سرکار بہت کرے گی 1 کی چھوٹ کردے گی۔ جب 3 دینے ہی پڑیں گے تو 1 اور سہی۔ رسوت (رشوت) اور کچہری کی دوڑ سے تو بچ جائیں گے۔ سرکار کو اپنا کھجانا (خزانہ) بھرنے سے مطلب ہے کہ پرجا کو پالنے سے۔ سوچتی ہوگی، یہ سب نہ رہیں گے تو ان کے اور بھائی تو رہیں گے ہی۔ جمین (زمین) پرتی تھوڑے ہی پڑی رہے گی۔

ایک بزرگ کسان : سرکار ایک پیسا بھی نہ چھوڑے گی۔ اس سال کچھ چھوڑ بھی دے گی تو اگلے سال سود سمیت وصول کرلے گی۔

پھتو : بہت نگاہ کرے گی تو تکابی (تقاوی) منجور کردے گی۔ اس کا بھی سود لے گی۔ ہر بہانے سے روپیہ کھینچتی ہے۔ کچہری میں چھوٹی کوئی درکھاس (درخواست) دینے جاؤ تو بِنا ٹکے کھرچ کے سُنائی نہیں ہوتی۔ افیم سرکار بیچے، دارو، گانجا، بھانگ، مدک، چرس سرکار بیچے۔ اور تو اور نون (نمک) تک بیچتی ہے۔ اس طرح روپیہ نہ کھینچے تو افسروں کی بڑی بڑی طلب کہاں سے دے۔ کوئی ایک لاکھ پاتا ہے، کوئی دو لاکھ، کوئی تین لاکھ۔ ہمارے یہاں جس کے پاس لاکھ روپے ہوتے ہیں وہ لکھپتی کہلاتا ہے، مارے گھمنڈ کے سیدھے تاکتا نہیں۔ سرکار کے نوکروں کی ایک ایک سال کی طلب دو دو لاکھ ہوتی ہے۔ بھلا وہ لگان کی ایک پائی بھی نہ چھوڑے گی؟

ہلدھر : بِنا سُراج (سوراجیہ) ملے ہمارے دَسا نہ سدھرے گی۔ اپنا راج ہوتا تو اس کٹھن سَمے میں اپنی مدد کرتا۔

پھتو : مدد کریں گے! دیکھتے ہو جب سے دارو، افیم کی بکری بند ہوگئی ہے اَملے (عملے) لوگ نسے (نشے) کا کیسا بکھان کرتے پھرتے ہیں۔ کُران (قرآن) شریف میں نسہ (نشہ) ہرام (حرام) لکھا ہے، اور سرکار چاہتی ہے کہ دیس نسے باج (نشے باز) ہوجائے۔ سُنا ہے، صاحب نے آج کل حکم دے دیا ہے کہ جو لوگ کھود (خود) افیم، سراب (شراب) پیتے ہوں اور دوسروں کو پینے کی صلاح دیتے ہوں اُن کا نام کھیر کھواہوں (خیرخواہوں) میں لکھا جائے۔ جو لوگ پہلے پیتے تھے اب چھوڑ بیٹھے ہیں، یا دوسروں کو پینا منع کرتے ہیں ان کا نام باگیوں (باغیوں) میں لکھا جاتا ہے۔

ہلدھر : اتنے سارے روپے کیا طلبوں میں ہی اٹھ جاتے ہیں؟

راجیشوری : گہنے بنواتے ہیں۔

پھتو : ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔ کیا سرکار کے جورو بچّے نہیں ہیں۔ اتنی بڑی فوج بنا روپے کے ہی رکھی ہے! ایک ایک توپ لاکھوں میں آتی ہے۔ ہوائی جہاج (جہاز) کئی کئی لاکھ کے ہوتے ہیں۔ سپاہیوں کو کوچ کے لیے ہوا گاڑی چاہیے۔ جو کھانا یہاں رئیسوں کو میسّر نہیں ہوتا وہ سپاہیوں کو کھلایا جاتا ہے۔ سال میں چھ مہینے سب بڑے بڑے حاکم پہاڑوں کی سیر کرتے ہیں۔ دیکھتے تو ہو چھوٹے چھوٹے حاکم بھی بادشاہوں کی طرح ٹھاٹ سے رہتے ہیں، اکیلی جان پر دس پندرہ نوکر رکھتے ہیں، ایک پورا بنگلہ رہنے کو چاہیے۔ جتنا بڑا ہمارا گاؤں ہے اس سے جیادا (زیادہ) جمین (زمین) ایک بنگلے کے ہاتے (احاطے) میں ہوتی ہے۔ سنتے ہیں دس روپیہ، بیس روپیہ بوتل کی شراب پیتے ہیں۔ ہم کو تم کو بھرپیٹ روٹیاں نہیں نصیب ہوتیں، وہاں رات دن رنگ چڑھا رہتا ہے۔ ہم تم ریل گاڑی میں دھکّے کھاتے ہیں۔ ایک ایک ڈبّے میں جہاں دس کی جگہ ہے وہاں بیس، پچیس، تیس، چالیس ٹھونس دیے جاتے ہیں۔ حاکموں کے واسطے سبھی بجی سجائی گاڑیاں رہتی ہیں، آرام سے گدّی پر لیٹے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ ریل گاڑی کو جتنا ہم کسانوں سے ملتا ہے اس کا ایک حصہ بھی ان لوگوں سے نہ ملتا ہوگا۔ مگر تِس پر بھی ہماری کہیں پوچھ نہیں۔ جمانے (زمانے) کی کھوبی (خوبی) ہے!

ہلدھر : سُنا ہے میمیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں۔

پھتو : سو ٹھیک ہے، دودھ پلانے سے عورت کا شریر ڈھیلا ہوجاتا ہے، وہ پھرتی نہیں رہتی۔ دائیاں رکھ لیتے ہیں۔ وہی بچوں کو پالتی پوستی ہیں، ماں کھالی (خالی) دیکھ بھال کرتی رہتی ہے۔ لوٹ ہے لوٹ!

سلونی : درکھاس (درخواست) دو؛ میرا من کہتا ہے، چھوٹ ہوجائے گی۔

پھتو : کہہ تو دیا، دوچار آنے کی چھوٹ ہوئی بھی تو برسوں لگ جائیں گے۔ پہلے پٹواری کاگد (کاغذ) بنائے گا، اس کو پوجو، تب کانوگو (قانون گو) جانچ کرے

گا، اس کو پوجو، تب تحصیلدار نجر سانی (نظر ثانی) کرے گا، اس کو پوجو، تب ڈپٹی کے سامنے کاگد (کاغذ) پیس (پیش) ہوگا، اس کو پوجو، وہاں سے تب بڑے صاحب کے اجلاس میں جائے گا، وہاں اہل مد اور اردلی اور ناجر (ناظر) سبھی کو پوجنا پڑے گا۔ بڑے صاحب کمسنر (کمشنر) کو رپوٹ (رپورٹ) دیں گے، وہاں بھی کچھ نہ کچھ پوجا کرنی پڑے گی۔ اس طرح منجوری (منظوری) ہوتے ہوتے ایک جُگ بیت جائے گا۔ ان سب جھنجھٹوں سے تو یہی اچھا ہے کہ

رَحِمن چُپ ہُوئے بیٹھے دیکھی دِنن کو پھیر
جب نیکے دن آئہیں بَنت نہ لگیہے بیر

ہلدھر: مجھے تو ساٹھ روپے لگان دینے ہیں۔ بیل بدھیا بک جائیں گے تب بھی پورا نہ پڑے گا۔

ایک کسان: بچیں گے کس کے۔ ابھی سال بھر کھانے کو چاہیے۔ دیکھو گیہوں کے دانے کیسے بکھرے پڑے ہیں جیسے کسی نے مَسل دیے ہوں۔

ہلدھر: کیا کرنا ہوگا؟

راجیشوری: ہوگا کیا، جیسی کرنی ویسی بھرنی ہوگی۔ تم تو کھیت میں بال لگتے ہی باولے ہوگئے۔ لگان تو تھا ہی، اوپر سے مہاجن کا بوجھ بھی سر پر لاد لیا۔

پھتو: تم میکے چلی جانا۔ ہم دونوں جاکر کہیں مجوری کریں گے۔ اچھا کام مل گیا تو سال بھر میں ڈونگا پار ہے۔

راجیشوری: ہاں اور کیا، گہنے تو میں نے پہنے ہیں، گائے کا دودھ میں نے کھایا ہے، برسی میرے سسُر کی ہوئی ہے، اب جو بھروتی کے دن آئے تو میں میکے بھاگ جاؤں۔ یہ میرا کیا نہ ہوگا۔ تم لوگ جہاں جانا وہیں مجھے بھی لیتے چلنا۔ اور کچھ نہ ہوگا تو پکی پکائی روٹیاں تو مل جائیں گی۔

سلونی: بیٹی، تو نے یہ بات میرے من کی کہی۔ کُل ونتی (خاندانی شریف، خاندان

کی عزت رکھنے والی) ناری کے یہی لچھن ہیں۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لیتی چلنا۔

(گاتی ہے)

چلو پٹنے کی دیکھو بہار سہر (شہر) گلجار (گلزار) رے۔

پھتو : ہاں دائی، کھوب (خوب) گا، گانے کا یہی اوسر ہے۔ سکھ میں تو سبھی گاتے ہیں۔

سلونی : اور کیا بیٹا، اب تو جو ہونا تھا ہوگیا۔ رونے سے لوٹ تھوڑے ہی آئے گا۔

(گاتی ہے)

اس پٹنے میں تمولیا بست ہے
بیڑوں کی اجب (عجب) بہار رے

پھتو : کاکی کا گانا تان سین سنتا تو کانوں پر ہاتھ رکھتا۔ ہاں دائی۔

سلونی : (گاتی ہے)

اس پٹنے میں بجوا بست ہے
کیسی سندر لگی ہے بجار رے

پھتو : بس ایک کڑی اور گا دے کاکی! تیرے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ جی بہل گیا۔

سلونی : جسے دیکھو گانے کو ہی کہتا ہے، کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ بڑھیا کچھ کھاتی پیتی بھی ہے یا آسیر وادوں سے ہی جیتی ہے۔

راجیشوری : چلو میرے گھر کاکی، کیا کھاؤگی؟

سلونی : ہلدھر، تو اس ہیرے کو ڈبیا میں بند کرلے، ایسا نہ ہو کسی کی نجر (نظر) لگ جائے۔ ہاں بیٹی کیا کھلائے گی۔

راجیشوری : جو تمھاری اچھا ہو۔

سلونی : بھر پیٹ؟

راجیشوی : ہاں اور کیا؟

سلونی : بیٹی، تمھارے کھلانے سے اب میرا پیٹ نہ بھرے گا۔ میرا پیٹ بھرتا تھا

جب روپے کا پسیری بھر گھی ملتا تھا۔ اب تو پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ چار پسیری اناج پیس کر جانت پر سے اٹھاتی تھی۔ چار پسیری کی روٹیاں پکا کر چوکے سے نکلتی تھی۔ اب بہوئیں آتی ہیں تو چولھے کے سامنے جاتے ان کو تاب چڑھ جاتی ہے، چکّی پر بیٹھتے ہی سر میں پیڑا ہونے لگتی ہے۔ کھانے کو تو ملتا نہیں، بل بوتا کہاں سے آئے۔ نہ جانے اپج ہی نہیں ہوتی کہ کوئی ڈھو لے جاتا ہے۔ بیس من کا بیگھا اترتا تھا۔ بیس روپے بھی ہاتھ میں آجاتے تھے، تو پچھائی بیلوں کی جوڑی دوار پر بندھ جاتی تھی۔ اب دیکھنے کو روپے تو بہت ملتے ہیں، پر اولے کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے گل جاتے ہیں۔ اب تو بھکھاری کو بھیکھ دینا بھی لوگوں کو اکھرتا ہے۔

پھتو : سچ کہنا کاکی، تم کاکا کو مٹھی میں دبا لیتی تھی کی نہیں؟

سلونی : چل، ان کا جوڑ دس بیس گاؤں میں نہ تھا۔ تجھے تو ہوس (ہوش) آتا ہوگا، کیسا ڈیل ڈول تھا۔ چٹکی سے سُپاری پھوڑ دیتے تھے۔

(گاتی ہے)

چلو چلو سکھی اب جانا،
پیا بھیج دیا پَروانا (ٹیک)
ایک دوت جَبر چل آیا، سب لسکر سنگ سجایا ری۔
کیا بیچ نگر کے تھانا،
گڑھ کوٹ کلے گروائے، سب دوار بند کروائے ری۔
اب کس بِدھی ہوے رہانا۔
جب دوت محل میں آوے، تجھے تُرت پکڑے لے جاوے ری۔
تیرا چلے نہ ایک بہانا
پیا بھیج دیا پروانا

دوسرا حصہ

پہلا منظر

[استھان ــــ چیتن داس کی کٹی، گنگاتٹ، سَمَے ــــ سندھیا]

سبل : مہارج، منووِرتیوں (نفس) کے دَمن (دبانا) کرنے کا سب سے سرل اُپائے کیا ہے؟

چیتن : اُپائے بہت ہے، کِنتو میں منووِرتیوں کے دمن کرنے کا اُپدیش نہیں کرتا۔ ان کو دَمن کرنے سے آتما سَنکچت ہوجاتی ہے۔ آتما کو گیانیندریوں دوارا (جس کے ذریعے) ہی گیان پراپت ہوتا ہے۔ یدی اِندریوں کا دمن کردیا جائے تو مَنشیہ کی چیتنا شکتی لُپت (غائب، معدوم) ہو جائے گی۔ یوگیوں نے اچھاؤں کو روکنے کے کتنے یَتن لکھے ہیں۔ ہمارے یوگ گرنتھ ان اپدیشوں سے پری پورن ہیں۔ میں اندریوں کو دمن کرنا اَسوابھاوِک، ہانی کر اور آپتّی جنک سمجھتا ہوں۔

سبل : (من میں) آدمی تو وچارشیل جان پڑتا ہے۔ میں اِسے رنگا ہوا سمجھتا تھا۔ (ظاہر) یورپ کے تتوگیانیوں (حقائق اشیا کے ماہر) نے کہیں کہیں اس وچار کا پُشٹی کرن کیا ہے، پر اَب تک میں ان وچاروں کو بھرانتی کارک (غلط فہمی پیدا کرنے والا) سمجھتا تھا۔ آج آپ کے شری مکھ (دہن مبارک) سے اُن کا سَمرتھن سُن کر میرے کتنے ہی نشچت سدھانتوں کو آگھات پہنچ رہا ہے۔

چیتن : اندریوں دوارا ہی ہمیں جگت کا گیان پراپت ہوتا ہے۔ ورتّیوں کا دمن کردینے سے گیان کا ایک ماتر (واحد) دُوار ہی بند ہوجاتا ہے۔ اَنوبھوہین آتما کداپی (ہرگز، کبھی) اُچ پد نہیں پراپت کرسکتی۔ اَنوبھو کا دُورا بند کرنا وِکاس

کا مارگ بند کرنا ہے، پرکرتی کے سب نیموں کے کاریہ میں بادھا ڈالنا ہے۔ آتما موکش پد (نجات کا علم، نجات) پراپت کر سکتی ہے جس نے اپنے گیان دُوارا اندریوں کو مُکت رکھا ہے۔ تیاگ کا مارگ آہوان (پکار، خطاب) میں نہیں ہے۔ جس نے مدُھر سنگیت سُنا ہی نہ ہو اُسے سنگیت کی رُچی نہ ہو تو کوئی آشچریہ نہیں۔ آشچریہ تو تب ہے جب وہ سنگیت کلا کا بھلی بھانتی آسوادن (چکھنا، ذائقہ لینا) کرنے، اُس میں لپت ہونے کے بعد وِرتیوں کو اُدھر سے ہٹا لے۔ وِرتیوں کا دمن کرنا ویسا ہی ہے جیسے بالک کو کھڑے ہونے یا دوڑنے سے روکنا۔ ایسے بالک کو چوٹ چاہے نہ لگے پردہ اَوشیہ ہی اپنگ ہوجائے گا۔

سبل : (من میں) کتنے سوادھین (آزاد) اور مَولِک وچار ہیں۔ (ظاہر) تب تو آپ کے وِچار میں ہمیں اپنی اچھاؤں کو اَبادھیہ (بے روک ٹوک) کر دینا چاہیے۔

چیتن : میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ آتما کے وِکاس میں پاپوں کا بھی مولیہ (قیمت) ہے۔ اُجّول پرکاش سات رنگوں کے سمّشرن (آمیزش) سے بنتا ہے۔ اس میں لال رنگ کا مہتو اتنا ہی ہے جتنا نیلے یا پیلے رنگ کا۔ اُتّم بھوجن وہی ہے جس میں شٹ رسوں (چھ ذائقوں) کا سمّشرن ہو۔ اچھاؤں کو دَمن کرو، منوورتیوں کو روکو، یہ متھیا (جھوٹ) تتوّوادیوں (حقائق اشیاء کے ماہر) کے ڈھوکسلے ہیں۔ یہ سب ابودھ بالکوں کو ڈرانے کے 'جو، جو' ہیں۔ ندی کے تٹ پر نہ جاؤ نہیں تو ڈوب جاؤگے، یہ مورکھ ماتاپتا کی سکشا ہے۔ وچارشیل پرانی (جاندار) اپنے بالک کو ندی تٹ پر کیول لے ہی نہیں جاتے ورن اُسے ندی میں پَروِشٹ کراتے ہیں، اُسے تیرنا سکھاتے ہیں۔

سبل : (من میں) کتنی مدُھر وانی ہے۔ واستو میں پریم چاہے گلشِت (گندا) ہی کیوں نہ ہو، چرتر نرمان (کردار سازی) میں اوشیہ اپنا استھان رکھتا ہے۔ (ظاہر) تو باپ کوئی گھرنت (قابل نفرت) وستو نہیں؟

چیتن : کداپی (ہرگز) نہیں۔ سنسار میں کوئی وستو گھرنت نہیں ہے، کوئی وستو تیاجیہ (لائق ترک) نہیں ہے۔ منشیہ اہنکار کے وَش (قابو) ہوکر اپنے کو دوسروں سے شریشٹھ (برتر) سمجھنے لگتا ہے۔ واستو میں دھرم اور اَدھرم سُوچار (نیک خیال) اور کُوچار، پاپ اور پُنیہ یہ سب مانو جیون کی مدھیہ ورتی اَوستھائیں ماتر (محض درمیانی حالت) ہیں۔

سبل : (من میں) کتنا اُدار (فراخدل) ہردے ہے۔ (ظاہر) مہاراج، آپ کے اُپدیش سے میرے سنتپت (اذیت میں مبتلا) ہردے کو بڑی شانتی پراپت ہوئی۔

(جاتا ہے)

چیتن : (آپ ہی آپ) اس جگیاسا (استفسار) کا آشے خوب سمجھتا ہوں۔ تمھاری اَشانتی کا رہسیہ خوب جانتا ہوں۔ تم پھسل رہے تھے، میں نے ایک دھکا اور دے دیا۔ اب تم نہیں سنبھل سکتے۔

دوسرا منظر

[سمے — سندھیا، استھان — سبل سنگھ کی بیٹھک)

سبل : (آپ ہی آپ) میں چیتن داس کو دھورت (مکار) سمجھتا تھا، پر یہ تو گیانی مہاتما نکلے۔ کتنا تیج (رعب) اور شوریہ (بہادری) ہے۔ گیانی ان کے درشنوں کو لالایت (آرزومند) ہے۔ کیا ہرج ہے۔ ایسے آتم گیانی پُروشوں کے درشن سے کچھ اُپدیش ہی ملے گا۔

(کنچن سنگھ کا داخلہ)

کنچن : (تار دکھا کر) دونوں جگہ ہار ہوئی۔ پونا میں گھوڑا کٹ گیا۔ لکھنؤ میں جاکی گھوڑے سے گر پڑا۔

سبل : یہ تو تم نے بُری خبر سنائی۔ کوئی پانچ ہزار کا نقصان ہوگیا۔

کنچن : غلّے کا بازار چڑھ گیا۔ اگر اپنا گیہوں دس دن اور نہ بیچتا تو دو ہزار صاف نکل آتے۔

سبل : پر آگم کون جانتا تھا۔

کنچن : اسامیوں سے ایک کوڑی وصول ہونے کی آشا نہیں۔ سُنا ہے کئی اسامی گھر چھوڑ کر بھاگنے کی تیاری میں ہیں۔ بیل بدھیا بیچ کر جائیں گے۔ کب تک لوٹیں گے کون جانتا ہے۔ مریں، جئیں، نہ جانے کیا ہو۔ یتن نہ کیا گیا تو یہ سب روپے بھی مارے جائیں گے۔ پانچ ہزار کے ماتھے جائے گی۔ میری رائے ہے کہ ان پر ڈگری کرا کے جائدادیں نیلام کرالی جائیں۔ اسامی سب کے سب معتبر ہیں، لیکن اولوں نے تباہ کردیا۔

سبل : ان کے نام یاد ہیں؟

کنچن : سب کے نام تو نہیں، لیکن دس پانچ نام چھانٹ لیے ہیں۔ جگراؤں کا للو، تُلسی، بھوپھور، مدھوبن کا سیتا، نمّی، ہلدھر، چرونجی ....

سبل : (چونک کر) ہلدھر کے ذمّے کتنے روپے ہیں؟

کنچن : سود ملا کر کوئی دو سو پچاس ہوں گے۔

سبل : (من میں) بڑی وِکٹ سمسّیا ہے۔ میرے ہی ہاتھوں اُسے یہ کشٹ (تکلیف) پہنچے! اس کے پہلے میں ان ہاتھوں کو ہی کاٹ ڈالوں گا۔ اُس کی ایک دَیا درشٹی پر ایسے ایسے کئی ڈھائی سو نیوچھاور ہیں۔ وہ میری ہے، اُسے ایشور نے میرے لیے بنایا ہے، نہیں تو میرے من میں اس کی لگن کیوں ہوتی۔ سماج کے آنرگل (بے ہودہ) نیموں نے اس کے اور میرے بیچ یہ لوہے کی دیوار کھڑی کردی ہے۔ میں اس دیوار کو کھود ڈالوں گا۔ اس کانٹے کو نکال کر پھول کو گلے میں ڈال لوں گا۔ سانپ کو ہٹا کر منی کو اپنے ہردے میں رکھ لوں گا۔ (ظاہر) اور اسامیوں کی جائداد نیلام کراسکتے ہو، ہلدھر کی جائداد نیلام کرانے کے بدلے میں اُسے کچھ دنوں حراست کی ہوا کھلانا چاہتا ہوں۔

وہ بدمعاش آدمی ہے، گاؤں والوں کو بھڑکاتا ہے۔ کچھ دن جیل میں رہے گا تو اس کا مزاج ٹھنڈا ہوجائے گا۔

کنچن : ہلدھر دیکھنے میں تو بڑا سیدھا اور بھولا آدمی معلوم ہوتا ہے۔

سبل : بنا ہوا ہے۔ تم ابھی اس کے ہتھکنڈوں کو نہیں جانتے۔ مُنیم سے کہہ دینا، وہ سب کارروائی کردے گا۔ تمھیں عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں۔

(کنچن سنگھ کا جانا)

سبل : (آپ ہی آپ) گیانیوں نے ستیہ ہی کہا ہے کہ کام (شہوانی خواہش) کے وَش میں پڑ کر مَنشیہ کی وِدّیاوِویک (علم اور فہم و بصیرت) سب نشٹ ہوجاتے ہیں۔ یدی وہ نیچ پرکرتی ہے تو من مانا اتیاچار کرکے اپنی ترشنا (پیاس) کو پوری کرتا ہے؛ یدی وچار شیل ہے تو کپٹ نیتی (پُر فریب اصول) سے اپنا منورتھ سدّھ (دل کا مقصد حاصل کرنا) کرتا ہے۔ اِسے پریم نہیں کہتے، یہ ہے کام لِپتا۔ پریم پوِتر، اُجّول سوارتھ رہت، سیوامئے (خدمت کا جذبہ لیے ہوئے)، واسنارہت (بوالہواسی سے پاک) وستو ہے۔ پریم واستو میں گیان ہے۔ پریم سے سنسار کی سرشٹی ہوئی، پریم سے ہی اس کا پالن ہوتا ہے۔ یہ ایشور یہ پریم ہے۔ مانو پریم وہ ہے جو جیومات کو ایک سمجھے، جو آتما کی بیاپکتا (وسعت) کو چریتارتھ کرے(کردار میں اُتارے)، جو پرتیک اَنو (ذرہ) میں پرماتما کا سوروپ دیکھے، جسے انوبھوت (محسوس) ہو کہ پرانی ماتر ایک ہی پرکاش کی جیوتی ہیں۔ پریم اُسے کہتے ہیں۔ پریم کے شیش جتنے روپ ہیں سب سوارتھ مَے (خود غرض)، پاپ مَے (گناہ آلودہ) ہیں۔ ایسے کوڑھی کو دیکھ کر جس کے شریر میں کیڑے پڑگئے ہوں اگر ہم وِتوہل (بے چین) ہو جائیں اور اُسے تُرنت گلے لگالیں تو وہ پریم ہے۔ سندر، منوہر سُوروپ کو دیکھ کر سبھی کا چِتّ آکرشِت (پُرکشش) ہوتا ہے، کسی کا کم، کسی کا زیادہ۔ جو سادھن ہین ہیں، کریاہین ہیں یا پُورش ہین (کم حوصلہ) ہیں وہ کلیجے پر ہاتھ رکھ کر رہ جاتے ہیں اور دو ایک دن میں بھول جاتے ہیں۔ جو سمپّن ہیں،

چتر ہیں، ساہسی ہیں، اڈوگ شیل (کوشش کرنے والے) ہیں، وہ پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ابھیشٹ (مدّعا، مطلوب و مرغوب) لابھ کرکے ہی دم لیتے ہیں۔ یہی کارن ہے کہ پریم وِرتی اپنے سامرتھیہ (طاقت) کے باہر بہت کم جاتی ہے۔ زار کی لڑکی کتنی ہی سروگُن پورن (سبھی اوصاف سے پُر) ہو پر میری وِرتی اُدھر جانے کا نام نہ لے گی۔ وہ جانتی ہے کہ وہاں میری دال نہ گلے گی۔ راجیشوری کے وِشے میں مجھ سنشے (شک) نہ تھا۔ وہاں بھے، پرلوبھن، نِرشنستا (بے رحمی)، کسی نیکتی (چالاکی) کا پریوگ کیا جاسکتا تھا۔ اَنت میں، یدی یہ سب نیکتیاں وِپھل ہوتی تو ....

(اچل سنگھ کا داخلہ)

اچل : دادا جی، دیکھیے نوکر بڑی گستاخی کرتا ہے۔ ابھی میں فٹ بال دیکھ کر آیا ہوں، کہتا ہوں، جوتا اتار دے، لیکن وہ لالٹین صاف کررہا ہے، سنتا ہی نہیں۔ آپ مجھے کوئی الگ ایک نوکر دے دیجیے، جو میرے کام کے سوا اور کسی کا کام نہ کرے۔

سبل : (مسکراکر) میں بھی ایک گلاس پانی مانگوں تو نہ دے؟

اچل : آپ ہنس کر ٹال دیتے ہیں، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میں جاتا ہوں اسے خوب پیٹتا ہوں۔

سبل : بیٹا، وہ کام بھی تو تمھارا ہی ہے۔ کمرے میں روشنی نہ ہوتی تو اس کے سر ہوتے کہ اب تک لالٹین کیوں نہیں جلائی۔ کیا ہرج ہے آج اپنے ہی ہاتھ سے جوتے اتار لو۔ تم نے دیکھا ہوگا، ضرورت پڑنے پر لیڈیاں تک اپنے بکس اٹھا لیتی ہیں۔ جب بھی میل آتی ہے تو ذرا اسٹیشن پر جاکر دیکھو۔

اچل : آج اپنے جوتے اتارلوں، کل کو جوتوں میں روغن بھی آپ ہی لگا لوں، وہ بھی تو میرا ہی کام ہے، پھر خود ہی کمرے کی صفائی بھی کرنے لگوں، اپنے ہاتھوں ٹب بھی بھرنے لگوں، دھوتی بھی چھانٹنے لگوں۔

سبل : نہیں، یہ سب کرنے کو میں نہیں کہتا، لیکن اگر کسی دن نوکر نہ موجود ہو تو

جوتا اتار لینے میں کوئی ہانی نہیں ہے۔

اچل : جی ہاں، مجھے یہ معلوم ہے؟ میں تو یہاں تک مانتا ہوں کہ ایک منشیہ کو اپنے دوسرے بھائی سے سیوا ٹہل کرانے کا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ سابرمتی آشرم میں لوگ اپنے ہاتھوں اپنا چوکا لگاتے ہیں، اپنے برتن مانجتے ہیں اور اپنے کپڑے تک دھو لیتے ہیں۔ مجھے اس میں کوئی عذر یا انکار نہیں ہے، مگر تب آپ ہی کہنے لگیں گے، بدنامی ہوتی ہے، شرم کی بات ہے، اور اماں جی کی تو ناک ہی کٹنے لگے گی۔ میں جانتا ہوں نوکروں کے ادھین ہونا اچھی عادت نہیں ہے۔ ابھی کل ہی ہم لوگ کنو استھان گئے تھے۔ ہمارے ماسٹر تھے اور پندرہ لڑکے۔ 11 بجے دن کو دھوپ میں چلے۔ چھتری کسی کے پاس نہیں رہنے دی گئی۔ ہاں، لوٹا ڈور ساتھ تھا۔ کوئی ایک بجے وہاں پہنچے۔ کچھ دیر پیڑ کے نیچے دَم لیا۔ تب تالاب میں اسنان کیا۔ بھوجن بنانے کی ٹھہری۔ گھر سے کوئی بھوجن کرکے نہیں گیا تھا۔ پھر کیا تھا، کوئی گاؤں سے جنس لانے دوڑا، کوئی اُپلے بٹورنے لگا، دو تین لڑکے پیڑوں پر چڑھ کر لکڑی توڑ لائے۔ کمھار کے گھر سے ہانڈیاں اور گھڑے آئے۔ پتّوں کے پتّل ہم نے خود بنائے۔ آلو کا بھرتا اور باٹیاں بنائی گئیں۔ کھاتے پکاتے چار بج گئے۔ گھر لوٹنے کی ٹھہری۔ چھ بجتے بجتے یہاں آپہنچے۔ میں نے خود پانی کھینچا، خود اُپلے بٹورے۔ ایک پرکار کا آنند اور اُتساہ (جوش و خروش) معلوم ہورہا تھا۔ یہ ٹرِپ (کشما کیجیے گا انگریزی شبد نکل گیا) چکّر اسی لیے تو لگایا گیا تھا جس میں ہم ضرورت پڑنے پر سب کام اپنے ہاتھوں سے کر سکیں، نوکروں کے محتاج نہ رہیں۔

سبل : اس چکّر کا حال سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اب ایسے گشت کی ٹھہرے تو مجھ سے بھی کہنا، میں بھی چلوں گا۔ تمھارے ادھیاپک مہاشے کو میرے چلنے میں کوئی آپتی تو نہ ہوگی؟

اچل : (ہنس کر) وہاں آپ کیا کیجیے گا، پانی کھینچئے گا؟

سبل : کیوں، کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔

اچل : ان نوکروں میں دو چار الگ کردیے جائیں تو اچھا ہو۔ انھیں دیکھ کر خوامخواہ کچھ نہ کچھ کام لینے کا جی چاہتا ہے۔ کوئی آدمی سامنے نہ ہو تو الماری سے خود کتاب نکال لاتا ہوں؛ لیکن کوئی رہتا ہے تو خود نہیں اٹھتا۔ اُسی کو اٹھاتا ہوں۔ آدمی کم ہوجائیں گے تو یہ عادت چھوٹ جائے گی۔

سبل : ہاں، تمھارا یہ پرستاؤ بہت اچھا ہے۔ اس پر وِچار کروں گا۔ دیکھو نوکر خالی ہوگیا، جاؤ جوتے کھلوا لو۔

اچل : جی نہیں، اب میں کبھی نوکر سے جوتا اتراؤں گا ہی نہیں، اور نہ پہنوں گا۔ خود ہی پہن لوں گا، اتار لوں گا۔ آپ نے اشارہ کردیا وہ کافی ہے۔

(چلا جاتا ہے)

سبل : (من میں) ایشور تمھیں چرائیو (طویل عمر) کریں، تم ہونہار دکھ پڑتے ہو۔ لیکن کون جانتا ہے، آگے چل کر کیا رنگ پکڑوگے۔ میں آج کے تین مہینے پہلے اپنی سچّرترتا (نیک اخلاق) پر گھمنڈ کرتا تھا۔ وہ گھمنڈ ایک کشن (لمحہ) میں چوُر چوُر ہوگیا۔ خیر ہوگا ۔ .... اگر اور سب دین داروں (مقروض) پر دعویٰ نہ ہو، کیول ہلدھر پر ہی کیا جائے تو گھور انیائے ہوگا۔ میں تو چاہتا ہوں دعوے سبھی پر کیے جائیں، لیکن جائداد کسی کی نیلام نہ کرائی جائے۔ اسامیوں کو جب معلوم ہوجائے گا کہ ہم نے گھر چھوڑا کہ جائداد گئی تو وہ کبھی نہ جائیں گے۔ اُن کے بھاگنے کا ایک کارن یہ بھی ہوگا کہ لگان کہاں سے دیں گے۔ میں لگان معاف کردوں تو کیسا ہو۔ میرا ایسا زیادہ نقصان نہ ہوگا۔ علاقے میں سب جگہ تو اولے گرے نہیں ہیں۔ صرف دو تین گاؤں میں گرے ہیں، پانچ ہزار روپے کا معاملہ ہے۔ ممکن ہے اس معافی کی خبر گورنمنٹ کو بھی ہوجائے اور معافی کا حکم دے دے تو مجھے مفت میں لیش (شہرت) مل جائے گا، اور اگر سرکار نہ بھی معاف کرے تو اتنے آدمیوں کا

بھلا ہو جانا ہی کون چھوٹی بات ہے۔ رہا ہلدھر، اُسے کچھ دنوں کے لیے الگ کر دینے سے میری مشکل آسان ہو جائے گی۔ یہ کام ایسے گُپت ریتی سے ہونا چاہیے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ لوگ یہی سمجھیں کہ کہیں پردیش نکل ہو گیا ہوگا۔ تب میں ایک بار پھر راجیشوری سے ملوں اور تقدیر کا فیصلہ کرلوں۔ تب اُسے میرے یہاں آکر رہنے میں کوئی آپتّی نہ ہوگی۔ گاؤں میں نراولمب (بے سہارا) رہنے سے تو اس کا چِتّ سُیم (خود) گھبرا جائے گا۔ مجھے تو وشواس ہے کہ وہ یہاں سَہرش (بخوشی) چلی آئے گی۔ یہی میرا ابھیشٹ (مطلوب، مدعا) ہے۔ میں کیوَل اس کے سمیپ رہنا، اس کی مِرِدُمُسکان (میٹھی مسکان)، اس کی منوہروانی ....

(گیانی کا داخلہ)

گیانی : سوامی جی سے آپ کی بھینٹ ہوئی؟

سبل : ہاں۔

گیانی : میں ان کے درشن کرنے جاؤں؟

سبل : نہیں۔

گیانی : پاکھنڈی ہیں نہ؟ یہ تو میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔

سبل : نہیں، پاکھنڈی نہیں ہیں، وِدّوان ہیں، لیکن مجھے کسی کارن سے ان میں شردھا نہیں ہوئی۔ پوِتر آتما کا یہی لچھن ہے کہ وہ دوسروں کے ہردَے میں شردّھا اُتپنّ کردے۔ ابھی تھوڑے دیر پہلے میں ان کا بھکت تھا۔ پر اتنی دیر میں ان کے اُپدیشوں پر وِچار کرنے سے گیات ہوا (علوم ہوا) کہ ان سے تمھیں گیانوپدیش (علم کی باتیں بتانا) نہیں مل سکتا اور نہ وہ آشیرواد ہی مل سکتا ہے جس سے تمھاری منوکامنا پوری ہو۔

تیسرا منظر

[استھان — مدھوبن گاؤں، سمے — بیساکھ کا پراتہ کال)

پھتو : پانچوں آدمیوں پر ڈگری ہوگئی۔ اب ٹھاکر صاحب جب چاہیں ان کے بیل بدھیے نیلام کرالیں۔

ایک کسان: ایسے زردئی تو نہیں ہیں۔ اس کا مطلب کچھ اور ہی ہے۔

پھتو : اس کا مطلب میں سمجھتا ہوں۔ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم جب چاہیں اسامیوں کو بگاڑ سکتے ہیں۔ اسامیوں کو گھمنڈ نہ ہو۔ پھر گاؤں میں ہم جو چاہیں کریں کوئی منھ نہ کھولے۔

(سبل سنگھ کے چپراسی کا داخلہ)

چپراسی : سرکار نے حکم دیا ہے کہ اسامی لوگ جرا (ذرا) بھی چنتا نہ کریں۔ ہم ان کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہیں۔ جن لوگوں نے ابھی تک لگان نہیں دیا ہے ان کی معافی ہوگئی۔ اب سرکار کسی سے لگان نہ لیں گے۔ اگلے سال کے لگان کے ساتھ یہ بقایا نہ وصول کی جائے گی۔ یہ چھوٹ سرکار کی اُور سے نہیں ہوئی ہے۔ ٹھاکر صاحب نے تم لوگوں کی پرورش کے خیال سے یہ رعایت کی ہے۔ لیکن جو اسامی پردیش چلا جائے گا اس کے ساتھ یہ رعایت نہ ہوگی۔ چھوٹے ٹھاکر صاحب نے دین داروں پر ڈگری کرائی ہے۔ مگر ان کا حکم بھی یہی ہے کہ ڈگری جاری نہ کی جائے گی۔ ہاں، جو لوگ بھاگیں گے ان کی جائداد نیلام کرالی جائے گی۔ تم لوگ دونوں ٹھاکروں کو آشیرواد دو۔

ایک کسان : بھگوان دونوں بھائیوں کی جُگل جوڑی سلامت رکھے۔

دوسرا : نارائن ان کا کلیان کریں۔ ہم کر جلا لیا، نہیں توناس وِپتّی میں کچھ نہ سوجھتا تھا۔

تیسرا : دھنیہ ہے ان کی اُدارتا کو۔ راجا،ہو تو ایسا دین پالک (غریب پرور) ہو۔

پرماتما ان کی بڑھتی کرے۔

چوتھا : ایسا دانی دیش میں اور کون ہے۔ نام کے لیے سرکار کو لاکھوں روپے چندا دے آتے ہیں، ہم کو کون پوچھتا ہے بلکہ وہ چندا بھی ہمیں سے ڈنڈے مار مار کر وصول کرلیا جاتا ہے۔

پہلا : چلو کل سب جنے ڈیوڑھی کی جے منا آئیں۔

دوسرا : ہاں کل بھورے چلو۔

تیسرا : چلو دیوی کے چورے پر چل کر جے جیکار منائیں۔

چوتھا : کہاں ہے ہلدھر، کہو ڈھول مجیرا لیتا چلے۔

(پھتو ہلدھر کے گھر جاکر خالی ہاتھ لوٹ آتا ہے)

پہلا کسان : کیا ہوا؟ خالی ہاتھ کیوں آئے؟

پھتو : ہلدھر تو آج دو دن سے گھر ہی نہیں آیا۔

دوسرا کسان : اس کی گھر والی سے پوچھا، کہیں ناتے داری میں تو

پھتو : وہ تو کہتی ہے کہ کل سیرے کھانچا لے کر آم توڑنے گئے تھے تب سے لوٹ کر نہیں آئے۔

(سب کے سب ہلدھر کے دُوار پر آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ سلونی اور پھتو گھر میں جاتے ہیں)۔

سلونی : بیٹی، تو نے اُسے کچھ کہا سُنا تو نہیں۔ اُسے بات بہت لگتی ہے، لڑکپن سے جانتی ہوں۔ گُڑ کے لیے روئے، لیکن ماں جھمک کر گُڑ کا پنڈا سامنے پھینک دے تو کبھی نہ اٹھائے۔ جب وہ گود میں پیار سے بیٹھا کر گُڑ توڑ توڑ کھلائے تبھی چُپ ہو۔

پھتو : یہ بچاری گئو ہے، کچھ نہیں کہتی سنتی۔

سلونی : جرور کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہوگی، نہیں تو گھر کیوں نہ آتا۔ اس نے گہنوں کے لیے تانا دیا ہوگا، چاہے مہین ساڑی مانگی ہو۔ بھلے گھر کی بیٹی ہے نہ، اسے مہین ساڑی اچھی لگتی ہے۔

راجیشوری : کاکی، کیا میں ایسی نکمّی ہوں کہ دیش میں جس بات کی مناہی ہے وہی کروں گی۔

(بھتو باہر آتا ہے)

منگرو : میرے جانے میں تو اُسے تھانے والے پکڑ لے گئے۔

بھتو : ایسا کمار گی تو نہیں ہے کہ تھانے والوں کی آنکھ پر چڑھ جائے۔

ہرداس : تھانے والوں کی بھلی کہتے ہو۔ راہ چلتے لوگوں کو پکڑا کرتے ہیں۔ آم لیے دیکھا ہوگا؛ کہا ہوگا چل تھانے پہنچا آ۔

بھتو : ایسا دبیل تو نہیں ہے، لیکن تھانے ہی پر جاتا تو اب تک لوٹ آنا چاہیے تھا۔

منگرو : کسی کے روپے پیسے تو نہیں آتے تھے۔

بھتو : اور کسی کے تو نہیں، ٹھاکر کنچن سنگھ کے دو سو روپے آتے ہیں۔

منگرو : کہیں انھوں نے گرفتار کرا لیا ہو۔

بھتو : سمّن تک تو آیا نہیں، نالس (نالش) کب ہوئی، ڈگری کب ہوئی۔ اوروں پر نالس (نالش) ہوئی تو سمّن آیا۔ پیشی ہوئی، تج بیج (تجویز) سنائی گئی۔

ہرداس : بڑے آدمیوں کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، جو چاہیں کرادیں۔ راج انھیں کا ہے، نہیں تو بھلا کوئی بات ہے کہ سوپچاس روپے کے لیے آدمی گرفتار کر لیا جائے، بال بچوں سے الگ کردیا جائے، اس کا سب کھیتی باری کا کام روک دیا جائے۔

منگرو : آدمی چوری یا اور کوئی کُنیاؤ کرتا ہے تب اُسے کید (قید) کی سجا (سزا) ملتی ہے۔ یہاں مہاجن بے کسور (بے قصور) ہمیں تھوڑے سے روپیوں کے لیے جیہل (جیل) بھیج سکتا ہے۔ یہ کوئی نیائے (انصاف) تھوڑے ہی ہے۔

ہرداس : سرکار نے جانے ایسی کانون (قانون) کیوں بناتی ہے۔ مہاجن کے روپے آتے ہیں، جائداد سے لے، گرفتار کیوں کرے۔

منگرو : کہیں ڈمرا ٹاپو والے نہ بہکا لے گئے ہوں۔

پھتو : ایسا بھولا نہیں ہے کہ ان کی باتوں میں آجائے۔

منگرو : کوئی جان بوجھ کر ان کی باتوں میں تھوڑے ہی آتا ہے۔ سب ایسی ایسی پٹی پڑھاتے ہیں کہ اچھے اچھے دھوکے میں آجاتے ہیں۔ کہتے ہیں، ناطلب ملے گا، رہنے کو بنگلا ملے گا، کھانے کو وہ ملے گا جو یہاں رئیسوں کو بھی نصیب نہیں، پہننے کو ریشمی کپڑے ملیں گے، اور کام کچھ نہیں، بس کھیت میں جاکر ٹھنڈے ٹھنڈے دیکھ بھال آئے۔

پھتو : ہاں، یہ تو سچ ہے۔ ایسی ایسی باتیں سن کر وہ آدمی کیوں نہ دھوکے (دھوکے) میں آجائے جسے کبھی پیٹ بھر بھوجن نہ ملتا ہو۔ گھاس بھوسے سے پیٹ بھر لینا کوئی کھانا ہے۔ کسان پہر رات سے پہر رات تک چھاتی پھاڑتا ہے تب بھی روٹی کپڑے کو نہیں ہوتا، اس پر کہیں مہاجن کا ڈر، کہیں جمیندار (زمیندار) کی دھونس، کہیں پولس کی ڈانٹ ڈپٹ، کہیں اَملوں (عملوں) میں نجر بھینٹ (نذر بھینٹ)، کہیں حاکموں کی رسد بے گار سُنا ہے جو لوگ ٹاپو میں بھرتی ہو جاتے ہیں ان کی بڑی دُرگت ہوتی ہے۔ جھونپڑی رہنے کو ملتی ہے اور رات دن کام کرنا پڑتا ہے۔ جرا (ذرا) بھی دیر ہوئی تو افسر کوڑوں سے مارتا ہے۔ پانچ سال تک آنے کا حکم نہیں ہے، اس پر طرح طرح کی سکھتی (سختی) ہوتی رہتی ہے۔ عورتوں کی بڑی بے اِجتی (بے عزتی) ہوتی ہے، کسی کی آبرو بچنے نہیں پاتی۔ افسر سب گورے ہیں، وہ عورتوں کو پکڑ لے جاتے ہیں، اللہ نہ کرے کہ کوئی ان دلالوں کے پھندے میں پھنسے! پانچ چھ سال میں کچھ روپے جرور ہو جاتے ہیں، پر اس لت کھوری (لت خوری) سے تو اپنے دیش کی روکھی ہی اچھی۔ مجھے تو بسّاس (وشواس) ہی نہیں آتا کہ ہلدھر ان کے پھانسے میں آجائے۔

ہرداس : سادھو لوگ بھی آدمیوں کو بہکا لے جاتے ہیں۔

پھتو : ہاں سُنا تو ہے، مگر ہلدھر سادھوؤں کی سنگت میں نہیں بیٹھا۔ گانجے چرس کی

بھی چاٹ نہیں کہ اسی لالچ سے جا بیٹھتا ہو۔

منگرو : سادھو آدمیوں کو بہکا کر کیا کرتے ہیں؟

: بھیکھ (بھیک) منگواتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ اپنا ٹہل کرواتے ہیں، برتن منجواتے ہیں، گانجا بھرواتے ہیں۔ بھولے آدمی سمجھتے ہیں، باباجی سِدھ (کامل مہاتما، عارف) ہیں۔ پرسنّ ہو جائیں گے تو ایک چٹکی راکھ میں میرا بھلا ہو جائے گا، مُکت بن جائے گی وہ بھی گھاتے میں۔ کچھ کام چور نکھٹو ایسے بھی ہیں جو کیول میٹھے پدارتھوں کے لالچ میں سادھوؤں کے ساتھ پڑے رہتے ہیں۔ کچھ دنوں میں یہی ہٹلوے سنت بن بیٹھتے ہیں اور اپنے ٹہل کے لیے کسی دوسرے کو مونڑتے (الّو بنانا، جھانسا دینا) ہیں۔ لیکن ہلدھر نہ تو پیٹو ہی ہے، نہ کام چور ہی ہے۔

ہرداس : کچھ تمھارا من کہتا ہے وہ کدھر گیا ہوگا؟ تمھارا اُس کے ساتھ آٹھویں پہر کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

پھتو : میری سمجھ میں تو وہ پردیش چلا گیا۔ دو سو روپے کنچن سنگھ کے آتے تھے۔ بیاج سمیت دو سو پچاس روپے ہوئے ہوں گے۔ لگان کی دھونس الگ۔ ابھی دودھ منھا بالک ہے، سنسار کا رنگ ڈھنگ نہیں دیکھا، تھوڑے میں ہی پھول اٹھتا ہے اور تھوڑے میں ہی ہمّت ہار بیٹھتا ہے۔ سوچا ہوگا، کہیں پردیش چلوں اور محنت مجوری کرکے سو دو سو لے آؤں۔ دو چار دن میں چٹھی پتر آئے گی۔

منگرو : اور تو کوئی چنتا نہیں، مرد ہے، جہاں رہے گا وہیں کما کھائے گا۔ چنتا تو اس کی گھر والی کی ہے۔ اکیلے کیسے رہے گی؟

ہرداس : میکے بھیج دیا جائے۔

منگرو : پوچھو، جائے گی؟

پھتو : پوچھنا کیا ہے، کبھی نہ جائے گی۔ ہلدھر ہوتا تو جاتی۔ اس کے پیچھے کبھی

نہیں جا سکتی۔

راجیشوری : (دروازے پر کھڑی ہو کر) ہاں کاکا، ٹھیک کہتے ہو۔ ابھی میکے چلی جاؤں تو گھر اور گاؤں والے یہی نہ کہیں گے کہ ان کے پیچھے گاؤں میں دس پانچ دن بھی کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں رہا تبھی تو چلی آئی۔ تم لوگ میری کچھ چنتا نہ کرو۔ سلونی کاکی کو گھر میں سُلا لیا کروں گی۔ اور ڈر ہی کیا ہے؟ تم لوگ تو ہو ہی۔

چوتھا منظر

[استھان — بلدھر کا گھر، راجیشوری اور سلونی آنگن میں لیٹی ہوئی ہیں، سمے — آدھی رات]

راجیشوری : (من میں) آج انھیں گئے دس دن ہوگئے۔ منگل منگل آٹھ، بدھ نو، برہسپتی (جمعرات) دس، کچھ کھبر (خبر) نہیں ملی، نہ کوئی چٹھی نہ پتر۔ میرا من بارمبار (بار بار) یہی کہتا ہے کہ یہ سب سبل سنگھ کی کرتوت ہے۔ ایسے دانی دھرماتما پُروش کم ہوں گے۔ لیکن مجھ نصیبوں جلی کے کارن ان کا دان دھرم سب مٹّی میں ملا جاتا ہے۔ نہ جانے کس منحوس گھڑی میں میرا جنم ہوا! مجھ میں ایسا کون سا گُن ہے؟ نہ میں ایسی سُندری ہوں، نہ اتنے بناؤ سنگھار سے رہتی ہوں، مانا اس گاؤں میں مجھ سے سُندر اور کوئی اِستری نہیں ہے لیکن شہر میں تو ایک سے ایک پڑی ہوئی ہیں۔ یہ سب میرے ابھاگ کا پھل ہے۔ میں ابھاگنی ہوں۔ ہرن کستوری کے لیے مارا جاتا ہے۔ مینا اپنی بولی کے لیے پکڑی جاتی ہے۔ پھول اپنی سگندھ کے لیے توڑا جاتا ہے۔ میں بھی اپنے روپ رنگ کے ہاتھوں ماری جارہی ہوں۔

سلونی : کیا نیند نہیں آتی بیٹی؟

راجیشوری: نہیں کاکی، من بڑی چنتا میں پڑا ہوا ہے۔ بھلا کیوں کاکی، اب کوئی میرے سر پر تو رہا نہیں، اگر کوئی پُروش میرا دھرم بگاڑنا چاہے تو کیا کروں؟

سلونی : بیٹی، گاؤں کے لوگ اسے پیس کر پی جائیں گے۔

راجیشوری : گاؤں والوں پر بات کھل گئی تب تو میرے ماتھے پر کلنگ لگ ہی جائے گا۔

سلونی : اُسے دنڈ دینا ہوگا۔ اُس سے کپٹ پریم کرکے اُسے وِش پلا دینا ہوگا۔ وِش بھی ایسا کہ پھر وہ آنکھیں نہ کھولے۔ بھگوان کو، چندرما کو، اندر کو، جس اپرادھ کا دنڈ ملا تھا کیا ہم اس کا بدلہ نہ لیں گی۔ یہی ہمارا دھرم ہے۔ منھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرو پر من میں کٹار چھپائے رکھو۔

راجیشوری : (من میں) ہاں، اب یہی میرا دھرم ہے۔ اب چھل اور کپٹ سے ہی میری رکشا ہوگی۔ وہ دھرماتما سہی، دانی سہی، وِدوان سہی، یہ بھی جانتی ہوں کہ انھیں مجھ سے پریم ہے، سچّا پریم ہے۔ وہ مجھے پاکر مگدھ ہوجائیں گے، میرے اساروں (اشاروں) پر ناچیں گے، مجھ پر اپنے پران نیوچھاور کریں گے۔ کیا میں اس پریم کے بدلے کپٹ کرسکوں گی۔ جو مجھ پر جان دے گا، میں اس کے ساتھ کیسے دگا (دغا) کروں گی؟ یہ بات مردوں میں ہی ہے کہ جب وہ کسی دوسری استری پر موہت ہوجاتے ہیں تو پہلی استری کے پران لینے سے بھی نہیں ہچکتے۔ بھگوان، یہ مجھ سے کیسے ہوگا؟ (ظاہر) کیوں کاکی، تم اپنی جوانی میں تو بڑی سُندر رہی ہوگی؟

سلونی : یہ تو نہیں جانتی بیٹی، پر اتنا جانتی ہوں کہ تمھارے کاکا کی آنکھوں میں میرے سوا اور کوئی استری جنچتی ہی نہ تھی۔ جب تک چار یا پانچ لڑکوں کی ماں نہ ہوگئی پنگھٹ پر نہ جانے دیا۔

راجیشوری : بُرا نہ ماننا کاکی، یوں ہی پوچھتی ہوں، ان دنوں کوئی دوسرا آدمی تم پر موہت ہو جاتا اور کاکا کو جیہل (جیل) بھجوا دیتا تو تم کیا کرتیں؟

سلونی : کرتی کیا، ایک کٹاری انچل کے نیچے چھپا لیتی۔ جب وہ میرے اوپر پریم کے

پھولوں کی وَرشا کرنے لگتا، میرے سُکھ ولاس کے لیے سنسار کے اچھے اچھے پدارتھ جمع کردیتا، میرے ایک کٹاکش (ترچھی نظر) پر، ایک مُسکان پر، ایک بھاؤ پر پھولا نہ سماتا، تو میں اس سے پریم کی باتیں کرنے لگتی۔ جب اس پر نسا (نشہ) چھا جاتا، وہ متوالا ہوجاتا تو کٹار نکال کر اس کی چھاتی میں بھونک دیتی۔

راجیشوری : تمھیں اس پر تنک بھی دَیا نہ آتی؟

سلونی : بیٹی، دَیادینوں (غریبوں، پریشان حالوں) پر کی جاتی ہے کہ اتیاچاریوں پر؟ دھرم پریم کے اوپر ہے، اسی بھانتی جیسے چندرما سورج کے اوپر ہے۔ چندرما کی جوتی (جیوتی) دیکھنے میں اچھی لگتی ہے لیکن سورج کی جیوتی سے سنسار کا پالن ہوتا ہے۔

راجیشوری : (من میں) بھگوان، مجھ سے یہ کپٹ بیوہار کیسے نبھے گا! اگر کوئی دُشٹ، دُراچاری آدمی ہوتا تو میرا کام سہج تھا۔ اس کی دُشٹتا میرے کرودھ کو بھڑکا دیتی۔ بھئے تو اس پُروش کی سجّنتا (شرافت) سے ہے۔ اس سے بڑا بھئے اس کے نشکپٹ (دغا، فریب سے پاک) پریم سے ہے۔ کہیں پریم کی ترنگوں میں بہہ تو نہ جاؤں گی، کہیں ولاس میں تو متوالی نہ ہوجاؤں گی۔ کہیں ایسا نہ ہوگا کہ محلوں کو دیکھ کر من میں اس جھونپڑے کا نرادر ہونے لگے، تکیوں پر سوکر بھی یہ ٹوٹی کھاٹ گرنے لگے، اچھے اچھے بھوجن کے سامنے اس روکھے سوکھے بھوجن سے من پھر جائے، لونڈیوں کے ہاتھ پان کی طرح پھیرے جانے سے یہ محنت مجوری اکھرنے لگی۔ سوچنے لگوں ایسا سُکھ پاکر کیوں اس پر لات ماروں؟ چار دن کی جندگانی (زندگانی) ہے اسے چھل کپٹ، مرنے مارنے میں کیوں گنواؤں؟ بھگوان کی جو اِکشا تھی وہ ہوا اور ہورہا ہے۔ (ظاہر) کاکی، کٹار بھونکتے ہوئے تمھیں ڈر نہ لگتا؟

سلونی : ڈر کس بات کا؟ کیا میں پنچھی سے بھی گئی بیتی ہوں۔ چڑیا کو سونے کے

پنجرے میں رکھو، میوے اور مٹھائی کھلاؤ، لیکن وہ پنجرے کا دُوار کھلا پاکر ترنت اُڑ جاتی ہے۔ اب بیٹی سوؤ، آدھی رات سے اوپر ہوگئی ہے۔ میں تمھیں گیت سناتی ہوں۔

(گاتی ہے)

مجھے لگن لگی پربھو پاون کی۔

راجیشوری : (من میں) انھیں گانے کی پڑی ہے۔ کنگال ہوکر جیسے آدمی کو چور کا کھٹکا نہیں رہتا، نہ آگم کو کوئی چنتا، اُسی بھانتی جب کوئی آگے پیچھے نہیں رہتا تو آدمی نشچنت ہو جاتا ہے۔ (ظاہر) کاکی، مجھے بھی اپنی بھانتی پرسن چت (خوش مزاج) رہنا سکھا دو۔

سلونی : اے، نوج بیٹی، چنتا دھن اور جن سے ہوتی ہے۔ جسے چنتا نہ ہو وہ بھی کوئی آدمی ہے۔ وہ ابھاگا ہے، اس کا منہ دیکھنا پاپ ہے۔ چنتا بڑے بھاگوں سے ہوتی ہے۔ تم سمجھتی ہوگی، بڑھیا ہردم پرسن رہتی ہے تبھی تو گایا کرتی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں گاتی نہیں روتی ہوں۔ آدمی کو بڑا آنند ملتا ہے تو رونے لگتا ہے اسی بھانتی جب دکھ اتھاہ ہو جاتا ہے تو گانے لگتا ہے۔ اِسے ہنسی مت سمجھو، یہ پاگل پن ہے۔ میں پگلی ہوں۔ پچاس آدمیوں کا پریوار آنکھوں کے سامنے سے اٹھ گیا۔ دیکھیں بھگوان اس مٹّی کی کون گت کرتے ہیں۔

(گاتی ہے)

مجھے لگن لگی پربھو پاون کی
اے جی پاون کی گھر لاون کی
چھوڑ کاج اُرو لاج جگت کی
نِش دن دھیان لگاون کی ۔ مجھے لگن ....
سُرت اُجالی کھل گئی تالی
گگن محل میں جاون کی ۔ مجھے لگن ....

جھلمل کاری جو نہاری
جیسے بجلی ساون کی
مجھے لگن لگی پر بھوپاون کی
بیٹی، تم ہلدھر کا سپنا تو نہیں دیکھتی ہو؟

راجیشوری : بہت بُرے سپنے دیکھتی ہوں۔ اسی ڈر کے مارے تو میں اور نہیں سوتی۔ آنکھ جھپتی اور سپنے دکھائی دینے لگے۔

سلونی : کل سے تُلسی ماتا کو دیا چڑھا دیا کرو۔ اتوار منگل کو پیپل میں پانی دے دیا کرو۔ مہابیر سامی کو لڈّو کی منوتی کردو۔ کون جانے دیوتاؤں کے پرتاپ سے لوٹ آئے۔ اچھا اب مہابیر جی کا نام لے کر سوجاؤ۔ رات بہت گئی ہے، تو گھڑی میں بھور ہوجائے گا۔

(سلونی کروٹ بدل کر سوتی ہے اور خرّاٹے بھرنے لگتی ہے)

راجیشوری : (آپ ہی آپ) بڑھیا سورہی ہے، اب میں چلنے کی تیاری کروں۔ کشتری (حکمراں ذات، ہندوؤں کے چار ورنوں میں سے دوسرا اعلیٰ ورن) لوگ رَن پر جاتے تھے تو کھوب سج کر جاتے تھے۔ میں بھی کپڑے لتّے سے لیس ہوجاؤں۔ وہ پانچوں ہتھیار لگاتے تھے۔ میرے ہتھیار میرے گہنے ہیں۔ وہی پہن لیتی ہوں۔ وہ کیسر کا تلک لگاتے تھے۔ میں سندور کا ٹیکا لگا لیتی ہوں۔ وہ مَلچھوں کا سنہار کرنے جاتے تھے، مجھے دیوتا کا سنہار کرنا ہے۔ بھگوتی تم میری سہاے ہو .... لیکن کشتری لوگ تو ہنستے ہوئے گھر سے بِدا ہوتے تھے۔ میری آنکھوں میں آنسو بھرے آتے ہیں۔ آج یہ گھر چھوٹتا ہے! اسے ساتویں دن لیپتی تھی، تیوہاروں پر پوتنی مٹی سے پوتتی تھی۔ کتنی امنگ سے آنگن میں پھلواری لگاتی تھی۔ اب کون ان کی اتنی سیوا کرے گا۔ دو ہی چار دنوں میں یہاں بھوتوں کا ڈیرہ ہوجائے گا۔ ہوجائے! جب گھر کا پرانی ہی نہیں رہا تو گھر لے کر کیا کرو؟ آہ، پیر باہر نہیں نکلتے، جیسی دیواریں

کھینچ رہی ہوں۔ ان سے گلے مل لوں۔ گائے بھینس کتنے سادھ (شوق) سے لی تھیں۔ اب ان سے بھی ناتا ٹوٹتا ہے۔ دونوں گابھن ہیں۔ ان کے بچوں کو بھی نہ کھیلانے پائی۔ بے چاری ہڑک ہڑک کر مرجائیں گی۔ کون انھیں منھ اندھیرے بھوسا کھلی دے گا، کون انھیں تالاب میں نہلائے گا۔ دونوں مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئیں۔ میری اور منھ بڑھا رہی ہیں، پوچھ رہی ہیں کہ آج کہاں کی تیاری ہے؟ ہائے! کیسے پریم سے میرے ہاتھوں کو چاٹ رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں کتنا پیار ہے! آؤ آج چلتے چلاتے تمھیں اپنے ہاتھوں سے دانہ کھلادوں! ہا بھگوان، دانہ نہیں کھاتیں، میری اور منھ کرکے تاکتی ہیں۔ سمجھ رہی ہیں کہ یہ اس طرح بہلا کر ہمیں چھوڑے جاتی ہیں۔ ان کے پاس سے کیسے جاؤں؟ رسّی تڑا رہی ہیں، ہنکار مار رہی ہیں۔ وہ دیکھو بیل بھی اٹھ بیٹھے۔ وہ گئے، ان بے چاروں کی سیوا نہ ہوسکی۔ وہ انھیں گھنٹوں سہلایا کرتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں تمھیں آنے والی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔ کچھ تم ہی بتاؤ، وہ کہاں ہے، کیسے ہیں، کب آئیں گے؟ کیا اب کبھی ان کی صورت دیکھنی نہ نصیب ہوگی؟ ایسا جان پڑتا ہے، ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہیں۔ جاؤ اب تم سبھی کو بھگوان کے بھروسے چھوڑتی ہوں۔ گاؤں والوں کو دیا آئے گی تو تمھاری سُدھی (خبر) لیں گے، نہیں تو یہیں بھوکھے (بھوکے) رہوگے۔ پھتو میاں تمھاری سیوا کریں گے۔ ان کے رہتے تمھیں کوئی کشٹ نہ ہوگا۔ وہ دو آنکھیں بھی نہ کریں گے کہ اپنے بیلوں کو دانہ اور کھلی دیں، تمھارے سامنے سوکھا بھوسا ڈال دیں۔ لو اب بِدا ہوتی ہوں۔ بھور ہورہا ہے، تارے مدھم پرنے لگے۔ چلو مَن، اس رونے بسورنے سے کام نہ چلے گا! اب تو میں ہوں اور پریم کوشل کا رن چھیتر ہے۔ بھگوتی کا اور ان سے بھی اَدھک اپنی دِرِڑھتا کا بھروسہ ہے۔

پانچواں منظر

[استھان — سبل سنگھ کا دیوان خانہ، خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی، پنکھا چل رہا ہے۔ سبل شیتل پاٹی پر لیٹے ہوئے ڈیموکریسی نام کی گرنتھ پڑھ رہے ہیں، دروازے پر ایک دربان بیٹھا جھپکیاں لے رہا ہے، سَمے — دوپہر، نصف النہار کی تیز دھوپ)

سبل : ہم ابھی جَن ستاتمک (جمہوری) راجیہ کے یوگیہ نہیں ہیں، کداپی نہیں ہیں۔ ایسے راجیہ کے لیے سترو سادھارن (عوام، سبھی) میں سکشا کی پرچُر ماترا ہونی چاہیے۔ ہم ابھی اُس آدرش سے کوسوں دور ہیں۔ اُس کے لیے مَہان سوارتھ تیاگ (خود غرضی کو ترک کرنا) کی آوشیکتا ہے۔ جب تک پرجاماتر سوارتھ کو راشٹر پر بلدان کرنا نہیں سیکھتے۔ اس کا سُوپن دیکھنا من کی مٹھائی کھانا ہے۔ امریکا، فرانس، دکشنی امریکا آدی دیشوں نے بڑے سماروہ (دھوم دھام) سے اس کی بیوستھا کی، پر اُن میں سے کسی کو بھی سپھلتا نہیں ہوئی۔ وہاں، وہاں اب بھی دن اور سمپتّی والوں کے ہی ہاتھوں میں ادھکار ہے۔ پرجا اپنے پَرتی ندھی کتنی ہی ساودھانی سے کیوں نہ چُنے پر اَنت میں ستا گنے گنایے آدمیوں کے ہی ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔ ساماجک اور راج نیتک بیوستھا ہی ایسی دوشِت (خراب، عیب دار) ہے کہ جنتا کا ادھی کانش (زیادہ تر حصہ) مٹھی بھر آدمیوں کے وش ورتی (تابع) ہوگیا ہے۔ جنتا اتنی نربل، اتنی اشکت (کمزور) ہے کہ ان شکتی شالی پُروشوں کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی۔ یہ بیوستھا سَروتھا اپوادمَے (مکمل طور پر برائیوں سے پُر)، ونشٹ کاری اور اتیاچار پورن (ظلم پر مبنی) ہے۔ آدرش بیوستھا یہ ہے کہ سب کے اِدھکار برابر ہوں، کوئی زمیندار بن کر، کوئی مہاجن بن کر جنتا پر رعب نہ جما سکے۔ یہ اونچ نیچ کا گھرِنت بھید اٹھ جائے۔ اس سبل۔ نبل سنگرام میں جنتا کی دَشا بگڑتی چلی جاتی ہے۔ اس کا سب سے بھینکر پرینام یہ ہے کہ جنتا آتم

سمان وِہین ہوتی جاتی ہے، اس میں پولوبھنوں کا پرتیکار (انتقام، تدبیر) کرنے، انیائے کا سر کچلنے کی سامرتھیہ نہیں رہی۔ چھوٹے چھوٹے سوارتھ کے لیے بہودھا (اکثر) بھے وَش (خوف کے سبب) کیسے کیسے انرتھ ہو رہے ہیں .... (من میں) کتنی یتھارتھ بات لکھی ہے۔ آج ایسا کوئی اسامی نہیں ہے جس کے گھر میں میں اپنے دُشاچرن کا تیر نہ چلا سکوں۔ میں قانون کے بَل سے، بھے کے بل سے، پرلوبھن کے بل سے اپنا ابھیشٹ پورا کرسکتا ہوں۔ اپنی شکتی کا گیان ہمارے دُساہس کو، کبھاؤں کو اور اُتیجت کردیتا ہے۔ خیر! ہلدھر کو جیل گئے ہوئے آج دسواں دن ہے، میں گاؤں کی طرف نہیں گیا۔ نہ جانے راجیشوری پر کیا گزر رہی ہے۔ کون منھ لے کر جاؤں؟ اگر کہیں گاؤں والوں کو یہ چال معلوم ہوگئی ہوگی تو میں وہاں منھ بھی نہ دکھا سکوں گا۔ راجیشوری کو اپنی دَشا چاہے کتنی کشٹ پَرد (تکلیف دہ) جان پڑتی ہو، پر اُسے ہلدھر سے پریم ہے۔ ہلدھر کا دَروہی (دشمن) بن کر اُس کے پریم رس کو نہیں پا سکتا۔ کیوں نہ کل چلا جاؤں، اس اُدھیڑبُن میں کب تک پڑا رہوں گا۔ اگر گاؤں والوں پر یہ رَہسیہ کھل گیا ہوگا تو میں وِسمے (حیرت) دکھا کر کہہ سکتا ہوں کہ مجھے خبر نہیں ہے، آج ہی پتہ لگاتا ہوں۔ سب طرح اُن کی دل جوئی کرنی ہوگی اور ہلدھر کو مُکت کرانا پڑے گا۔ ساری بازی اِسی داؤں پر نربھر ہے۔ میری بھی کیا حالت ہے، پڑھتا ہوں ڈیموکریسی اور .... اپنے کو دھوکا دینا ییرتھ (بے معنی) ہے۔ یہ پریم نہیں کیوَل کام لپسا (بوالہواسی، شہوانی خواہش) ہے۔ پریم دُرلبھ وَستو ہے، یہ اس اَدِھکار کا جو مجھے اسامیوں پر ہے، دُرپیوگ (ناجائز استعمال) ماتر ہے۔

(دربان آتا ہے)

سبل : کیا ہے؟ میں نے کہہ دیا ہے اس وقت مجھے دِق مت کیا کرو۔ کیا مختار آئے ہیں؟ انھیں اور کوئی وقت ہی نہیں ملتا؟

دربان : جی نہیں، مختار نہیں آئے ہیں۔ ایک عورت ہے۔

سبل : عورت ہے؟ کوئی بھکارن ہے کیا؟ گھر میں سے کچھ لاکر دے دو۔ تمھیں ذرا بھی تمیز نہیں ہے، ذرا سی بات کے لیے مجھے دِق کیا۔

دربان : ہجور، بھکھارن (بھکارن) نہیں ہے۔ ابھی پھاٹک پر ایک اِکّے پر سے اُتری ہے۔ کھوب (خوب) گہنے پہنے ہوئے ہے۔ کہتی ہے مجھے راجا صاحب سے کچھ کہنا ہے۔

سبل : (چونک کر) کوئی دیہاتن ہوگی؟ کہاں ہے؟

دربان : وہاں مَولسری کے نیچے بیٹھی ہے۔

سبل : سمجھ گیا، براہمنی ہے، اپنے پتی کے لیے دوا مانگنے آئی ہے۔ (من میں) وہی ہوگی۔ دل کیسا دھڑکنے لگا۔ دوپہر کا سَمے ہے۔ نوکر چاکر سب سو رہے ہوں گے۔ دربان کو برف لانے کے لیے بازار بھیج دوں۔ اُسے باغیچے والے بنگلے میں ٹھہراؤں۔ (ظاہر) اُسے بھیج دو اور تم جاکر بازار سے برف لیتے آؤ۔

(دربان چلا جاتا ہے۔ راجیشوری آتی ہے۔ سبل سنگھ فوراً اٹھ کر اُسے باغیچے والے بنگلے میں لے جاتے ہیں)

راجیشوری : آپ تو ٹٹّی لگائے آرام کررہے ہیں اور میں جلتی ہوئی دھوپ میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ گاؤں کی اُور جانا ہی چھوڑ دیا۔ سارا شہر بھٹک چکی تو مکان کا پتہ ملا۔

سبل : کیا کہوں، میری حماقت سے تمھیں اتنی تکلیف ہوئی، بہت لجّت ہوں۔ کئی دن سے آنے کا ارادہ کرتا تھا پر کسی نہ کسی کارن سے رُک جانا پڑتا تھا۔ برف آتی ہوگی، ایک گلاس شربت پی لو تو یہ گرمی دور ہوجائے۔

راجیشوری : آپ کی کرپا ہے، میں نے برف کبھی نہیں پی ہے۔ آپ جانتے ہیں، میں یہاں کیا کرنے آئی ہوں؟

سبل : درشن دینے کے لیے۔

راجیشوری : جی نہیں، میں ایسی نسوارتھ نہیں ہوں۔ آئی ہوں آپ کے گھر میں رہنے؛

آپ کا پریم کھینچ لایا ہے۔ جس رسّی میں بندھی ہوئی تھی وہ ٹوٹ گئی۔ ان کا آج دس گیارہ دن سے کچھ پتہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہیں دیس وِدیس بھاگ گئے۔ پھر میں کس کی ہوکر رہتی۔ سب چھوڑ چھاڑ کر آپ کی سَرن آئی ہوں اور سدا کے لیے۔ اس اوجڑ گاؤں سے جی بھر گیا۔

سبل : تمھارا گھر ہے، آنند سے رہو۔ دھنیہ بھاگ کہ مجھے آج یہ اَوسر ملا۔ میں اتنا بھاگیہ وان ہوں، مجھے اس کا وشواس ہی نہ تھا۔ میری تو یہ حالت ہو رہی ہے۔

ہماری گھر میں وہ آئیں خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ایسا بوکھلا گیا ہوں کہ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا، تمھاری کیسے خدمت کروں۔

راجیشوری : مجھے اس بنگلے میں رہنا ہوگا؟

سبل : ایسا ہوتا تو کیا پوچھنا تھا، پر یہاں بکھیڑا ہے، بدنامی ہوگی۔ میں آج ہی شہر میں ایک چھوٹا مکان ٹھیک کرلوں گا۔ سب انتظام وہیں ہوجائے گا۔

راجیشوری : (پیار بھری ترچھی نظروں سے دیکھ کر) پریم کرتے ہو اور بدنامی سے ڈرتے ہو۔ یہ کچا پریم ہے۔

سبل : (جھینپ کر) ابھی نیا رنگروٹ ہوں نہ۔

راجیشوری : (ڈبڈبائی آنکھوں سے) میں نے اپنا سربس (سب کچھ) (سروَسو) آپ کو دے دیا۔ اب میری لاج آپ کے ہاتھ ہے۔

سبل : (اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر تسکین دیتے ہوئے) راجیشوری، میں تمھاری اس کرپا کو کبھی نہ بھولوں گا۔ مجھے بھی آج سے اپنا سیوک، اپنا چاکر، جو چاہے سمجھو۔

راجیشوری : (مُسکرا کر) آدمی اپنے سیوک کی سَرن نہیں جاتا، اپنے سُوامی کی سرن آتا

ہے۔ معلوم نہیں آپ میرے من کے بھاؤں کو جانتے ہیں یا نہیں، پر ایشور نے آپ کو اتنی وِدّیا اور بدّھی دی ہے۔ آپ سے کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔ میں آپ کے پریم، کیوَل آپ کے پریم کے وَش (قابو) ہوکر آئی ہوں۔ پہلی بار جب آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو اس نے مجھ پر منتر سا پھونک دیا۔ مجھے اس میں پریم کی جھلک دکھائی دی۔ تبھی سے میں آپ کی ہوگئی۔ مجھے بھوگ ولاس کی اِکشا نہیں، میں کیوَل آپ کو چاہتی ہوں۔ آپ مجھے جھونپڑی میں رکھیے، مجھے گاجی گاڑھا پہنایئے، مجھے ان میں بھی سُورگ (جنت) کا آنند ملے گا۔ بس آپ کی پریم دِرشٹی مجھ پر بنی رہے۔

سبل : (فخر کے ساتھ) میں زندگی بھر تمھارا رہوں گا اور کیوَل تمھارا۔ میں نے اُچ گل (اعلیٰ گھرانہ) میں جنم پایا۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ میرا پالن پوشن بڑے لاڈ پیار سے ہوا جیسا رئیسوں کے لڑکوں کا ہوتا ہے۔ گھر میں بیسیوں یُووَتی مہریاں، مراجنیں تھیں۔ اُدھر نوکر چاکر بھی میری کُورتیوں (بُری ذہنیت) کو بھڑکاتے رہتے تھے۔ میرے چرتر پتن کے سبھی سامان جمع تھے۔ رئیسوں کے اَدھیکانش (زیادہ تر) یُوک اسی طرح بھرشٹ ہو جاتے ہیں۔ پر ایشور کی مجھ پر کچھ ایسی دَیا تھی کہ لڑکپن ہی سے میری پَروِرتی وِدیابھیاس کی اُور (رجحان علم کے حصول کی طرف) تھی اور اُس یُوواوَستھا میں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ میں سمجھنے لگا تھا، پریم کوئی وستو ہی نہیں، کیوَل کویوں (شاعروں) کی کلپنا ہے۔ میں نے ایک سے ایک یُووَن وَتی (جوان اور حسین) سندریاں دیکھی ہیں، پر کبھی میرا چِت وِچلِت نہیں ہوا۔ تمھیں دیکھ کر پہلی بار میری ہردَے وِینا کے تاروں میں چوٹ لگی۔ میں اِسے ایشور کی اِکشا کے سوائے اور کیا کہوں۔ تم نے پہلی ہی نگاہ میں مجھے پریم کا پیالہ پلا دیا، تب سے آج تک اسی نشے میں مست تھا۔ بہت اُپائے کیے، کتنی ہی کھٹائیاں کھائیں پر یہ نشہ نہ اُترا۔ میں اپنے من کے اس رہسیہ کو اب تک

نہیں سمجھ سکا۔ راجیشوری، سچ کہتا ہوں، میں تمھاری اُور سے نراش تھا۔ سمجھتا تھا، اب یہ زندگی روتے ہی کٹے گی، پر بھاگیہ کو دھنیہ ہے کہ آج گھر بیٹھے دیوی کے درشن ہوگئے اور جس وَردان کی آشا تھی وہ بھی مل گیا۔

راجیشوری : میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں، پر سنکوچ کے مارے نہیں کہہ سکتی۔

سبل : کہو کہو، مجھ سے کیا سنکوچ! میں کوئی دوسرا تھوڑے ہی ہوں۔

راجیشوری : نہ کہوں گی، لاج آتی ہے۔

سبل : تم نے مجھے چنتا میں ڈال دیا، بِنا سُنے مجھے چین نہ آئے گا۔

راجیشوری : کوئی ایسی بات نہیں ہے، سُن کر کیا کیجیے گا!

سبل : (راجیشوری کے دونوں ہاتھ پکڑ کر) بِنا کہے نہ جانے دوں گا، کہنا پڑے گا۔

راجیشوری : (تذبذب کی حالت میں) میں سوچتی ہوں کہیں آپ یہ سمجھیں کہ جب یہ اپنے پتی کی ہوکر نہ رہی تو میری ہوکر کیا رہے گی۔ ایسی چنچل عورت کا کیا ٹھکانا ....

سبل : بس کرو راجیشوری، اب اور کچھ مت کہو۔ تم نے مجھے اتنا نیچ سمجھ لیا۔ اگر میں تمھیں اپنا ہردَے کھول کر دکھا سکتا تو تمھیں معلوم ہوتا کہ میں تمھیں کیا سمجھتا ہوں۔ وہ گھر، اُس گھر کے پرانی، وہ سماج، تمھارے یوگیہ نہ تھے۔ گلاب کی شوبھا باغ میں ہے، گھور پر نہیں۔ تمھارا وہاں رہنا اتنا اَسوابھاوِک تھا جتنا سُوَر کے ماتھے پر سیندور کا ٹیکا ہوتا ہے یا جھونپڑی میں جھاڑ۔ وہ جَل وایو (آب و ہوا) تمھارے سَروتھا پرتیکوُل (بالکل برعکس) تھا۔ ہنس مَروبھومی (ریگستان) میں نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر میں سوچوں، کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ جب یہ اپنی وِواہِتا استری کا نہ ہوا تو میرا کیا ہوگا، تو؟

راجیشوری : (سنجیدگی سے) مجھ میں اور آپ میں بڑا اَنتر ہے۔

سبل : یہ باتیں پھر ہوں گی، اس وقت آرام کرو، تھک گئی ہوگی۔ پنکھا کھولے دیتا

ہوں۔ سامنے والی کوٹھری میں پانی وانی سب رکھا ہوا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔

چھٹا منظر

[سبل سنگھ کا بھون، گلابی اور گیانی فرش پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ بابا چیتن داس غالیچے پر پر مسند لگائے لیٹے ہوئے ہیں۔ رات کے آٹھ بجے ہیں۔]

گلابی : آج مہاتما جی نے بہت دنوں کے بعد درشن دیے۔

گیانی : میں نے سمجھا تھا کہیں تیرتھ چلے گئے ہوں گے۔

چیتن داس : ماتا جی، میرے کو اب تیرتھ یاترا سے کیا پریوجن؟ ایشور تو من میں ہے، اُسے پربتوں کے شکھر اور ندیوں کے تٹ پر کیوں کھوجوں؟ وہ گھٹ گھٹ ویاپی (پھیلا ہوا، رچابسا ہوا) ہے، وہی تم میں ہے، وہی مجھ میں ہے، اُسی کی اکھل (ساری) جیوتی ہے۔ یہ وبھنتا کیول بہر جگت (خارجی دنیا) میں ہے۔ انتر جگت (داخلی دنیا) میں کوئی بھید نہیں ہے۔ میں اپنی کُٹی میں بیٹھا ہوا دھیاناوستھا (دھیان کی حالت) میں اپنے بھکتوں سے ساکشات (ملاقات) کرتا رہا ہوں۔ یہ میرا نتیہ کا نیم ہے۔

گلابی : (گیانی سے) مہاتما جی انترجامی (دل کا حال جاننے والا) ہیں۔ مہاراج، میرا لڑکا میرے کہنے میں نہیں ہے۔ بہو نے اُس پر نہ جانے کون سا منتر ڈال دیا ہے کہ میرا بات ہی نہیں پوچھتا۔ جو کچھ کماتا ہے وہ لاکر بہو کے ہاتھ میں دیتا ہے، وہ چاہے کان پکڑ کر اٹھائے یا بیٹھائے، بولتا ہی نہیں۔ کچھ ایسا اُتجوگ (یوگ کا اثر، کرشمہ) کیجیے کہ وہ میرے کہنے میں ہو جائے، بہو کی اُور سے اس کا چت پھر جائے۔ بس یہی میری لالسا ہے۔

چیتن داس : (مُسکرا کر) بیٹے کو بہو کے لیے ہی تو پالا پوسا تھا۔ اب وہ بہو کا ہورہا تو

تیرے کو کیوں اِیرشیا (حسد، جلن) ہوتی ہے؟

گیانی : مہاراج، وہ استری کے پیچھے اس بے چاری سے لڑنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

چیتن : وہ کوئی بات نہیں ہے۔ میں اُسے موم کی بھانتی جدھر چاہوں پھیر سکتا ہوں، کیول اس کو مجھ پر شردھا رکھنی چاہیے۔ شردھا، شردھا، شردھا؛ یہی اَرتھ، دھرم، کام، موکش کی پراپتی کا مول منتر ہے۔ شردھا سے برہم مل جاتا ہے۔ پر شردھا اُتپن کیسے ہو؟ کیول باتوں ہی سے شردھا اُتپن نہیں ہو سکتی۔ وہ کچھ دیکھنا چاہتی ہے۔ بولو کیا دکھاؤں؟ تم دونوں من میں کوئی بات لے لو۔ میں اپنے یوگ بَل سے ابھی بتلا دوں گا۔ گیانی دیوی پہلے تم من میں کوئی بات لو۔

گیانی : لے لیا مہاراج۔

چیتن داس : (دھیان کر کے) بڑی دور چلی گئیں۔ 'موتیوں کا ہار' ہے نہ؟

گیانی : ہاں مہاراج، یہی بات تھی۔

چیتن : گلابی، اب تم کوئی بات لو۔

گلابی : لے لی مہاراج۔

چیتن : (دھیان کر کے مسکرا کر) بہو سے اتنا دُویش (نفرت) — وہ مر جائے؟

گلابی : ہاں مہاراج، یہی بات تھی۔ آپ سچ مچ میں انتریامی ہیں۔

چیتن : کچھ اور دیکھنا چاہتی ہو؟ بولو، کیا وَستو یہاں منگواؤں؟ میوا، مٹھائی، ہیرے، موتی، ان سب وَستوؤں کے ڈھیر لگا سکتا ہوں۔ امرود کے دن نہیں ہے، جتنا امرود چاہو منگوا دوں۔ بھیجو پربھو جی، بھیجو، ترنت بھیجو —

(موتیوں کا ڈھیر لگتا ہے)

گلابی : آپ سدّھ ہیں۔

گیانی : آپ کی چمتکار شکتی کو دھنیہ ہے۔

چیتن داس : اور کیا دیکھنا چاہتی ہو؟ کہو، یہاں سے بیٹھے بیٹھے انتردھیان (معدوم، غائب) ہو جاؤں اور پھر یہیں بیٹھا ہوا ملوں۔ کہو، وہاں اس برکش (درخت)

کے نیچے تمھیں نیپتھیہ (پس منظر، پس پردہ) میں تمھیں گانا سناؤں۔ ہاں، یہی اچھا ہے۔ دیوگن (دیوتا لوگ) تمھیں گانا سنائیں گے، پر تمھیں اُن کے درشن نہ ہوں گے۔ اس برکش کے نیچے چلی جاؤ۔

(دونوں جاکر پیڑ کے نیچے کھڑی ہوجاتی ہیں۔ گانے کی دھونی آنے لگتی ہے)

باہر ڈھونڈھن جامت سجنی،
پیا، گھر بیچ براج رہے ری
گگن محل میں سیج بچھی ہے
انہد باجے باج رہے ری
امرت برسے، بجلی چمکے
گھُمر گھُمر گھن گاج رہے ری

گیانی : ایسے مہاتماؤں کے درشن دُرلبھ ہوتے ہیں۔

گلابی : جوگ بَل کی بڑی مہما ہے۔ مگر دیوتا بہت اچھا نہیں گاتے۔ گلا دباکر گاتے ہیں کیا؟

گیانی : پگلا گئی ہے کیا۔ مہاتماجی اپنی سدّھی دکھا رہے ہیں کہ تمھارے لیے دیوتاؤں کی سنگیت منڈلی کھڑی ہے۔

گلابی : ایسے مہاتما کو راجا صاحب دھورت کہتے ہیں۔

گیانی : بہت وڈا پڑھنے سے آدمی ناستِک ہوجاتا ہے۔ میرے من میں تو ان کے پرتی بھکتی اور شردھا کی ایک ترنگ سی اٹھ رہی ہے۔ کتنا دیوتلیہ (دیوتاؤں جیسا) سوروپ ہے۔

گلابی : کچھ بھینٹ بھانٹ تو لیں گے نہیں؟

گیانی : ارے رام رام! مہاتماؤں کو روپے پیسے کا کیا موہ؟ دیکھتی تو ہو کہ موتیوں کا ڈھیر سا سامنے لگے ہوئے ہیں۔ کس چیز کی کمی ہے؟

(دونوں کمرے میں آتی ہیں۔ گانا بند ہوجاتا ہے)

گیانی : ارے! مہاتما جی کہاں چلے گئے؟ یہاں سے اُٹھتے تو نہیں دیکھا۔

گلابی : ان کی مایا کون جانے۔ انتر دھیان ہوگئے ہوں۔

گیانی : کتنی الوکِک (سماوی، غیر دنیاوی) لیلا ہے!

گلابی : اب مرتے دم تک اُن کا دامن نہ چھوڑوں گی۔ انھیں کے ساتھ رہوں گی اور سیوا ٹہل کرتی رہوں گی۔

گیانی : مجھے تو پورا وشواس ہے کہ میرا منورتھ انھیں سے پورا ہوگا۔

(اچانک چیتن داس مسند لگائے بیٹھے دکھائی دیتے ہیں)

گلابی : (قدموں پر گرکر) دھنیہ ہو مہاراج، آپ کی لیلا اپرم پار ہے۔

چیتن داس : کچھ اور دیکھنا چاہتی ہو؟

گیانی : مہاراج بہت دیکھ چکی۔ مجھے وشواس ہوگیا کہ آپ میرا منورتھ پورا کریں گے۔

چیتن : جو کچھ میں کہوں کرنا ہوگا۔

گیانی : سر کے بَل کروں گی۔

چیتن : کوئی شنکا کی تو پرینام بُرا ہوگا۔

گیانی : (کانپتی ہوئی) اب مجھے کوئی شنکا نہیں ہوسکتی۔ جب آپ کی شرن آگئی تو کیسی شنکا؟

چیتن : (مسکراکر) اگر آگیا دوں، کنویں میں کود پڑ۔

گیانی : تُرت کود پڑوں گی۔ مجھے وشواس ہے کہ اس سے بھی میرا کلیان ہوگا۔

چیتن : اگر کہوں، اپنے سب آبھوشن اتار کر مجھے دے دو تو من یہ تو نہ کہے گی، اسی لیے یہ جال پھیلایا تھا، دھورت ہیں۔

گیانی : (چرنوں میں گرکر) مہاراج، آپ پران بھی مانگ لیں تو آپ کی بھینٹ کروں گی۔

چیتن : اچھا اب جاتا ہوں۔

ساتواں منظر

[سمے — پراتہ کال، جیٹھ، استھان — گنگا کا کنارا، راجیشوری ایک سجے ہوئے کمرے میں مسند لگائے بیٹھی ہے۔ دو تین لونڈیاں، اِدھر اُدھر دوڑ رہی ہیں۔ سبل سنگھ کا پرویش)

سبل : اگر مجھے اُوشا کا چتر کھینچنا ہو تو تمھیں کو نمونہ بناؤں۔ تمھارے مکھ پر مند سَمیرن (ہلکی ہوا) سے لہراتے ہوئے کیش ایسی شوبھا دے رہے ہیں مانو............

راجیشوری : دو ناگنیں لہراتی چلی جاتی ہوں، کسی پریمی کو ڈسنے کے لیے۔

سبل : تم نے ہنسی میں اڑا دیا، میں نے بہت ہی اچھی اُپما (تشبیہ، مثال) سوچی تھی۔

راجیشوری : کھیر (خیر)، یہ بتایئے تین دن تک درشن کیوں نہیں دیا؟

سبل : (تذبذب میں پڑکر) میں نے سمجھا شاید میرے روز آنے سے کسی کو سندیہہ ہائے۔

راجیشوری : مجھے اِس کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ آپ کو یہاں نِتیہ آنا ہوگا۔ آپ کو کیا معلوم ہے کہ یہاں کس طرح تڑپ تڑپ کر دن کاٹتی ہوں۔

سبل : راجیشوری ، میں اپنی دَشا کیسے درشاؤں۔ بس یہی سمجھ لو جیسے پانی بِنا مچھلی تڑپتی ہو۔ نہ سَیر کرنے کا جی چاہتا ہے، نہ گھر سے نکلنے کا، نہ کسی سے ملنے جُلنے کا، یہاں تک کہ سنیما دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ جب یہاں آنے لگتا ہوں تو ایسی پربل اُتکنٹھا (زبردست اشتیاق) ہوتی ہے کہ اڑکر آپہنچوں۔ جب یہاں سے چلتا ہوں تو ایسا جان پرتا ہے کہ مقدمہ ہار آیا ہوں۔ راجیشوری، پہلے میری کیوَل یہی اچھا تھی کہ تمھیں آنکھوں سے دیکھتا رہوں، تمھاری مدُھروانی سنتا رہوں۔ تمھیں اپنی دیوی بناکر پوجنا چاہتا تھا، پر جیسے جُور (بخار) میں جَل سے ترپتی نہیں ہوتی، ویسے ہی پریم کا بھی حال

ہے؛ وہ سروَسو (سب کچھ) دینا اور سروَسو لینا چاہتا ہے۔ اتنا یتن کرنے پر بھی گھر کے لوگ مجھے چنِت نیتروں سے دیکھنے لگے ہیں۔ انھیں میرے سُوبھاؤ میں کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جو پہلے نہیں آتی تھی۔ نہ جانے اس کا کیا اَنت ہوگا۔

راجیشوری : اس کا جو اَنت ہوگا وہ میں جانتی ہوں اور اُسے جانتے ہوئے میں نے اِس مارگ پر پاؤں رکھا ہے۔ پر اُن چنتاؤں کو چھوڑیے جب اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں کا کیا ڈر۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ دن میں کسی سَمے اوشیہ آجایا کریں۔ آپ کو دیکھ کر میرے چِت کی جوالا شانت ہو جاتی ہے جیسے جلتے ہوئے گھاؤ پر مرہم لگ جائے۔ اکیلے مجھے ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں وہ ہل جوت کسان میری ٹوہ لگاتا ہوا آ نہ پہنچے۔ یہ بھَے سدیو (ہمیشہ) میرے ہردَے پر چھایا رہتا ہے۔ اُسے کرودھ آتا ہے تو وہ اُنمت (سرشار، پاگل) ہو جاتا ہے۔ اُسے جرا (ذرا) بھی کھبر (خبر) مل گئی تو میری جان کی کھیریت (خیریت) نہیں ہے۔

سبل : اُس کی ذرا بھی چنتا مت کرو۔ میں نے اُسے حراست میں رکھوادیا ہے۔ وہاں چھ مہینے تک رکھوں گا۔ ابھی تو ایک مہینے سے کچھ ہی اوپر ہوا ہے۔ چھ مہینے کے بعد دیکھا جائے گا۔ روپے کہاں ہیں کہ دے کر چھوٹے گا!

راجیشوری : کیا جانے اس کے گائے بَیل کہاں گئے؟ بھوکھوں (بھوکوں) مرگئے ہوں گے۔

سبل : نہیں، میں نے پتہ لگایا تھا۔ وہ بڈھا مسلمان ہتو اس کے سب جانوروں کو اپنے گھر لے گیا ہے اور ان کی اچھی طرح سیوا کرتا ہے۔

راجیشوری : یہ سُن کر چنتا مٹ گئی۔ میں ڈرتی تھی کہیں سب جانور مر گئے ہوں تو ہمیں ہتّیا لگے۔

سبل : (گھڑی دیکھ کر) یہاں آتا ہوں تو سَمے کے پَر سے لگ جاتے ہیں۔ میرا بس

چلتا تو ایک ایک منٹ کے ایک ایک گھنٹے بنا دیتا۔

راجیشوری : اور میرا بس چلتا تو ایک ایک گھنٹے کے ایک ایک منٹ بنا دیتی۔ جب پیاس بھر پانی نہ ملے تو پانی میں منھ ہی کیوں لگائے۔ جب کپڑے پر رنگ کے چھینٹے ہی ڈالنے ہیں تو اس کا اُجلا رہنا ہی اچھا۔ اب من کو سمیٹنا سیکھوں گی۔

سبل : پریے ....

راجیشوری : (بات کاٹ کر) اس پوِتر شبد کو اپوتر نہ کیجیے۔

سبل : (آنکھوں میں آنسو بھر کر) میری اتنی یاچنا (درخواست) تمھیں سویکار کرنی پڑے گی۔ پریے مجھے اَنو بھو ہورہا ہے کہ یہاں رہ کر ہم آنندمَے پریم کا سُورگ سُکھ نہ بھوگ سکیں گے۔ کیوں نہ ہم کسی سُرمیہ استھان (نہایت دلکش جگہ) پر چلیں جہاں وِگھن (خلل، مزاحمت) اور بادھاؤں، چنتاؤں اور شنکاؤں سے مُکت ہوکر جیون بتیت (گزارنا) ہو۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے جَل وایو پریورتن (آب و ہوا کی تبدیلی) کے لیے کسی سواستھکر (صحت بخش) استھان کی ضرورت ہے، جیسے گڑھوال، آبوپروت یا رانچی۔

راجیشوری : لیکن گیانی دیوی کو کیا کیجیے گا؟ کیا وہ ساتھ نہ چلیں گی؟

سبل : بس یہی ایک رُکاوٹ ہے۔ ایسا کون سا یَتن کروں کہ وہ میرے ساتھ چلنے پر آگرہ نہ کرے۔ اس کے ساتھ ہی کوئی سندیہہ بھی نہ ہو۔

راجیشوری : گیانی سَتی ہیں، وہ کسی طرح یہاں نہ رہیں گی۔ یوں آپ دس پانچ دن، یا ایک دو مہینے کے لیے کہیں جائیں تو وہ ساتھ نہ جائیں گی، لیکن جب اُنھیں معلوم ہوگا کہ آپ کا سواستھ اچھا نہیں ہے تب وہ کسی طرح نہ رُکیں گی۔ اور یہ بات بھی ہے کہ ایسی ستی اِستری کو میں دُکھی نہیں کرنا چاہتی۔ میں تو کیوَل آپ کا پریم چاہتی ہوں۔ اُتنا ہی جتنا گیانی سے بچے۔ میں ان کا ادھیکار نہیں چھیننا چاہتی۔ میں اُن کے پیروں کی دھول کے برابر بھی نہیں

ہوں۔ میں اُن کے گھر میں چور کی بھانتی گھسی ہوں۔ اُن سے میری کیا برابری۔ آپ انھیں دُکھی کیے بنا مجھ پر جتنی کرپا کر سکتے ہیں اتنی کیجیے۔

سبل : (من میں) کیسے پوتر وچار ہیں۔ ایسا ناری رتن پاکر میں اُس کے سُکھ سے وَنچِت (محروم) ہوں۔ میں کمل توڑنے کے لیے کیوں پانی میں گھسا جب جانتا تھا کہ وہاں دلدل ہے۔ مَدِراپی کر چاہتا ہوں کہ اُس کا نشہ نہ ہو۔

راجیشوری : (من میں) بھگوان، دیکھوں اپنے وِرت کا پالن کر سکتی ہوں یا نہیں۔ کتنے پوِتر بھاؤ ہیں کتنا اگادھ (جس کی تھاہ اور انتہا نہ ہو) پریم!

سبل : (اٹھ کر) پریے، کل اسی وقت پھر آؤں گا۔ پریما لنگن (ہم آغوشی) کے لیے چِت اُتکنٹھت (مشتاق، مضطرب) ہو رہا ہے۔

راجیشوری : یہاں پریم کی شانتی نہیں، پریم کی داہ (آگ، جلن) ہے۔ جائیے۔ دیکھوں اب یہ پہاڑ سا دن کیسے کٹتا ہے۔ نیند بھی جانے کہاں بھاگ گئی۔

سبل : (چھجے کے زینے سے لوٹ کر) پریے غضب ہوگیا، وہ دیکھو، کنچن سنگھ جارہے ہیں۔ انھوں نے مجھے یہاں سے اترتے دیکھ لیا۔ اب کیا کروں؟

راجیشوری : دیکھ لیا تو کیا ہرج (حرج) ہوا؟ سمجھے ہوں گے آپ کسی مِتر سے ملنے آئے ہوں گے۔ جرا (ذرا) میں بھی انھیں دیکھ لوں۔

سبل : جس بات کا مجھے ڈر تھا وہی ہوا۔ اوشیہ ہی انھیں کچھ ٹوہ لگ گئی ہے۔ نہیں تو اِدھر اُن کے آنے کا کوئی کام نہ تھا۔ یہ تو ان کے پوجا پاٹھ کا سَمے ہے۔ اس وقت کبھی باہر نہیں نکلتے۔ ہاں، گنگا اسنان کرنے جاتے ہیں، مگر گھڑی رات رہے۔ ادھر سے کہاں جائیں گے؟ گھر والوں کو سندیہہ ہوگیا۔

راجیشوری : آپ سے سوروپ بہت ملتا ہوا ہے۔ سنہری عینک کھوب (خوب) کھلتی ہے۔

سبل : اگر وہ سر جھکائے اپنی راہ چلے جاتے تو مجھے شنکا نہ ہوتی، پَر وہ اِدھر اُدھر، نیچے اوپر اس بھانتی تاکتے جاتے تھے جیسے شہدے کوٹھوں کی اُور جھانکتے ہیں۔ یہ اُن کا سوبھاؤ نہیں ہے۔ بڑے ہی دَھرمک (دیندار)، سچّرتر (نیک

کردار)، ایشور بھکت پُروش ہیں۔ سانسار کتا (دنیاوی) سے انھیں گھرنا ہے۔
اسی لیے اب تک وِواہ نہیں کیا۔

راجیشوری : اگر یہ حال ہے تو یہاں پوچھ تاچھ کرنے جرور (ضرور) آئیں گے۔

سبل : معلوم ہوتا ہے اس گھر کا پتہ پہلے لگا لیا ہے۔ اس سَمے پوچھ تاچھ کرنے ہی آئے تھے۔ مجھے دیکھا تو لوٹ گئے۔ اب میری لجّا، میرا لوک سمّان، میرا جیون تمھارے ادھین ہے تمھیں میری رکشا کرسکتی ہو۔

راجیشوری : کیوں نہ کوئی دوسرا مکان ٹھیک کرلیجیے۔

سبل : اس سے کچھ نہ ہوگا۔ بس یہی اُپائے ہے کہ جب وہ یہاں آئیں تو انھیں چکما دیا جائے۔ کہلا بھیجو، میں سبل سنگھ کو نہیں جانتی۔ وہ یہاں کبھی نہیں آتے۔ دوسرا آپائے یہ ہے کہ انھیں کچھ دنوں کے لیے یہاں سے ٹال دوں۔ کہہ دیتا ہوں کہ جاکر لائل پور سے گیہوں خرید لاؤ۔ تب تک ہم لوگ یہاں سے کہیں اور چل دیں گے۔

راجیشوری : یہی ترکیب اچھی ہے۔

سبل : اچھی تو ہے، پر ہوا بڑا اَنرتھ۔ اب پردہ ڈھکا رہنا کٹھن ہے۔

راجیشوری : (من میں) ایشور، یہی میری پرتگیا کے پورے ہونے کا اوسر ہے۔ مجھے بل پردان کرو۔ (ظاہر) یہ سب مصیبتیں میری لائی ہوئی ہیں۔ میں کیا جانتی تھی کہ پریم مارگ میں اتنے کانٹے ہیں۔

سبل : میری باتوں کا دھیان رکھنا۔ میرے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔ چلوں، دیکھوں، معاملہ ابھی کنچن سنگھ ہی تک ہے یا گیانی کو بھی خبر ہوگئی۔

راجیشوری : آج سندِھیا سَمے آیئے گا۔ میرا جی اُدھر ہی لگا رہے گا۔

سبل : اَوشیہ آؤں گا۔ اب تو من لاگی رہیو، ہونی ہو سو ہوئی۔ مجھے اپنی کیرتی (شہرت، نیک نامی) بہت پیاری ہے۔ اب تک میں نے مان پرتشٹھا ہی کو جیون کا آدھار سمجھ رکھا تھا، پر اَوسر آیا تو میں اِسے پریم کی دیوی پر اُسی

طرح چڑھا دوں گا جیسے اُپاسک (پجاری) پُشپوں (پھولوں) کو چڑھا دیتا ہے، نہیں جیسے کوئی گیانی پارتھو (خاکی، مادّی) وستوؤں کو لات مار دیتا ہے۔

(جاتا ہے)

آٹھواں منظر

[سَمے ـــ سندھیا، جیٹھ کا مہینہ، استھان ـــ مدھوبن، کئی آدمی پھتو کے دُوار پر کھڑے ہیں]

منگرو : پھتو، تم نے بہت چکّر لگایا، سارا سنسار چھان ڈالا۔

سلونی : بیٹا، تم نہ ہوتے تو ہلدھر کا پتہ لگنا مُسکل تھا۔

ہرداس : پتہ لگنا تو مُسکل نہیں تھا، ہاں جرا (ذرا) دیر میں لگتا۔

منگرو : کہاں کہاں گئے تھے؟

پھتو : پہلے تو کان پور گیا۔ وہاں کے سب پُتلی گھروں کو دیکھا۔ کہیں پتہ نہ لگا۔ تب لوگوں نے کہا بمبئی چلے جاؤ۔ وہاں چلا گیا۔ مدا (بھلا، آخر) اتنے بڑے شہر میں کہاں کہاں ڈھونڈھتا۔ چار پانچ دن پُتلی گھروں میں دیکھنے گیا، پر ہیاو (خوف، جھجھک) چھوٹ گیا۔ سہر کاہے کو ہے پورا مُلک ہے۔ جان پڑتا ہے سنسار بھر کے آدمی وہاں آکر جمع ہوگئے ہیں۔ تبھی تو یہاں گاؤں میں آدمی نہیں ملتے۔ سچ مانو کچھ نہیں تو ایک ہجار (ہزار) میل (مِل) تو ہوں گے۔ رات دن ان کی چمنیوں سے دھواں نکلا کرتا ہے۔ ایسا جان پڑتا ہے، راکشوں کی فوج منھ سے آگ نکالتی آکاش سے لڑنے جارہی ہے۔ آکھر (آخر) نراش ہوکر وہاں سے چلا آیا۔ گاڑی میں ایک بابو جی سے بات چیت ہونے لگی۔ میں نے سب رام کہانی انھیں سنائی۔ بڑے دیاوان آدمی تھے۔ کہا، کسی اکبار (اخبار) میں چھپا دو کہ جو اُن کا پتہ بتا دے گا اُسے پچاس

روپے انعام دیا جائے گا۔ میرے من میں بھی بات جم گئی۔ بابو جی ہی سے مسودہ بنوا لیا اور یہاں گاڑی سے اترتے ہی سیدھے اکبار (اخبار) کے دفتر میں گیا۔ چھپائی کا دام دے کر چلا آیا۔ پانچویں دن وہ چپراسی یہاں آیا جو مجھ سے کھڑا باتیں کررہا تھا۔ اُس نے رتّی رتّی سب پتہ بتا دیا۔ ہلدھر نہ کلکتہ گیا نہ بمبئی، یہیں حراست میں ہے۔ وہی کہاوت ہوئی، گود میں لڑکا سہر میں ڈھنڈھورا۔

منگرو : حراست میں کیوں ہے؟

پھتو : مہاجن کی مہربانی اور کیا؟ ماگھ پوس میں کنچن سنگھ کے یہاں سے کچھ روپے لایا تھا۔ بس نادہندی کے معاملے میں گرفتار کرادیا۔

ہرداس : ان کے روپے تو یہاں اور کئی آدمیوں پر آتے ہیں، کسی کو گرفتار نہیں کرایا۔ ہلدھر پر ہی اتنی ٹیڑھی نگاہ کیوں کی؟

پھتو : پہلے سب کو گرفتار کرانا چاہتے تھے، پر بعد کو سبل سنگھ نے منع کردیا۔ دعویٰ دائر کرنے کی صلاح تھی۔ پر بڑے ٹھاکر تو دیاوان جیو ہیں، دعویٰ بھی ملتوی کردیا۔ ادھر لگان بھی معاف کردی۔ مجھ سے جب چپراسی نے یہ حال کہا تو جیسے بدن میں آگ لگ گئی۔ سیدھے کنچن سنگھ کے پاس گیا اور منھ میں جو کچھ آیا کہہ سنایا۔ سوچ لیا تھا، دو چار کا سر توڑ کر رکھ دوں گا، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ مگر بے چارے نے جبان (زبان) تک نہیں کھولی۔ جب میں نے کہا، آپ بڑے دھرماتما کی پونچھ بنتے ہیں، سو دو سو روپیوں کے لیے گریبوں (غریبوں) کو جیہل (جیل) میں ڈالتے ہیں، اُس آدمی کا تو یہ حال ہوا، اس کی گھروالی کا کہیں پتہ نہیں، معلوم نہیں کہیں ڈوب مری، یا کیا ہوا، یہ سب پاپ کس کے سر پڑے گا، کھدا تعالا (خدا تعالیٰ) کو کیا منھ دکھاؤ گے تو بے چارے رونے لگے۔ لیکن جب روپیوں کی بات آئی تو اس رکم (رقم) میں ایک پیسہ چھوڑنے کی حامی نہیں بھری۔

سلونی : اتنی دوڑ دھوپ تو کوئی اپنے بیٹے کے لیے بھی نہ کرتا۔ بھگوان اس کا پھل تمھیں دیں گے۔

ہرداس : مہاجن کے کتنے روپے آتے ہیں۔

پھتو : کوئی دھائی سو ہوں گے۔ تھوڑی تھوڑی مدد کردو تو آج ہی ہلدھر کو چھڑا لوں۔ میں بہت جیرباری (زیرباری) میں پڑگیا ہوں نہیں تو تم لوگوں سے نہ مانگتا۔

منگرو : بھیا، یہاں روپے کہاں، جو کچھ لیئی پونجی تھی وہ بیٹی کے گونے میں کھرچ ہوگئی۔ اس پر پتھر نے اور چوٹ کردیا۔

سلونی : بنے کے ساتھی سب ہوتے ہیں، بگڑے کا ساتھی کوئی نہیں ہوتا۔

منگرو : جو چاہے سمجھو، پر میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

ہرداس : مگر دس بیس دے بھی دیں تو کون جلدی ملے جاتے ہیں۔ برسوں میں ملیں تو ملیں۔ اس میں سب سے پہلے اپنی جمع لیں گے، تب کہیں اوروں کو ملے گا۔

منگرو : بھلا اس دوڑ دھوپ میں تمھارے کتنے روپے لگے ہوں گے؟

پھتو : کیا جانے، میرے پاس کوئی حساب کتاب تھورے ہی ہے!

منگرو : تب بھی انداج (انداز) سے؟

پھتو : کوئی ایک سو بیس روپے لگے ہوں گے۔

منگرو : (ہرداس کو کنکھیوں سے دیکھ کر) بے چارہ ہلدھر تو بنا موت مرگیا۔ 100 روپے انھوں نے چڑھا دیے، 250 روپے مہاجن کے ہوتے ہیں، گریب کہاں تک بھرے گا؟

پھتو : مصیبت میں جو مدد کی جاتی ہے وہ اللہ کی راہ میں کی جاتی ہے۔ اُسے کرج (قرض) نہیں سمجھا جاتا۔

ہرداس : تم اپنے 100 روپے تو سیدھے کرلوگے؟

سلونی : (منھ چڑھا کر) ہاں، دلالی کے کچھ پیسے تجھے بھی مل جائیں گے۔ منھ دھو رکھنا۔ ہاں بیٹا، اُسے چھڑانے کے لیے 250 روپے کی کیوں فِکر کروگے؟ کوئی مہاجن کھڑا کیا ہے؟

پھتو : نہیں کاکی، مہاجنوں کے جال میں نہ پڑوں گا۔ کچھ تمھاری بہو کے گہنے پاتے ہیں وہ گِرو رکھ دوں گا۔ روپے بھی اس کے پاس کچھ نہ کچھ نکل ہی آئیں گے۔ باکی (باقی) روپے اپنے دونوں ناٹے بیچ کر کھڑے کرلوں گا۔

سلونی : مہینے ہی بھر میں تو تمھیں پھر بیل چاہیے ہوں گے۔

پھتو : دیکھا جائے گا، ہلدھر کے بیلوں سے کام چلاؤں گا۔

سلونی : بیٹا، تم تو ہلدھر کے پیچھے تباہ ہوگئے۔

پھتو : کاکی، انھیں دنوں کے لیے تو چھاتی پھاڑ کماتے ہیں۔ اور لوگ تھانے عدالتوں میں روپے برباد کرتے ہیں۔ میں نے تو ایک پیسا بھی برباد نہیں کیا۔ ہلدھر کوئی گیر (غیر) تو نہیں ہے، اپنا ہی لڑکا ہے۔ اپنا لڑکا اس مصیبت میں ہوتا تو اُس کو چھڑانا پڑتا نہ۔ سمجھ لوں گا کہ بیٹی کے نکاح میں لگ گئے۔

سلونی : (ہرداس کی اور دیکھ کر) دیکھا، مرد ایسے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی سپوتوں کے جنم سے ماتا کا جیون سُپھل ہوتا ہے۔ تم دونوں ہلدھر کے پٹی دار ہو، ایک ہی پردادا کے پرپوتے ہو، پر تمھارا لوہو (لہو) سفید ہوگیا ہے۔ تم تو من میں کھوش (خوش) ہوگے کہ اچھا ہوا وہ گیا، اب اُس کے کھیتوں پر ہم کبجا (قبضہ) کرلیں گے۔

ہرداس : کاکی، منہ نہ کھلواؤ۔ ہمیں کون ہلدھر سے وہ واہی لوٹنی ہے، نہ ایک کے دو وصول کرنے ہیں۔ ہم کیوں اس جھمیلے میں پڑیں۔ یہاں نہ اودھو کا لینا، نہ مادھو کا دینا۔ اپنے کام سے کام ہے۔ پھر ہلدھر نے یہاں کون کس کی مدد کردی؟ پیاسوں مر بھی جاتے تو پانی کو نہ پوچھتا۔ ہاں، دوسروں کے لیے

چاہے گھر لٹا دیتے ہوں۔

منگرو : ہلدھر کی بات ہی کیا ہے، ابھی کل کا لڑکا ہے۔ اُس کے باپ نے بھی کبھی کس کی مدد کی؟ چار دن کی آئی بہو ہے، وہ بھی ہمیں دُشمن سمجھتی ہے۔

سلونی : (پھتو سے) بیٹا، سانجھ ہوئی، دِیا بتی کرنے جاتی ہوں۔ تم تھوڑی دیر میں میرے پاس آنا، کچھ صلاح کروں گی۔

پھتو : اچھا ایک گیت تو سناتی جاؤ۔ مہینوں ہوگئے تمھارا گانا نہیں سُنا۔

سلونی : ان دونوں کو اب کبھی اپنا گانا نہ سناؤں گی۔

ہرداس : لو ہم کانوں میں انگلی رکھ لیتے ہیں۔

سلونی : ہاں، کان کھولنا مت۔

(گاتی ہے)

ڈھونڑھ پھری سارا سنسار، نہیں مِلا کوئی اپنا

بھائی بھائی بیری ہُوے گئے، باپ ہوا ہم دوت

دیادھرم کا اٹھ گیا ڈیرا، سچّا ہے سپنا،

نہیں ملا کوئی اپنا

(جاتی ہے)

نواں منظر

[استھان — مدھوبن، ہلدھر کا مکان، گاؤں کے لوگ جمع ہیں، سَمے — جینھ کی سندھیا]

ہلدھر (بال بڑھے ہوئے، کمزور، اداس چہرہ) پھتو کاکا، تم نے مجھے ناحق چھڑایا، وہیں کیوں نہ گھلنے دیا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ گھر کی یہ دَسا ہے تو اُدھر سے ہی دیش بدیش کی راہ لیتا، یہاں اپنا کالا منھ دکھانے نہ آتا۔ میں اس عورت کو

پتی ورتا سمجھتا تھا۔ دیوی سمجھ کر اُس کی پوجا کرتا تھا۔ پر یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ میرے پیٹھ پھیرتے ہی یوں پُرکھوں کے ماتھے پر کلنک لگائے گی۔ ہائے!

سلونی : بیٹا وہ سچ مچ دیوی تھی۔ ایسی پتی برتا ناری میں نے نہیں دیکھی۔ تم اس پر سندیہہ کرکے اس پر بڑا انیائے کررہے ہو۔ میں روج رات کو اس کے پاس سوتی تھی۔ اس کی آنکھیں رات کی رات کھلی رہتی تھیں۔ کروٹیں بدلا کرتی۔ میرے بہت کہنے سننے پر کبھی کبھی بھوجن بناتی تھی، پر دو چار کور بھی نہ کھایا جاتا۔ منھ جھوٹا کرکے اٹھ جاتی۔ رات دن تمھاری ہی چرچا، تمھاری ہی بات کیا کرتی تھی۔ شوک اور دُکھ میں جیون سے نراش ہوکر اُس نے چاہے پران دے دیے ہوں پر وہ کُل کو کلنک نہیں لگا سکتی۔ برہما بھی آکر اُس پر یہ دوکھ (دوش، الزام) لگائیں تو مجھے اُن پر بسواس نہ آئے گا۔

پھتو : کاکی، تم تو اس کے ساتھ سوتی تھی بیٹھتی تھیں، تم جتنا جانتی ہو اتنا میں کہاں سے جانوں گا، لیکن اس گاؤں میں ستّر برس کی اُمر (عمر) گُجر گئی، سیکڑوں بہوئیں آئیں پر کسی میں وہ بات نہیں پائی جو اس میں ہے۔ نہ تاکنا، نہ جھانکنا، سر جھکائے اپنی راہ جانا، اپنی راہ آنا۔ سچ مچ ہی دیوی تھی۔

ہلدھر : کاکا، کس طرح مَن کو سمجھانے تو دو۔ جب انگوٹھی پانی میں گر گئی تو یہ سوچ کر کیوں نہ من کو دھیرج دوں کہ اُس کا نگ کچا تھا۔ ہائے، اب اس، گھر میں پاؤں نہیں رکھا جاتا؛ ایسا جان پڑتا ہے کہ گھر کی جان نکل گئی۔

سلونی : جاتے جاتے گھر کو لیپ گئی ہے۔ دیکھو اناج مٹکوں میں رکھ کر ان کا منھ مٹی سے بند کردیا ہے۔ یہ گھی کی ہانڑی ہے، لبالب بھری ہوئی، بے چاری نے سینچ کر رکھا تھا۔ کیا کلٹائیں گرستی کی اور اتنا دھیان دیتی ہیں؟ ایک تنکا بھی تو اِدھر اُدھر پڑا دکھائی نہیں دیتا۔

ہلدھر : (روکر) کاکی، میرے لیے اب سنسار سونا ہوگیا۔ وہ گنگا کی گود میں چلی گئی۔

اب پھر اُس کی موہنی صورت دیکھنے کو نہ ملے گی۔ بھگوان بڑا نردئی ہے۔
اتنی جلد چھین لینا تھا تو دیا ہی کیوں تھا!

پھتو : بیٹا، اب تو جو کچھ ہونا تھا ہوچکا، اب صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اُس دیوی کو نجات دے۔ رونے دھونے سے کیا ہوگا۔ وہ تمھارے لیے تھی ہی نہیں۔ اُسے بھگوان نے رانی بننے کے لیے بنایا تھا۔ کوئی ایسی ہی بات ہوگئی تھی کہ وہ کچھ دنوں کے لیے تیری دنیا میں آئی تھی۔ وہ میعاد پوری کر کے چلی گئی یہی سمجھ کر صبر کرو۔

ہلدھر : کاکا، نہیں صبر ہوتا۔ کلیجے میں پیڑا ہورہی ہے۔ ایسا جان پڑتا ہے، کوئی اُسے جبردستی مجھ سے چھین لے گیا ہو۔ ہاں، سچ مچ وہ مجھ سے چھین لی گئی ہے، اور یہ اتیاچار کیا ہے سبل سنگھ اور ان کے بھائی نے۔ نہ میں حراست میں جاتا، نہ گھریوں تباہ ہوتا۔ اس کا وَدھ (قتل) کرنے والے، اُس کی جان لینے والے یہی دونوں بھائی ہیں۔ نہیں، ان دونوں بھائیوں کو کیوں بدنام کروں، ساری وپتی اس کانون (قانون) کی لائی ہوئی ہے، جو گریبوں (غریبوں) کو دھنی لوگوں کی مٹھی میں کردیتا ہے۔ پھر کانون کو کیوں کہوں، جیسا سنسار ویسا بیوہار۔

پھتو : بس یہی بات ہے، جیسا سنسار ویسا بیوہار۔ دھنی لوگوں کے ہاتھ میں اکھتیار (اختیار) ہے۔ گریبوں (غریبوں) کو ستانے کے لیے جیسا کانون چاہتے ہیں بناتے ہیں۔ بیٹھو، نائی بلوائے دیتا ہوں، بال بنوالو۔

ہلدھر : نہیں کاکا، اب اس گھر میں نہ بیٹھوں گا۔ کس کے لیے گھر بار کے جھمیلے میں پڑوں۔ اپنا پیٹ ہے، اس کی کیا چنتا۔ اس انّیائی سنسار میں رہنے کا جی نہیں چاہتا۔ ڈھائی سو روپیوں کے پیچھے میرا ستیاناس ہوگیا۔ ایسا پربس (مجبور، دوسروں کے اختیار میں) ہوکر جیا ہی تو کیا۔ چلتا ہوں کہیں سادھو، بیراگی ہو جاؤں گا، مانگتا کھاتا پھروں گا۔

ہرداس : تم تو سادھو بیراگی ہوجاؤ گے، یہ روپے کون بھرے گا۔

پھتو : روپے پیسے کی کون بات ہے، تم کو اس سے کیا مطلب، یہ تو آپس کا بیوہار ہے، ہماری اٹک پر تم کام آئے، تمھاری اٹک پر ہم کام آئیں گے۔ کوئی لین دین تھوڑا ہی کیا ہے!

سلونی : اس کی بچھو کی بھانتی ڈنک مارنے کی عادت ہے۔

ہلدھر : نہیں، اس میں بُرا ماننے کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھتو کاکا، میں تمھاری نیکی کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ تم نے جو کچھ کیا وہ اپنا باپ بھی نہ کرتا۔ جب تک میرے دم میں دم ہے تمھارا اور تمھارے کھاندان کا گُلام (غلام) بنا رہوں گا۔ میرا گھر دُوار، کھیتی باری، بیل بدھیے، جو کچھ ہے سب تمھارا ہے اور میں تمھارا گُلام ہوں۔ بس اب مجھے بِدا کرو، جیتا رہوں گا تو پھر ملوں گا نہیں تو کون کس کا ہوتا ہے۔ کاکی، جاتا ہوں، سب بھائیوں کو رام رام!

پھتو : (راستہ روک کر بھرائی آواز میں) بیٹا، اتنا دل چھوٹا نہ کرو۔ کون جانے، اللہ تعالیٰ بڑا کارساج (کاساز) ہے، کہیں بہو کا پتہ لگ ہی جائے۔ اتنے اُدھیر ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔

ہرداس : چار دن میں تو دوسری سگائی ہوجائے گی۔

ہلدھر : بھیا، دوسری سگائی اب اُس جنم میں ہوگی۔ اس جنم میں تو اب ٹھوکر کھانا ہی لکھا ہے۔ اگر بھگوان کو یہ منجور (منظور) ہوتا تو کیا میرا بنا بنایا گھر اُجڑ جاتا؟

پھتو : میرا تو دل بار بار کہتا ہے کہ دو چار دن میں راجیشوری کا پتہ جرور لگ جائے گا۔ کچھ کھانا بناؤ، کھاؤ، سبیرے چلیں گے، پھر اِدھر اُدھر ٹوہ لگائیں گے۔

ہرداس : پہلے جاکے تالاب سے اچھی طرح اسنان کرلو۔ چلوں جانور ہار سے آگئے ہوں گے۔

(سب چلے جاتے ہیں)

ہلدھر : یہ گھر پھاڑے کھاتا ہے، اس میں تو بیٹھا ہی نہیں جاتا۔ اس وکت (وقت) کام کر کے آتا تھا تو اس کی موہنی مورت دیکھ کر چت کھل جاتا تھا۔ کنچن، تو نے میرا سکھ ہر لیا، تو نے میرے گھر میں آگ لگا دی، اوہو، وہ کون اُجلی ساڑی پہنے اُس گھر میں کھڑی ہے۔ وہی ہے، چھپی ہوئی تھی۔ کھڑی ہے، آتی نہیں (اس گھر کے دروازے پر جاکر) رام! رام! کتنا بھرم ہوا، سن کی گانٹھ رکھی ہوئی ہے۔ اب اس کے درشن پھر نصیب نہ ہوں گے۔ جیون میں اب کچھ نہیں رہا۔ ہا، پاپی، نردئی! تو نے میرا سروناش کردیا، مٹھی بھر روپیوں کے پیچھے! اس انیائے کا مجا (مزہ) تجھے چکھاؤں گا۔ تو بھی کیا سمجھے گا کہ گریبوں کا گلا کاٹنا کیسا ہوتا ہے ....

(لاٹھی لے کر گھر سے نکل جاتا ہے)

دسواں منظر

[استھان — گلابی کا گھر، سمے — پراتہ کال]

گلابی : جو کام کرنے بیٹھتی ہے اس کی ہو رہتی ہے۔ میں نے گھر میں جھاڑو لگائی، پوجا کے باسن دھوئے، توتے کو چارا کھلایا، گائے کھولی، اس کا گوبر اٹھایا، اور یہ مہارانی ابھی پانچ سیر گیہوں لیے جانت پر اونگھ رہی ہیں۔ کسی کام میں اس کا جی نہیں لگتا۔ نہ جانے کس گھمنڈ میں بھولی رہتی ہے۔ باپ میں ایسا کون سا دَہیج (جہیز) تھا کہ کسی دَھنِک کے گھر جاتی۔ کچھ نہیں، یہ سب تمھارے سر چڑھانے کا پھل ہے۔ عورت کو جہاں منھ لگایا کہ اُس کا سر پھرا۔ پھر اُس کے پاؤں جمین پر نہیں پڑتے۔ اس جات کو تو کبھی منھ لگائے ہی نہیں۔ چاہے کوئی بات بھی نہ ہو؛ پر اُس کا مان مَردَن (غرور کچلنا) نتیہ کرتا رہے۔

بھریگو : کیا کروں، اماں، سب کچھ کر کے تو ہار گیا۔ کوئی بات سُنتی ہی نہیں۔ جیوں ہی گرم پڑتا ہوں رونے لگتی ہے۔ بس دیا آجاتی ہے۔

گلابی : میں روتی ہوں تب تو تیرا کلیجہ پتھر کا ہوجاتا ہے، اُسے روتے دیکھ کر کیوں دَیا آجاتی ہے۔

بھریگو : اماں تم گھر کی مالکن ہو، تم روتی ہو تو ہمارا دُکھ دیکھ کر روتی ہو۔ تمھیں کون کچھ کہہ سکتا ہے؟

گلابی : تو ہی اپنے من سے سمجھ میری اُمر (عمر) اب نوکری کرنے کی ہے۔ یہ سب تیرے ہی کارن نہ کرنا پڑتا ہے؟ تین مہینے ہوگئے تو نے گھر کے کھرچ کے لیے ایک پیسہ بھی نہ دیا۔ میں نے جانے کس کس اُپائے سے کام چلاتی ہوں۔ تو کماتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ جوان بیٹے کے ہوتے ہوئے مجھے چھاتی پھاڑنی پڑے تو دنوں کو روؤں کہ نہ روؤں۔ اُس پر گھر میں کوئی بات پوچھنے والا نہیں۔ پوچھو مہارانی سے مہینے بھر ہوگئے کبھی سر میں تیل ڈالا، کبھی پیر دبائے۔ سیدھے منھ بات تو کرتی نہیں، بھلا سیوا کیا کرے گی۔ روؤں نہ تو کیا کروں؟ موت بھی نہیں آجاتی کہ اس جنجال سے چھوٹ جاتی۔ جانے کاگد (کاغذ) کہاں کھو گیا۔

بھریگو : اماں ایسی باتیں نہ کرو۔ تمھارے بنا یہ گرستی کون چلائے گا؟ تمھیں نے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے۔ جب تک جیتی ہو اس طرح پالے جاؤ۔ پھر تو یہ چکّی گلے پڑے گی ہی۔

گلابی : اب میرا کیا نہیں ہوتا۔

بھریگو : تو مجھے پردیس جانے دے۔ یہاں میرا کیا کچھ نہ ہوگا۔

گلابی : آکھر (آخر) منیبی (منیمی) میں تجھے کچھ ملتا ہے کہ نہیں۔ وہ سب کہاں اڑا دیتا ہے؟

بھریگو : کسم لے لو جو ادھر تین مہینے میں کوڑی سے بھینٹ ہوئی ہو۔ جب سے

اولے پڑے ہیں، ٹھاکر صاحب نے لین دین سب بند کردیا ہے۔

گلابی : تیری مارفت (معرفت) باجار سے سودا سُلف آتا ہے کہ نہیں۔ گھر میں جس چیج (چیز) کا کام پڑتا ہے وہ میں تجھی سے منگوانے کو کہتی ہوں۔ پانچ چھ سو کا سودا تو بھیتر ہی کا آتا ہوگا۔ تو اس میں کچھ کاٹ پیچ نہیں کرتا؟

بھریگو : مجھے تو اماں، یہ سب کچھ نہیں آتا۔

گلابی : چل جھوٹے کہیں کے۔ میرے سودے میں تو تو اپنی چال چل ہی جاتا ہے، وہاں نہ چلے گا۔ دستوری پاتا ہے، بھاؤ میں کستا ہے، تول میں کستا ہے۔ اُس پر مجھ سے اُڑنے چلا ہے۔ سنتی ہوں دلالی بھی کرتے ہو۔ یہ سب کہاں اڑ جاتا ہے؟

بھریگو : اماں، کسی نے تم سے جھوٹھ موٹھ کہہ دیا ہوگا۔ تمھارا سَرل سوبھاؤ ہے، جس نے جو کچھ کہہ دیا وہی مان جاتی ہو۔ تمھارے چرن چھوکر کہتا ہوں جو کبھی دلالی کی ہو۔ سودے سُلف میں دو چار روپے کبھی مِل جاتے ہیں تو بھنگ بوٹی، بان پتے کا کھرچ چلتا ہے۔

گلابی : جاکر چڑیل سے کہہ دے پانی وانی رکھے۔ نہاؤں نہیں تو ٹھاکر کے یہاں کیسے جاؤں گی؟ سارے دن چکّی کے نام کو رویا کرے گی کیا؟

بھریگو : اماں تمھیں جاکر کہو۔ میرا کہنا نہ مانے گی۔

گلابی : ہاں، تو کیوں کہے گا۔ تجھے تو اس نے بھیڑ بنا لیا ہے۔ انگلیوں پر نچایا کرتی ہے۔ نہ جانے کون سا جادو ڈال دیا ہے کہ تیری مَتی ہی ہَر گئی۔ جا اوڑھنی اوڑھ کے بیٹھ۔

(بہو کے پاس جاتی ہے)

کیوں رے سارے دن چکّی کے نام کو روئے گی یا اور بھی کوئی کام ہے؟

چمپا : کیا چار ہاتھ پیر کرلوں؟ کیا یہاں سوئی ہوں!

گلابی : چُپ، رہ، ڈائن کہیں کی، بولنے کو مری جاتی ہے۔ سیر بھر گیہوں لیے بیٹھی ہے۔ کون لڑکے بالے رو رہے ہیں کہ ان کے تیل اُبٹن میں لگی رہتی

ہے۔ گھڑی رات رہے کیوں نہیں اٹھتی؟ بانجھن، تیرا منھ دیکھنا پاپ ہے۔

چمپا : اس میں بھی کسی کا بس ہے؟ بھگوان نہیں دیتے تو کیا اپنے ہاتھوں سے گڑھ لوں؟

گلابی : پھر منھ بند نہیں کرتی چڑیل۔ جیبھ کترنی کی طرح چلا کرتی ہے۔ لجاتی نہیں۔ تیرے ساتھ کی آئی بہوریاں دو دو لڑکوں کی ماں ہوگئی ہیں اور تو ابھی بانجھ بنی ہے۔ نہ جانے کب تیرا پیر اس گھر سے اٹھے گا۔ جا نہانے کو پانی رکھ دے، نہیں تو بھلے پراٹھے چکھاؤں گی۔ ایک دن کام نہ کروں تو منھ میں مکّھی آنے جانے لگے۔ سہج میں ہی یہ چرووتیاں نہیں اڑتیں۔

چمپا : جیسی روٹیاں تم کھلاتی ہو ایسی جہاں چھاتی پھاڑوں گی وہیں مل جائیں گی۔ یہاں گدّی مند نہیں لگی ہے۔

گلابی : (دانت پیس کر) جی چاہتا ہے سٹ سے تالو سے جبان (زبان) کھینچ لیں۔ کچھ نہیں، میری یہ سب سانست (پریشانی، مصیبت) بھگوا کررہا ہے، نہیں تو تیری مجال تھی کہ مجھ سے یوں جبان چلاتی۔ کُل منھے کو اور گھر نہ ملتا تھا جو اپنے سر کی بلا یہاں ٹپک گیا۔ اب جو پاؤں تو منھ تھونس دوں۔

چمپا : اماں جی، مجھے جو چاہو کہہ لو، تمھارا دیا کھاتی ہوں، مارو یا کاٹو، دادا کو کیوں کوستی ہو؟ بھاگ بکھانو کہ بیٹے کے سر پر مور چڑھ گیا نہیں تو کوئی بات بھی نہ پوچھتا۔ ایسا ہُن نہیں برستا تھا کہ دیکھ کے لٹّو ہوجاتا۔

گلابی : بھگوان کو ڈرتی ہوں نہیں تو کچا ہی کھا جاتی ۔ نہ جانے کب اس ابھاگن بانجھ سے سنگ چھوٹے گا۔

(چلی جاتی ہے، بھریگو آتا ہے۔)

چمپا : تم مجھے میرے گھر کیوں نہیں پہنچا دیتے، نہیں ایک دن کچھ کھا کر سو رہوں گی تو پچھتاؤ گے۔ ٹکر ٹکر دیکھا کرتے ہو، پر منھ نہیں کھلتا کہ اماں، وہ بھی تو آدمی ہے، پانچ سیر گیہوں پیسنا کیا دال بھات کا کور ہے؟

بھریگو : تم اس کی باتوں کا بُرا کیوں مانتی ہو۔ منھ ہی سے نہ کہتی ہے کہ اور کچھ۔

سمجھ لو کتیا بھونک رہی ہے۔ دُدھار گائے کی لات بھی سہی جاتی ہے۔ آج نوکری کرنا چھوڑ دیں تو ساری گرہستی کا بوجھ میرے ہی سر پڑے گا کہ اور کسی کے سر؟ دھیرج دھیرج کچھ دن پڑی رہو، چار تھان گہنے ہو جائیں گے، چار پیسے گانٹھ میں ہو جائیں گے۔ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتی ہو، جھوٹھ موٹھ الجھ جاتی ہو۔

چمپا : مجھ سے تو طعنے سُن کر چپ نہیں رہا جاتا۔ شریر میں جوالا سی اٹھنے لگتی ہے۔

بھریگو : اٹھنے دیا کرو، اس سے کسی کے جلنے کا ڈر نہیں ہے۔ بس اس کی باتوں کا جواب نہ دیا کرو۔ اس کان سُنا اور اُس کان اڑا دیا۔

چمپا : سونار کنٹھا کب دے گا؟

بھریگو : دو تین دن میں دینے کو کہا ہے۔ ایسے سندر دانے بنائے ہیں کہ دیکھ کر کھوش (خوش) ہو جاؤ گی۔ یہ دیکھو۔

چمپا : کیا ہے؟

بھریگو : نہ دکھاؤں گا، نہ

چمپا : مٹھی کھولو۔ یہ گنّی کہاں پائی؟ میں نہ دوں گی۔

بھریگو : پانے کی نہ پوچھو، ایک اسامی روپے لوٹانے آیا تھا۔ کھاتے میں دو روپے سیکڑے کا در لکھا ہے۔ میں نے چار روپے سیکڑے کی در سے وصول کیا۔

(باہر چلا جاتا ہے)

چمپا : (من میں) بڑھیا سیدھی ہوتی تو چین ہی چین تھا۔

تیسرا حصہ

پہلا منظر

[استھان --- کنچن سنگھ کا کمرہ، سمے --- دوپہر، خس کی ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ کنچن سنگھ سیتل پاٹی بچھا کر لیٹے ہوئے ہیں، پنکھا چل رہا ہے۔]

کنچن : (آپ ہی آپ) بھائی صاحب میں تو یہ عادت کبھی نہیں تھی۔ اس میں اب لیش ماتر بھی سندیہہ نہیں ہے کہ وہ کوئی اتینت روپ وتی استری ہے۔ میں نے اُسے چھجے پر سے جھانکتے دیکھا تھا، بھائی صاحب آڑ میں چھپ گئے تھے۔ اگر کچھ رَہسیہ کی بات نہ ہوتی تو وہ کداپی نہ چھپتے۔ بلکہ مجھ سے پوچھتے، کہاں جارہے ہو۔ میرا ماتھا اُس وقت ٹھنکا تھا جب میں نے انھیں نِتیہ پرتی (روزانہ) بِنا کسی کو چوان کے اپنے ہاتھوں ٹم ٹم ہانکتے، سیر کرتے جاتے دیکھا۔ ان کی اس بھانتی گھومنے کی عادت نہ تھی۔ آج کل نہ کبھی کلب جاتے ہیں نہ اور کسی سے ملتے جلتے ہیں۔ پتروں (خطوط) سے بھی رُچی نہیں جان پڑتی۔ سپتاہ میں ایک نہ ایک لیکھ اوشیہ لکھ لیتے تھے، پر ادھر مہینوں سے ایک پنکتی بھی کہیں نہیں لکھی۔ یہ بُرا ہوا۔ جس پرکار بندھا ہوا پانی کھلتا ہے تو بڑے ویگ (روانی) سے بہنے لگتا ہے اَتھوا (نیز، یعنی) رُکا وایو چلتا ہے تو بہت پرچنڈ (تیز، خوفناک) ہوجاتا ہے، اس پرکار سینمی (محتاط، ضبط نفس) پُروش جب وِچلت (گمراہ) ہوتا ہے، وہ اَوِچار کی چرم سیما تک چلا جاتا ہے، نہ کسی کی سنتا ہے نہ کسی کے روکے رُکتا ہے، نہ پرینام سوچتا ہے۔ اس کی وِویک اور بدّھی پر پردہ سا پڑ جاتا ہے۔ کداچِت بھائی صاحب کو معلوم ہوگیا ہے کہ میں نے انھیں وہاں دیکھ لیا ہے۔ اسی لیے وہ مجھ سے مال خریدنے کے لیے پنجاب جانے کو کہتے ہیں۔ مجھے کچھ دنوں کے لیے ہٹا

دینا چاہتے ہیں۔ یہی بات ہے، نہیں تو وہ مال وال کی اتنی چنتا کبھی نہ کیا کرتے تھے۔ مجھے تو اب کُشل نہیں دیکھتی۔ بھابھی کو کہیں خبر مل گئی تو وہ پران ہی دے دیں گی۔ بڑے آشچریہ کی بات ہے کہ ایسے ودّوان گمبھیر پُروش بھی اس مایاجال میں پھنس جاتے ہیں۔ اگر میں نے اپنی آنکھوں نہ دیکھا ہوتا تو بھائی صاحب کے سمبندھ میں کبھی اس دُشکلپنا (بُرے خیال) کا وشواس نہ آتا۔

(گیانی کا داخلہ)

گیانی : بابو جی، آج سوئے نہیں؟

کنچن : نہیں، کچھ حساب کتاب دیکھ رہا تھا۔ بھائی صاحب نے لگان نہ معاف کردیا ہوتا تو اب کی میں ٹھاکر دروازے میں ضرُور ہاتھ لگا دیتا۔ اسامیوں سے کچھ روپے وصول ہوتے، لیکن اُن پر دعویٰ ہی نہ کرنے دیا۔

گیانی : وہ تو مجھ سے کہتے تھے دو چار مہینوں کے لیے پہاڑوں کی سیر کرنے جاؤں گا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے، یہاں رہوگے تو تمھارا سُواستھ بگڑ جائے گا۔ آج کل کچھ دُربل بھی تو ہوگئے ہیں۔ بابو جی ایک بات پوچھوں، بتاؤ گے! تمھیں بھی اِن کے سوبھاؤ میں کچھ انتر دکھائی دیتا ہے؟ مجھے تو بہت انتر معلوم ہوتا ہے۔ وہ کبھی اتنے نمر اور سرل نہیں تھے۔ اُن کے سامنے جاتی ہوں تو مجھے دیکھتے ہی مانو نیند سے چونک پڑتے ہیں اور اِس بھانتی ہنس کر سواگت کرتے ہیں جیسے کوئی مہمان آیا ہو۔ میرا منھ جوہا کرتے ہیں کہ کوئی بات کہے اور اُسے پوری کردوں۔ جیسے گھر کے لوگ بیمار کا من رکھنے کا یتن کرتے ہیں یا جیسے کسی شوک پیڑت (درد و غم کا مارا) منشیہ کے ساتھ لوگوں کا بیوہار سدَے (ترحم، بہتر) ہو جاتا ہے، اسی پرکار آج کل پکے ہوئے پھوڑے کی طرح مجھے ٹھیس سے بچایا جاتا ہے۔ اس کا رہسیہ کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کھید تو مجھے یہ ہے کہ ان ساری باتوں میں دکھاوٹ اور بناوٹ کی بو آتی ہے۔ سچّا کرودھ اتنا ہردَے بھیدی (دل کو چھیدنے والا) نہیں ہوتا جتنا

کِرترم پریم (مصنوعی پیار)۔

کنچن : (من میں) وہی بات ہے۔ کسی بچّے سے ہم اشرفی لے لیتے ہیں کہ کھو نہ دے تو اُسے مٹھائیوں سے پھُسلا دیتے ہیں۔ بھائی صاحب نے بھابھی سے اپنا پریم رتن چھین لیا ہے اور بناوٹی سنیہ (محبت، شفقت) اور پَرنے (محبت) سے ان کو تسکین دینا چاہتے ہیں۔ اس پریم مورتی کا اب پرماتما ہی مالک ہے۔ (ظاہر) میں نے تو ادھر دھیان نہیں دیا۔ استریاں سوکشم درشی (باریک بیں) ہوتی ہیں ....

(خدمت گار آتا ہے۔ گیانی چلی جاتی ہے)

کنچن : کیا کام ہے؟

خدمت گار : یہ سرکاری لفافہ آیا ہے۔ چپراسی باہر کھڑا ہے۔

کنچن : (رسید کی بہی پر دست خط کرکے) یہ سپاہی کو دو۔ (خدمت گار چلا جاتا ہے) اچھا، گاؤں والوں نے مل کر ہلدھر کو چھڑا لیا۔ اچّھا ہی ہوا۔ مجھے اُس سے کوئی دشمنی تو تھی نہیں۔ میرے روپے وصول ہوگئے۔ یہ کارروائی نہ کی جاتی تو کبھی روپے وصول نہ ہوتے۔ اسی سے لوگ کہتے ہیں کہ نیچوں کو جب تک خوب نہ دباؤ، ان کی گانٹھ نہیں کھلتی! اوروں پر بھی اس طرح دعویٰ کردیا گیا ہوتا تو بات کی بات میں سب روپے نکل آتے! اور کچھ نہ ہوتا تو ٹھاکر دوارے میں ہاتھ تو لگا ہی دیتا۔ بھائی صاحب کو سمجھانا تو میرا کام نہیں، اُن کے سامنے رعب، شرم اور سنکوچ سے میری زبان ہی نہ کھُلے گی۔ اُسی کے پاس چلوں، اُس کے رنگ ڈھنگ دیکھوں، کون ہے، کیا چاہتی ہے، کیوں یہ جال پھیلایا ہے؟ اگر دھن کے بوجھ سے یہ مایا رچی ہے تو جو کچھ اس کی اِکشا ہو دے کر یہاں سے ہٹا دوں۔ بھائی صاحب کو اور سَمست پریوار کو سروناش سے بچالوں۔ (پھر خدمت گار آتا ہے) کیا بار بار آتے ہو؟ کیا کام ہے؟ میرے پاس پیشگی دینے کے لیے روپے نہیں ہیں۔

خدمت گار : ہجور، روپے نہیں مانگتا۔ بڑے سرکار نے آپ کو یاد کیا ہے۔

کنچن : (من میں) میرا تو دل دھک دھک کر رہا ہے، نہ جانے کیوں بُلاتے ہیں۔ کہیں پوچھ نہ بیٹھیں، تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہو۔

(اٹھ کر سبل سنگھ کے کمرے میں جاتے ہیں)

سبل : تم کو ایک وِشیش کارن سے تکلیف دی ہے۔ اِدھر کچھ دنوں سے میری طبیعت اچھی نہیں رہتی، رات کو نیند کم آتی ہے اور بھوجن سے بھی اَرُچی (عدم دلچسپی) ہوگئی ہے۔

کنچن : آپ کا بھوجن آدھا بھی نہیں رہا۔

سبل : ہاں، وہ بھی زبردستی کھاتا ہوں۔ اس لیے میرا وِچار ہو رہا ہے کہ تین چار مہینوں کے لیے مسوری چلا جاؤں۔

کنچن : جل وایو کے بدلنے سے کچھ لابھ تو اوشیہ ہوگا۔

سبل : تمھیں روپیوں کا پربندھ کرنے میں زیادہ اَسُووِدھا (پریشانی) تو نہ ہوگی؟

کنچن : اوپر تو کیول 5000 روپے ہوں گے، 4250 روپے مول چند نے دیے ہیں۔ 500 روپے شری رام نے اور 250 روپے ہلدھر نے۔

سبل : (چونک کر) کیا ہلدھر نے بھی روپے دے دیے؟

کنچن : ہاں گاؤں والوں نے مدد کی ہوگی۔

سبل : تب تو وہ چھوٹ کر اپنے گھر پہنچ گیا ہوگا؟

کنچن : جی ہاں۔

سبل : (کچھ دیر تک سوچ کر) میرے سفر کی تیاری میں کَے دن لگیں گے؟

کنچن : کیا جانا بہت ضروری ہے؟ کیوں نہ یہیں کچھ دنوں کے لیے دیہات چلے جایئے۔ لکھنے پڑھنے کا کام بھی بند کردی جیے۔

سبل : ڈاکٹروں کی صلاح پہاڑوں پر جانے کی ہے۔ میں کل کسی وقت یہاں سے مسوری چلا جانا چاہتا ہوں۔

کنچن : جیسی اِکشا۔

سبل : میرے ساتھ کسی نوکر چاکر کے جانے کی ضرورت نہیں۔ تمھاری بھابھی

چلنے کے لیے آگرہ (اصرار) کریں گی۔ انھیں سمجھا دینا کہ تمھارے چلنے سے خرچ بہت بڑھ جائے گا۔ نوکر، مہری، مسراین، سبھی کو جانا پڑے گا اور اس وقت اتنی گنجائش نہیں۔

کنچن : اکیلے تو آپ کو بہت تکلیف ہوگی۔

سبل : (جھنجھلا کر) کیا سنسار میں اکیلے کوئی یاترا نہیں کرتا؟ امریکا کے کروڑ پتی تک ایک ہینڈ بیگ لے کر بھارت کی یاترا پر چل کھڑے ہوتے ہیں، میری کون گنتی ہے۔ میں ان رئیسوں میں نہیں ہوں جن کے گھر میں چاہے بھوجنوں کا ٹھکانا نہ ہو، جائداد بکی جاتی ہو، پر جوتا نوکر ہی پہنائے گا، شوچ (رفع حاجت) کے لیے لوٹا لے کر نوکر ہی جائے گا۔ یہ ریاست نہیں حماقت ہے۔

(کنچن سنگھ چلے جاتے ہیں)

سبل : (من میں) وہی ہوا جس کی آشنکا (خوف، اندیشہ) تھی۔ آج ہی راجیشوری سے چلنے کو کہوں اور کل پراتہ کال یہاں سے چل دوں۔ ہلدھر کہیں آپڑا اور اُسے سندیہہ ہوگیا تو بڑی مشکل ہوگی۔ گیانی آسانی سے نہ مانے گی۔ اُسے دیکھ کر دَیا آتی ہے۔ کِنتو آج بردے کو کڑا کرکے اُسے بھی روکنا پڑے گا۔

(اچل کا داخلہ)

اچل : دادا جی، آپ پہاڑوں پر جارہے ہیں، میں بھی ساتھ چلوں گا۔

سبل : بیٹا میں اکیلے جارہا ہوں، تمھیں تکلیف ہوگی۔

اچل : اِسی لیے تو میں اور چلنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ خوب تکلیف ہو، سب کام اپنے ہاتھوں کرنا پڑے، موٹا کھانا ملے اور کبھی ملے، کبھی نہ ملے۔ تکلیف اٹھانے سے آدمی کی ہمت مضبوط ہوجاتی ہے، وہ نربھے ہوجاتا ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں سے گھبراتا نہیں۔ مجھے ضرور لے چلیے۔

سبل : میں وہاں ایک جگہ تھوڑے ہی رہوں گا۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔

اچل : یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ طرح طرح کی چیزیں، نئے نئے دِرشیہ دیکھنے میں آئیں گے اور ملکوں میں تو لڑکوں کو سرکار کی طرف سے سَیر کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ بنا دیشا ٹن (سیر و سیاحت) کیے انوبھو نہیں ہوتا، اور بھوگول جاننے کا تو اس کے سوا کوئی اَنیہ اُپائے نہیں ہے۔ نقشوں اور ماڈلوں کے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں اس موقع کو نہ جانے دوں گا۔

سبل : بیٹا، تم کبھی کبھی بیَرتھ میں ضد کرنے لگتے ہو۔ میں نے کہہ دیا کہ میں اس وقت اکیلے ہی جانا چاہتا ہوں، یہاں تک کہ کسی نوکر کو بھی ساتھ نہیں لے جاتا۔ اگلے ورش میں تمھیں اتنی سیر کرادوں گا کہ تم اؤب جاؤ گے۔ (اچل اداس ہوکر چلا جاتا ہے) اب سفر کی تیاری کروں۔ مختصر ہی سامان لے جانا مناسب ہوگا۔ روپے ہوں تو جنگل میں بھی منگل ہوسکتا ہے۔ آج شام کو راجیشوری سے بھی چلنے کی تیاری کرنے کو کہہ دوں گا، پرنتو کال ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں۔ پریم پاش (پریم بندھن، زنجیر محبت) میں پھنس کر دیکھوں، نیتی کا، آتما کا، دھرم کا کتنا بلیدان کرنا پڑتا ہے اور کس کس بن کی پتّیاں توڑنی پڑتی ہیں۔

دوسرا منظر

[استھان — راجیشوری کا سجا ہوا کمرہ، سَمے — دوپہر)

لونڈی : بائی جی، کوئی نیچے پُکار رہا ہے۔

راجیشوری : (نیند سے چونک کر) کیا کہا آگ لگی ہے؟

لونڈی : نوج، کوئی آدمی نیچے پکار رہا ہے۔

راجیشوری : پوچھا نہیں کون ہے، کیا کہتا ہے، کس مطلب سے آیا ہے؟ سندیسہ لے کر

دوڑ چلی، کیسے مزے کا سپنا دیکھ رہی تھی۔

لونڈی : ٹھاکر صاحب نے تو کہہ دیا ہے کہ کوئی کتنا ہی پکارے، کوئی ہو، کِواڑ نہ کھولنا، نہ کچھ جواب دینا۔ اسی لیے میں نے کچھ پوچھ تاچھ نہیں کی۔

راجیشوری : میں کہتی ہوں جاکر پوچھو کون ہے؟

(مہری جاتی ہے اور ایک چھن میں لوٹ آتی ہے)

لونڈی : ارے بائی جی، بڑا گجب ہوگیا۔ یہ تو ٹھاکر صاحب کے چھوٹے بھائی بابو کنچن سنگھ ہیں۔ اب کیا ہوگا؟

راجیشوری : ہوگا کیا، جاکر بُلا لا۔

لونڈی : ٹھاکر صاحب سُنیں گے تو میرے سر کا بال نہ چھوڑیں گے۔

راجیشوری : تو ٹھاکر صاحب کو سُنانے کون جائے گا۔ اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ اُن کے بھائی دُوار پر آئیں اور میں ان کی بات تک نہ پوچھوں۔ وہ اپنے من میں کیا کہیں گے! جاکر بلا لا اور دیوان کھانے (خانے) میں بٹھلا۔ میں آتی ہوں۔

لونڈی : کسی نے پوچھا تو میں کہہ دوں گی، اپنے بال نہ نچواؤں گی۔

لونڈی : تیرا سر دیکھنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہیں کئی بار بال نچ چکے ہیں۔ میری کھاتر (خاطر) سے ایک بار اور نچوا لینا۔ یہ لو اس سے بالوں کے بڑھانے کی دوا لے لینا۔

(لونڈی چلی جاتی ہے)

راجیشوری : (من میں) ان کے آنے کا کیا پریوجن ہے؟ کہیں انھوں نے جاکر انھیں کچھ کہا سنا تو نہیں؟ آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔ اب میرا داؤں آیا ہے۔ ایشور میرے سہایک ہیں۔ میں کسی بھانتی آپ ہی ان سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ سُیم (خود) آگئے۔ (آئینے میں صورت دیکھ کر) اس وقت کسی بناو چناؤ کی جرورت نہیں۔ یہ السائی متوالی آنکھیں سولہوں سنگار کے برابر ہیں۔ کیا جانیں کس سوبھاؤ کا آدمی ہے۔ ابھی تک وِواہ نہیں کیا ہے، پوجا پاٹھ، پوتھی پترے میں رات دن لِپت رہتا ہے۔ اس پر منتر چلنا کٹھن ہے۔ کٹھن ہو سکتا

ہے پر اسادھیہ (دشوار، ناقابلِ عمل) نہیں ہے۔ میں تو کہتی ہوں کٹھن بھی نہیں ہے۔ آدمی کچھ کھو کر تب سیکھتا ہے۔ جس نے کھویا ہی نہیں وہ کیا سیکھے گا۔ میں سچ مچ بڑی ابھاگن ہوں۔ بھگوان نے یہ روپ دیا ہے تو ایسے پُروش کا سنگ کیوں دیا جو بالکل دوسروں کی مٹھی میں تھا! یہ اُسی کا پھل ہے کہ جن بھگتوں کی مجھے پوجا کرنی چاہیے تھی، آج میں اُن کے کھون (خون) کی پیاسی ہو رہی ہوں۔ کیوں نہ کھون کی پیاسی ہوؤں؟ دیوتا ہی کیوں نہ ہو، جب اپنا سروناش کردے تو اس کی پوجا کیوں کروں۔ یہ دَیاوان ہیں، دھرماتما ہیں، گریبوں کا ہت کرتے ہیں پر میرا جیون تو انھوں نے نشٹ کردیا۔ دین دنیا کہیں کا نہ رکھا۔ میرے پیچھے ایک بے چارے بھولے بھالے سیدھے سادے آدمی کے پرانوں کے گھاتک (مہلک، دشمن) ہوگئے۔ کتنے سکھ سے جیون کٹتا تھا۔ اپنے گھر میں رانی بنی ہوئی تھی۔ موٹا کھاتی تھی، موٹا پہنتی تھی، پر گاؤں بھر میں مرجاد (عزت و ناموس) تو تھی۔ نہیں تو یہاں اس طرح منھ میں کالکھ لگائے چوروں کی طرح پڑے ہوں جیسے کوئی کیدی (قیدی) کال کوٹھری میں بند ہو۔ آگئے کنچن سنگھ، چلوں۔ (دیوان خانے میں آکر) دیور جی کو پرنام کرتی ہوں۔

کنچن : (متعجب ہوکر من میں) میں نہ جانتا تھا کہ یہ ایسی سندری رمنی (حسین عورت) ہے۔ رَمبھا کے چِتر سے کتنی ملتی جلتی ہے! تبھی تو بھائی صاحب لوٹ پوٹ ہوگئے۔ وانی کتنی مدھر ہے۔ (ظاہر) میں بنا آگیا ہی چلا آیا، اس کے لیے چھما (معافی) مانگتا ہوں۔ سنا ہے بھائی صاحب کا بڑا حکم ہے کہ یہاں کوئی نہ آنے پائے۔

راجیشوری : آپ کا گھر ہے، آپ کے لیے کیا روک ٹوک۔ میرے لیے تو جیسے آپ کے بھائی صاحب ویسے آپ۔ میرے دھنیہ بھاگ کہ آپ جیسے بھکت پُروش کے درشن ہوئے۔

کنچن : (تذبذب میں پڑکر من میں) میں نے کام جتنا سہج سمجھا تھا اس سے کہیں کٹھن نکلا۔ سوندریہ (حُسن) کداچت بدّھ شکتیوں (قوتِ عقل و شعور) کو ہَر (غصب کرلینا، لے جانا) لیتا ہے۔ جتنی باتیں سوچ کر چلا تھا وہ سب بھول گئیں، جیسے کوئی نیا پٹھا اکھاڑے میں اُترتے ہی اپنے سارے داؤں پیچ بھول جائے۔ کیسے بات چھیڑوں؟ (ظاہر) آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ بھائی صاحب آپ کے ساتھ کہیں باہر جانا چاہتے ہیں؟

راجیشوری : (مُسکراکر) جی ہاں، یہ نشچے ہوچکا ہے۔

کنچن : اب کسی طرح نہیں رُک سکتا؟

راجیشوری : ہم دونوں میں سے کوئی ایک بیمار ہوجائے تو رُک سکے۔

کنچن : ایشور نہ کریں، ایشور نہ کریں، پر میرا آشے یہ تھا کہ آپ بھائی صاحب کو روکیں تو اچھا ہو۔ وہ ایک بار گھر سے جاکر پھر مشکل سے لوٹیں گے۔ بھابھی جی کو جب سے یہ بات معلوم ہوئی ہے وہ بار بار بھائی صاحب کے ساتھ چلنے پر ضد کررہی ہیں۔ اگر بھیا چھپ کر چلے گئے تو بھابھی کے پرانوں ہی پر بن جائے گی۔

راجیشوری : اس کا تو مجھے بھی بھے ہے، کیوں کہ میں نے سُنا ہے، گیانی دیوی ان کے بنا ایک چھن بھی نہیں رہ سکتیں۔ پر میں بھی تو آپ کے بھیا کے حکم کی چیری (غلام، داسی) ہوں۔ جو کچھ وہ کہیں گے اُسے ماننا پڑے گا۔ میں اپنا دلیش، کُل، گھر بار چھوڑ کر کیول اُن کے پریم کے سہارے یہاں آئی ہوں۔ میرا یہاں کون ہے؟ اس پریم کا سُکھ اٹھانے سے میں اپنے کو کیسے روکوں؟ یہ تو ایسا ہی ہوگا کہ کوئی بھوجن بناکر بھوکھوں (بھوکوں) تڑپا کرے، گھر چھاکر دھوپ میں جلتا رہے۔ میں گیانی دیوی سے ڈاہ (حسد، جلن) نہیں کرتی، اتنی اوچھی نہیں ہوں کہ اُن سے برابری کروں۔ لیکن میں نے جو یہ لوک لاج، کُل مرجاد تجا (ترک کرنا، چھوڑنا) ہے وہ کس لیے؟

کنچن : اس کا میرے پاس کیا جواب ہے؟

راجیشوری : جواب کیوں نہیں ہے، پر آپ دینا نہیں چاہتے۔

کنچن : دونوں ایک ہی بات ہے، مجھے کیول آپ کے ناراض ہونے کا ہے۔

راجیشوری : اس سے آپ نشچنت رہیے؛ جو پریم کی آنچ سہہ سکتا ہے، اُس کے لیے اور سبھی باتیں سہج ہو جاتی ہیں۔

کنچن : میں اِس کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا کہ آپ یہاں سے نہ جائیں۔

راجیشوری : (کنچن کی طرف ترچھی چتونوں سے تاکتے ہوئے) یہ آپ کی اچھا ہے؟

کنچن : ہاں، یہ میری پرارتھنا ہے۔ (من میں) دل نہیں مانتا، کہیں منھ سے کوئی بات نہ نکل پڑے۔

راجیشوری : چاہے وہ روٹھ ہی جائیں؟

کنچن : نہیں، اپنے کوشل سے انھیں راضی کرلو۔

راجیشوری : (مُسکرا کر) مجھ میں یہ گُن نہیں ہے۔

کنچن : رَمنیوں میں یہ گُن بلّی کے نکھوں کی بھانتی چھپا رہتا ہے۔ جب چاہیں اسے کام میں لاسکتی ہیں۔

راجیشوری : اُن سے آپ کے آنے کی چرچا تو کرنی ہی ہوگی۔

کنچن : نہیں، ہرگز نہیں۔ میں تمھیں ایشور کی قسم دلاتا ہوں۔ بھول کر بھی اُن سے یہ ذکر نہ کرنا، نہیں تو میں زہر کھالوں گا، پھر تمھیں منھ نہ دکھاؤں گا۔

راجیشوری : (ہنس کر) ایسی دھمکیوں کا تو پریم برتاؤ میں کچھ ارتھ نہیں ہوتا، لیکن مین آپ کو اُن آدمیوں میں نہیں سمجھتی۔ میں آپ سے کہنا نہیں چاہتی تھی، پر بات پڑنے پر کہنا ہی پڑا کہ میں آپ کے سرل سوبھاو اور آپ کی نشکپٹ (مخلص، دغا فریب سے پاک) باتوں پر موہت ہوگئی ہوں۔ آپ کے لیے میں سب کشٹ سہنے کو تیار ہوں۔ پر آپ سے یہی بنتی (گزارش، التجا)

ہے کہ مجھ پر کرپا درشٹی بنائے رکھیے گا اور کبھی کبھی درشن دیتے رہیے گا۔

(راجیشوری گاتی ہے)

کیا سو رہا مسافر بیتی ہے رین ساری
اب جاگ کے چلن کی کر لے سبھی تیاری
تجھ کو ہے دور جانا، نہیں پاس کچھ کھجانہ (خزانہ)
آگے نہیں ٹھکانہ ہوئے بڑی کھواری (خواری)
پونجی سبھی گمائی (گنوائی) کچھ نہ کری کمائی
کیا لے کے گھر کو جائی کر جا کیا ہے بھاری۔ کیا سو رہا

(کنچن چلا جاتا ہے)

تیسرا منظر

[استھان — سبل سنگھ کا گھر، سبل سنگھ بغیچے میں حوض کے کنارے لیٹے ہوئے ہیں۔ سمے — 11 بجے رات]

سبل : (آپ ہی آپ) آج مجھے اُس کے برتاؤ میں کچھ رُکھائی سی معلوم ہوتی تھی۔ میرا وہم نہیں ہے۔ میں نے بہت وچار سے دیکھا۔ میں گھنٹے بھر تک بیٹھا چلنے کے لیے زور دیتا رہا، پر اُس نے ایک بار 'نہیں' کرکے پھر 'ہاں' نہ کی۔ میری طرف ایک بار بھی اُن پریم کی چتونوں سے نہیں دیکھا جو مجھے مست کر دیتی ہے۔ کچھ گُم سُم سی بیٹھی رہی۔ کتنا کہا کہ تمھارے نہ چلنے سے گھور اَنرتھ ہوگا۔ یاترا کی سب تیاریاں کرچکا ہوں، لوگ من میں کیا کہیں گے کہ پہاڑوں کی سیر کا اتنا تاؤ تھا، اور اتنا جلد ٹھنڈا ہوگیا؛ لیکن میری ساری اَنونے وِنے (استدعا، التجا) ایک طرف اور اس کی نہیں ایک طرف۔

اس کا کارن کیا ہے؟ کس نے بہکا تو نہیں دیا۔ ہاں، ایک بات یاد آئی۔ اس کے ایک کتھن کا کیا آشے ہوسکتا ہے کہ ہم چاہے جہاں جائیں ٹوہیوں (دوسروں کی ٹوہ میں رہنے والا) اور گوئندوں (جاسوسوں، مخبر) سے بچ نہ سکیں گے۔ کیا یہاں ٹوہیے آگئے؟ اس میں کنچن کی کچھ کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ ٹوہیے پن کی عادت انھیں میں ہے۔ اُن کا اُس دن اُچکّوں کی بھانتی اِدھر اُدھر، اوپر نیچے تاکتے جانا نرر تھک (بلا مطلب) نہیں تھا۔ انھوں نے کل مجھے روکنے کی کتنی چیشٹا (کوشش) کی تھی۔ گیانی کی نگاہ بھی کچھ بدلی ہوئی دیکھتا ہوں۔ یہ ساری آگ کنچن کی لگائی ہوئی ہے۔ تو کیا کنچن وہاں گیا تھا؟ راجیشوری کے سمّکھ (سامنے) جانے کی اسے کیوں کر ہمّت ہوئی۔ کسی محفل میں تو آج تک گیا نہیں۔ بچپن ہی سے عورتوں کو دیکھ کر جھینپتا ہے۔ وہاں کیسے گیا۔ جانے کیوں کر پایا۔ میں نے تو راجیشوری سے سخت تاکید کردی تھی کہ کوئی بھی یہاں نہ آنے پائے۔ اُس نے میری تاکید کی کچھ پرواہ نہ کی۔ دونوں نوکرانیاں بھی مِل گئیں۔ یہاں تک کہ راجیشوری نے اِن کے جانے کی کچھ چرچا ہی نہیں کی۔ مجھ سے بات چھپائی، پیٹ رکھا۔ ایشور مجھے یہ کن پاپوں کادنڈ مل رہا ہے؟ اگر کنچن میرے راستے میں پڑتے ہیں تو پڑیں، پرینام بُرا ہوگا۔ اتینت بھیشن (انتہا درجے کا خوفناک)۔ میں جتنا ہی نرم ہوں اتنا ہی کٹھور بھی ہوسکتا ہوں۔ میں آج سے تاک میں ہوں۔ اگر نشچے ہوگیا کہ اس میں کنچن کا کچھ ہاتھ ہے تو میں اُس کے خون کا پیاسا ہو جاؤں گا۔ میں نے کبھی اُسے کڑی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ پر اُس کی اتنی جرأت! ابھی یہ خون بالکل ٹھنڈا نہیں ہوا ہے، اُس جوش کا کچھ حصّہ باقی ہے، جو کٹے ہوئے سروں اور تڑپتی ہوئی لاشوں کا درشیہ دیکھ کر متوالا ہوجاتا تھا۔ ان بانہوں میں ابھی دم ہے، یہ ابھی بھی تلوار اور بھالے کا وار کرسکتی ہیں۔ میں ابودھ بالک نہیں ہوں کہ مجھے بُرے راستے سے بچایا

جائے۔ میں اپنا مختار ہوں جو چاہوں کروں۔ کسی کو چاہے وہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو، میری بھلائی اور ہت کامنا (بھلائی کی آرزو) کا ڈھونگ رچنے کی ضرورت نہیں۔ اگر بات یہیں تک ہے تو غنیمت ہے، لیکن اس کے آگے بڑھ گئی ہے تو پھر اس کل کی خیریت نہیں۔ اس کا سَر وناش ہو جائے گا اور میرے ہی ہاتھوں۔ کنچن کو ایک بار سچیت کردینا چاہیے۔

(گیانی آتی ہے)

گیانی : کیا ابھی تک سوئے نہیں؟ بارہ تو بج گئے ہوں گے۔

سبل : نیند کو بلا رہا ہوں، پر اُس کا سوبھاؤ تمھارے جیسا ہے۔ آپ ہی آپ آتی ہے پر بُلانے سے مان کرنے لگتی ہے۔ تمھیں نیند کیوں نہیں آئی؟

گیانی : چنتا کا نیند سے بگاڑ ہے۔

سبل : کس بات کی چنتا ہے؟

گیانی : ایک بات ہے کہ کہوں۔ چاروں طرف چنتائیں ہی چنتائیں ہیں۔ اس وقت تمھاری یاترا کی چنتا ہے۔ طبیعت اچھی نہیں، اکیلے جانے کو کہتے ہو۔ پردیش والی بات ہے، نہ جانے کیسی پڑے کیسی نہ پڑے۔ اس سے تو یہی اچھا تھا کہ یہیں علاج کرواتے۔

سبل : (من ہی من) کیوں نہ اِسے خوش کردوں جب ذرا سا بات پھیر دینے سے کام نکل سکتا ہے۔ (ظاہر) اس ذرا سی بات کے لیے اتنی چنتا کرنے کی کیا ضرورت؟

گیانی : تمھارے لیے ذرا سی ہو، پر مجھے تو اَسوجھ (ناقابل فہم) معلوم ہوتا ہے۔

سبل : اچھا تو لو، نہ جاؤں گا۔

گیانی : میری قسم؟

سبل : ستیہ کہتا ہوں۔ جب اس سے تمھیں اتنا کشٹ ہورہا ہے تو نہ جاؤں گا۔

گیانی : میں اس انوگرہ (احسان، مہربانی) کو کبھی نہ بھولوں گی۔ آپ نے مجھے اُبار لیا،

نہیں تو نہ جانے میری کیا دَشا ہوتی۔ اب مجھے کچھ دنڈ بھی دیجیے۔ میں نے آپ کی آگیا کا اُلنگھن کیا ہے اور اس کا کٹھن دنڈ چاہتی ہوں۔

سبل : مجھے تم سے اس کی شنکا ہی نہیں ہو سکتی۔

گیانی : پر یہ اپرادھ اتنا بڑا ہے کہ آپ اُسے چھما نہیں کر سکتے۔

سبل : (اشتیاق سے) کیا بات ہے سنوں؟

گیانی : میں کل آپ کے منع کرنے پر بھی سوامی چیتن داس کے درشنوں کو چلی گئی تھی۔

سبل : اکیلے؟

گیانی : گلابی ساتھ تھی۔

سبل : (من میں) کیا کرے بے چاری کسی طرح من تو بہلائے۔ میں نے ایک طرح اس سے ملنا ہی چھوڑ دیا۔ بیٹھے بیٹھے جی اوب گیا ہوگا۔ میری آگیا ایسی کون مہتو کی وَستو ہے۔ جب نوکر چاکر جب چاہتے ہیں اُسے بھنگ کردیتے ہیں اور میں اُن کا کچھ نہیں کرسکتا تو اِس پر کیوں گرم پڑوں۔ میں کھلی آنکھوں دھرم اور نیتی کا بھنگ کررہا ہوں، ایشوریہ آگیا سے منھ موڑ رہا ہوں تو مجھے کوئی ادھیکار نہیں کہ اس کے ساتھ ذرا سی بات کے لیے سختی کروں۔ (ظاہر) یہ کوئی اپرادھ نہیں، اور نہ میری آگیا اتنی اٹل ہے کہ بھنگ ہی نہ کی جائے۔ اگر تم اِسے اپرادھ سمجھتی ہو تو میں اسے سہرش چھما کرسکتا ہوں۔

گیانی : سوامی، آپ کے برتاؤ میں آج کل کیوں اتنا انتر ہوگیا ہے؟ آپ نے کیوں مجھے بندھنوں سے مُکت کردیا ہے، مجھ پر پہلے کی بھانتی شاسن کیوں نہیں کرتے؟ ناراض کیوں نہیں ہوتے، کٹوشبد کیوں نہیں کہتے، پہلے کی بھانتی روٹھتے کیوں نہیں، ڈانٹتے کیوں نہیں؟ آپ کی یہ سہشنتا (تحمل، بُردباری) دیکھ کر میرے ابودھ من میں بھانتی بھانتی کی شنکا اٹھنے لگتی ہے کہ یہ پریم

بندھن کا ڈھیلاپن نہ ہو۔

سبل : نہیں، پریے، یہ بات نہیں ہے، دیش دیشانتر (ملکی و غیر ملکی) کے پتر پتر کاؤں کو دیکھتا ہوں تو وہاں کی استریوں کی سوادھینتا (آزادی، خودمختاری) کے سامنے یہاں کا کٹھور شاسن کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اب استریاں کونسلوں میں جاسکتی ہیں، وکالت کرسکتی ہیں، یہاں تک کہ بھارت میں بھی استریوں کو انیائے کے بندھن سے مکت کیا جارہا ہے، تو کیا میں ہی سب سے گیا بیتا ہوں کہ وہی پرانی لکیر پیٹے جاؤں۔

گیانی : مجھے تو اُس راج نیتک سوادھینتا (سیاسی آزادی) کے سامنے پریم بندھن کہیں سکھ کر (خوش کن، آرام دہ) جان پڑتا ہے۔ میں وہ سوادھینتا نہیں چاہتی۔

سبل : (من میں) بھگون، اس اَپار پریم کا میں نے کتنا گھور اَپمان کیا ہے؟ اس سرل ہردیا (معصوم دل والی) کے ساتھ میں نے کتنی اَنیتی (ظلم، بے انصافی) کی ہے؟ آنکھوں میں آنسو کیوں بھرے آتے ہیں؟ مجھ جیسا کٹل منشیہ (بدمعاش آدمی) اس دیوی کے یوگیہ نہیں تھا۔ (ظاہر) پریے، تم میری اُور سے لیش ماتر (ذرہ برابر) بھی شنکار نہ کرو۔ میں سدیو تمھارا ہوں اور رہوں گا۔ اس سمے گانا سننے کا جی چاہتا ہے۔ وہی اپنا پیارا گیت گاکر مجھے سُنا دو۔

(گیانی سُرود لاکر سبل سنگھ کو دے دیتی ہے۔ گانے لگتی ہے)

اب تو میرا رام نام دوسرا نہ کوئی
ماتا چھوڑی پتا چھوڑے، چھوڑے سگا سوئی
سنتن سنگ بیٹھی بیٹھی لوک لاج کھوئی
اب تو ....

چوتھا منظر

[استھان — گنگا کا کنارہ، برگد کے گھنے درخت کے نیچے تین چار آدمی لاٹھیاں اور تلواریں لیے بیٹھے ہیں، سمے — 10 بجے رات]

ایک ڈاکو : 10 بجے اور ابھی تک لوٹی نہیں۔

دوسرا : تم اتاولے کیوں ہوجاتے ہو۔ جتنی ہی دیر میں لوٹے گی اتنا ہی سناٹا ہوگا، ابھی اکے دُکے راستہ چل رہا ہے۔

تیسرا : اس کے بدن پر کوئی پانچ ہجار کے گہنے تو ہوں گے؟

چوتھا : سبل سنگھ کوئی چھوٹا آدمی نہیں ہے۔ اُس کی گھروالی بن ٹھن کر نکلے گی تو دس ہجار سے کم کا مال نہیں۔

پہلا : یہ شکار آج ہاتھ آجائے تو کچھ دنوں چین سے بیٹھنا نصیب ہو۔ روج روج رات رات بھر گھات میں بیٹھے رہنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ سب کچھ کرکے بھی شریر کو آرام نہ ملا تو بات ہی کیا رہی۔

دوسرا : بھاگیہ میں آرام بدا ہوتا تو یہ کُکرم نہ کرنے پڑتے۔ کہیں سیٹھوں کی طرح گدّی مسند لگائے بیٹھے ہوتے۔ ہمیں چاہے کوئی کھجانا ہی مل جائے پر آرام نہیں مل سکتا۔

تیسرا : کُکرم کیا ہمیں کرتے ہیں؛ یہی کُکرم تو سنسار کررہا ہے۔ سیٹھ جی روج گار کے نام سے ڈاکا مارتے ہیں۔ اَملے (عملے) گھوس کے نام سے ڈاکا مارتے ہیں۔ وکیل محنتانہ (محنت کی اجرت) کے نام سے ڈاکا مارتا ہے۔ پر ان ڈکیتوں کے محل کھڑے ہیں، ہوا گاڑیوں پر سیر کرتے پھرتے ہیں، پیچوان لگائے مکھملی (مخملی) گدیوں پر پڑے رہتے ہیں۔ سب اُن کا آدر کرتے ہیں، سرکار انھیں بڑی بڑی پدویاں (خطابات) دیتی ہے۔ ہمیں لوگوں پر وِدھاتا کی نگاہ کیوں اتنی کڑی رہتی ہے؟

چوتھا : کام کرنے کا ڈھنگ ہے۔ وہ لوگ پڑھے لکھے ہیں اس لیے ہم سے چتر

(چالاک) ہیں۔ گُگرم بھی کرتے ہیں اور موج بھی اڑاتے ہیں۔ وہی پتھر مندر میں پُجتا ہے اور وہی نالیوں میں لگایا جاتا ہے۔

پہلا : چُپ، کوئی آرہا ہے۔

(ہلدھر کا داخلہ، گاتا ہے)

سات سکھی پنگھٹ پر آئیں کر سولہ سنگار
اپنا دُکھ رونے لگیں، جو کچھ بدا لِلار
پہلی سکھی بولی سنو چار بہنو میرا پیا سرابی ہے
کفن کی کوڑی پاس نہ رکھتا دل کا بڑا نوابی ہے
جو کچھ پاتا سبھی اڑاتا گھر کی اَجب (عجب) کھرابی ہے
لوٹا تھالی گروی رکھ دی، پھر تالیے رِکابی ہے
بات بات پر آنکھ بدلتا اتنا بڑا مجاجی ہے
ایک ہاتھ میں دونوں کلہڑ، دوجے بوتل گلابی ہے

پہلا ڈاکو : کون ہے؟ کھڑا رہ

ہلدھر : تم تو ایسا ڈپٹ رہے ہو جیسے کوئی چور ہوں۔ کہو کیا کہتے ہو؟

دوسرا : (ساتھیوں سے) جوان تو بڑا گٹھیلا اور جیوٹ کا ہے (ہلدھر سے) کدھر چلے؟ گھر کہاں ہے؟

ہلدھر : یہ سب آلھا پوچھ کر کیا کروگے؟ اپنا مطلب کہو۔

تیسرا ڈاکو : ہم پولس کے آدمی ہیں، بِنا تلاشی لیے کسی کو جانے نہیں دیتے۔

ہلدھر : (چوکنا ہوکر) یہاں کیا دھرا ہے جو تلاشی کو دھمکاتے ہو۔ دھن کے ناتے یہی لاٹھی ہے اور اِسے میں بِنا دس پانچ سر پھوڑے دے نہیں سکتا۔

چوتھا : تم سمجھ گیے، ہم لوگ کون ہیں، یا نہیں؟

ہلدھر : ایسا کیا بڑا بدھو ہی سمجھ لیا ہے؟

چوتھا : تو گانٹھ میں جو کچھ ہو دے دو، ناحک رار کیوں مچاتے ہو؟

ہلدھر : تم بھی بڑے گنوار ہو۔ چیل کے گھونسلے میں مانس ڈھونڈتے ہو۔

پہلا : یارو، سنبھل کر، پالکی آرہی ہے۔

چوتھا : بس ٹوٹ پڑو جس سے کہار بھاگ کھڑے ہوں۔

(گیانی کی پالکی جاتی ہے۔ چاروں ڈاکو تلواریں لیے کہاروں پر جا پڑتے ہیں۔ کہار پالکی پٹک کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ گلابی برگد کی آڑ میں چھپ جاتی ہے۔)

ایک ڈاکو : ٹھکراین، جان کی کھیر چاہتی ہو تو سب گہنے چپکے سے اتار کے رکھ دو۔ اگر گل مچایا یا چلائی تو جبردستی تمھارا منھ بند کرنا پڑے گا اور ہم تمھارے اوپر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتے۔

دوسرا : سوچتی کیا ہو، یہاں ٹھاکر سبل سنگھ نہیں بیٹھے ہیں جو بندوک لیے آتے ہوں چٹ پٹ اتارو۔

تیسرا : (پالکی کا پردہ اٹھا کر) یہ یوں نہ مانے گی، ٹھکراین ہے نا، ہاتھ پکڑ کر باندھ دو، اتار لو سب گہنے۔

(ہلدھر لپک کر اُس ڈاکو پر لاٹھی چلاتا ہے اور وہ ہائے مار کر بے ہوش ہوجاتا ہے۔ تینوں باقی ڈاکو اُس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ لاٹھیاں چلنے لگتی ہیں۔)

ہلدھر : وہ مارا، ایک اور گرا۔

ایک ڈاکو: بھائی تم جیتے ہم ہارے، شکار کیوں بھگائے دیتے ہو؟ مال میں آدھا تمھارا۔

ہلدھر : تم ہتیارے ہو، اَبلا استریوں پر ہاتھ اٹھاتے ہو، میں اب تمھیں جیتا نہ چھوڑوں گا۔

ڈاکو : یار، دس ہجار سے کم کا مال نہیں ہے۔ ایسا اوسر پھر نہ ملے گا۔ تھانے دار کو 100، 200 روپے دے کر ٹرکا دیں گے۔ باکی سارا اپنا ہے۔

ہلدھر : (لاٹھی تان کر) جاتے ہو یا ہڈّی توڑ کے رکھ دوں گا۔

(دونوں ڈاکو بھاگ جاتے ہیں۔ ہلدھر کہاروں کو بُلاتا ہے جو ایک مندر میں چھپے بیٹھے ہیں۔ پالکی اٹھتی ہے۔)

گیانی : بھیا، آج تم نے میرے ساتھ جو اُپکار کیا ہے اس کا پھل تمھیں ایشور دیں

گے، لیکن میری اتنی بنتی ہے کہ میرے گھر تک چلو۔ تم دیوتا ہو، تمھاری پوجا کروں گی۔

بادھر : رانی جی، یہ تمھاری بھول ہے۔ میں دیوتا ہوں نہ دیتیہ (دیت، بُری روح)۔ میں بھی گھاتک (مہلک) ہوں۔ پر میں ابلا عورتوں کا گھاتک نہیں۔ ہتیاروں ہی کا گھاتک ہوں، جو دھن کے بل سے گریبوں کو لوٹتے ہیں، ان کی ابتّ بگاڑتے ہیں، ان کے گھر کو بھوتوں کا ڈیرا بنا دیتے ہیں۔ جاؤ اب سے گریبوں پر دَیا رکھنا۔ نالس، کڑکی، جیھل، یہ سب مت ہونے دینا۔

(ندی کی طرف چلا جاتا ہے۔ گاتا ہے۔)

دوجی سکھی بولی سنو سکھیو میرا پیا جواری ہے
رات رات بھر پھڑ پر رہتا، بگڑی دَسا ہماری ہے
گھر اور بار داؤں پر ہارا اب چوری کی باری ہے
گہنے کپڑے کو کیا روؤں پیٹ کی روٹی بھاری ہے
کوڑی اوڑھنا کوڑی بچھونا کوڑی سَوت ہماری ہے۔

گیانی : (گلابی سے) آج بھگوان نے بچا لیا نہیں تو گہنے بھی جاتے اور جان کی بھی کشل نہ تھی۔

گلابی : یہ جرور کوئی دیوتا ہے، نہیں تو دوسروں کے پیچھے کون اپنی جان جوکھم میں ڈالتا؟

پانچواں منظر

[استھان — مدھوبن، سَمے — 9 بجے رات، بادل گھرا ہوا ہے۔ ایک بڑ کے نیچے بابا چیتن داس مرگ چھالا (ہرن کی کھال) پر بیٹھے ہوئے ہیں، پھتو، منگرو، ہرداس وغیرہ دُھونی سے ذرا ہٹ کر بیٹھے ہیں۔]

چیتن داس : سنسار کپٹ مے ہے، کسی پرانی کا وشواس نہیں۔ جو بڑے گیانی، بڑے تیاگی، دھرماتما پرانی ہیں — ان کی چت ورتی کو دھیان سے دیکھو تو سوارتھ سے بھرا پاؤگے۔ تمھارا زمیندار دھرماتما سمجھا جاتا ہے، سبھی اُس کے یَش (شہرت، نیک نامی) اور کیرتی (نیک نامی، کارنامہ) کی پرشنسا کرتے ہیں۔ پر میں کہتا ہوں، ایسا اتیاچاری، کپٹی، دھورت، بھرشٹاچرن منشیہ سنسار میں نہ ہوگا۔

منگرو : بابا، آپ مہاتما ہیں، آپ کی جبان کون پکڑے، پر ہمارے ٹھاکر سچ مچ دیوتا ہیں۔ ان کے راج میں ہم کو جتنا سُکھ ہے اتنا کبھی نہیں تھا۔

ہرداس : جیٹھی کی لگان معاف کردی تھی۔ اب اسامیوں کو بھوسے چارے کے لیے بنا بیاج کے روپے دے رہے ہیں۔

پھتو : اُن میں چاہے کوئی بُرائی ہو پر اسامیوں پر ہمیشہ پرورس کی نگاہ رکھتے ہیں۔

چیتن داس : یہی تو اُن کی چترائی ہے کہ اپنا سوارتھ بھی سِدھ کرلیتا ہے اور اپ کیرتی (بدنامی) بھی نہیں ہونے دیتا۔ روپے سے، میٹھے وچن سے، نمرتا سے، لوگوں کو وشی بھوت (تابع) کرلیتا ہے۔

منگرو : مہاراج، آپ اُن کا سوبھاو نہیں جانتے جبھی ایسا کہتے ہیں۔ ہم تو انھیں سدا سے دیکھتے آتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسی نیت نہیں دیکھی کہ کسی سے ایک پیسہ بیسی (زیادہ) لے لیں۔ کبھی کسی طرح کی بے گار نہیں لی، اور نگاہ کا تو ایسا صاف آدمی کہیں دیکھا ہی نہیں۔

ہرداس : کبھی کسی پر نگاہ نہیں ڈالی۔

چیتن داس : بھلی پرکار سوچو، ابھی حال ہی میں کوئی استری یہاں سے نکل گئی ہے؟

پھتو : (متجسس ہوکر) ہاں مہاراج، ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے۔

چیتن : اس کے پتی کا بھی پتہ نہیں ہے؟

پھتو : ہاں مہاراج، وہ بھی گائب ہے۔

چیتن داس : استری پرم سندری ہے؟

پھتو : ہاں مہاراج، رانی معلوم ہوتی ہے۔

چیتن : اُسے سبل سنگھ نے گھر ڈال لیا ہے۔

پھتو : گھر ڈال لیا ہے؟

منگرو : جھوٹھ ہے۔

ہرداس : وشواس نہیں آتا۔

پھتو : اور ہلدھر کہاں ہے؟

چیتن : اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔ ڈکیتی کرنے لگا ہے۔ میں نے اُسے بہت کھوجا پر بھینٹ نہیں ہوئی۔

(سلونی گاتی ہوئی آتی ہے)

مجھے جوگنی بنا کے کہاں گئے رے جوگیا

پھتو : سلونی کاکی، اِدھر آؤ! راجیشوری تو سبل سنگھ کے گھر بیٹھ گئی۔

سلونی : چل جوٹھے، بے چاری کو بدنام کرتا ہے۔

منگرو : ٹھاکر صاحب میں یہ لت ہے ہی نہیں۔

سلونی : مَردوں کی میں نہیں چلاتی، نہ ان کے سوبھاو کا کچھ پتہ ملتا ہے، پر کوئی بھری گنگا میں راجیشوری کو کلنک لگائے تو بھی مجھے وشواس نہ آئے گا۔ وہ ایسی عورت نہیں۔

پھتو : وشواس تو مجھے بھی نہیں آتا، پر یہ باباجی کہہ رہے ہیں۔

سلونی : آپ نے آنکھوں دیکھا ہے؟

چیتن : نتیہ ہی دیکھتا ہوں۔ ہاں، کوئی دوسرا دیکھنا چاہے تو کٹھنائی ہوگی۔ اُس کے لیے کرایے پر ایک مکان لیا گیا ہے، تین لونڈیاں سیوا ٹہل کے لیے بٹھا کر پراتہ کال جاتا ہے اور گھڑی بھر میں وہاں سے لوٹ آتا ہے۔ سندھیا سمے پھر جاتا ہے اور نو دس بجے تک رہتا ہے۔ میں اس کا پرمان دیتا ہوں۔ میں نے سبل سنگھ کو سمجھایا، پر وہ اس سمے کسی کی نہیں سنتا۔ میں اپنی آنکھوں یہ

اتیاچار نہیں دیکھ سکتا۔ میں سنیاسی ہوں۔ میرا دھرم ہے کہ ایسے اتیاچاریوں کا، ایسے پاکھنڈیو کا سنہار (خاتمہ) کروں۔ میں پرتھوی کو ایسے رنگے ہوئے سیاروں سے مُکت کردینا چاہتا ہوں۔ اُس کے پاس دھَن کا بَل ہے تو ہوا کرے۔ میرے پاس دھرم اور نیائے کا بَل ہے۔ اِسی بل سے میں اُس کو پراست کروں گا۔ مجھے آشا تھی کہ تم لوگوں سے اس پاپی کو ڈنڈ دینے میں مجھے یتھیشٹ (حسبِ خواہش، کافی) سہایتا ملے گی۔ میں سمجھتا تھا کہ دیہاتوں میں آتما بھمان (عزتِ نفس) کا ابھی اَنت نہیں ہوا ہے، وہاں کے پرانی اتنے پتت (کمینہ، ذلیل، ناپاک) نہیں ہوئے ہیں کہ اپنے اوپر اتنا گھور، پیشاچِنک (شیطانی، آسیبی) انرتھ دیکھ کر بھی انھیں اتیجنا (جوش) نہ ہو، اُن کا رَکت (خون) نہ کھولنے لگے۔ پر اب گیات (معلوم) ہورہا ہے کہ سبل نے تم لوگوں کو منتر مگدھ (مبہوت) کردیا ہے۔ اس کے دیا بھاؤ نے تمھارے آتم سمان کو کچل ڈالا ہے۔ دیا کا آگھات اتیاچار کے آگھات سے کم پران گھاتک نہیں ہوتا۔ اتیاچار کے آگھات سے کرودھ اُتپن ہوتا ہے، جی چاہتا ہے مر جائیں یا مار ڈالیں۔ پر دَیا کی چوٹ سر کو نیچا کردیتی ہے، اس سے منشیہ کی آتما اور بھی نربل ہوجاتی ہے، اُس کے اَبھمان کا انت ہوجاتا ہے، وہ نیچ، کُٹل، خوشامدی ہو جاتا ہے۔ میں تم سے پھر پوچھتا ہوں، تم میں کچھ لجا کا بھاؤ ہے یا نہیں؟

ایک کسان : مہاراج، اگر آپ کا ہی کہنا ٹھیک ہو تو ہم کیا کرسکتے ہیں؟ ایسے دَیاوان پُروش کی بُرائی ہم سے نہ ہوگی۔ عورت آپ ہی کھراب ہو تو کوئی کیا کرے؟

منگرو : بس تم نے میرے من کی بات کہی۔

ہرداس : وہ سدا سے ہماری پرورس کرتے آئے ہیں۔ ہم آج اُن سے باگی (باغی) کیسے ہوجائیں؟

دوسرا کسان : باگی (باغی) ہو بھی جائیں تو رہیں کہاں؟ ہم تو اُس کی مٹھی میں ہیں۔ جب چاہے ہمیں پیس ڈالے۔ پُستینی (خاندانی) اداوت (عداوت) ہو جائے گی۔

منگرو : اپنی لاج تو ڈھانکتے نہیں بنتی، دوسروں کی لاج کوئی کیا ڈھانکے گا؟

ہرداس : سوامی جی، آپ سنیاسی ہیں، آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم گرہستھ لوگ جمیندار سے بگاڑ کرنے لگیں تو کہیں ٹھکانہ نہ لگے۔

منگرو : ہاں اور کیا، آپ تو اپنے تپ و بل (ریاضت کی قوت) سے ہی جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اگر آپ سراپ (بددعا) بھی دے دیں تو کُکرمی کھڑے کھڑے بھسم ہو جائیں۔

سلونی : جا چلّو بھر پانی میں ڈوب مر کائر کہیں کا۔ ہلدھر تیرے سگے چاچا کا بیٹا ہے۔ جب تو اُس کا نہیں تو اور کس کا ہوگا؟ منہ میں کالکھ نہیں لگا لیتا، اوپر سے باتیں بناتا ہے۔ تجھے تو چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھنا چاہیے تھا۔ مرد وہ ہوتے ہیں، جو اپنی آن پر جان دے دیتے ہیں۔ تو ہجڑا ہے۔ اب جو پھر منہ کھولا تو لوکا (آگ) لگادوں گی۔

منگرو : سنتے ہو پھتو کاکا، ان کی باتیں۔ جمیندار سے بیر بڑھانا اِن کے سمجھ میں دل لگی ہے۔ ہم پولس والوں سے چاہے نہ ڈریں، اَملوں (عملوں) سے چاہے نہ ڈریں، مہاجن سے چاہے بگاڑ کرلیں، پٹواری سے چاہے کہا سُنی ہو جائے، پر جمیندار سے منہ لگنا اپنے لیے گڑھا کھودنا ہے، مہاجن ایک نہیں ہجاروں ہیں، اَملے (عملے) آتے جاتے رہتے ہیں، بہت کریں گے ستا لیں گے، لیکن جمیندار سے تو ہمارا جنم مرن کا بیوپار ہے۔ اُس کے ہاتھ میں تو ہماری روٹیاں ہیں۔ اُس سے اینٹھ کر کہاں جائیں گے؟ نہ کاکی، تم چاہے گالیاں دو، چاہے طعنے مارو، پر سبل سنگھ سے ہم لڑائی نہیں ٹھان سکتے۔

چیتن داس : (من میں) منونیت (نتیجہ، مطلوبہ) آشا نہ پوری ہوئی۔ ہلدھر کے کٹمبوں

(خاندان) میں ایسا کوئی نہ نکلا جو آوگیہ میں آکر اپمان کا بدلہ لینے کو تیار ہوجاتا۔ سب کے سب کائر نکلے۔ کوئی وِیر آتما نکل آتی جو میرے راستے سے اِس بادھا کو ہٹا دیتی، پھر گیانی اپنی ہوجاتی۔ یہ دونوں اس کام کے تو نہیں ہیں، پر ہمتی معلوم ہوتے ہیں۔ بڑھیا دین (نادار، مفلس) بنی ہوئی ہے، پر ہے پوڑھی، نہیں تو اتنے گھمنڈ سے باتیں نہ کرتی۔ میاں گانٹھ کا پورا تو نہیں پر دل کا دلیر جان پڑتا ہے۔ اتیچھا میں پڑ کر اپنا سروسو (سب کچھ) کھو سکتا ہے۔ اگر دونوں سے کچھ دَھن مل جائے تو سب انسپکٹر کو ملا کر، کچھ مایا جال سے کچھ لوبھ سے قابو میں کرلوں۔ کوئی مقدمہ کھڑا ہوجائے۔ کچھ نہ ہوگا بھانڈا تو پھوٹ جائے گا۔ گیانی انھیں اَب کی بھانتی دیوتا تو نہ سمجھتی رہے گی۔ (ظاہر) اس پاپی کو دنڈ دینے کا میں نے پَرن (عہد) کر لیا ہے۔ ایسے کائر بیکتی بھی ہوتے ہیں یہ مجھے گیات نہ تھا۔ ہر اِچھّا (بھگوان کی مرضی) اب کوئی دوسری ہی یُکتی (ترکیب) کام میں لانی چاہیے۔

سلونی : مہاراج، میں دین دُکھیا ہوں، کچھ کہنا چھوٹا منھ بڑی بات ہے، پر میں آپ کی مدد کے لیے ہر طرح ہاجر (حاضر) ہوں۔ میری جان بھی کام آئے تو دے سکتی ہوں۔

پھتو : سوامی جی، مجھ سے بھی جو ہوسکے گا کرنے کو تیار ہوں۔ ہاتھوں میں تو اب مکدور (مقدور) نہیں رہا، پر اور سب طرح ہاجر ہوں۔

چیتن : مجھے اس پاپی کا سنہار کرنے کے لیے کسی کی مدد کی آوشیکتا نہ ہوتی۔ میں اپنے یوگ اور تپ بل سے ایک کشن میں اُسے رَساتل (تحت الثریٰ) کو بھیج سکتا ہوں۔ پر شاستروں میں ایسے کاموں کے لیے یوگ بل کا ویوہار کرنا وَرجت (ممنوع) ہے۔ اسی سے وِوَش ہوں۔ تم دھن سے میری کچھ سہایتا کرسکتے ہو؟

سلونی : (پھتو کی طرف نظروں سے دیکھتے ہوئے) مہاراج، تھوڑے سے روپے دھام (تیرتھ یاترا) کرنے کو رکھ چھوڑے تھے۔ وہ آپ کے بھینٹ کردوں گی۔ یہ بھی تو پُنیہ (ثواب) ہی کا کام ہے۔

پھتو : کاکی، تیرے پاس کچھ روپے اوپر ہوں تو مجھے اُدھار دے دے۔

سلونی : چل باتیں بناتا ہے۔ میرے پاس روپے کہاں سے آئیں گے؟ کون گھر کے آدمی کمائی کررہے ہیں۔ چالیس سال بیت گئے باہر سے ایک پیسہ بھی گھر میں نہیں آیا۔

پھتو : اچھا نہیں دیتی ہے مت دے۔ اپنے تینوں سیسم کے پیڑ بیچ دوں گا۔

چیتن : اچھا تو میں جاتا ہوں وِشرام کرنے۔ کل دن بھر میں تم لوگ پربندھ کرکے جو کچھ ہوسکے اِس کاریہ کے نمتّی (بابت، واسطے) دے دینا۔ کل سندھیا کو میں اپنے آشرم چلا جاؤں گا۔

(پرستھان)

چھٹا منظر

[استھان — شہر والا کرائے کا مکان، سَمے — آدھی رات، کنچن سنگھ اور راجیشوری باتیں کررہے ہیں۔]

راجیشوری : دیور جی، میں نے پریم کے لیے اپنا سَروسّو لگادیا۔ پر جس پریم کی آشا تھی وہ نہیں میسّر ہوا۔ میں نے اپنا سَروسّو دیا ہے تو اُس کے بدلے سَروسّو چاہتی بھی ہوں۔ میں نے سمجھا تھا، ایک کے بدلے آدھی پر سنتوش کرلوں گی۔ پر اب دیکھتی ہوں تو جان پڑتا ہے کہ مجھ سے بھول ہوگئی۔ دوسری بڑی بھول یہ ہوئی کہ میں نے گیانی دیوی کی اور دھیان نہیں دیا تھا۔ انھیں

کتنا دُکھ، کتنا شوک، کتنی جلن ہوگی اس کا میں نے ذرا بھی وِچار نہیں کیا تھا۔ آپ سے ایک بات پوچھوں، ناراض تو نہ ہوں گے؟

کنچن : تمھاری بات سے میں ناراض ہوگا!

راجیشوری : آپ نے اب تک وِواہ کیوں نہیں کیا؟

کنچن : اس کے کئی کارن ہیں۔ میں نے دھرم گرنتھوں میں پڑھا تھا کہ گرہستھ جیون منشیہ کی موکش پراپتی میں بادھک ہوتا ہے۔ میں نے اپنا تن، من، دھن سب دھرم پر اَرپن کردیا تھا۔ دان اور وَرَت کو ہی میں نے جیون کا اُدّیشیہ (مقصد) سمجھ لیا تھا۔ اُس کا مُکھیہ کارن یہ تھا کہ مجھے پریم کا کچھ اَنوبھو نہ تھا۔ میں نے اُس کا سُرَس سواد نہ پایا تھا۔ اُسے کیوَل مایا کی ایک کوٹ لیلا سمجھا کرتا تھا، پر اب گیات ہورہا ہے کہ پریم میں کتنا پوِتر آنند اور کتنا سورگیہ (جنت جیسا) سُکھ بھرا ہوا ہے۔ اس سُکھ کے سامنے اب مجھے دھرم، موکش اور وَرت کچھ بھی نہیں جنچتے۔ اس کا سُکھ بھی چِنتا مَے ہے اور دکھ بھی رس مَے۔

راجیشوری : (ٹیڑھی نظروں سے دیکھ کر) یہ سُکھ کہاں پراپت ہوا؟

کنچن : یہ نہ بتاؤں گا۔

راجیشوری : (مُسکرا کر) بتائیے چاہے نہ بتائیے، میں سمجھ گئی۔ جس وَستو کو پاکر آپ اتنے منتر مُگدھ ہوگئے ہیں وہ اصل میں پریم نہیں ہے۔ پریم کی کیوَل جھلک ہے۔ جس دن آپ کو پریم رتن ملے گا اُس دن آپ کو اس آنند کا سچّا انوبھو ہوگا۔

کنچن : میں یہ رتن پانے یوگیہ نہیں ہوں۔ وہ آنند میرے بھاگیہ میں ہی نہیں ہے۔

راجیشوری : ہے اور ملے گا۔ بھاگیہ سے اتنے نِراش نہ ہوجائیے۔ آپ جس دن، جس گھڑی، جس پل اِکشا کریں گے وہ رتن آپ کو مل جائے گا۔ وہ آپ کی

اِکشا کی بات جوہ رہا ہے۔

کنچن : (آنکھوں میں آنسو بھر کر) راجیشوری، میں گھور دھرم سنکٹ میں ہوں۔ نہ جانے میرا کیا انت ہوگا۔ مجھے اس پریم پر اپنے پران بَلدان کرنے پڑیں گے۔

راجیشوری : (من میں) بھگوان، میں کیسی ابھاگنی ہوں۔ ایسے نشچھل (راست باز، بے دغا)، سرل پُروش کی ہتیا میرے ہاتھوں ہورہی ہے۔ پر کروں کیا، اپنے اَپمان کابدلہ تو لینا ہی ہوگا۔ (ظاہر) پرانیشور (میری جان کے مالک)، آپ اتنے نراش کیوں ہوتے ہیں۔ میں آپ کی ہوں اور آپ کی رہوں گی۔ سنسار کی آنکھوں میں میں چاہے جو کچھ ہوں، دوسروں کے ساتھ میرا باہری بیوہار چاہے جیسا ہو، پر میرا ہردَے آپ کا ہے۔ میرے پَران آپ پر نیوچھاور ہیں (آنچل سے کنچن کے آنسو پوچھ کر) اب پرسنّ ہوجائیے۔ یہ پریم رتن آپ کی بھینٹ ہے۔

کنچن : راجیشوری، اُس پریم کو بھوگنا میرے بھاگیہ میں نہیں ہے۔ مجھ جیسا بھاگیہ ہین (بدقسمت) پُروش اور کون ہوگا جو ایسے دُرلبھ رتن کی اور ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔ میری دَشا اُس پُروش کی سی ہے جو کشُدھا (بھوک) سے بیاکُل ہوکر ان پدارتھوں کی اور لپکے جو کسی دیوتا کی اَرچنا کے لیے رکھے ہوئے ہوں۔ میں وہی امانُشی کرم کررہا ہوں۔ میں پہلے یہ جانتا کہ پریم رتن کہاں ملے گا تو تم اَپسرا بھی ہوتیں تو آکاش سے اُتار لاتا۔ دوسروں کی آنکھ پڑنے کے پہلے تم میری ہوجاتیں، پھر کوئی تمھاری اور آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا۔ پر تم مجھے اُس وقت ملیں جب تمھاری اور پریم کی دِرشٹی سے دیکھنا بھی میرے لیے ادھرم ہوگیا۔ راجیشوری، میں مہاپاپی، اَدھرمی جیو ہوں۔ مجھے یہاں اس ایکانت (خلوت، تنہائی) میں بیٹھنے کا، تم سے ایسی باتیں کرنے کا ادھیکار نہیں ہے۔ پر پریماگھات نے مجھے سنگیاہین (حواس باختہ، بے ہوش) کردیا ہے۔ میرا وِویک لُپت ہوگیا ہے۔ میرے اتنے دن کا برہم چریہ

(تجرد، نفس کشی) اور دھرم نشٹھا(دینداری، فرض شناسی) کا اَپ ہَرن ہوگیا ہے۔ اس کا پرینام کتنا بھینکر ہوگا ایشور ہی جانے۔ اب یہاں میرا بیٹھنا اُچت نہیں ہے۔ مجھے جانے دو۔ (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے)

راجیشوری : (ہاتھ پکڑ کر) نہ جانے پایئے گا۔ جب اس دھرم کا پچڑا (بکھیڑا، جھنجھٹ) چھیڑا ہے تو اُس کا نپٹارا کیے جایئے۔ میں تو سمجھتی تھی جیسے جگناتھ پوری میں پہنچ کر چھوت اچھوت کا وِچار نہیں رہتا اُسی بھانتی پریم کی دیکشا (تلقین) پانے کے بعد دھرم ادھرم کا وِچار نہیں رہتا۔ پریم آدمی کو پاگل کردیتا ہے۔ پاگل آدمی کے کام اور بات کا، وِچار اور بیوہار کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

کنچن : اس وِچار سے چت کو سنتوش نہیں ہوتا۔ مجھے اب جانے دو۔ اب اور پریکشا میں مت ڈالو۔

راجیشوری : اچھا بتلاتے جایئے کب آیئے گا؟

کنچن : کچھ نہیں جانتا کیا ہوگا۔ (روتے ہوئے) میرے اپرادھ چھما کرنا۔

(زینے سے اترتا ہے۔ دوار پر سبل سنگھ آتے دکھائی دیتے ہیں۔ کنچن ایک اندھیرے برآمدے میں چھپ جاتا ہے۔)

سبل : (اوپر جاکر) ارے! ابھی تک تم سوئیں نہیں؟

راجیشوری : جن آنکھوں میں پریم بستا ہے وہاں نیند کہاں؟

سبل : یہ اُن نِدرا (بے خوابی) پریم میں نہیں ہوتی۔ کپٹ پریم میں ہوتی ہے۔

راجیشوری : (مشوش ہوکر) مجھے تو اس کا کبھی انوبھو نہیں ہوا۔ آپ نے اس سَمے آکر بڑی کرپا کی۔

سبل : (غصے سے) ابھی یہاں کون بیٹھا ہوا تھا؟

راجیشوری : آپ کی یاد۔

سبل : مجھے بھرم تھا کہ یاد سَدیہہ (مجسم) نہیں ہوا کرتی۔ آج یہ نئی بات معلوم ہوئی۔ میں تم سے وِنے کرتا ہوں، بتلا دو، ابھی کون یہاں سے اٹھ کر گیا ہے؟

راجیشوری: آپ نے دیکھا ہے تو کیوں پوچھتے ہیں؟

سبل : شاید مجھے بھرم ہوا ہو۔

راجیشوری : ٹھاکر کنچن سنگھ تھے۔

سبل : تو میرا گمان ٹھیک نکلا۔ وہ کیا کرنے آیا تھا؟

راجیشوری : (من میں) معلوم ہوتا ہے میرا منورتھ اُس سے جلد پورا ہوگا جتنی مجھے آشا تھی۔ (ظاہر) یہ پرشن آپ بیرتھ (بلا مطلب، بلاوجہ) کرتے ہیں۔ اتنی رات گئے جب کوئی پُروش کسی انیہ استری کے پاس جاتا ہے تو اُس کا ایک ہی آشے ہوسکتا ہے۔

سبل : اُسے تم نے آنے کیوں دیا؟

راجیشوری : انھوں نے آکر دُوار کھٹکھٹایا، کہارِن جاکر کھول آئی۔ میں نے تو انھیں یہاں آنے پر دیکھا۔

سبل : کہارِن اُس سے ملی ہوئی ہے؟

راجیشوری : یہ اُس سے پوچھیے۔

سبل : جب تم نے اُسے بیٹھے دیکھا تو دُتکار کیوں نہ دیا؟

راجیشوری : پرانیشور، آپ مجھ سے ایسے سوال پوچھ کر دل نہ جلائیں۔ یہ کہاں کی ریتی ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے پاس آئے تو اُس کو دُتکار دیا جائے، وہ بھی جب آپ کا بھائی ہو۔ میں اتنی نٹھر نہیں ہوسکتی۔ اُن سے ملنے میں تو بھَے جب ہوتا کہ جب میرا اپنا چِت چنچل ہوتا، مجھے اپنے اوپر وشواس نہ ہوتا۔ پریم کے گہرے رنگ میں سرابور ہوکر اب مجھ پر کسی دوسرے رنگ کے چڑھنے کی سمبھاونا (امکان) نہیں ہے۔ ہاں، آپ بابو کنچن سنگھ کو کسی بہانے سے سمجھا دیجیے کہ اب سے یہاں نہ آئیں۔ وہ ایسی پریم اور انوراگ (محبت) کی باتیں کرنے لگتے ہیں کہ اُس کے دھیان سے ہی لجّا آنے لگتی ہے۔ وِوَش ہوکر بیٹھتی ہوں، سنتی ہوں۔

سبل : (غصّے سے پاگل ہوکر) پاکھنڈی کہیں کا، دھرماتما بنتا ہے، وِرَکت (بے تعلق، تارک الدنیا) بنتا ہے، اور کرم ایسے نیچ! تو میرا بھائی سہی، پر تیرا وَدھ کرنے میں کوئی پاپ نہیں ہے۔ ہاں، اس راکشش کی ہتیا میرے ہی ہاتھوں ہوگی۔ اوہ! کتنی نیچ پَرکرتی ہے، میرا سگا بھائی اور یہ بیوہار! اَسہیہ (ناقابل برداشت) ہے، اکشمیہ (ناقابلِ معافی) ہے۔ ایسے پاپی کے لیے نرک ہی سب سے اُتّم استھان ہے۔ آج ہی اِسی رات کو تیری جیون لیلا سماپت ہو جائے گی۔ تیرا دیپک بجھ جائے گا۔ ہا دھورت، کیا کام لولپتا (بوالہواسی) کے لیے یہی ایک ٹھکانہ تھا! تجھے میرے ہی گھر میں آگ لگانی تھی۔ میں تجھے پُتروَت (بیٹے کی طرح) پیار کرتا تھا۔ تجھے .... (غصّے سے ہونٹ چبا کر) تیری لاش کو انھیں آنکھوں سے تڑپتے ہوئے دیکھوں گا۔

(نیچے چلا جاتا ہے)

راجیشوری : (آپ ہی آپ) ایسا جان پڑتا ہے، بھگوان سویم یہ ساری لیلا کررہے ہیں، انھیں کی پریرنا سے سب کچھ ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیسا وِچتر رہسیہ ہے۔ میں بیلوں کو مارا جانا نہیں دیکھ سکتی تھی، چیونٹیوں کو پیروں تلے پڑتے دیکھ کر میں پاؤں ہٹا لیا کرتی تھی؛ پر ابھاگیہ مجھ سے یہ ہتّیا کانڈ کرا رہا ہے! میرے ہی نِردے ہاتھوں کے اشارے سے یہ کٹھ پتلیاں ناچ رہی ہیں۔

(پُر سوز سُروں میں گاتی ہے)

اُودھو کرمن کی گتی نیاری۔

(گاتے گاتے پرستھان)

ساتواں منظر

[استھان — دیوان خانہ، سَمے — تین بجے رات، گھٹا چھائی ہوئی ہے، سبل سنگھ تلوار ہاتھ میں لیے دوار پر کھڑے ہیں۔]

سبل : (من میں) اب سو گیا ہوگا۔ مگر نہیں، آج اُس کی آنکھوں میں نیند کہاں۔ پڑا پڑا پریماگنی (محبت کی آگ) میں جل رہا ہوگا، کروٹیں بدل رہا ہوگا۔ اُس پر یہ ہاتھ نہ اٹھ سکیں گے۔ مجھ میں اتنی نِردَییتا نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں، وہ مجھ پر پرتی گھات (بے رحمی) نہ کرے گا۔ میری تلوار کو سہرش اپنی گردن پر لے لے گا۔ ہاں! یہی تو اُس کا پرتی گھات ہوگا۔ ایشور کریں وہ میری للکار پر سامنے کھڑا ہوجائے۔ تب یہ تلوار وَجر (بجلی) کی بھانتی اُس کی گردن پر گرے گی۔ اَرَکشِت (بے حفاظت)، نشستر (بغیر ہتھیار کے) پُروش پر مجھ سے آگھات نہ ہوگا۔ جب وہ کرُن (رحم کی التجا سے پُر) دین نیتروں سے میری اور تاکے گا — جیسے چھرے کے نیچے بکرا تاکتا ہے— تو میری ہمّت چھوٹ جائے گی۔

(دھیرے دھیرے کنچن سنگھ کے کمرے کی اور بڑھتا ہے)

ہا! مانو جیون کتنا رہسیہ مَے ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی ماں کے اُدر (پیٹ) سے جنم لیا، ایک ہی استن (چھاتی) سے دودھ پیا، سدا ایک ساتھ کھیلے، پر آج میں اُس کی ہتیا کرنے کو تیار ہوں۔ کیسی وِڈمبنا (مذاق) ہے۔ ایشور کرے اُسے نیند آگئی ہو۔ سوتے کو مارنا دھرم وِرُدھ ہو، پر کٹھن نہیں ہے۔ دینتا (ناداری، مجبوری) دَیا کو جاگرت کردیتی ہے .... (چونک کر) اَرے! یہ کون تلوار لیے بڑھا چلا آتا ہے۔ کہیں چھپ کر دیکھوں، اس کی کیا نیت ہے۔ لمبا آدمی ہے، شریر کیسا گٹھا ہوا ہے۔ کواڑ کے درازوں سے نکلتے ہوئے پرکاش میں آجائے تو دیکھوں کون ہے۔ وہ آگیا۔ یہ تو ہلدھر معلوم ہوتا ہے۔ بالکل وہی ہے لیکن ہلدھر کے داڑھی نہیں تھی۔ سمجھو ہے

داڑھی نکل آئی ہو، پر ہے ہلدھر، ہاں وہی ہے، اس میں کوئی سندیہہ نہیں ہے۔ راجیشوری کی ٹوہ کسی طرح مل گئی۔ ایمان کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ کتنا بھینکر سُوروپ ہوگیا ہے۔ آنکھیں چمک رہی ہیں۔ اَوشیہ ہم میں سے کسی کا خون کرنا چاہتا ہے۔ میری ہی جان کا گاہک ہوگا۔ کمرے میں جھانک رہا ہے۔ چاہوں تو ابھی پستول سے اس کا کام تمام کردوں۔ پر نہیں۔ خوب سوجھی، کیوں نہ اس سے وہ کام لوں جو میں نہیں کرسکتا۔ اِس وقت کوشل سے کام لینا ہی اُچت ہے (تلوار چھپا کر) کون ہے ہلدھر؟

(ہلدھر تلوار کھینچ کر چوکنا ہوجاتا ہے)

سبل : ہلدھر، کیا چاہتے ہو؟

ہلدھر : (سبل کے سامنے آکر) سنبھل جائیے گا، میں چوٹ کرتا ہوں۔

سبل : کیوں میرے خون کے پیاسے ہورہے ہو؟

ہلدھر : اپنے دل سے پوچھیے۔

سبل : تمھارا اُپرادھی میں نہیں ہوں، کوئی دوسرا ہی ہے۔

ہلدھر : کشتری ہوکر آپ پرانوں کے بھے سے جھوٹھ بولتے نہیں لجاتے۔

سبل : میں جھوٹھ نہیں بول رہا ہوں۔

ہلدھر : سراسر جھوٹھ ہے۔ میرا سَروناش آپ کے ہاتھوں ہوا ہے۔ آپ نے میری اِجّت مٹی میں ملا دی۔ میرے گھر میں آگ لگا دی اور اب آپ جھوٹھ بول کر اپنے پران بچانا چاہتے ہیں۔ مجھے سب کھبریں مل چکی ہیں۔ بابا چیتن داس نے سارا کچّا چٹھا مجھ سے کہہ سنایا ہے۔ اب بنا آپ کا خون پیے اِس تلوار کی پیاس نہ بُجھے گی۔

سبل : ہلدھر، میں کشتری ہوں اور پرانوں کو نہیں ڈرتا۔ تم میرے ساتھ کمرے تک آؤ۔ میں ایشور کو سُاکشی (گواہ، شاہد) دے کر کہتا ہوں کہ میں کوئی چھل کپٹ نہ کروں گا۔ وہاں میں سب وِرتانت (روداد) سچ سچ کہہ دوں گا۔ تب تمھارے من میں جو آئے وہ کرنا۔

(ہلدھر چوکنّی درشٹی سے تاکتا ہوا سبل کے ساتھ اُس کے دیوان خانے میں جاتا ہے)

سبل : تخت پر بیٹھ جاؤ اور سنو۔ یہ ساری آگ کنچن سنگھ کی لگائی ہوئی ہے۔ اُس نے کُٹنی دوارا راجیشوری کو گھر سے نکلوا لیا ہے۔ اُس کے گوئندوں نے راجیشوری کا اُس سے بکھان کیا ہوگا۔ وہ اُس پر موہت ہوگیا اور تمھیں جیل پہنچا کر اپنی اِچّھا پوری کی۔ جب سے مجھے یہ سماچار ملا ہے میں اُس کا شترو ہوگیا ہوں۔ تم جانتے ہو، مجھے اتیاچار سے کتنی گھِرنا ہے۔ اتیاچاری پُروش چاہے وہ میرا پُتر ہی کیوں نہ ہو، میری درشٹی میں ہنسک جنتو کے سمان ہے اور اُس کا وَدھ کرنا میں اپنا کرتویہ سمجھتا ہوں۔ اسی لیے میں یہ تلوار لے کر کنچن سنگھ کا وَدھ کرنے جارہا تھا۔ اتنے میں تم دکھائی پڑے۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ جسے میں بڑا دھرماتما، ایشور بھکت، سداچاری، تیاگی سمجھتا تھا وہ واستو میں ایک پرلے درجے کا بیبھچاری (زانی)، وِشیی (بوالہواس) منشیہ ہے۔ اسی لیے اُس نے اب تک وِواہ نہیں کیا۔ اُس نے کرم چاریوں کو گھوس دے کر تمھیں چُپکے چُپکے گرفتار کرالیا اور اب راجیشوری کے ساتھ وِہار (تفریح) کرتا ہے۔ ابھی آدھی رات کو وہاں سے لوٹ کر آیا ہے۔ میں نے تم سے سارا وِرتانت کہہ سنایا۔ اب تمھاری جو اِکشا ہو کرو۔

(ہلدھر لپک کر کنچن سنگھ کے کمرے کی اور چلتا ہے)

سبل : ٹھہرو، ٹھہرو، یوں نہیں۔ سمبھو ہے تمھاری آہٹ پاکر جاگ اُٹھے۔ نوکر سپاہی اُس کا چلّانا سُن کر جاگ پڑیں۔ پراتہ کال وہ گنگا نہانے جاتا ہے۔ اُس وقت اندھیرا رہتا ہے۔ وہیں تم اُسے گنگا کی بھینٹ کرسکتے ہو۔ گھات لگائے رہو۔ اَوسر آتے ہی ایک ہاتھ میں کام تمام کردو اور لاش کو وہیں بہادو۔ تمھارا منورتھ پورا ہونے کا اس سے سگم اُپائے نہیں ہے۔

ہلدھر : (کچھ سوچ کر) مجھے دھوکا تو نہیں دینا چاہتے؟ اس بہانے سے مجھے ٹال دو اور پھر سچیت ہو جاؤ اور مجھے پکڑوا دینے کا انتجام کرو۔

سبل : میں نے ایشور کی قسم کھائی ہے، اگر اب بھی تمھیں وِشواس نہ آئے تو جو چاہے کرو۔

بلدھر : اچھی بات ہے، جیسا آپ کہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔ اگر اس سَمے دھوکھا دے کر بچ بھی گئے تو پھر کیا کبھی داؤ ہی نہ آئے گا؟ میرے ہاتھوں سے بچ کر اب نہیں جاسکتے۔ میں چاہوں تو ایک چھن میں تمھارے کُل کا ناش کردوں، پر ہتیارا نہیں ہوں۔ مجھے دھن کی لالسا نہیں ہے۔ میں تو کیوَل اپنے اپمان کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ کو بھی سچیت کیے دیتا ہوں۔ میں ابھی اور ٹوہ لگاؤں گا اگر پتہ چلا کہ آپ نے میرا گھر اُجاڑا ہے تو میں آپ کو بھی جیتا نہ چھوڑوں گا۔ میرا تو جو ہونا تھا ہوچکا، پر میں اپنے اُجاڑنے والوں کو گُکرم کا سُکھ نہ بھوگنے دوں گا۔

(چلا جاتا ہے)

سبل : (من میں) میں کتنا نیچ ہوگیا ہوں، جھوٹ، دغا، فریب، کسی پاپ سے بھی مجھے ہچک نہیں ہوتی۔ پر جو کچھ بھی ہو بلدھر بڑے موقع سے آگیا۔ اب بنا لاٹھی ٹوٹے ہی سانپ مرا جاتا ہے۔

(پرستھان)

آٹھواں منظر

[استھان — ندی کا کنارا، سَمے — چار بجے صبح، کنچن پوجا کے سامگری لیے آتا ہے، اور ایک تخت پر بیٹھ جاتا ہے، قلن گھاٹ کے اوپر ہی رُک جاتی ہے۔]

کنچن : (من میں) یہ جیون کا اَنت ہے! یہ بڑے بڑے اِرادوں اور منصوبوں کا پرینام ہے۔ اسی لیے جنم لیا تھا۔ یہی موکش پد ہے۔ یہ نِروان ہے۔ مایا بندھنوں

سے مُکت رہ کر آتما کو اُپتّم پد (اعلیٰ ترین حقیقت) پر لے جانا چاہتا تھا۔ یہ وہی مہان پد ہے۔ یہی میری سکیرتی (نیک نامی) روپی دھرم شالا ہے۔ یہی میرا آدرش کرشن مندر ہے! اتنے دنوں کے یَم اور سَیم (ضبطِ نفس، احتیاط)، ست سنگ اور بھکتی، دان اور وَرت نے اَنت میں مجھے وہاں پہنچایا جہاں کداچت بھرشٹاچار اور کُوِچار، پاپ اور کُکرم نے بھی نہ پہنچایا ہوتا۔ میں نے جیون یاترا کا کٹھتم مارگ لیا، پر ہنسک جیو جنتوؤں سے بچنے کا، اتھاہ ندیوں کو پار کرنے کا، دُرگم گھاٹیوں سے اُترنے کا کوئی سادھن اپنے ساتھ نہ لیا۔ میں استریوں سے الگ الگ رہتا تھا، انھیں جیون کا کانٹا سمجھتا تھا، ان کے بناو شرنگار کو دیکھ کر مجھے گھِرنا ہوتی تھی۔ پر آج وہ استری جو میرے بھائی کی پریمکا ہے، جو میری ماتا کے تُلیہ (مشابہہ) ہے .... پریم میں اتنی شکتی ہے، میں یہ نہ جانتا تھا! ہائے، یہ آگ اب بجھتی نہیں دکھائی دیتی۔ یہ جوالا مجھے بھسم کرکے ہی شانت ہوگی۔ یہی اُتّم ہے۔ اب اِس جیون کا انت ہونا ہی اچھا ہے۔ اِس آتم پتن کے بعد اب جینا دھکّار ہے۔ جینے سے یہ تاپ اور جوالا دن بہ دن پرچنڈ (تیز، خوفناک) ہوگی۔ گھُل گھُل کر، کُڑھ کُڑھ کر مرنے سے، گھر میں بیر کا بیج بونے سے، جو اپنے پوجیہ ہیں اُن سے ویمنسیہ (دشمنی) کرنے سے یہ کہیں اچھا ہے کہ ان وِپتّیوں کے مؤل ہی کا ناش کردوں۔ میں نے سب طرح پریکشا کرکے دیکھ لیا۔ راجیشوری کو کسی طرح نہیں بھول سکتا، کسی طرح دھیان سے نہیں اتار سکتا۔

(چیتن داس کا داخلہ)

کنچن : سوامی جی کی دنڈوت کرتا ہوں۔

چیتن : بابا، سدا سُکھی رہو۔ اِدھر کئی دنوں سے تم کو نہیں دیکھا۔ مُکھ مَلِن تو ہے، اَسوستھ تو نہیں تھے؟

کنچن : نہیں مہاراج، آپ کے آشیرواد سے کُشل سے ہوں۔ پر کچھ ایسے جھنجھٹوں میں پڑا رہا کہ آپ کے درشن نہ کرسکا۔ بڑا سوبھاگیہ تھا کہ آج پراتہ کال

آپ کے درشن ہوگئے۔ آپ تیر تھ یاترا پر کب جانے کا وِچار کررہے ہیں؟

چیتن : بابا، اب تک تو چلا گیا ہوتا، پر بھگتوں سے پنڈ نہیں چھوٹتا۔ وشیشیہ (خصوصاً) تمھارے کلیان کے لیے تم سے کچھ کہنا تھا اور بِنا کہے میں نہ جاسکتا تھا۔ یہاں اِسی اُدّیشیہ سے آیا ہوں۔ تمھارے اوپر ایک گھور سنکٹ آنے والا ہے۔ تمھارا بھائی سبل سنگھ تمھیں وَدھ کرانے کی چیشٹا کررہا ہے۔ گھاتک شیگھر ہی تمھارے اوپر آگھات کرے گا۔ سچیت ہوجاؤ۔

کنچن : مہاراج، مجھے اپنے بھائی سے ایسی آشنکا نہیں ہے۔

چیتن : یہ تمھارا بھرم ہے۔ پریم اِیرشا (حسد) میں منشیہ اَستھرچت (مستقل مزاج)، اُنمت (پاگل، سرشار) ہو جاتا ہے۔

کنچن : یدی ایسا ہی ہو تو میں کیا کرسکتا ہوں؟ میری آتما تو سویم اپنے پاپ کے بوجھ سے دبی ہوئی ہے۔

چیتن : یہ کشتریوں کی باتیں نہیں ہیں۔ بھومی، دَھن اور ناری کے لیے سنگرام کرنا کشتریوں کا دھرم ہے۔ اِن وَستوؤں پر اُسی کا واستوِک ادھیکار ہے جو اپنے باہوبل سے انھیں چھین سکے۔ اس سنگرام (جنگ) میں دَیا اور دھرم، وِویک اور وِچار، مان اور پرتشٹھا، سبھی کائرتا کے پریائے (مترادف) ہیں۔ یہی اُپدیش کرشن بھگوان نے اَرجن کو دیا تھا، اور وہی اُپدیش میں تمھیں دے رہا ہوں۔ تم میرے بھکت ہو اس لیے یہ چیتاوَنی دینا میرا کرتبیہ تھا۔ یودّھاؤں کی بھانتی کشیتر (علاقہ) میں نکلو اور اپنے شَترو کے مستک (پیشانی) کو پیروں سے کُچل ڈالو، اُس کا گیند بنا کر کھیلو اُتھوا اپنی تلوار کی نوک پر اُچھالو۔ یہی ویروں کا دھرم ہے۔ جو پرانی کشتریہ ونش میں جنم لے کر سنگرام سے منہ موڑتا ہے وہ کیوَل کائر پُروش ہی نہیں، پاپی ہے، وِدھرمی ہے، دُراتما ہے۔ کرم کشیتر (میدانِ عمل) میں کوئی کسی کا پُتر نہیں، بھائی نہیں، مِتر نہیں، سب ایک دوسرے کے شَترو ہیں۔ یہ سَمست سنسار کچھ

نہیں، کیول ایک برہت (بڑی)، وِراٹ (عظیم) شتر تا ہے۔ درشن کاریوں (فلاسفروں) اور دھرماچاریوں (مذہبی علماؤں) نے سنسار کو پریم مَے کیا ہے۔ اُن کے کتھنانُسار ایشور سَیم پریم مَے ہے۔ یہ بھرانتی کا سروسریشٹھ اُداہرن ہے جس نے سنسار کو ویشٹت (ڈھک لینا) کر رکھا ہے۔ بھول جاؤ کہ تم کسی کے بھائی ہو۔ جو تمہارے اوپر آگھات کرے اُس کا پرتی گھات کرو، جو تمہاری اور وَکر (ترچھی، ٹیڑھی) نیتروں سے تاکے اُس کی آنکھیں نکال لو۔ راجیشوری تمہاری ہے، پریم کے ناتے اُس پر تمہارا ہی اُدھیکار ہے۔ اگر تم اپنے کرتویہ پتھ سے ہٹ کر اُسے اُس پُروش کے ہاتھوں میں چھوڑ دوگے جس سے اُسے پہلے چاہے پریم رہا ہو پر اب وہ اُس سے گھِرنا کرتی ہے، تو تم نیائے، نیتی اور دھرم کے گھاتک سِدھ ہوگے اور جنم جنمانتروں تک اس کا دنڈ بھوگتے رہوگے۔

(چیتن کا جانا)

کنچن : (من میں) مَن اب کیا کہتے ہو؟ کشتریہ دھرم کا پالن کرکے بھائی سے لڑوگے، اُس کے پرانوں پر آگھات کروگے یا کشتریہ دھرم کو بھنگ کرکے آتم ہتیا کروگے؟ جی تو مرنے کو نہیں چاہتا۔ ابھی تک بھکتی اور دھرم کے جنجال میں پڑا رہا، جیون کا کچھ سُکھ نہیں دیکھا۔ اب جب اُس کی آشا ہوئی تو یہ کٹھن سمسیا سامنے آکھڑی ہوئی۔ ہو کشتریہ دھرم کے وِرُدھ؛ پر بھائی سے میں کسی بھانتی وگرہ (جنگ) نہیں کرسکتا۔ انھوں نے سدیو مجھ سے پُتر وَت پریم کیا ہے۔ یاد نہیں آتا کہ کوئی اَمرِدُ (تلخ) شبد اُن کے منھ سے سُنا ہو۔ وہ یوگیہ ہیں، وِدْوان ہیں، کُشل ہیں۔ میرے ہاتھ اُن پر نہیں اُٹھ سکتے۔ اَوسر نہ ملنے کی بات نہیں ہے۔ بھیا کا شترو میں ہو ہی نہیں سکتا۔ کشتریوں کے ایسے دھرم سِدھانت نہ ہوتے تو ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں کیوں کر بہتیں اور بھارت کیوں ہاتھ سے جاتا؟ نہیں، کداپی نہیں،

میرے ہاتھ اُن پر نہیں اُٹھ سکتے۔ سادھوگن جھوٹ نہیں بولتے، پر یہ مہاتما جی اُن پر بھی متھیا (بے بنیاد)، دوشاروپن (الزام دہی) کر گئے۔ مجھے وشواس نہیں آتا کہ وہ مجھ سے اتنے نِردَے ہو جائیں گے۔ اُن کے دیا اور شیل کا پاراوار (آرپار، کنارہ) نہیں۔ وہ میری پران ہتیا کا سنکیت نہیں دے سکتے۔ ایک نہیں، ہزار راجیشوریاں ہو، پر بھیّا میرے شترو نہیں ہوسکتے۔ یہ سب متھیا ہے۔ میرے ہاتھ اُن پر نہیں اٹھ سکتے۔ ہائے، ابھی ایک چھن میں یہ گھٹنا سارے نگر میں پھیل جائے گی۔ لوگ سمجھیں گے، پاؤں پھسل گیا ہوگا۔ راجیشوری کیا سمجھے گی؟ اُسے مجھ سے پریم ہے، اوشیہ شوک کرے گی، روئے گی اور اب سے کہیں زیادہ پریم کرنے لگے گی۔ اور بھیا؟ ہائے یہی تو مصیبت ہے۔ اب میں اُنھیں منھ نہیں دکھا سکتا۔ میں اُن کا اپرادھی ہوں۔ میں نے دھرم ہتیا کی ہے۔ اگر وہ مجھے جیتا چُنوا دیں تو بھی مجھے آہ بھرنے کا ادھیکار نہیں ہے۔ میرے لیے اب یہی ایک مارگ رہ گیا ہے۔ میرے بلدان سے ہی اب شانتی ہوگی۔ پر بھیّا پر میرے ہاتھ نہ اٹھیں گے۔ پانی گہرا ہے۔ بھگوان میں نے پاپ کیے ہیں، تمھیں منھ دکھانے یوگیہ نہیں ہوں۔ اپنی اَپار دَیا کی چھانہہ (سایہ) میں مجھے بھی شرن دینا۔ راجیشوری، اب تجھے کیسے دیکھوں گا؟

(پیل پائے پر کھڑا ہوکر اتھاہ جل میں کود پڑتا ہے۔ ہلدھر کا تلوار اور پستول لیے آنا۔)

ہلدھر : بڑے موقع سے آیا۔ میں نے سمجھا تھا دیر ہوگئی۔ پاکھنڈی، ٹگرمی کہیں کا۔ روج گنگا نہانے آتا ہے، پوجا کرتا ہے، تلک لگاتا ہے اور کرم اتنے نیچ۔ ایسے موقع سے ملے ہو کہ ایک ہی وار میں کام تمام کردوں گا۔ اور پرائی استریوں پر نگاہ ڈالو۔ (پیل پائے کی آڑ میں چھپ کر سنتا ہے) پاپی بھگوان سے دیا کی یاچنا کررہا ہے۔ یہ نہیں جانتا ہے کہ ایک چھن میں نرک کے

دُوار پر کھڑا ہوگا۔ "راجیشوری، اب تمھیں کیسے دیکھوں گا؟" ابھی پریت ہوئے جاتے ہو پھر اُسے جی بھر کر دیکھنا۔ (پستول کا نشانہ لگاتا ہے) ارے! یہ تو آپ ہی آپ پانی میں کود پڑا، کیا پران دینا چاہتا ہے؟ (پستول کنارے کی طرف پھینک کر پانی میں کود پڑتا ہے اور کنچن سنگھ کو گود میں لیے ایک لمحے میں باہر آتا ہے۔ من میں) ابھی پانی پیٹ میں بہت کم گیا ہے۔ اسے کیسے ہوش میں لاؤں؟ ہے تو یہ اپنا بَیری، پر جب آپ ہی مرنے پر اُتارو ہے تو میں اِس پر کیا ہاتھ اٹھاؤں۔ مجھے تو اِس پر دَیا آتی ہے۔

(کنچن سنگھ کو لِٹا کر اُس کی پیٹھ میں گھٹنے لگا کر اُس کی بانہوں کو ہلاتا ہے۔
چیتن داس کا داخلہ)

چیتن داس : (تعجب سے) یہ کیا دُرگھٹنا ہوگئی؟ کیا تو نے اِن کو پانی میں ڈُبا دیا؟

ہلدھر : نہیں مہاراج، یہ تو آپ ندی میں کود پڑے۔ میں تو باہر نکال لایا ہوں۔

چیتن داس : لیکن تو انھیں وَدھ کرنے کا ارادہ کرکے آیا تھا۔ مورکھ، میں نے تجھے پہلی ہی جتادیا تھا کہ تیرا شترو سبل سنگھ ہے، کنچن سنگھ نہیں؛ پر تونے میری بات کا وشواس نہ کیا۔ اُس دھورت سبل کے بہکانے میں آگیا۔ اب پھر کہتا ہوں کہ تیرا شترو وہی ہے، اُسی نے تیرا سروناش کیا ہے، وہی راجیشوری کے ساتھ وِلاس کرتا ہے۔

ہلدھر : میں نے اِنھیں راجیشوری کا نام لیتے اپنے کانوں سے سُنا ہے۔

چیتن : ہوسکتا ہے کہ راجیشوری جیسی سُندری کو دیکھ کر اِس کا چِت بھی چنچل ہوگیا ہو۔ سبل سنگھ نے سندیہہ وَش اس کے پران ہَرن (جان لینا) کی چیشٹا کی ہو۔ بس یہی بات ہے۔

ہلدھر : سوامی جی چھما کی جیے گا، میں سبل سنگھ کی بات میں آگیا۔ اب مجھے مالوم ہوگیا کہ وہی میرا بَیری ہے۔ ایشور نے چاہا تو وہ بھی بہت دن تک اپنے پاپ کا سُکھ نہ بھوگنے پائیں گے۔

چیتن : (من میں) اب کہاں جاتا ہے؟ آج پولس والے بھی گھر کی تلاشی لیں گے۔

اگر اُن سے بچ گیا تو یہ تلوار نکالے بیٹھا ہی ہے۔ ایشور کی اِکشا ہوئی تو اب شیگھر ہی منورتھ پورے ہوں گے۔ گیانی میری ہوگی اور میں اِس وِپُل (بہت زیادہ) سمپتی کا سوامی ہوجاؤں گا۔ کوئی وِیوسائے (پیشہ)، کوئی وِدّا، مجھے اتنی جلد اتنا سَمپتی شالی (دولت مند) نہ بنا سکتی تھی۔

(پرستھان)

کنچن : (ہوش میں آکر) نہیں، تمھارا شترو میں ہوں۔ جو کچھ کیا ہے میں نے کیا ہے۔ بھیّا نِردوش (بے قصور) ہیں، تمھارا اَپرادھی میں ہوں۔ میرے جیون کا اَنت ہو یہی میرے پاپوں کا دنڈ ہے۔ میں تو سویم اپنے کو اس پاپ جال سے مُکت کرنا چاہتا تھا۔ تم نے کیوں مجھے بچا لیا؟ (تعجب سے) ارے، یہ تو تم ہو ہلدھر؟

ہلدھر : (من میں) کیسا بے چھل کپٹ کا آدمی ہے۔ (ظاہر) آپ آرام سے لیٹے رہیں۔ ابھی اٹھیے نہ۔

کنچن : نہیں، اب نہیں لیٹا جاتا۔ (من میں) سمجھ میں آگیا، راجیشوری اِسی کی اِستری ہے، اِسی لیے بھیّا نے وہ ساری مایا رچی تھی۔ (ظاہر) مجھے اٹھا کر بیٹھا دو۔ وَچن دو کہ بھیا کا کوئی اَہِت (ضرر، نقصان) نہ کروگے۔

ہلدھر : ٹھاکر میں یہ وَچن نہیں دے سکتا۔

کنچن : کسی نِردوش کی جان لوگے؟ تمھارا گھاتک میں ہوں۔ میں نے تمھیں چپکے سے جیل بھجوایا اور راجیشوری کو کٹنیوں دُوارا یہاں بُلایا۔

(تین ڈاکو لاٹھیاں لیے آتے ہیں)

ایک : کیوں گُرو پڑا ہاتھ بھرپور؟

دوسرا : یہ تو کھاسا (خاصہ) ٹیاں سا بیٹھا ہوا ہے۔ لاؤ میں ایک ہاتھ دکھاؤں۔

ہلدھر : کھبردار، ہاتھ نہ اٹھانا۔

پہلا : کیا کچھ ہتّھے چڑھ گیا کیا؟

ہلدھر : ہاں اسرفیوں کی تھیلی ہے۔ منھ دھو رکھنا۔

تیسرا : یہ بہت کڑا بیاج لیتا ہے۔ سب روپے اس کی توند میں سے نکال لو۔

ہلدھر : جَبان سنبھال کر بات کرو۔

پہلا : اُچھا اِسے لے چلو، دو چار دن برتن منجوائیں گے۔ آرام کرتے کرتے موٹا ہو گیا ہے۔

دوسرا : تم نے اِسے کیوں چھوڑ دیا؟

ہلدھر : اس نے وَچن دیا کہ اب سُود نہ لوں گا۔

پہلا : کیوں بچہ، گرو کو سیدھا سمجھ کر جھانسہ دے دیا۔

ہلدھر : بَک بَک مت کرو۔ انھیں ناؤ پر بیٹھا کر ڈیرے پر لے چلو۔ یہ بے چارے، سود بیاج جو کچھ لیتے ہیں اپنے بھائی کے حُکم سے لیتے ہیں۔ آج اُسی کی کھبر لینے کا وِچار ہے۔

(سب کنچن کو سہارا دے کر ناؤ پر بٹھا دیتے ہیں اور گاتے ہوئے ناؤ چلاتے ہیں)

ناراین کا نام سدا من کے اندر لانا چاہیے!
مانُش تن ہے دُرلبھ جگ میں اس کا پھل پانا چاہیے!
دُرجن سنگ نَرک کا مارگ اُس سے دور جانا چاہیے!
ست سنگ میں سدا بیٹھ کے ہری کے گُن گانا چاہیے!
دھرم کمائی کرکے اپنے ہاتھوں کی کھانا چاہیے!
پَر ناری کو اپنی ماتا کے سمان جانا چاہیے!
جھوٹھ کپٹ کی بات سدا کہنے میں شرمانا چاہیے!
کتھا پُران سنت سنگت میں من کو بہلانا چاہیے!
ناراین کا نام سدا من کے اندر لانا چاہیے!

نواں منظر

[استھان — گلابی کا مکان، سَمے — شام، چراغ جل چکے ہیں، گلابی صندوق سے روپے نکال رہی ہے۔]

گلابی : بھاگ (قسمت) جاگ جائیں گے۔ سوامی جی کے پرتاپ سے یہ سب روپے دونے ہوجائیں گے۔ پورے 300 روپے ہیں۔ لوٹوں گی تو ہاتھ میں پورے چھ سو (600) روپے کی تھیلی ہوگی۔ اتنے روپے تو برسوں میں بھی نہ بٹور پاتی۔ سادھو مہاتماؤں میں بڑی شکتی ہوتی ہے۔ سوامی جی نے یہ ینتر (تعویز) دیا ہے۔ بھِریگو کے گلے میں باندھ دوں۔ پھر دیکھوں یہ چڑیل اُسے کیسے اپنے بس میں کیے رہتی ہے۔ انھوں نے تو کہا ہے کہ وہ اُس کی بات بھی نہ پوچھے گا۔ یہی تو میں چاہتی ہوں۔ اُس کا مان مَردن ہوجائے، گھمنڈ ٹوٹ جائے (بھِریگو کو بُلاتی ہے) کیوں بیٹا، آج کل تمھاری طبیعت کیسی رہتی ہے؟ دُبلے ہوتے جاتے ہو؟

بھِریگو : کیا کروں؟ سارے دن بہی کھولے بیٹھے بیٹھے تھک جاتا ہوں۔ ٹھاکر کنچن سنگھ ایک بیڑے پان کو بھی نہیں پوچھتے۔ نہ کہیں گھومنے جاتا ہوں، نہ کوئی اُتّم وستو بھوجن کو ملتی ہے۔ جو لوگ لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں انھیں دودھ، مکّھن، مَلائی، میوا مسری اِکشانکول (مرضی کے مطابق) ملنی چاہیے۔ روٹی، دال، چاول تو مجبوری کا بھوجن ہے۔ سانجھ سیرے وایوسیون (ہواخوری) کرنا چاہیے۔ کبھی کبھی تھیٹر دیکھ کر مَن بہلانا چاہیے۔ پر یہاں ان میں سے کوئی بھی سکھ نہیں۔ یہی ہوگا کہ سوکھتے سوکھتے ایک دن جان سے چلا جاؤں گا۔

گلابی : اے نوج بیٹا، کیسی بات منھ سے نکالتے ہو؟ میرے جان میں تو کچھ پھیر پھار ہے۔ اس چڑیل نے تمھیں کچھ کر کرا دیا ہے۔ یہ پکّی ٹونی ہاری ہے۔ پورب کی نہ ہے۔ وہاں کی سب لڑکیاں ٹونی ہاری ہوتی ہیں۔

بھریگو : کون جانے یہی بات ہو۔ کنچن سنگھ کے کمرے میں اکیلے بیٹھا ہوں تو ایسا ڈر لگتا ہے جیسے کوئی بیٹھا ہو۔ رات کو آنے لگتا ہوں تو پھاٹک پر مولسری کے پیڑ کے نیچے کسی کو کھڑا دیکھتا ہوں۔ کلیجہ تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔ کسی طرح چِت کو ڈھارس دیتا ہوا چلا آتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں، پہلے وہاں کسی کی کَبر (قبر) تھی۔

گلابی : میں سوامی جی کے پاس سے یہ جنتر لائی ہوں۔ اِسے گلے میں باندھ لو۔ شنکا مٹ جائے گی۔ اور کل سے اپنے لیے پاؤ بھر دودھ بھی لایا کرو۔ میں نے کھوبا اہیر سے کہا ہے۔ اُس کے لڑکے کو پڑھا دیا کرو، وہ تمھیں دودھ دے دے گا۔

بھریگو : جنتر لاؤ میں باندھ لوں، پر کھوبا کے لڑکے کو میں نہ پڑھا سکوں گا۔ لکھنے پڑھنے کا نام کرتے کرتے سارے دن یوں ہی تھک جاتا ہوں۔ میں جب تک کنچن سنگھ کے یہاں رہوں گا میری طبیعت اچھی نہ ہوگی۔ مجھے کوئی دُکان کھلوا دو۔

گلابی : بیٹا، دُکان کے لیے تو پونجی چاہیے۔ اِس گھڑی تو یہ تاویج (تعویز) باندھ لو۔ پھر میں اور کوئی جتن کروں گی۔ دیکھو، دیوی جی نے کھانا بنا لیا؟ آج مالکِن نے رات کو وہیں رہنے کو کہا ہے۔

(بھریگو جاتا ہے اور چمپا سے پوچھ کر آتا ہے، گلابی چوکے میں جاتی ہے)

گلابی : پیڑھا تک نہیں رکھا، لوٹے کا پانی تک نہیں رکھا۔ اب میں پانی لے کر آؤں اور اپنے ہاتھ سے آسن ڈالوں تب کھانا کھاؤں۔ کیوں اتنے گھمنڈ کے مارے مَری جاتی ہو مہارانی۔ تھوڑا اِتراؤ، اتنا آکاش پر دیا نہ جلاؤ۔

(چمپا تھالی لاکر گلابی کے سامنے رکھ دیتی ہے، وہ ایک کور اٹھاتی ہے اور غصے سے تھالی چمپا کے سر پر پٹک دیتی ہے)

بھریگو : کیا ہے اماں؟

گلابی : ہے کیا، یہ ڈائن مجھے وِش دینے پر تُلی ہوئی ہے۔ یہ کھانا ہے کہ جہر (زہر)

ہے؟ مار نمک بھر دیا۔ بھگوان نہ جانے کب اِس کی مٹی اس گھر سے اٹھالیں گے۔ مر گئے اس کے باپ چچا۔ اب کوئی جھانکتا تک نہیں۔ جب تک بیاہ نہ ہوا تھا دُوار کی مٹی کھودے ڈالتے تھے۔ اتنے دِن اِس ابھاگنی کو رسوئی بناتے ہوگئے، کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے پیٹ بھر بھوجن کیا ہو۔ یہ میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے ....

بھِریگو : اماّں، دیکھو سر لہولُہان ہوگیا۔ جُرا نمک جیادہ ہی ہوگیا تو کیا اُس کی جان لے لوگی۔ جلتی ہوئی دال ڈال دی۔ سارے بدن میں چھالے پڑگئے۔ ایسا بھی کوئی کرودھ کرتا ہے۔

گلابی : (منھ چڑھا کر) ہاں ہاں، دیکھ، مرہم پٹی کر، دوڑ ڈاکٹر کو بُلا لا، نہیں کہیں مَر نہ جائے۔ ابھی لونڈا ہے، تِریا چرِتر دیکھا کر۔ میں نے اُدھر پیٹھ پھیری، اِدھر ٹھہاکے کی ہنسی اڑنے لگے گی۔ تیرے سر چڑھانے سے تو اس کا مجاج اتنا بڑھ گیا ہے۔ یہ تو نہیں پوچھتا کہ دال میں کیوں اتنا نمک جھونک دیا۔ اُلٹے اور گھاؤ پر مرہم رکھنے چلا ہے۔

(جھمک کر چلی جاتی ہے)

چمپا : مجھے میرے گھر پہنچا دو۔

بھِریگو : سارا سر لوہولُہان ہوگیا۔ اِس کے پاس روپے ہیں، اُسی کا اِس کو گھمنڈ ہے۔ کسی طرح روپے نکل جاتے تو یہ گائے ہوجاتی۔

چمپا : تب تک تو یہ میرا کچھ مَر ہی نکال لیں گی۔

بھِریگو : صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

چمپا : اِس گھر میں اب میرا نباہ نہ ہوگا۔ اس بُڑھیا کو دیکھ کر آنکھوں میں کھون اُتر آتا ہے۔

بھِریگو : اب کی ایک گہری رکم ہاتھ لگنے والی ہے۔ ایک ٹھاکر نے کانوں کی بالی ہمارے یہاں گِروں (گروی) رکھّی تھی۔ وعدے کے دن ٹل گئے۔ ٹھاکر کا کہیں پتہ نہیں۔ پورب گیا تھا۔ نہ جانے مرگیا یا کیا۔ میں نے سوچا ہے تمھارے پاس جو

گنی رکھی ہے اُس میں چار پانچ روپے اور مِلا کر بالی چھڑا لوں۔ ٹھاکر لوٹے گا تو دیکھا جائے گا۔ 50 روپے سے کم کا مال نہیں ہے۔

چمپا : سچ!

بھریگو : ہاں ابھی تولے آتا ہوں۔ پورے دو تولے ہیں۔

چمپا : تو کب لادوگے؟

بھریگو : کل لو۔ یہ تو اپنے ہاتھ کا کھیل ہے۔ آج دال میں نمک کیوں جیادہ ہوا؟

چمپا : صبح کہنے لگیں، کھانے میں نمک ہی نہیں ہے۔ میں نے اِس بیلا نمک پیش کر اُن کی تھالی میں اوپر سے ڈال دیا کہ کھاؤ کھوب جی بھر کے۔ وہ ایک نہ ایک کھُچڑ (شوشہ، خامی) نکالتی ہیں تو میں تو انھیں جلایا کرتی ہوں۔

بھریگو : اچھا اب مجھے بھی بھوکھ لگی ہے، چلو۔

چمپا : (آپ ہی آپ) سر میں جرا سی چوٹ لگی تو کیا، کانوں کی بالیاں تو مل گئیں۔ اِن داموں تو چاہے کوئی میرے سر پر دن بھر تھالیاں پٹکا کرے۔

(پرستھان)

چوتھا حصہ

پہلا منظر

[استھان — مدھوبن؛ تھانے دار، انسپکٹر، اور کئی سپاہیوں کا پرویش]

انسپکٹر : ایک ہزار کی رقم ایک چیز ہوتی ہے۔

تھانے دار : بے شک!

انسپکٹر : اور کرنا کچھ نہیں۔ دو چار شہادتیں بناکر خانہ تلاشی کرلینی ہے۔

تھانے دار : گاؤں والے تو سبل سنگھ کے خلاف ہی ہوں گے۔

انسپکٹر : آج کل بڑے سے بڑے آدمی کو جب چاہیں پھانس لیں۔ کوئی کتنا ہی معزّز ہو، افسروں کے یہاں اُن کی کتنی ہی رسائی ہو، اتنا کہہ دیجیے کہ حضور، یہ بھی سُراج کا حامی ہے، بس سارے حکّام اُس کے جانی دشمن ہوجاتے ہیں۔ پھر وہ غریب اپنی کتنی ہی صفائی دیا کرے، اپنی وفاداری کے کتنے ہی ثبوت پیش کرتا پھرے، کوئی اُس کی نہیں سنتا۔ سبل سنگھ کی عزّت حکّام کی نظروں میں کم نہیں تھی۔ اُن کے ساتھ دعوتیں کھاتے تھے، گھڑدوڑ میں شریک ہوتے تھے، ہر ایک جلسے میں شریک کیے جاتے تھے۔ پر میرے ایک فقرے نے حضرت کا سارا رنگ پھیکا کردیا۔ صاحب نے فوراً حکم دیا کہ جاکر اُس کی تلاشی لو اور کوئی ثبوت دستیاب ہو تو گرفتاری کا وارنٹ لے جاؤ!

تھانے دار : آپ نے کچھ فقرہ جمایا تھا؟

انسپکٹر : اَجی کچھ نہیں، محض اتنا کہا تھا کہ آج کل یہاں سُراج کی بڑی دھوم ہے۔ ٹھاکر سبل سنگھ پنچایتیں قائم کررہے ہیں۔ اتنا سُننا تھا کہ صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ بولے دغاباز آدمی ہے۔ مِل کر وار کرنا چاہتا ہے، فوراً اُس کے

خلاف ثبوت پیدا کرو۔ اس کے قبل میں نے کہا تھا، حضور، یہ بڑا زناکار آدمی ہے، اپنے ایک اسامی کی عورت کو نکال لایا ہے۔ اس پر صرف مُسکرائے، تیوروں پر ذرا بھی مَیل نہیں آئی۔ تب میں نے یہ چال چلی۔ یہ لو گاؤں کے مُکھیے آگئے۔ ذرا رعب جمادوں۔

(منگرو، ہرداس، پھتو وغیرہ کا پرویش۔ سلونی بھی پیچھے پیچھے آتی ہے اور الگ کھڑی ہوجاتی ہے۔)

انسپکٹر: آیئے شیخ جی، کہیے خیریت تو ہے؟

پھتو: (من میں) سبل سنگھ کے نیک اور دیاوان ہونے میں سندیہہ نہیں۔ کبھی ہمارے اوپر سکھتی (سختی) نہیں کی۔ ہمیشہ رعایت ہی کرتے رہے، پر آنکھ کا لگنا بُرا ہوتا ہے۔ پولس والے نہ جانے انھیں کس کس طرح ستائیں گے۔ کہیں جیہل (جیل) نہ بھجوادیں۔ راجیشوری کو وہ جبردستی تھوڑے ہی لے گئے۔ وہ تو اپنے مَن سے گئی۔ میں نے چیتن داس بابا کو ناہک (ناحق) اس بُرے کام میں مدد دی۔ کس طرح سبل سنگھ کو بچانا چاہیے۔ (ظاہر) سب اللہ کا کرم ہے۔

انسپکٹر: تمھارے زمیندار صاحب تو خوب رنگ لائے۔ کہاں تو وہ پارسائی اور کہاں یہ حرکت۔

پھتو: ہجور، ہم کو تو کچھ معلوم نہیں۔

انسپکٹر: تمھارے بچانے سے اب وہ نہیں بچ سکتے۔ اب تو آگئے شیر کے پنجے میں۔ اپنا بیان دیجیے۔ یہاں گاؤں میں پنچایت کس نے قائم کی؟

پھتو: ہجور، گاؤں کے لوگوں نے مل کر کائم کی، جس میں چھوٹی چھوٹی باتوں کے پیچھے عدالت کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑیں۔

انسپکٹر: سبل سنگھ نے یہ نہیں کہا کہ عدالتوں میں جانا گناہ ہے؟

پھتو: ہجور، انھوں نے ایسی بات تو نہیں کہی، ہاں پنچایت کے فائدے بتائے تھے۔

انسپکٹر: انھوں نے تم لوگوں کو بیگار بند کرنے کی تاکید نہیں کی؟ سچ بولنا، خدا تمھارے سامنے ہے۔

پھتو: (بغلیں جھانکتے ہوئے) ہجور، انھوں نے یہ تو نہیں کہا۔ ہاں، یہ جرور کہا کہ جو چیج (چیز) دو اس کا مناسب دام لو۔

انسپکٹر: وہ ایک ہی بات ہوئی۔ اچھا، اس گاؤں میں شراب کی دُکان تھی۔ وہ کس نے بند کرائی؟

پھتو: ہجور، ٹھیکے دار نے آپ ہی بند کردی۔ اُس کی بکری (فروخت) نہ ہوتی تھی۔

انسپکٹر: سبل سنگھ نے سب سے یہ نہیں کہا کہ جو اُس دکان پر جائے اُسے پنچایت میں سزا ملنی چاہیے؟

پھتو: (من میں) اس کو بُرا بُرا سی باتوں کی کھبر ہے۔ (ظاہر) ہجور، مجھے یاد نہیں۔

انسپکٹر: شیخ جی، تم کنّی کاٹ رہے ہو، اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہے۔ داروغہ جی نے تمھارا جو بیان لکھا ہے اُس پر چپکے سے دستخط کردو، ورنہ زمیندار تو نہ بچیں گے، تم البتہ گیہوں کے ساتھ گھُن کی طرح پس جاؤ گے۔

پھتو: ہجور کا اکھتیار (اختیار) ہے، جو چاہیں کریں، پر میں تو وہی کہوں گا جو جانتا ہوں۔

انسپکٹر: تمھارا کیا نام ہے؟

منگرو: (سامنے آکر) منگرو۔

انسپکٹر: جو پوچھا جائے اُس کا صاف صاف جواب دینا۔ اِدھر اُدھر کیا تو تم جانو گے۔ پولس کا مارا پانی نہیں مانگتا۔ یہاں گاؤں میں پنچایت کس نے قائم کی؟

منگرو: (من میں) میں تو جو یہ چاہیں گے وہی کہوں گا۔ پیچھے دیکھی جائے گی۔ گالیاں دینے لگیں یا پٹوانے لگیں تو اِن کا کیا بنالوں گا؟ سبل سنگھ تو مجھے بچا نہ لیں گے (ظاہر) ٹھاکر سبل سنگھ نے۔

انسپکٹر: انھوں نے تم لوگوں سے کہا تھا نہ کہ سرکاری عدالت میں جانا پاپ ہے۔ جو سرکاری عدالت میں جائے اُس کا حقّہ پانی بند کردو۔

منگرو: (من میں) یہ تو نہیں کہا تھا، کھالی (خالی) عدالتوں کے کھرچ (خرچ) سے بچنے کے لیے پنچایت کھولنے کی تاکید کی تھی۔ پر ایسا کہہ دوں تو ابھی یہ جامے سے باہر ہوجائے۔ (ظاہر) ہاں ہجور، کہا تھا۔ بات سچّی کہوں گا۔ جمیندار آکبت (عاقبت) میں تھوڑے ہی ساتھ دیں گے۔

انسپکٹر: سبل سنگھ نے یہ نہیں کہا تھا کہ کسی حاکم کو بیگار مت دو؟

منگرو: (من میں) انھوں نے تو اتنا ہی کہا تھا کہ مناسب دام لے کر دو۔ (ظاہر) ہاں ہجور، کہا تھا۔ برملا کہا تھا۔ سچّی بات کہنے میں کیا ڈر؟

انسپکٹر: شراب اور گانجے کی دکان توڑوانے کی تحریک ان کی طرف سے ہوئی تھی نہ؟

منگرو: برابر ہوئی تھی۔ جو شراب گانجا پیے اُس کا ہکّا پانی (حقہ پانی) بند کردیا جاتا تھا۔

انسپکٹر: اچھا، اپنے بیان پر انگوٹھے کا نشان دو۔ تمھارا کیا نام ہے جی؟ اِدھر آؤ۔

ہرداس: (سامنے آکر) ہرداس۔

انسپکٹر: سچّا بیان دینا جیسا منگرو نے دیا ہے، ورنہ تم جانوگے۔

ہرداس: (من میں) سبل سنگھ تو اب بچتے نہیں، میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ یہ جو کچھ کہلانا چاہتے ہیں میں اُس سے چار بات جِیادہ (زیادہ) ہی کہوں گا۔ یہ حاکم ہیں، کھوش (خوش) ہوکر مُکھیا بنادیں تو سال میں سو دو سو روپے اَنایاس (آسانی سے، یونہی) ہی ہاتھ لگتے رہیں۔ (ظاہر) ہجور، جو کچھ جانتا ہوں وہ رَتّی رَتّی کہہ دوں گا۔

انسپکٹر: تم سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اپنا نفع نقصان سمجھتے ہو۔ یہاں پنچایت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

ہرداس : ہجور، ٹھاکر سبل سنگھ نے کھلوائی تھی۔ روج یہی کہا کریں کہ کوئی آدمی سرکاری عدالت میں نہ جائے۔ سرکار کے اسٹام (اسٹامپ) کیوں کھریدو (خریدو)۔ اپنے جھگڑے آپ چکا لو۔ پھر نہ تمھیں پولس کا ڈر رہے گا نہ سرکار کا۔ ایک طرح سے تم عدالتوں کو چھوڑ دینے سے ہی سُراج پا جاؤگے۔ یہ بھی حکم دیا تھا کہ جو آدمی عدالت جائے اُس کا ہگا پانی بند کر دینا چاہیے۔

انسپکٹر : بیان ایسا ہونا چاہیے۔ اچھا سبل سنگھ نے بیگار کے بارے میں تم سے کیا کہا تھا۔

ہرداس : ہجور، وہ تو کھُلم کھُلّا کہتے تھے کہ کسی کو بیگار مت دو چاہے بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی جبردستی کرے تو اپنا اور اُس کا کھون (خون) کردو۔

انسپکٹر : ٹھیک۔ شراب گانجے کی دکان کیسے بند ہوئی؟

ہرداس : ہجور، بند نہ ہوتی تو کیا کرتی، کوئی وہاں کھڑا نہیں ہونے پاتا تھا۔ ٹھاکر صاحب نے حکم دے دیا تھا کہ جسے وہاں کھڑے، بیٹھے، یا کھریدتے (خریدتے) پاؤ اُس کے منھ میں کالکھ لگا کر سر پر سو جوتے لگاؤ۔

انسپکٹر : بہت اچھا۔ انگوٹھے کا نشان کردو۔ ہم تم سے بہت خوش ہوئے۔

(سلونی گاتی ہے۔ ”سیّاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔“)

انسپکٹر : یہ پگلی کیا گا رہی ہے؟ اَری پگلی اِدھر آ۔

سلونی : (سامنے آکر) سیّاں بھئے کوتوال، اب ڈر کاہے کا؟

انسپکٹر : داروغہ جی، اس کا بیان بھی لکھ لی جیے۔

سلونی : ہاں، لکھ لو۔ ٹھاکر سبل سنگھ میری بہو کو گھر سے بھگالے گئے اور پوتے کو جیہل (جیل) بھجوا دیا۔

انسپکٹر : یہ فضول باتیں میں نہیں پوچھتا۔ بتا یہاں انھوں نے پنچایت کھولی ہے نہ؟

سلونی : یہ فجول باتیں میں کیا جانوں؟ مجھے پنچایت سے کیا لینا دینا ہے۔ جہاں چار آدمی رہتے ہیں وہاں پنچایت رہتی ہی ہے۔ سناتن (ازمنۂ قدیم) سے چلی

آتی ہے، کوئی نئی بات ہے؟ ان باتوں سے پولس سے کیا مطلب؟ تمھیں تو دیکھنا چاہیے، سرکار کے راج میں بھلے آدمیوں کی آبرو رہتی ہے کہ لٹتی ہے۔ سو تو نہیں، پنچایت اور بیگار کا رونا لے بیٹھے۔ بیگار بند کرنے کو سبھی کہتے ہیں۔ گاؤں کے لوگوں کو آپ ہی اکھرتا (بُرا لگنا، ناگوار ہونا) ہے۔ سبل سنگھ نے کہہ دیا تو کیا اندھیر ہوگیا۔ شراب، تاڑی، گانجا، بھانگ پینے کو سبھی منع کرتے ہیں۔ پُران، بھاگوت، سادھوسنت سبھی اس کو نِکھدّ (ممنوع) کہتے ہیں۔ سبل سنگھ نے کہا تو کیا نئی بات کہی؟ جو تمھارا کام ہے وہ کرو، اوٹ پٹانگ باتوں میں کیوں پڑتے ہو؟

انسپکٹر: بُڑھیا شیطان کی خالہ معلوم ہوتی ہے۔

تھانیدار: تو ان گواہوں کو اب جانے دوں؟

انسپکٹر: جی نہیں، ابھی رِہرسل تو باقی ہے۔ دیکھو جی، تم نے میرے روبرو جو بیان دیا ہے وہی تمھیں بڑے صاحب کے اجلاس پر دینا ہوگا۔ ایسا نہ ہو، کوئی کچھ کہے، کوئی کچھ، مقدمہ بھی بگڑ جائے اور تم لوگ بھی غلط بیانی کے الزام میں دھر لیے جاؤ۔ داروغہ جی، شروع کیجیے۔ تم لوگ سب ساتھ ساتھ وہی باتیں کہو جو داروغہ جی کی زبان سے نکلیں۔

داروغہ: ٹھاکر سبل سنگھ کہتے ہیں کہ سرکاری عدالتوں کی جڑ کھود ڈالو، بھول کر بھی وہاں نہ جاؤ۔ سرکار کا راج عدالتوں پر قائم ہے۔ عدالت کو ترک کردینے سے راج کی بنیاد ہل جائے گی۔

(سب کے سب یہی باتیں دُہراتے ہیں)

داروغہ: اپنے معاملے پنچایتوں میں طے کرلو۔

سب کے سب: اپنے معاملے پنچایتوں میں طے کرلو۔

داروغہ: انھوں نے حکم دیا تھا کہ کسی افسر کو بیگار مت دو۔

سب کے سب: انھوں نے حکم دیا تھا کہ کسی افسر کو بیگار مت دو۔

داروغہ: بیگار نہ ملے گی تو کوئی دورہ کرنے نہ آئے گا۔ تم لوگ جو چاہنا کرنا۔ یہ

سُراج کی دوسری سیڑھی ہے۔

سب کے سب : بیگار نہ ملے گی تو کوئی دورہ کرنے نہ آئے گا۔ تم لوگ جو چاہتا کرنا۔
یہ سُراج کی دوسری سیڑھی ہے۔

داروغہ : یہ اور کہو، تم لوگ جو جی چاہے کرنا۔

انسپکٹر : یہی جملہ تو جان ہے۔

سب کے سب : تم لوگ جو جی چاہے کرنا۔

داروغہ : انھوں نے حکم دیا تھا کہ جو نشے کی چیزیں خریدے اُس کا حقہ پانی بند کردو۔

سب کے سب : انھوں نے حکم دیا تھا کہ جو نشے کی چیجیں کھریدے اُس کا ہکّا پانی بند کردو۔

داروغہ : اگر اتنے پر بھی نہ مانے تو اُس کے گھر میں آگ لگادو۔

سب کے سب : اگر اتنے پر بھی نہ مانے تو اُس کے گھر میں آگ لگادو۔

داروغہ : اُس کے منھ میں کالکھ لگاکر سو جوتے لگاؤ۔

سب کے سب : اُس کے منھ میں کالکھ لگاکر سو جوتے لگاؤ۔

داروغہ : جو آدمی ولایتی کپڑے خریدے اُسے گدھے پر سوار کراکے گاؤں بھر میں گھماؤ۔

سب کے سب : جو آدمی ولایتی کپڑے خریدے اُسے گدھے پر سوار کراکے گاؤں بھر میں گھماؤ۔

داروغہ : جو پنچایت کا حکم نہ مانے اُسے الٹا لٹکا کر پچاس بینت لگاؤ۔

سب کے سب : جو پنچایت کا حکم نہ مانہ اُسے الٹا لٹکا کر پچاس بینت لگاؤ۔

داروغہ : اتنا انھیں جہنم بھیجنے کے لیے کافی ہے۔ تم لوگ دیکھو، خبردار، اس میں ایک حرف کا بھی اُلٹ پھیر نہ ہو۔ اچھا اب چلنا چاہیے۔ (کانسٹبلوں سے) دیکھو، بکرے ہوں تو دو پکڑ لو۔

سپاہی : بہت اچھا ہجور، دو نہیں چار۔

داروغہ : ایک پانچ سیر گھی بھی لیتے چلو۔

سپاہی : ابھی لیجیے سرکار۔

(داروغہ اور انسپکٹر جاتے ہیں۔ سلونی گاتی ہے۔)

سیاں بھئے کوتوال، اب ڈر کاہے کا
اب تو میں پہنوں اطلس کا لہنگا
اور چباؤں پان
دوارے بیٹھے نجارا ماروں
سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔

پھتّو : کاکی، گاتی ہی رہے گی؟

سلونی : جا تجھ سے نہیں بولتی۔ تو بھی ڈر گیا۔

پھتّو : کاکی، اِن سبھی سے کون لڑتا؟ اجلاس پر جاکر جو سچّی بات ہے وہ کہہ دوں گا۔

منگرو : پولس کے سامنے جمیندار کوئی چیج نہیں۔

ہرداس : پولس کے سامنے سرکار کوئی چیج نہیں۔

سلونی : سچّائی کے سامنے جمیندار، سرکار کوئی چیج نہیں۔

منگرو : سچ بولنے میں نِباہ نہیں ہے۔

ہرداس : سچّے کی گردن سبھی جگہ ماری جاتی ہے۔

سلونی : اپنا دھرم تو نہیں بگڑتا۔ تم سب کائر ہو۔ تمھارا منھ دیکھنا پاپ ہے۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔

(پرستھان)

دوسرا منظر

[استھان — سبل سنگھ کا کمرہ، سَمے — دس بجے دن]

سبل : (گھڑی کی طرف دیکھ کر) دس بج گئے۔ ہلدھر نے اپنا کام پورا کرلیا۔ وہ نو بجے تک گنگا سے لوٹ آتے تھے۔ کبھی اتنی دیر نہ ہوتی تھی۔ اب راجیشوری پھر میری ہوئی۔ چاہے اوڑھوں، بچھاؤں یا گلے کا ہار بناؤں۔ پریم کے ہاتھوں یہ دن دیکھنے کی نوبت آئے گی، اس کی، مجھے ذرا بھی شنکا نہ تھی۔ بھائی کی ہتّیا کی کلپنا ماتر (تصور محض) سے ہی روئیں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کُل کا سروناش ہونے والا ہے۔ کچھ ایسے ہی لکچھن دکھائی دیتے ہیں۔ کتنا اُدار، کتنا سچّا! مجھ سے کتنا پریم، کتنی شردّھائیں تھی۔ پر ہو ہی کیا سکتا تھا؟ ایک میان میں دو تلواریں کیسے رہ سکتی تھیں؟ سنسار میں پریم ہی وہ وَستو ہے جس کے حصّے نہیں ہوسکتے۔ یہ اَنوچِت کی پراکاشٹھا (عروج) تھی کہ میرا چھوٹا بھائی، جسے میں نے سَدیَو (ہمیشہ) اپنا پُتر سمجھا، میرے ساتھ یہ پیشاچک (شیطانی) بیوہار کرے۔ کوئی دیوتا بھی یہ اَمریادا (عزت کُشی) نہیں کرسکتا تھا۔ یہ گھور اپمان! اس کا پرینام اور کیا ہوتا؟ یہی آپتّی دھرم (دشوار حالت میں مذہبی رعایت) تھا۔ اس کے لیے پچھتانا بیرتھ ہے۔ (ایک لمحے کے بعد) جی نہیں مانتا، وہی باتیں یاد آتی ہیں۔ میں نے کنچن کی ہتّیا کیوں کرائی؟ مجھے سُیَم اپنے پران دینے چاہیے تھے۔ میں تو دنیا کا سکھ بھوگ چکا تھا! استری، پُتر، سب کا سکھ پا چکا تھا۔ اُسے تو ابھی دنیا کی ہوا تک نہ لگی تھی۔ اُپاسنا (عبادت) اور آرادھنا ہی اُس کا ایک ماتر جیونادھار (زندگی کی اساس) تھی۔ میں نے بڑا اتیاچار کیا۔

(اچل سنگھ کا داخلہ)

اَچل : بابو جی، اب تک چاچا جی گنگا اسنان کرکے نہیں آئے۔

سبلؔ : ہاں دیر تو ہوئی۔ اب تک تو آجاتے تھے۔

اچل : کسی کو بھیجیے، جاکر دیکھ آئے۔

سبل : کسی سے ملنے چلے گئے ہوں گے۔

اچل : مجھے تو جانے کیوں ڈر لگ رہا ہے۔ آج کل گنگا جی بڑھ رہی ہیں۔

(سبل سنگھ کچھ جواب نہیں دیتے)

اچل : وہ تیرنے دور نکل جاتے تھے۔

(سبل چپ رہتے ہیں)

اچل : آج جب وہ نہانے جاتے تھے تو نہ جانے کیوں مجھے دیکھ کر اُن کی آنکھیں بھر گئی تھیں۔ مجھے پیار کرکے کہا تھا، "ایشور تمھیں چرنجیوی (طویل العمر) کریں، اس طرح تو کبھی آشیش نہیں دیتے تھے۔

(سبل رو پڑتے ہیں اور وہاں سے اُٹھ کر باہر برآمدے میں چلے جاتے ہیں، اچل کنچن سنگھ کے کمرے کی طرف جاتا ہے)

سبل : (من میں) اب پچھتانے سے کیا فائدہ؟ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ معلوم ہوگیا کہ کام (شہوانی خواہش) کے آویگ میں بُدّھی، وِدّیا، وِویک سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں بھاوی تھی، یہی ہُون ہار (ہونا ہی تھا، یقینی) تھا، یہی وِدھاتا کی اِکشا تھی۔ راجیشوری، تجھے ایشور نے کیوں اتنی روپ، گُن، شیلا بنایا؟ پہلے پہلے جب میں نے تجھ سے بات کی تھی، تو نے میرا تِرسکار کیوں نہ کیا؟ مجھے کٹو شبد کیوں نہ سنائے؟ مجھے کتّے کی بھانتی دُتکار کیوں نہ دیا؟ میں اپنے کو بڑا ستیہ وادی سمجھا کرتا تھا۔ پر پہلے ہی جھونکے میں اُکھڑ گیا، جڑ سے اُکھڑ گیا۔ مُلمّعے کو میں اصلی رنگ سمجھ رہا تھا۔ پہلی ہی آنچ میں ملمّع اڑ گیا۔ اپنی جان بچانے کے لیے میں نے کتنی گھور دھورتتا سے کام لیا۔ میری لجّا، میرا آتما بھمان، سب کی کشتی (نقصان) ہوگئی! ایشور کرے، ہلدھر اپنا وار نہ کرسکا ہو اور میں کنچن کو جیتا جاگتا آتے دیکھوں۔ میں راجیشوری سے سدَیو کے لیے ناتا توڑ لوں گا۔ اُس کا منھ تک نہ دیکھوں گا۔ دل پر جو کچھ بیتے گی جھیل لوں گا۔

(بے چین ہوکر برآمدے میں نکل آتے ہیں اور راستے کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہیں۔ گیانی کا داخلہ)

گیانی : ابھی بابوجی نہیں آئے۔ گیارہ بج گئے۔ بھوجن ٹھنڈا ہورہا ہے۔ کچھ کہہ نہیں گئے، کب تک آئیں گے؟

سبل : (کمرے میں آکر) مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔

گیانی : تو آپ چل کر بھوجن کر لیجیے۔

سبل : انھیں بھی آجانے دو۔ جب تک تم لوگ بھوجن کرو۔

گیانی : ہرج ہی کیا ہے، آپ چل کر کھالیں۔ اُن کا بھوجن اِلگ رکھوا دوں گی۔ دوپہر تو ہوا۔

سبل : (من میں) آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے گھر پر اکیلے بھوجن کیا ہو۔ ایسے بھوجن کرنے پر دھکار ہے۔ بھائی کا وَدھ کراکے میں بھوجن کرنے جاؤں اور سوادِشٹ پدارتھوں کا آنند اٹھاؤں۔ ایسے بھوجن کرنے پر لعنت ہے۔ (ظاہر) اکیلے مجھ سے بھوجن نہ کیا جائے گا۔

گیانی : تو کسی کو گنگاجی بھیج دو۔ پتہ لگائے کہ کیا بات ہے۔ کہاں چلے گئے؟ مجھے تو یاد نہیں آتا کہ انھوں نے کبھی اتنی دیر لگائی ہو۔ ذرا جاکر اُن کے کمرے میں دیکھوں، معمولی کپڑا پہن کر گئے ہیں یا اچکن پاجامہ بھی پہنا ہے۔

(جاتی ہے اور ایک لمحے میں لوٹ آتی ہے)

گیانی : کپڑے تو سادھارن ہی پہن کر گئے ہیں، پر کمرہ نہ جانے کیوں بھائیں بھائیں کررہا ہے، وہاں کھڑے ہوتے ایک بھے سا لگتا تھا۔ ایسی شنکا ہوتی ہے کہ وہ اپنی مسند پر بیٹھے ہوئے ہیں، پر دکھائی نہیں دیتے۔ نہ جانے کیوں میرے تو روئیں کھڑے ہوگئے اور رونا آگیا۔ کسی کو بھیج کر پتہ لگوایئے۔

(سبل دونوں ہاتھوں سے منھ چھپا کر رونے لگتا ہے)

گیانی : ہائیں، یہ آپ کیا کرتے ہیں! اس طرح جی چھوٹا نہ کیجیے۔ وہ ابودھ بالک تھوڑے ہی ہیں۔ آتے ہی ہوں گے۔

سبل : (روتے ہوئے) آہ گیانی! اب وہ گھر نہ آئیں گے۔ اب ہم اُن کا منھ پھر نہ دیکھیں گے۔

گیانی : کسی نے کوئی بُری خبر کہی ہے کیا؟ (سسکیاں لیتی ہے)

سبل : (من میں) اب مَن میں بات نہیں رہ سکتی۔ کسی طرح نہیں۔ وہ آپ ہی باہر نکلی پڑتی ہے۔ گیانی سے مجھے اتنا پریم کبھی نہ ہوا تھا۔ میرا من اُس کی اور کھینچا جاتا ہے۔ (ظاہر) جو کچھ کیا ہے میں نے ہی کیا ہے۔ میں ہی وِش کی گانٹھ ہوں۔ میں نے اِیرشا کے وَش (اختیار میں، قابو میں) ہوکر یہ اَنرتھ کیا ہے۔ گیانی، میں پاپی ہوں، راکشس ہوں، میرے ہاتھ اپنے بھائی کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، میرے سر پر بھائی کا خون سوار ہے۔ میری آتما کی جگہ اب کیوَل کالما کی ریکھا ہے! ہردَے کے استھان پر کیوَل پیشاچِک نِردیتا۔ میں نے تمھارے ساتھ دغا کی ہے۔ تم اور سارا سنسار مجھے ایک وِچارشیل، اُدار، پُنیہ آتما پُروش سمجھتے تھے، پر میں مہان پاپی، نَرادھم، دھورت ہوں۔ میں نے اپنے اصلی سُوروپ کو سَدیو تم سے چھپایا۔ دیوتا کے روپ میں میں راکشس تھا۔ میں تمھارا پتی بننے یوگیہ نہ تھا۔ میں نے ایک پتی وَرتا (شوہر پرست) اِستری کو کپٹ چالوں سے نکالا، اُسے لاکر شہر میں رکھا۔ کنچن سنگھ کو بھی میں نے وہاں دو تین بار بیٹھے دیکھا۔ بس، اُسی کشن (لمحہ) سے میں اِیرشا کی آگ میں جلنے لگا اور اَنت میں میں نے ایک ہتیارے کے ہاتھوں .... (روکر) بھیا کو کیسے پاؤں؟ گیانی، ان ترسکار کے نیتروں سے نہ دیکھو۔ میں ایشور سے کہتا ہوں، تم کل میرا منھ نہ دیکھوگی۔ میں اپنی آتما کو کلشت کرنے کے لیے اب اور نہیں جینا چاہتا۔ میں اپنے پاپوں کا پرائشچت (کفارہ) ایک ہی دن میں سماپت کردوں گا۔ میں نے تمھارے ساتھ دغا کی، چھما (معاف) کرنا۔

گیانی : (من میں) بھگون، پُروش اتنے ایرشالو، اتنے وِشواس گھاتی، اتنے کرور، وَجر

ہردَے (فولادی دل) ہوتے ہیں! آہ! اگر میں نے سوامی چیتن داس کی بات پر وِشواس کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آنے پاتی۔ پُر میں نے تو اُن کی باتوں پر دھیان ہی نہیں دیا۔ یہ اُسی اَشردھا (عدم، عقیدت) کا دنڈ ہے۔ (ظاہر) میں آپ کو اِس سے زیادہ وِچار شیل سمجھتی تھی۔ کسی دوسرے کے منھ سے یہ باتیں سُن کر میں کبھی وِسواس نہ کرتی۔

سبل : گیانی، مجھے سچّے دل سے چھما کرو۔ میں سویم اِتنا دُکھی ہوں کہ اُس پر ایک جَو کا بوجھ بھی میری کمر توڑ دے گا۔ میری بدّھی اِس سَمے بھرشٹ ہوگئی ہے۔ نہ جانے کیا کر بیٹھوں۔ میں آپے میں نہیں ہوں۔ طرح طرح کے آویگ من میں اٹھتے ہیں۔ مجھ میں اُن کو دبانے کی سامرتھیہ (اہلیت، طاقت) نہیں ہے۔ کنچن کے نام سے ایک دھرم شالا اور ٹھاکر دُوارا اوشیہ بنوانا۔ میں تم سے یہ انورودھ کرتا ہوں۔ یہ میری اَنتم پرارتھنا ہے۔ وِدھاتا کی یہ وِبھتس (خوفناک) لیلا، یہ پیشاچک تانڈو جلد سماپت ہونے والا ہے۔ کنچن کی یہی جیون لالسا تھی۔ انھیں لالساؤں پر اُس نے جیون کے سب آنندوں، سبھی پارتھو (خاکی، مادّی) سُکھوں کو اَرپن کردیا تھا۔ اپنی لالساؤں کو پورا ہوتے دیکھ کر اُس کی آتما پرسنّ ہوگی اور اس کٹھل نردے آگھات کو چھما کردے گی۔

(اچل سنگھ کا داخلہ)

گیانی : (آنکھیں پونچھ کر) بیٹا، کیا ابھی تم نے بھی بھوجن نہیں کیا؟

اَچل : ابھی چاچا جی تو آئے ہی نہیں۔ آج اُن کے کمرے میں جاتے ہوئے نہ جانے کیوں بھَے لگتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں چھپے بیٹھے ہیں اور دکھائی نہیں دیتے۔ اُن کی چھایا کمرے میں چھپی ہوئی جان پڑتی ہے۔

سبل : (من میں) اِسے دیکھ کر چِت کاتَر (مضطرب) ہورہا ہے۔ اِسے پھولتے پھلتے دیکھنا میرے جیون کی سب سے بڑی لالسا تھی۔ کیسا چتُر، سُشیل، ہنس مکھ لڑکا ہے۔ چہرے سے پرتبھا (صلاحیت، ذہانت) ٹپک پڑتی ہے۔ من میں کیا

کیا ارادے تھے۔ اِسے جرمنی بھیجنا چاہتا تھا۔ سنسار یاترا کراکے اس کی شکشا کو سماپت کرنا چاہتا تھا۔ اس کی شکتیوں کا پورا وِکاس کرنا چاہتا تھا، پر ساری آشائیں دھول میں مل گئیں۔ (اَچل کو گود میں لے کر) بیٹا، تم جاکر بھوجن کرلو، میں تمھارے چاچا جی کو دیکھنے جاتا ہوں۔

اَچل : آپ لوگ آجائیں گے تو ساتھ ہی میں بھی کھاؤں گا۔ ابھی بھوک نہیں ہے۔

سبل : اور جو میں شام تک نہ آؤں؟

اَچل : آدھی رات تک آپ کی راہ دیکھ کر تب کھا لوں گا، مگر آپ ایسا پرشن (سوال) کیوں کرتے ہیں؟

سبل : کچھ نہیں یوں ہی۔ اچھا بتاؤ، میں آج مر جاؤں تو تم کیا کروگے؟

گیانی : کیسے اسگن (بُرے شگون) منھ سے نکالتے ہو!

اچل : (سبل سنگھ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر) آپ تو ابھی جوان ہیں، سُوستھ (تندرست) ہیں، ایسی باتیں کیوں سوچتے ہیں؟

سبل : کچھ نہیں، تمھاری پریکشا کرنا چاہتا ہوں۔

اچل : (سبل کی گود میں سر رکھ کر) نہیں، کوئی اور ہی کارن ہے۔ (روکر) بابو جی، مجھ سے چھپایئے نہ، بتایئے، آپ کیوں اتنے اُداس ہیں، اماں کیوں رو رہی ہیں؟ مجھے بھَے لگ رہا ہے۔ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر ہی بے رونقی سی معلوم ہوتی ہے، جیسے پنجرے میں سے چڑیا اڑ گئی ہو۔

(کئی سپاہی اور چوکیدار بندوقیں اور لاٹھیاں لیے احاطے میں گھُس آتے ہیں، اور تھانیدار اور انسپکٹر اور سُپرنٹنڈنٹ گھوڑوں سے اُتر کر برامدے میں کھڑے ہو جاتے ہیں، گیانی اندر چلی جاتی ہے، اور سبل باہر نکل آتے ہیں)

انسپکٹر : ٹھاکر صاحب، آپ کی خانہ تلاشی ہوگی۔ یہ وارنٹ ہے۔

سبل : شوق سے لیجیے۔

سپرنٹنڈنٹ : ہم تمھارا ریاست چھین لے گا۔ ہم تم کو ریاست دیا ہے، تب تم اتنا بڑا

آدمی بنا ہے اور موٹر میں بیٹھتا گھومتا ہے۔ تم ہمارا بنایا ہوا ہے۔ ہم تم کو اپنے کام کے لیے ریاست دیا ہے اور تم سرکار سے دشمنی کرتا ہے۔ تم دوست بن کر تلوار مارنا چاہتا ہے۔ ڈکاباز (دغاباز) ہے۔ ہمارے ساتھ پولو کھیلتا ہے، کلب میں بیٹھتا ہے، دعوت کھاتا ہے اور ہمیں سے دشمنی رکھتا ہے، یہ ریاست تم کو کس نے دیا؟

سبل : (غصّے میں آکر) مغل بادشاہوں نے۔ ہمارے خاندان میں پچیس پُشتوں سے یہ ریاست چلی آتی ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : جھوٹ بولتا ہے۔ مگل (مغل) لوگ جس کو چاہتا تھا جاگیر دیتا تھا، جس سے ناراض ہوتا تھا اُس سے جاگیر چھین لیتا تھا۔ جاگیردار موروثی نہیں ہوتا تھا۔ تمھارا بزرگ لوگ مُگل بادشاہوں سے ایسی بذکھواہی (بدخواہی) کرتا جیسا تم ہمارے ساتھ کررہا ہے تو جاگیر چھن گیا ہوتا۔ ہم تم کو اسامیوں سے لگان وصول کرنے کے لیے کمیشن دیتا ہے اور تم ہمارا جڑ کھودنا چاہتا ہے۔ گاؤں میں پنچایت بناتا ہے، لوگوں کو تاڑی شراب پینے سے روکتا ہے، ہمارا رسد بیگار بند کرتا ہے۔ ہمارا گلام (غلام) ہوکر ہم کو آنکھیں دکھاتا ہے۔ جس برتن میں پانی پیتا ہے اُسی میں چھید کرتا ہے۔ سرکار چاہے تو ایک گھڑی میں تم کو مٹّی میں ملا دے سکتا ہے۔ (دونوں ہاتھ سے چٹکی بجاتا ہے)

سبل : آپ جو کام کرنے آئے ہیں وہ کام کیجیے اور اپنی راہ لیجیے۔ میں آپ سے سِوِکس اور پالٹکس کے لکچر نہیں سننا چاہتا۔

سپرنٹنڈنٹ : ہم نہ رہیں تو تم ایک دن بھی اپنی ریاست پر کابو (قابو) نہیں پاسکتا۔

سبل : میں آپ سے ڈسکشن (بحث) نہیں کرنا چاہتا، پر یہ سمجھ رکھیے کہ اگر مان لیا جائے، سرکار نے ہی ہم کو بنایا تو اُس نے اپنی رکشا اور سوارتھ سِدّھی (غرض کی تکمیل) کے ہی لیے یہ پالیسی قائم کی۔ زمینداروں کی بدولت

سرکار کا راج قائم ہے۔ جب جب سر پر کوئی سنکٹ پڑا ہے۔ زمینداروں نے ہی اُس کی مدد کی ہے۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ زمینداروں کو مٹا کر آپ راجیہ کر سکتے ہیں تو بھول ـــ آپ کی ہستی زمینداروں پر نربھر (منحصر) ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : ہم نے ابھی کسانوں کے حملے سے تم کو بچایا، نہیں تو تمھارا نشان بھی نہ رہتا۔

سبل : میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔

سپرنٹنڈنٹ : ہم تم سے چاہتا ہے کہ جب رعیّت کے دل میں بدکھواہی (بدخواہی) پیدا ہو تو تم ہمارا مدد کرے۔ سرکار سے پہلے وہی لوگ بدکھواہی کرے گا جس کے پاس کچھ جائداد نہیں ہے، جس کا سرکار سے کوئی کنکشن (تعلق) نہیں ہے۔ ہم ایسے آدمیوں کا توڑ کرنے کے لیے ایسے لوگوں کو مضبوط کرنا چاہتا ہے جو جائداد والا ہے اور جس کی ہستی سرکار پر ہے۔ ہم تم سے رعیّت کو دبانے کا کام لینا چاہتا ہے۔

سبل : اور لوگ آپ کو اس کام میں مدد دے سکتے ہیں، میں نہیں دے سکتا۔ میں رعیّت کا مِتر بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ شترو بن کر نہیں۔ اگر رعیّت کو غلامی میں جکڑے اور اَندھکار میں ڈالے رکھنے کے لیے زمینداروں کی سرشٹی کی گئی ہے تو میں اس اتیاچار کا پُرسکار (انعام) نہ لوں گا چاہے وہ ریاست ہی کیوں نہ ہو۔ میں اپنے دیش بندھوؤں میں مانسِک اور آتمک وِکاس کا اِچھک ہوں۔ دوسروں کو مورکھ اور اَشکت (کمزور) اَیشوریہ (عیش و آرام) نہیں چاہتا۔

سپرنٹنڈنٹ : تم سرکار سے بگاوت (بغاوت) کرتا ہے۔

سبل : اِسے بغاوت کہا جاتا ہے تو میں باغی ہی ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ : ہاں، یہی بگاوت ہے۔ دیہاتوں میں پنچایت کھولنا بگاوت ہے، لوگوں کو

شراب پینے سے روکنا بگاوت ہے۔ لوگوں کو عدالتوں میں جانے سے روکنا بگاوت ہے، سرکاری آدمیوں کا رسد بیگار بند کرنا بگاوت ہے۔

سبل : تو پھر میں باغی ہوں۔

اچل : میں بھی باغی ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ : گستاکھ (گستاخ) لڑکا۔

انسپکٹر : حضور، کمرے میں چلیں، وہاں میں نے بہت سے کاغذات جمع کر رکھے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ : چلو

انسپکٹر : دیکھیے، یہ پنچایتوں کی فہرست ہے اور پنچوں کے نام ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ : بہت کام کا چیز ہے۔

انسپکٹر : یہ پنچایتوں پر ایک مضمون ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : بہت کام کا چیز ہے۔

انسپکٹر : یہ قوم کے لیڈروں کی تصویروں کا البم ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : بہت کام کا چیز ہے۔

انسپکٹر : یہ چند کتابیں ہیں، میزنی (Mazzini) کے مضامین، ویرہارڈی کا ہندستان کا سفرنامہ، بھکت پرہلاد کا ورتانت (روداد)، ٹالسٹائے کی کہانیاں۔

سپرنٹنڈنٹ : سب بڑے کام کا چیز ہے۔

انسپکٹر : یہ مسمیرزم کی کتاب ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : اوہ، یہ بڑے کام کا چیز ہے۔

انسپکٹر : یہ دوائیوں کا بکس ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : دیہاتوں کو بس میں کرنے کے لیے! یہ بھی بہت کام کا چیز ہے۔

انسپکٹر : یہ میجک لالٹین ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : بہت ہی کام کا چیز ہے۔

انسپکٹر : یہ لین دین کی بہی ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : موسٹ امپارٹنٹ! بڑے کام کا چیز۔ اتنا ثبوت کافی ہے۔ اب چلنا چاہیے۔
ایک کانسٹبل : ہجور، بگیچے (بغیچے) میں ایک اکھاڑا بھی ہے۔
سپرنٹنڈنٹ : بہت بڑا ثبوت ہے۔
دوسرا کانسٹبل : ہجور، اکھاڑے کے آگے ایک گئوشالا بھی ہے۔ کئی گائیں، بھینس بندھی ہوئی ہیں۔
سپرنٹنڈنٹ : دودھ پیتا ہے جس میں بگاوت کرنے کے لیے طاکت (طاقت) ہو جائے۔ بہت بڑا ثبوت ہے۔ ویل سبل سنگھ، ہم تم کو گرفتار کرتا ہے۔
سبل : آپ کو ادھیکار ہے۔

(چیتن داس کا داخلہ)

انسپکٹر : آیئے سوامی جی، تشریف لایئے۔
چیتن : میں ضمانت دیتا ہوں۔
انسپکٹر : آپ! یہ کیونکر!
سبل : میں ضمانت نہیں دینا چاہتا۔ مجھے گرفتار کیجیے۔
چیتن : نہیں، میں ضمانت دے رہا ہوں۔
سبل : سوامی جی، آپ دَیا کے سُوروپ ہیں، پر مجھے چھما کیجیے گا، میں ضمانت نہیں دینا چاہتا۔
چیتن : ایشور کی اِکشا ہے کہ میں تمھاری ضمانت کروں۔
سپرنٹنڈنٹ : ویل انسپکٹر، آپ کی کیا رائے ہے؟ ضمانت لینی چاہیے یا نہیں؟
انسپکٹر : حضور، سوامی جی بڑے معتبر، سرکار کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ اِن کی ضمانت منظور کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
سپرنٹنڈنٹ : ہم پانچ ہزار سے کم نہ لے گا۔
چیتن : میں سویکار (قبول، منظور) کرتا ہوں۔
سبل : سوامی جی، میرے سدّھانت (اصول، نظریہ) بھنگ ہو رہے ہیں۔
چیتن : ایشور کی یہی اِکشا ہے۔

(پولس کے کرم چاریوں کا جانا، گیانی اندر سے نکل کر چیتن داس کے پیروں پر گر پڑتی ہے۔)

چیتن : مائی، تیرا کلیان ہو۔

گیانی : آپ نے آج میرا اُدّھوار (نجات، رہائی) کر دیا۔

چیتن : سب کچھ ایشور کرتا ہے۔

(پرستھان)

تیسرا منظر

[استھان — سوامی چیتن داس کی کُٹی، سَمے — سندھیا]

چیتن داس : (من میں) یہ چال مجھے خوب سوجھی۔ پولس والے اَدِھک سے اَدِھک کوئی ابھیوگ (مقدمہ) چلاتے۔ سبل سنگھ ایسے کانٹوں سے ڈرنے والا منشیہ نہیں ہے۔ پہلے میں نے سمجھا تھا اُس چال سے یہاں اُس کا خوب اَپمان ہوگا۔ پر وہ انومان ٹھیک نہ نکلا۔ دو گھنٹوں پہلے شہر میں سبل کی جتنی پرتِشٹھا تھی، اب اُس سے سَت گنی ہے۔ اَدِھکاریوں کی دِرِشٹی میں چاہے وہ گر گیا ہو، پر نگرواسیوں کی درشٹی میں اب وہ دیوتُلیہ ہے۔ یہ کام ہلدھر ہی پورا کرے گا۔ مجھے اُس کے پیچھے کا راستہ صاف کرنا چاہیے۔

(گیانی کا داخلہ)

گیانی : مہاراج، آپ اُس سَمے اتنی جلدی چلے آئے کہ مجھے آپ سے کچھ کہنے کا اَوسر ہی نہ ملا۔ آپ یَدی سہاے نہ ہوتے تو آج میں کہیں کی نہ رہتی۔ پولس والے کسی دوسرے ہیکتی کی ضمانت نہ لیتے۔ آپ کے یوگ بل نے انھیں پراست کر دیا۔

چیتن : مائی، یہ سب ایشور کی مہما ہے۔ میں تو کیوَل اُس کا تُچھ سیوک (ادنیٰ خادم) ہوں۔

گیانی : آپ کے سمکّھ اس وقت میں بہت نرلجّ بن کر آئی ہوں۔ میں اَپرادِھن ہوں، میرا اپرادھ چھما کیجیے۔ آپ نے میرے پتی دیو کے وِشے میں جو باتیں کہی تھیں، وہ ایک ایک اکشر (لفظ) سچ نکلیں۔ میں نے آپ پر اَوِشواس کیا۔ مجھ سے یہ گھور اپرادھ ہوا۔ میں اپنے پتی دیو کو دیوتُلیہ سمجھتی تھی۔ مجھے اَنومان ہوا کہ آپ کو کسی نے بھرم میں ڈال دیا ہے۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آپ اَنتریامی ہیں۔ میرا اپرادھ چھما کیجیے۔

چیتن : تجھے معلوم نہیں ہے، آج تیرے پتی نے کیسا پیشاچک کام کر ڈالا ہے۔ مجھے اس کے پہلے تجھ سے کہنے کا اَوسر نہیں پراپت ہوا۔

گیانی : نہیں مہاراج، مجھے معلوم ہے۔ انھوں نے سویم مجھ سے سارا ورتانت کہہ سنایا۔ بھگوان، یدی میں نے پہلے ہی آپ کی چیتاونی (انتباہ، تہدید) پر دھیان دیا ہوتا تو آج اس ہتیاکانڈ (قتل کا واقعہ) کی نوبت نہ آتی۔ یہ سب میری اَشرِدّھا کا دُشپرینام (بُرے نتائج) ہے۔ میں نے آپ جیسے مہاتما پُروش کا اَوِشواس کیا، اُسی کا یہ دنڈ ہے۔ اب میرا اُدّھوار آپ کے سوا اور کون کرسکتاہے۔ آپ کی داسی ہوں، آپ کی چیری ہوں۔ میرے اَوگُنوں (خامیوں) کو نہ دیکھیے۔ اپنی وِشال دَیا سے میرا بیڑا پار لگایئے۔

چیتن : اب میرے وَش کی بات نہیں۔ میں نے تیرے کلیان کے لیے، تیری منوکامناؤں (دلی خواہشوں) کو پورا کرنے کے لیے بڑے بڑے اَنُشٹھان (افتتاح، استعمال، عمل) کیے تھے۔ مجھے نِشچے تھا کہ تیرا منورتھ سِدّھ ہوگا۔ پر اس پاپابھکشی نے میرے سَمَست اَنُشٹھانوں کو وِپھل کردیا۔ مجھے ایسا پرتیت ہورہاہے کہ یہ کُکرم تیرے کُل کا سروناش کردے گا۔

گیانی : بھگوان مجھے بھی یہی شنکا ہورہی ہے۔ مجھے بھَے ہے کہ میرے پتی دیو سویم

پشچاتاپ (پچھتاوا، پشیمانی) کے آویگ میں اپنا پرانانت (جان کا خاتمہ) نہ کردیں۔ انھیں اس سمے اپنے دُشکرتی (بدفعلی) پر اتینت گلانی (بے حد شرمندگی) ہورہی ہے۔ آج وہ بیٹھے بیٹھے دیر تک روتے رہے۔ اِس دُکھ اور نراشا کی دشا میں انھوں نے پرانوں کا اَنت کردیا تو کُل کا سروناش ہوجائے گا۔ اس سروناش سے میری رکشا آپ کے سوا اور کون کرسکتا ہے؟ آپ جیسا دَیالوُ سوامی پاکر اَب کس کی شرن جاؤں؟ ایسا کوئی یَتن کی جیے کہ اُن کا چِت شانت ہوجائے۔ میں اپنے دیور کا جتنا آدر اور پریم کرتی تھی وہ میرا ہردَے ہی جانتا ہے۔ میرے پتی بھی اپنے بھائی کو پُتر کے سَمان سمجھتے تھے۔ وَیمنسیہ (دشمنی) کا لیش بھی نہ تھا۔ پر اب تو جو کچھ ہوناتھا ہوچکا۔ اس کا شوک (غم، افسوس) جیون پرینت (زندگی بھر) رہے گا۔ اب کُل کی رکشا کیجیے۔ میری آپ سے یہی یاچنا (التجا) ہے۔

چیتن داس : پاپ کا دنڈ ایشوریہ نیم (خدائی قانون) ہے۔ اُسے کون بھنگ کرسکتا ہے؟

گیانی : یوگی جن چاہیں تو ایشوریہ نیموں کو بھی جھکا سکتے ہیں۔

چیتن داس : اس کا تجھے وشواس ہے؟

گیانی : ہاں مہاراج، مجھے پورا وشواس ہے۔

چیتن : شرڈھا ہے؟

گیانی : ہاں مہاراج، پوری شرڈھا ہے۔

چیتن : بھکت کو اپنے گُرو کے سامنے اپنا تن من دھن سبھی سَمرپن کرنا پڑتا ہے۔ وہی اَرتھ (مال و دولت)، دھرم، کام (خواہش) اور موکش (نجات) کے پراپت کرنے کا ایک ماتر (واحد) سادھن ہے۔ بھکت گرو کی باتوں پر، اُپدیشوں پر، بیوہاروں پر کوئی شنکا نہیں کرتا۔ وہ اپنے گرو کو ایشورتُلیہ سمجھتا ہے۔ جیسے کوئی روگی اپنے کو وَید کے ہاتھوں میں چھوڑ دیتا ہے، اُسی بھانتی بھکت بھی اپنے شریر کو، اپنی بدّھی کو اور آتما کو گرو کے ہاتھوں میں چھوڑ

دیتا ہے۔ تو اپنا کلّیان چاہتی ہے تو تجھے بھکتوں کے دھرم کا پالن کرنا پڑے گا۔

گیانی : مہاراج، میں اپنا تن من دھن سب آپ کے چرنوں میں سمرپن کرتی ہوں۔

چیتن : ششیہ (شاگرد) کا اپنے گرو کے ساتھ آتمک سمبندھ ہوتا ہے۔ اُس کے اور سبھی سمبندھ پارتھو ہوتے ہیں۔ آتمک سمبندھ کے سامنے پارتھِو سمبندھوں کا کچھ بھی مؤلیہ نہیں ہوتا۔ موکش کے سامنے سانسارِک سُکھوں کا کچھ بھی مولیہ نہیں ہے۔ موکش پراپتی ہی مانو جیون کا اُدّیشیہ ہے۔ اس اُدّیشیہ کو پورا کرنے کے لیے پَرانی کو مَمَتو (یگانگت، ممتا) کا تیاگ کرنا چاہیے۔ پِتا، ماتا، پتی، پتنی، پُتر، پُتری، شترو، مِتر یہ سبھی سمبندھ پارتھِو ہیں۔ یہ سب موکش مارگ (نجات کا راستہ) کی بادھائیں ہیں۔ اِن سے نِورت (نجات دینا، فراغت) ہوکر ہی موکش پد پراپت ہوسکتا ہے۔ کیوَل گُرو کی کرِپا درشٹی (نظرِ کرم) ہی اُس مہان پد پر پہنچا سکتی ہے۔ تو ابھی تک بھرانتی میں پڑی ہوئی ہے۔ تو اپنے پتی اور پُتر، دَھن اور سمپتّی کو ہی جیون سَروَسو سمجھ رہی ہے۔ یہی بھرانتی تیرے دُکھ اور شوک کا مول کارن ہے۔ جس دن تجھے اِس بھرانتی سے نِورتّی (نجات، فراغت) ہوگی اُسی دن تجھے موکش مارگ دکھائی دینے لگے گا۔ تب اِن سانسارِک سُکھوں سے تیرا من آپ ہی آپ ہٹ جائے گا۔ تجھے اِن کی اَسارتا (بے حقیقت، بے اصل) پرکٹ ہونے لگے گی۔ میرا پہلا اُپدیش یہ ہے کہ گرو ہی تیرا سَروَسو ہے۔ میں ہی تیرا سب کچھ ہوں۔

گیانی : مہاراج، آپ کی اَمرت وانی سے میرے چِت کو بڑی شانتی مل رہی ہے۔

چیتن : میں تیرا سَروَسو ہوں۔ میں تیری سمپتّی ہوں، تیری پرتشٹھا ہوں، تیرا پتی ہوں، تیرا پُتر ہوں، تیری ماتا ہوں، تیرا پِتا ہوں، تیرا سوامی ہوں، تیرا

سیوک ہوں، تیرا دان ہوں، تیرا وَرت ہوں۔ ہاں، میں تیرا سوامی ہوں اور تیرا ایشور ہوں۔ تو رادِھکا ہے، میں تیرا کنھیّا ہوں؛ تو سَتی ہے میں تیرا شِیو ہوں؛ تو پتنی ہے میں تیرا پتی ہوں؛ تو پَرکِرت ہے میں تیرا پُروش ہوں؛ تو جیو ہے میں آتما ہوں؛ تو سُوَر ہے میں اُس کا لالِتیہ (لطف، لطافت) ہوں؛ تو پُشپ (پھول) ہے میں اُس کا سَگندھ ہوں۔

گیانی : بھگون میں آپ کے چرنوں کی رَج ہوں۔ آپ کی سُدھاورشا (امرت کی بارش) سے میری آتما ترپت ہوگئی۔

چیتن : تیرا پتی تیرا شترو ہے، جو تجھے اپنے کُکرتیوں کا بھاگی بناکر تیری آتما کا سروناش کررہا ہے۔

گیانی : (من میں) وَاستو میں اُن کے پیچھے میری آتما کلِشِت ہورہی ہے۔ اُن کے لیے میں اپنی مُکتی کیوں بگاڑوں۔ اب انھوں نے اَدھرم پد پر پگ رکھا ہے۔ میں ان کی سہہ بھاگنی کیوں بنوں؟ (ظاہر) سوامی جی، اب میں آپ کی شرن آئی ہوں مجھے اُبارِیے۔

چیتن : پریے، ہم اور تم ایک ہیں، کوئی چنتا مت کرو۔ ایشور نے تمھیں منجدھار میں ڈوبنے سے بچا لیا۔ وہ دیکھو سامنے تاک پر بوتل ہے۔ اُس میں مہا پرساد رکھا ہوا ہے۔ اُسے اُتار کر اپنے کومل ہاتھوں سے مجھے پلاؤ اور پرساد سُوروپ سویم پان کرو۔ تمھارا انتہ کرن آلوک مَے ہوجائے گا۔ سانسارِکتا کی کالِما (سیاہی) ایک کشن میں کٹ جائے گی اور بھکتی کا اُجوّل پرکاش پرسپھٹِت (شگفتہ) ہوجائے گا۔ یہ وہ سوم رَس ہے جو رِشی گن پان کرکے یوگ بل پراپت کیا کرتے تھے۔

(گیانی بوتل اُتار کر چیتن داس کے کمنڈل میں اُنڈیلتی ہے، چیتن داس پی جاتے ہیں)

چیتن : یہ پرساد تم بھی پان کرو۔

گیانی : بھگون، مجھے چھما کیجیے۔

چیتن داس: پریے، یہ تمھاری پہلی پریکشا ہے۔

گیانی : (کمنڈل منھ سے لگا کر پیتی ہے۔ فوراً اُسے اپنے جسم میں ایک خالص چُستی کا احساس ہوتا ہے) سوامِن، یہ تو کوئی الوکِک (سماوی، غیر دنیاوی) وَستو ہے۔

چیتن : پریے، یہ رِشیوں کا پے پدارتھ ہے۔ اِسے پی کر وہ چِرکال (طویل مدت) تک تُرن (نوجوان) بنے رہتے ہیں۔ اُن کی شکتیاں کبھی کشین (کمزور) نہ ہوتی تھیں۔ تھوڑا سا اور دو۔ آج بہت دنوں کے بعد یہ شُبھ اَوسر پراپت ہوا ہے۔

(گیانی بوتل اٹھاکر کمنڈل میں انڈیلتی ہے۔ چیتن داس پی جاتے ہیں۔ گیانی خود تھوڑا سا نکال کر پیتی ہے)

چیتن : (گیانی کے ہاتھوں کر پکڑ کر) پریے، تمھارے ہاتھ کتنے کومَل ہیں، ایسا جان پڑتا ہے مانو پھول کی پنکھڑیاں ہیں۔ (گیانی جھجھک کر ہاتھ کھینچ لیتی ہے) پریے جھجھکو نہیں، یہ واسنایُکت پریم (ہوس زدہ محبت) نہیں ہے۔ یہ شُدھ، پَوِتر پریم ہے۔ یہ تمھاری دوسری پریکشا ہے۔

گیانی : میرے ہردَے میں بڑے ویگ سے دھڑکن ہورہی ہے۔

چیتن : یہ دھڑکن نہیں ہے، وِمَل (پاک صاف) پریم کی ترنگیں ہیں جو وَکش (سینہ) کے کناروں سے ٹکرا رہی ہیں۔ تمھارا شریر پھول کی بھانتی کومل ہے۔ اُس ویگ کو سہن نہیں کرسکتا۔ اِن ہاتھوں کے اَسپرش سے مجھے وہ آنند مِل رہا ہے جس میں چندرکا نرمل پرکاش، پشپوں کا منوہر سگندھ، سَمیر کے شیتل (ہوا کے ٹھنڈے) جھونکے اور جَل پرواہ کا مدُھر گان سبھی سماوِشٹ (مرکّب، ملایا ہوا) ہوگئے ہیں۔

گیانی : مجھے چکّر سا آرہا ہے۔ جان پڑتا ہے لہروں میں بہی جاتی ہوں۔

چیتن : تھوڑا سا سوم رَس اور نکالو۔ سنجیونی ہے۔

(گیانی بوتل سے کمنڈل میں انڈیلتی ہے، چیتن داس پی جاتا ہے، گیانی بھی دو تین گھونٹ پیتی ہے۔)

چیتن : آج جیون سپھل ہوگیا۔ ایسے سُکھ کے ایک کشن پر سمگر (سارا، پورا) جیون بھینٹ کرسکتا ہوں۔ (گیانی کے گلے میں بانہیں ڈال کر.آغوش میں بھرنا چاہتا ہے، گیانی جھجک کر پیچھے ہٹ جاتی ہے)۔ پریے یہ بھکتی مارگ کی تیسری پریکشا ہے!

(گیانی الگ کھڑی ہو کر روتی ہے)

چیتن : پریے ....

گیانی : (بآواز بلند) کوچوان، گاڑی لاؤ۔

چیتن : اتنی اَدِھیر (بے چین، مضطرب) کیوں ہورہی ہو؟ کیا موکش پد کے نِکٹ (قریب) پہنچ کر پھر اُسی مایاوی سنسار میں لِپت (ملوث) ہونا چاہتی ہو؟ یہ تمھارے لیے کلیان کاری نہ ہوگا۔

گیانی : مجھے موکش پد پراپت ہو یا نہ ہو، یہ گیان اوشیہ پراپت ہوگیا کہ تم دھورت، کُٹِل، بھرشٹ، دُشٹ، پاپی ہو۔ تمھارے اس بھیش کا اپمان نہیں کرنا چاہتی، پر یہ سمجھ رکھو کہ تم سرلا (معصوم) استریوں کو اس بھانتی دغا دے کر اپنی آتماج کو نرک کی اور لے جارہے ہو۔ تم نے میرے شریر کو اپنے کلشِت ہاتھوں سے اَسپرش کرکے سدا کے لیے وِکرت کردیا۔ تمھارے مَنووِکاروں (ذہنی فتور) کے سمپرک (قربت، تعلق) سے میری آتما سدا کے لیے دوشِت ہوگئی۔ تم نے میرے وَرت کی ہتّیا کرڈالی۔ اب میں اپنے ہی کو اپنا منھ نہیں دکھا سکتی۔ ستیتو (عصمت، عفت) جیسی امولیہ وستو مجھے کھوکر مجھے گیات ہوا کہ مانوچرتر (انسانی کردار) کا کتنا پتن ہوسکتا ہے۔ اگر تمھارے ہردے میں منشیہ تتو (انسانیت کا عنصر) کا کچھ بھی انش شیش ہے تو میں اُسی کو سمبودِھت کرکے وِنے کرتی ہوں کہ اب اپنی آتما پر دَیا کرو اور اِس دُشٹاچرن کو تیاگ کر سدوِرتیوں (نیک صفت، نیک اطوار) کا آہوان (پکارنا، بُلانا) کرو۔

(کٹی سے باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھ جاتی ہے)

کوچوان : کدھر لے چلوں؟

گیانی : سیدھے گھر چلو۔

چوتھا منظر

[استھان — راجیشوری کا مکان، سمے — دس بجے رات]

راجیشوری : (من میں) میرے ہی لیے جیون کا نِرواہ کرنا کیوں اتنا کٹھن ہورہا ہے؟ سنسار میں اتنے آدمی پڑے ہوئے ہیں۔ سب اپنے اپنے دھندھوں میں لگے ہوئے ہیں۔ میں ہی کیوں اِس چکر میں ڈالی گئی ہوں؟ میرا کیا دوش (غلطی، قصور) ہے؟ میں نے کبھی اچھا کھانے پہننے یا آرام سے رہنے کی اِکشا کی، جس کے بدلے میں مجھے یہ دنڈ ملا ہے؟ زبردستی اِس کاراگار (قیدخانہ) میں بند کی گئی ہوں۔ یہ سب وِلاس کی چیزیں زبردستی میرے گلے مڑھی گئی ہیں۔ ایک دَھنی پُروش مجھے اپنے اشاروں پر نچا رہا ہے۔ میرا دوش اتنا ہی ہے کہ میں روپ وتی ہوں اور نربَل ہوں۔ اِسی اپرادھ کی یہ سَجا مجھے مل رہی ہے۔ جسے ایشور دھن دے، اُسے اتنا سامرتھیہ بھی دے کہ دھن کی رکشا کرسکے۔ نربل پرانیوں کو رتن دینا اُن پر انیائے کرنا ہے۔ ہا! کنچن سنگھ پر آج نہ جانے کیا بیتی۔ سبل سنگھ نے اوشیہ ہی اُن کو مار ڈالا ہوگا۔ میں نے اُن پر کبھی کرودھ چڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ کرودھ میں تو مانو اُن پر بھوت سوار ہوجاتا ہے۔ مردوں کو اُتیجت کرنا سرل ہے۔ اُن کی ناڑیوں میں رَکت کی جگہ روش اور ایرشیا کا پرواہ (دھارا، چشمہ) ہوتا ہے۔ ایرشیا کی ہی مٹی سے اُن کی سرشٹی ہوئی ہے۔ یہ سب وِدھاتا کی وِشم (خوفناک) لیلا ہے۔

(گاتی ہے)

دَیا نِدھی تیری گتی لکھی نہ پَڑی۔

(سبل سنگھ کا داخلہ)

راجیشوری : آیئے، آپ کی ہی باٹ جوہ رہی تھی۔ اُدھر ہی من لگا ہوا تھا۔ آپ کی باتیں یاد کرکے شنکا اور بھئے سے چِت بہت بیاکُل ہو رہا تھا۔ پوچھتے ڈرتی ہوں

....

سبل : (افسردہ آواز میں) جس بات کی تمھیں شنکا تھی وہ ہوگئی۔

راجیشوری : اپنے ہی ہاتھوں؟

سبل : نہیں، میں نے کرودھ کے آویگ میں چاہے منھ سے جو کچھ ڈالا ہو پر اپنے بھائی پر میرے ہاتھ نہیں اُٹھ سکتے۔ پر اِس سے میں اپنے پاپ کا سَمرتھن نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے سویم ہتیا کی اور اُس کا سارا بھار مجھ پر ہے۔ پُروش کڑے سے کڑا آگھات سہہ سکتا ہے، بڑی سے بڑی مصیبت جھیل سکتا ہے، پر یہ چوٹ نہیں سہہ سکتا۔ یہی اُس کا مَرم استھان (نازک مقام) ہے۔ ایک تالے میں دو کنجیاں ساتھ ساتھ چلی جائیں، ایک میان میں ساتھ دو تلواریں رہیں، ایک کلہاڑی میں ساتھ دو بینٹ لگیں، پر ایک استری کے دو چاہنے والے نہیں رہ سکتے، اسمبھو (ناممکن) ہے۔

راجیشوری : ایک پُروش کو چاہنے والی تو کئی استریاں ہوتی ہیں۔

سبل : یہ اُن کے اَپنگ (مفلوج) ہونے کے کارن ہے۔ ایک ہی بھاؤ دونوں کے من میں اٹھتے ہیں۔ پُروش شکتی شالی ہے، وہ اپنے کرودھ کو بیکت (اظہار) کر سکتا ہے؛ استری من میں اینٹھ کر رہ جاتی ہے۔

راجیشوری : کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں کنچن سنگھ کو منھ لگا رہی ہوں۔ انھیں کیول یہاں بیٹھے دیکھ کر آپ کو اتنا اُبلنا نہ چاہیے تھا۔

سبل : تمھارے منھ سے یہ ترسکار (لعنت، پھٹکار) کچھ شوبھا نہیں دیتا۔ تم نے اگر سرے سے ہی اُسے یہاں گھسنے نہ دیا ہوتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ تم اپنے

کو اس الزام سے مکت نہیں کر سکتیں۔

راجیشوری : ایک تو آپ نے مجھ پر سندیہہ کرکے میرا اپمان کیا، اب آپ اس ہتیا کا بھار بھی مجھ پر رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ کے ساتھ ایسا کوئی بیوہار نہیں کیا تھا کہ آپ اتنا اَوِشواس کرتے۔

سبل : راجیشوری، ان باتوں سے دل نہ جلاؤ۔ میں دُکھی ہوں مجھے تسکین دو، میں گھائل ہوں میرے گھاؤ پر مرہم رکھو، میں نے وہ رتن ہاتھ سے کھودیا جس کا جوڑ اب سنسار میں مجھے نہ ملے گا۔ کنچن آدرش بھائی تھا۔ میرا اشارہ اُس کے لیے حکم تھا۔ میں نے ذرا اشارہ کردیا ہوتا تو وہ بھول کر بھی اِدھر پگ نہ رکھتا۔ پر میں اندھا ہورہا تھا، اُنمَتّ ہورہا تھا۔ میرے ہردَے کی جو دَشا ہورہی ہے وہ تم دیکھ سکتیں تو کداچِت تمھیں مجھ پر دَیا آتی۔ ایشور کے لیے میرے گھاؤں پر نمک نہ چھڑکو۔ اب تمھیں میرے جیون کا آدھار ہو۔ تمھارے لیے میں نے اتنا بڑا بَلدان کیا ہے۔ اب تم مجھے پہلے سے کہیں اَدھِک پریے ہو۔ میں نے پہلے سوچا تھا، کیوَل تمھارے درشنوں سے، تمھاری ترچھی چتونوں سے ترپت ہو جاؤں گا۔ میں کیوَل تمھارا سہواس (قربت) چاہتا تھا، پر اب مجھے انوبھو ہورہا ہے کہ میں گڑ کھانا اور گلگلوں سے پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ میں بھرے پیالے کو اُچھال کر بھی چاہتا تھا کہ اُس کا پانی نہ چھلکے۔ ندی میں جاکر بھی چاہتا تھا کہ دامن نہ بھیگے۔ پَر اب میں تم کو پوُرن روپ (مکمل طور سے) سے چاہتا ہوں۔ میں تمھارا سَروسَو چاہتا ہوں۔ میری وِکل آتما (مضطرب، بے چین روح) کے لیے سنتوش کا کیوَل یہی ایک آدھار ہے۔ اپنے کومَل ہاتھوں کو میری دہکتی ہوئی چھاتی پر رکھ کر شیتل کردو۔

راجیشوری : مجھے اب آپ کے سمیپ بیٹھتے ہوئے بھَے ہوتا ہے۔ آپ کے مکھ پر نمرتا اور پریم کی جگہ اب کرورتا اور کپٹ کی جھلک ہے۔

سبل : تم اپنے پریم سے میرے ہردَے کو شانت کردو۔ اسی لیے اِس سَمے تمھارے پاس آیا ہوں۔ مجھے شانتی دو۔ میں نِرجَن (ویران) پارک اور نیرَو (بے کیف) ندی سے نراش لوٹا آتا ہوں۔ وہاں شانتی نہیں ملی۔ تمھیں یہ منھ نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ ہتیارا بن کر تمھارے سمّکھ آتے لجّا آتی تھی۔ کسی کو منھ نہیں دکھانا چاہتا۔ کیول تمھارے پریم کی آشا مجھے تمھاری شرن لائی۔ مجھے آشا تھی، تمھیں مجھ پر دَیا آئے گی، پر دیکھتا ہوں تو میرا دُربھاگیہ یہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ راجیشوری، پریے، ایک بار میری طرف پریم کی چتونوں سے دیکھو۔ میں دُکھی ہوں۔ ایک بار اپنی کومَل باہیں میری گردن میں ڈال دو، ایک بار میرے سر کو اپنی جانگھوں پر رکھ لو۔ پریے، میری یہ اَنتم لالسا ہے۔ مجھے دنیا سے نامراد مت جانے دو۔ مجھے چند گھنٹوں کا مہمان سمجھو۔

راجیشوری : ایسی باتیں کرکے دِل نہ دُکھایئے۔

سبل : اگر ان باتوں سے تمھارا دِل دُکھتا ہے تو نہ کروں گا۔ پر راجیشوری، مجھے تم سے اِس نِردَیتا (بے رحمی، سنگ دلی) کی آشا نہ تھی۔ سوندریہ اور دَیا میں وِرُودّھ (اختلاف) ہے۔ اس کا مجھے انومان نہ تھا۔ مگر اس میں تمھارا دوش نہیں ہے۔ یہ اَوَستھا ہی ایسی ہے۔ ہتّیارے پر کون دَیا کرے گا؟ جس پرانی نے سگے بھائی کو ایرشیا اور دَمبھ (تکبّر) کے وَش ہوکر وَدھ کرادیا وہ اِسی یوگیہ (لائق) ہے، کہ چاروں اور اُسے دھکّار ملے۔ اُسے کہیں منھ دکھانے کا ٹھکانہ نہ رہے۔ اُس کے پُتر اور استری بھی اُس کی اور سے آنکھیں پھیر لیں، اُس کے منھ میں کالِما پوت دی جائے اور اُسے ہاتھی کے پیروں سے کچلوا دیا جائے۔ اُس کے پاپ کا یہی دنڈ ہے۔ راجیشوری، منشیہ کتنا دِین (مفلس، نادار، مجبور)، کتنا پرَوَش (مجبور، بے اختیار) پرانی ہے۔ ابھی ایک سپتاہ پہلے میرا جیون کتنا سُکھ مَے تھا۔ اپنی نوکا میں بیٹھا ہوا دھیمی دھیمی

لہروں پر بہتا، سَمیر کی شیتل، مند (دھیمی، ہلکی) ترنگوں کا آنند اٹھاتا چلا جاتا تھا۔ کیا جانتا تھا کہ ایک ہی کشن میں وہ مند ترنگیں اتنی بھینکر ہو جائیں گی، شیتل جھونکے اتنے پربل ہو جائیں گے کہ ناؤ کو الٹ دیں گے۔ سُکھ اور دُکھ، ہرش اور شوک میں اس سے کہیں کم انتر ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ آنکھوں کا ایک ذرا سا اشارہ، منھ کا ایک ذرا سا شبد، ہرس کو شوک اور سکھ کو دُکھ بنا سکتا ہے۔ لیکن ہم یہ سب جانتے ہوئے بھی سُکھ پر لو لگائے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ پھانسی پر چڑھنے سے ایک کشن پہلے تک ہمیں سُکھ کی لالسا گھیرے رہتی ہے۔ ٹھیک وہی دَشا میری ہے۔ جانتا ہوں کہ چند گھنٹوں کا اور مہمان ہوں، نشچے ہے کہ پھر یہ آنکھیں سوریہ اور آکاش کو نہ دیکھیں گی؛ پر تمھارے پریم کی لالسا ہر دَے سے نہیں نکلتی۔

راجیشوری : (من میں) اِس سَمے یہ واستو میں بہت دُکھی ہیں۔ انھیں جتنا دنڈ ملنا چاہیے تھا اُس سے جِیادہ (زیادہ) مل گیا۔ بھائی کے شوک میں انھوں نے آتم گھات (خودکشی) کرنے کی ٹھانی ہے۔ میرا جیون تو نشٹ ہو ہی گیا، اب انھیں موت کے منھ میں جھونکنے کی چیشٹا کیوں کروں؟ ان کی دَشا دیکھ کر دَیا آتی ہے۔ میرے من کے گھاتک بھاؤ لُپت (غائب، معدوم) ہو رہے ہیں۔ (ظاہر) آپ اتنے نراش کیوں ہو رہے ہیں؟ سنسار میں ایسی باتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ اب دل کو سنبھالیے۔ ایشور نے آپ کو پُتر دیا ہے، سَتی استری دی ہے۔ کیا آپ انھیں منجدھار میں چھوڑ دیں گے؟ میرے اُولمب (بنیاد) بھی آپ ہی ہیں۔ مجھے دُوار دُوار کی ٹھوکر کھانے کے لیے بھیج دیجیے گا؟ اس شوک کو دِل سے نکال ڈالیے۔

سبل : (خوش ہوکر) تم بھول جاؤ گی کہ میں پاپی ہتّیارا ہوں؟

راجیشوری : آپ بار بار اس کی چرچا کیوں کرتے ہیں!

سبل : تم بھول جاؤ گی کہ اس نے اپنے بھائی کو مَروایا ہے؟

راجیشوری : (خوف زدہ ہوکر) پریم دوشوں پر دھیان نہیں دیتا۔ وہ گنوں پر ہی مگدھ ہوتا ہے۔ آج میں اندھی ہو جاؤں تو کیا آپ مجھے تیاگ دیں گے؟

سبل : پریے، ایشور نہ کرے، پر میں تم سے سچّے دل سے کہتا ہوں کہ کال کی کوئی گتی، وِدھاتا کی کوئی پِشاچ لیلا، تاپوں (آگ، حرارت) کا کوئی پرکوپ میرے ہردَے سے تمھارے پریم کو نہیں نکال سکتا، ہاں، نہیں نکال سکتا۔

(گاتا ہے)

دفن کرنے لے چلے تھے جب مرے گھر سے مجھے
کاش تم بھی جھانک لیتے روضۂ در سے مجھے
سانس پوری ہوچکی، دُنیا سے رخصت ہوچکا
تم اب آئے ہو اٹھانے میرے بستر سے مجھے
کیوں اٹھاتا ہے مجھے میری تمنا کو نکال
تیرے در تک کھینچ لائی تھی وہی گھر سے مجھے
ہجر کی شب کچھ یہی مونس تھا میرا، اے قضا
رُک ذرا رو لینے دو مِل مِل کے بستر سے مجھے

راجیشوری : میرے دل میں آپ کا وہی پریم ہے۔

سبل : تم میری ہو جاؤگی؟

راجیشوری : اور اب کس کی ہوں؟

سبل : تم پورن روپ سے میری ہوجاؤ گی؟

راجیشوری : آپ کے سوا اب کون ہے؟

سبل : تو پریے، میں موت کو ابھی کچھ دنوں کے لیے دُوار سے ٹال دوں گا۔ ابھی نہ مروں گا۔ پر ہم اب یہاں نہیں رہ سکتے۔ ہمیں کہیں باہر چلنا پڑے گا، جہاں اپنا پَرِچت پرانی (جان پہچان کا آدمی) نہ ہو۔ چلو، آبو چلیں، جی چاہے کشمیر چلو، دو چار مہینے رہیں گے، پھر جیسی اَوستھا ہوگی ویسا کریں گے۔ پَر اس نگر میں میں نہیں رہ سکتا۔ یہاں کی ایک ایک پتّی میری دشمن ہے۔

راجیشوری : گھر کے لوگوں کو کس پر چھوڑیے گا؟

سبل : ایشور پر! اب معلوم ہوگیا کہ جو کچھ کرتا ہے ایشور کرتا ہے۔ مَنُشیہ کے کیے کچھ نہیں ہوسکتا۔

راجیشوری : یہ سمسیا کٹھن ہے۔ میں آپ کے ساتھ باہر نہیں جاسکتی۔

سبل : پریم تو استھان کے بندھنوں سے نہیں رہتا۔

راجیشوری : اس کا یہ کارن نہیں ہے۔ ابھی آپ کا چِت اَستھر (متزلزل) ہے، نہ جانے کیا رنگ پکڑے۔ وہاں پردیش میں کون اپنا ہتیشی (خیر خواہ) ہوگا، کون وِپتی میں اپنا سَہایک (مددگار) ہوگا؟ میں گنوارن، پردیش کرنا کیا جانوں؟ ایسا ہی ہے تو آپ کچھ دنوں کے لیے باہر چلے جائیں۔

سبل : پریے، یہاں سے جاکر پھر آنا نہیں چاہتا، کسی سے بتانا بھی نہیں چاہتا کہ میں کہاں جارہا ہوں۔ میں تمھارے سوا اور سارے سنسار کے لیے مَر جانا چاہتا ہوں۔

(گاتا ہے)

کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منھ میں زباں کیوں ہو
وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو
قفس میں مجھ سے رُوئدادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے اُس کا دشمن آسماں کیوں ہو
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رُسوائی
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

راجیشوری : (من میں) یہاں ہوں تو کبھی نہ کبھی نصیب جاگیں گے ہی۔ معلوم نہیں وہ

(ہلدھر) آج کل کہاں ہیں، کیسے ہیں، کیا کرتے ہیں، مجھے اپنے من میں کیا سمجھ رہے ہیں۔ کچھ بھی ہو، جب میں جاکر ساری رام کہانی سناؤں گی تو انھیں میرے نرپرادھ (بے قصور) ہونے کا وشواس ہوجائے گا۔ ان کے ساتھ جانا اپنا سروناش کر لینا ہے۔ میں ان کی رکشا کرنا چاہتی ہوں، پر اپنا سَت (عصمت، عنت) کھوکر نہیں، ان کو بچانا چاہتی ہوں، پر اپنے کو ڈُبا کر نہیں۔ اگر میں اِس کام میں سپھل نہ ہوسکوں تو میرا دوش نہیں ہے۔ (ظاہر) میں آپ کے گھر کو اجاڑنے کا اپرادھ اپنے سر نہیں لینا چاہتی۔

سبل : پریے، میرا گھر میرے رہنے سے ہی اُجڑے گا، میرے انتردھان (معدوم، غائب) ہونے سے وہ بچ جائے گا۔ اس میں مجھے ذرا بھی سندیہہ نہیں۔

راجیشوری : پھر اب میں آپ سے ڈرتی ہوں، آپ شکّی آدمی ہیں۔ نہ جانے کس وکت (وقت) آپ کو مجھ پر شک ہو جائے۔ جب آپ نے ذرا سے شک پر ....

سبل : (مغموم ہوکر) راجیشوری، اُس کی چرچا نہ کرو۔ اُس کا پرائشچت کچھ ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ اب شک اور بھرم کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہ دوں۔ اِس بلدان سے میں نے سمست شنکاؤں کو جیت لیا ہے۔ اب پھر بھرم میں پڑوں تو میں منشیہ نہیں پشو ہوں گا۔

راجیشوری : آپ میرے ستیو (عصمت، عنت) کی رکشا کریں گے؟ آپ نے مجھے وَچن دیا تھا کہ میں کیول تمھارا سہواس چاہتا ہوں۔

سبل : پریے، پریم کو بِنا پائے سنتوش نہیں ہوتا۔ جب تک میں گرہستی کے بندھنوں میں جکڑا تھا، جب تک بھائی، پُتر، بہن کا میرے پریم کے ایک اَنش پر اَدھیکار تھا تب میں تمھیں نہ پورا پریم دے سکتا تھا اور نہ تم سے سَروسو مانگنے کا ساہس کرسکتا تھا۔ پر اب میں سنسار میں اکیلا ہوں، میرا سروسّو تمھارے اَرپن ہے۔ پریم اپنا پورا مولیہ چاہتا ہے، آدھے پر سنتشٹ

نہیں ہو سکتا۔

راجیشوری : میں اپنے سَت کو نہیں کھو سکتی۔

سبل : پریے، پریم کے آگے سَت، وَرَت، نِیَم، دھرم، سب اُن تنکوں کے سَمان (طرح) ہیں جو ہوا سے اڑ جاتے ہیں۔ پریم پون نہیں، آندھی ہے۔ اُس کے سامنے مان مریادا، شرم حیا کی کوئی ہستی نہیں۔

راجیشوری : وہ پرماتما کی دین ہے۔ اُسے آپ دَھن اور روب (رعب) سے نہیں پا سکتے۔

سبل : راجیشوری، ان باتوں سے میرا ہردَے چوُر چوُر ہوا جاتا ہے۔ میں ایشور کو ساکشی دے کہ کہتا ہوں کہ مجھے تم سے جتنا اٹل پریم ہے اُسے میں شبدوں میں پرکٹ (ظاہر) نہیں کر سکتا۔ میرا ستیاناش ہو جائے اگر دھن اور سمپتی کا دھیان بھی مجھے آیا ہو۔ میں یہ مانتا ہوں کہ میں نے تمھیں پانے کے لیے بیجا دباؤ سے کام لیا، پر اِس کا کارن یہی تھا کہ میرے پاس اور کوئی سادھن نہ تھا۔ میں وِرہ (ہجر، جدائی) کی آگ میں جل رہا تھا، میرا ہردَے پھنکا جاتا تھا، ایسی اَوستھا میں یدی میں دھرم-ادھرم کا وِچار نہ کرکے کسی بھکتی کے بھرے ہوئے پانی کے ڈول کی اور لپکا تو تمھیں اُس کو کشمیہ (قابل معافی) سمجھنا چاہیے۔

راجیشوری : وہ ڈول کسی بھکت نے اپنے ایشٹ دیو (مطلوب دیو) کو چڑھانے کے لیے ایک ہاتھ سے بھرا تھا۔ جسے آپ پریم کہتے ہیں وہ کام لپسا تھی۔ آپ نے اپنی لالسا کو شانت کرنے کے لیے ایک بسے بسائے گھر کو اُجاڑ دیا، اُس کے پرانیوں کو تتر بتر کر دیا۔ یہ سب اَنرتھ آپ نے ادھیکار کے بل پر کیا۔ پر یاد رکھیے ایشور بھی آپ کو اس پاپ کا دنڈ بھوگنے سے نہیں بچا سکتا۔ آپ نے مجھ سے اُس بات کی آشا رکھی جو کلٹائیں (بدچلن عورت) ہی کر سکتی ہیں۔ میری یہ اِہنت آپ نے کی۔ آنکھ کی پُتلی نکل جائے تو اُس میں سُرمہ

کیا شوبھا دے گا؟ پودھے کی جڑ کاٹ کر پھر آپ دودھ اور شہد سے سینچیں تو کیا فائدہ؟ استری کا ست ہر کر آپ اُسے ولاس اور بھوگ میں ڈبا ہی دیں تو کیا ہوتا ہے۔ میں اگر یہ گھور اپمان چپ چاپ سہہ لیتی تو میری آتما کا پتن ہوجاتا۔ میں یہاں اس اپمان کا بدلہ لینے آئی ہوں۔ آپ چونکیں نہیں، میں من میں یہی سنکلپ (عزم، ارادہ) کرکے آئی تھی۔

(گیانی کا داخلہ)

گیانی : دیوی، تجھے دھنیہ ہے۔ تیرے پیروں پر شیش (سر) نواتی (خم کرنا، جھکانا) ہوں۔

سبل : گیانی! تم یہاں

گیانی : چھما کیجیے۔ میں کسی اور وچار سے نہیں آئی۔ آپ کو گھر پر نہ دیکھ کر میرا چت بیاکل ہوگیا۔

سبل : یہاں کا پتہ کیسے معلوم ہوا؟

گیانی : کوچوان کی خوشامد کرنے سے۔

سبل : راجیشوری، تم نے میری آنکھ کھول دیں! میں بھرم میں پڑا ہوا تھا۔ تمھارا سنکلپ پورا ہوگا۔ تم ستی ہو۔ تمھاری پرتگیا پوری ہوگی۔ میں پاپی ہوں۔ مجھے چھما کرنا .... (نیچے کی طرف جاتا ہے)

گیانی : میں بھی چلتی ہوں۔ راجیشوری، تمھارے درشن پاکر کرتارتھ (مرادمند ہونا، کامیاب ہونا) ہوگئی۔ (دھیرے سے) بہن، کسی طرح ان کی جان بچاؤ۔ تمھیں اِن کی رکشا کرسکتی ہو۔ (راجیشوری کے پیروں پر گر پڑتی ہے۔)

راجیشوری : رانی جی، ایشور نے چاہا تو سب کشل ہوگا۔

گیانی : تمھارے آشیرواد کا بھروسہ ہے۔

(پرستھان)

پانچواں منظر

[استھان — گنگا کے کنارے ایک بڑا پرانا مکان، سمے — بارہ بجے رات،
ہلدھر اور اُس کے ساتھی ڈاکو بیٹھے ہوئے ہیں۔]

ہلدھر : اب سمے آگیا، مجھے چلنا چاہیے۔

ایک ڈاکو رنگی : ہم لوگ بھی تیار ہو جائیں نہ؟ شکاری آدمی ہیں کہیں پستول چلا بیٹھے تو۔

ہلدھر : دیکھی جائے گی۔ میں جاؤں گا اکیلے۔

(کنچن کا داخلہ)

ہلدھر : اَرے، آپ ابھی تک سوئے نہیں؟

کنچن : تم لوگ بھیا کو مارنے پر تیار ہو، مجھے نیند کیسے آئے؟

ہلدھر : مجھے آپ کی باتیں سُن کر اَچرج (تعجب) ہوتا ہے۔ آپ ایسے پاپی آدمی کی رکشا کرنا چاہتے ہیں جو اپنے بھائی کی جان لینے پر تُل جائے۔

کنچن : تم نہیں جانتے، وہ میرے بھائی نہیں، میرے پِتا کے تُلیہ (طرح) ہیں۔ انھوں نے بھی سَدیو مجھے اپنا پُتر سمجھا ہے۔ انھوں نے میرے پَرتی (تئیں، متعلق) جو کچھ کیا اُچت کیا۔ اُس کے سوا میرے وِشواس گھات کا اور کوئی دنڈ نہ تھا۔ انھوں نے وہی کیا جو میں آپ کرنے جاتا تھا۔ اَپرادھ سب میرا ہے۔ تم نے مجھ پر دَیا کی ہے۔ اتنی دیا اور کرو۔ اِس کے بدلے میں تم جو کچھ کہو کرنے کو تیار ہوں۔ میں اپنی ساری کمائی جو بیس ہزار سے کم نہیں ہے تمھیں بھینٹ کردوں گا۔ میں نے یہ روپے ایک دھرم شالا اور دیوالے بنوانے کے لیے سنچت (جمع) کر رکھے تھے۔ پر بھیا کے پرانوں کا مولیہ دھرم شالا اور دیوالے سے کہیں اَدِھک ہے۔

ہلدھر : ٹھاکر صاحب، ایسا کبھی نہ ہوگا۔ میں نے دھن کے لوبھ (لالچ) سے یہ بھیش نہیں لیا ہے۔ میں اپنے ایمان کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ میرا مَریاد

(عزت) اتنا سستا نہیں ہے۔

کنچن : میرے یہاں جتنی دستاویزیں ہیں وہ سب تمھیں دے دوں گا۔

ہلدھر : آپ پیر تھ ہی مجھے لوبھ دکھا رہے ہیں۔ میرا اِجّت بگڑ گئی۔ میرے کُل میں داگ لگ گیا۔ باپ دادوں کے منھ میں کالکھ لگ گئی۔ اِجّت کا بدلہ جان ہے، دھن نہیں۔ جب تک سبل سنگھ کی لاش کو اپنی آنکھوں سے تڑپتے نہ دیکھوں گا میرے ہردے کی جوالا نہ شانت ہوگی۔

کنچن : تو پھر سیرے تک مجھے بھی جیتا نہ پاؤ گے۔

(پرستھان)

ہلدھر : بھائی پر جان دیتے ہیں۔

رَنگی : تم بھی تو نِک نایک (حق ناحق) کی جدّ (ضد) کررہے ہو۔ 20 ہجار نکد (ہزار نقد) مل رہا ہے۔ دستاویج بھی اتنے کی ہوگی۔ اتنا دھن تو ایسا ہی بھاگ جاگے تو ہاتھ لگ سکتا ہے۔ آدھا تم لے لو۔ آدھا ہم لوگوں کو دے دو۔ 20 ہجار میں تو ایسی ایسی 20 اَورتیں (عورتیں) مِل جائیں گی۔

ہلدھر : کیسی بے گیرتوں (بے غیرتوں) کی سی بات کرتے ہو۔ استری چاہے سُندر ہو، چاہے کُروپ (بدصورت)، کُل مرجاد (خاندانی عزت) کی دیوی ہے۔ مرجاد روپیوں پر نہیں بکتی۔

رنگی : ایسا ہی ہے تو اُسی کو کیوں نہیں مار ڈالتے۔ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔

ہلدھر : اُسے کیا ماروں۔ استری پر ہاتھ اٹھانے میں کیا جوانمردی ہے۔

رنگی : تو کیا اُسے پھر رکھو گے؟

ہلدھر : مجھے کیا تم نے ایسا بے گیرت (بے غیرت) سمجھ لیا ہے۔ گھر میں رکھنے کی بات ہی کیا، اب اُس کا منھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ کُلٹا (بدچلن عورت) ہے، ہرجائی ہے۔ میں نے پتہ لگا لیا ہے۔ وہ اپنے آپ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ میں نے کب کا اُسے دل سے نکال دیا۔ اَب اُس کی یاد بھی نہیں کرتا۔ اُس کی یاد آتے ہی شریر میں جوالا اٹھنے لگتی ہے۔ اگر اُسے مار کر کلیجہ

ٹھنڈا ہو سکتا تو اتنے دنوں چِتا اور کرودھ کی آگ میں جلتا ہی کیوں؟

رنگی : میں تو روپیوں کا اتنا بڑا ڈھیر کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ مان مریادا سب ڈھکوسلا ہے۔ دنیا میں ایسی باتیں، آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ لوگ اَورت (عورت) کو گھر سے نکال دیتے ہیں۔ بس۔

ہلدھر : کیا کائروں کی سی باتیں کرتے ہو۔ رام چندر نے سیتا جی کے لیے لنکا کا راج وِدھونس (تباہ و برباد) کردیا۔ دَروپدی کی مان ہانی کرنے کے لیے پانڈوؤں نے کوروؤں کو نِربنس (بے اولاد، نسل کا خاتمہ) کردیا۔ جس آدمی کے دل میں اتنا اپمان ہونے پر بھی کرودھ نہ آئے، مرنے مارنے پر تیار نہ ہو جائے، اُس کا کھون نہ کھولنے لگے، وہ مرد نہیں ہجڑا ہے۔ ہماری اتنی دُرگت کیوں ہورہی ہے؟ جسے دیکھو وہی ہمیں چار گالیاں سُناتا ہے، ٹھوکر مارتا ہے۔ کیا اَہل کار، کیا جمیندار سبھی کتّوں سے نیچ سمجھتے ہیں۔ اس کا کارن یہی ہے کہ ہم بے ہَیا (بے حیا) ہوگئے ہیں۔ اپنی چمڑی کو پیار کرنے لگے ہیں۔ ہم میں بھی گیرت (غیرت) ہوتی، اپنے مان اپمان کا وچار ہوتا تو مجال تھی کہ کوئی ہمیں ترچھی آنکھوں سے دیکھ سکتا۔ دوسرے دیشوں میں سُنتے ہیں گالیوں پر لوگ مرنے مارنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ وہاں کوئی کسی کو گالی نہیں دے سکتا۔ کسی دیوتا کا اپمان کردو تو جان نہ بچے۔ یہاں تک کہ کوئی کسی کو لاسکھن (لا سخن) نہیں کہہ سکتا۔ نہیں تو کھون کی ندی بہنے لگے۔ یہاں کیا ہے، لات کھاتے ہیں، جوتے کھاتے ہیں، گھنونی گالیاں سنتے ہیں، دھرم کا ناش اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، پر کانوں پر جوں نہیں رینگتی، کھون جرا بھی گرم نہیں ہوتا۔ چمڑی کے پیچھے سب طرح کی دُرگت سہتے ہیں۔ جان اتنی پیاری ہوگئی ہے۔ میں ایسے جینے سے موت کو ہجار درجے اچھا سمجھتا ہوں۔ بس یہی سمجھ لو کہ جو آدمی پران کو جتنا ہی پیارا سمجھتا ہے وہ اُتنا ہی نیچ ہے۔ جو اَورت (عورت) ہمارے گھر میں رہتی تھی، ہم سے

ہنستی تھی، ہم سے بولتی تھی، ہمارے کھاٹ پر سوتی تھی وہ اب بھی (غصے سے پاگل ہوکر) تم لوگ میرے لوٹنے تک یہیں رہو۔ کنچن سنگھ کو دیکھتے رہنا۔

(چلا جاتا ہے)

چھٹا منظر

[استھان — سبل سنگھ کا کمرہ، سَمے — ایک بجے رات]

سبل : (گیانی سے) اَب جاکر سو رہو۔ رات کم ہے۔

گیانی : آپ لیٹیں، میں چلی جاؤں گی۔ ابھی نیند نہیں آتی۔

سبل : تم اپنے دِل میں مجھے بہت نیچ سمجھ رہی ہوگی؟

گیانی : میں آپ کو اپا ایشٹ دیو (مطلوب دیوتا) سمجھتی ہوں۔

سبل : کیا اتنا پتت ہو جانے پر بھی؟

گیانی : میلی وستوؤں کے ملنے سے گنگا کا ماہاتمیہ (عظمت، بزرگی) کم نہیں ہوتا۔

سبل : میں اس یوگیہ نہیں ہوں کہ تمھیں اسپرش کر سکوں۔ پَر میرے ہردَے میں اِس سَمے تم سے گلے ملنے کی پربل اُتکنٹھا (اشتیاق) ہے۔ یاد ہی نہیں آتا کہ کبھی میرا ملن اتنا اُدھیر ہوا ہو۔ جی چاہتا ہے تمھیں پریے کہوں، اٰلنگن (ہم آغوشی) کروں پر ہمّت نہیں پڑتی۔ اپنی ہی آنکھوں میں اتنا گرا ہوں۔ (گیانی روتی ہوئی جانے لگتی ہے، سبل راستے میں کھڑا ہو جاتا ہے۔) پریے، اتنی نردیتا نہ کرو۔ میرا ہردَے ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ راستے سے ہٹ کر) جاؤ! مجھے تمھیں روکنے کا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔ میں پتت (کمینہ، ذلیل) ہوں، پاپی ہوں، دُشٹاچاری ہوں۔ نہ جانے کیوں پچھلے دنوں کی یاد آگئی، جب میرے اور تمھارے بیچ میں یہ وچھید (جُدائی، فراق)

نہ تھا، جب ہم تم پریم سَرُووَر (محبت کے تالاب) کے تٹ پر وہار کرتے تھے، اُس کی ترنگوں کے ساتھ جھومتے تھے۔ وہ کیسے آنند کے دن تھے؟ اب وہ دن پھر نہ آئیں گے۔ جاؤ، نہ روکوں گا، پر مجھے بالکل نظروں سے نہ گرا دیا ہو تو ایک بار پریم کی چتون سے میری طرف دیکھ لو۔ میرا سنتپت (تکلیف زدہ) ہردَے اُس پریم کی پھُہار سے ترپت ہوجائے گا۔ اتنا بھی نہیں کرسکتیں؟ نہ سہی۔ میں تو تم سے کچھ کہنے کے یوگیہ ہی نہیں ہوں۔ تمھارے سمّکھ کھڑے ہوتے، تمھیں یہ کالا منھ دکھاتے، مجھے لجّا آنی چاہیے تھی۔ پَر میری آتما کا پَتن ہوگیا ہے۔ ہاں، تمھیں میری ایک بات اوشیہ ماننی پڑے گی، اُسے میں زبردستی منواؤں گا، جب تک نہ مانوگی جانے نہ دوں گا۔ مجھے ایک بار اپنے چرنوں پر سر جھکانے دو۔

(گیانی روتے ہوئے اندر کے دروازے کی طرف بڑھتی ہے)

سبل : کیا میں اب اِس یوگیہ بھی نہیں رہا؟ ہاں، میں اب گھِرنت پرانی ہوں، جس کی آتما اَپہرن (اغوا) ہوچکا ہے۔ پوجی جانے والی پرتما (مجسمہ) ٹوٹ کر پتھر کا ٹکڑا ہوجاتی ہے، اُسے کسی کھنڈہر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ میں وہی ٹوٹی ہوئی پَرتما ہوں اور اِسی یوگیہ ہوں کہ ٹھکرا دیا جاؤں۔ تم سے کچھ کہنے کا، تمھاری دَیا یاچنا (رحم کی التجا) کرنے کے یوگیہ میرا منھ ہی نہیں رہا۔ جاؤ۔ ہم تم بہت دنوں تک ساتھ رہے۔ اگر میرے کسی بیوہار سے، کسی شبد سے، کسی آکشیپ (الزام، اعتراض) سے تمھیں دکھ ہوا ہو تو چھما کرنا۔ مجھ سا ابھاگا سنسار میں نہ ہوگا جو تم جیسی دیوی پاکر اُس کی قدر نہ کرسکا۔

(گیانی ہاتھ جوڑ کر ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتی ہے، گلے سے لفظ نہیں نکلتا۔ سبل فوراً میز پر سے پستول اٹھا کر باہر نکل جاتا ہے۔)

گیانی : (من میں) ہتاش (مایوس) ہوکر چلے گئے۔ میں تسکین دے سکتی، انھیں پریم کے بندھن سے روک سکتی تو شاید نہ جاتے۔ میں کس منھ سے کہوں کہ یہ ابھاگنی پتِتا (کمینی اور ذلیل) تمھارے چرنوں کا اسپرش کرنے یوگیہ نہیں ہے۔

وہ سمجھتے ہیں، میں اُن کا ترسکار کر رہی ہوں، اُن سے گھرنا کر رہی ہوں۔ اُن کے ارادے میں اگر کچھ کمزوری تھی تو وہ میں نے پوری کردی۔ اس یکیہ کی پورناہُتی (مکمل قربانی، سب کچھ کی قربانی) مجھے کرنی پڑی۔ ہا وِدھاتا، تیری لیلا اپرم پار ہے۔ جس پُروش پر اس سَمے مجھے اپنا پران اَرپن کرنا چاہیے تھا میں آج اُس کی گھاتِکا (مہلک عورت) ہو رہی ہوں۔ ہا اَرتھ لولُپتا (مادّی خواہش)! تو نے میرا سروناش کردیا۔ میں نے سنتان لالسا کے پیچھے کُل کو کلنک لگا دیا، کُل کو دھول میں مِلا دیا۔ پوروَجنم (پچھلا جنم) میں نہ جانے میں نے کون سا پاپ کیا تھا۔ چیتن داس، تم نے میری سونے کی لنکا دَہن کردی۔ میں نے تمھیں دیوتا سمجھ کر تمھاری آرادھنا کی تھی۔ تم راکشس نکلے۔ جس رُوکھار کو میں نے باغ سمجھا تھا وہ بیہڑ نکلا۔ میں نے کمل کا پھول توڑنے کے لیے پیر بڑھائے تھے، دلدل میں پھنس گئی، جہاں سے اب نکلنما دُستر (مشکل) ہے۔ پتی دیو نے چلتے سَمے میز پر سے کچھ اٹھایا تھا۔ نہ جانے کون سی چیز تھی۔ کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ وہ کہاں گئے۔ بھگوان کہاں جاؤں؟ کس سے پوچھوں، کیا کروں؟ کیسے اُن کی پران رکشا کروں؟ ہو نہ ہو راجیشوری کے پاس گئے! وہیں اِس لیلا کا انت ہوگا۔ اُس کے پریم میں وِہول (بے چین، افسردہ) ہو رہے ہیں۔ ابھی اُن کی آشا وہاں لگی ہوئی ہے۔ ہرگ ترشنا (فریب نظر) ہے۔ وہ نیچ جات کی استری ہے، پر ستی ہے۔ اکیلے اس اندھیری رات میں وہاں کیسے پہنچوں گی۔ کچھ بھی ہو، یہاں نہیں رہا جاتا۔ بگّھی پر گئی تھی۔ راستہ کچھ یاد ہے۔ ایشور کے بھروسے چلتی ہوں۔ یا تو وہاں پہنچ ہی جاؤں گی یا اسی ٹوہ میں پران دے دوں گی۔ ایک بار مجھے اُن کے درشن ہو جاتے تو جیون سپھل ہو جاتا۔ میں اُن کے چرنوں پر پران تیاگ دیتی۔ یہی انتم لالسا ہے۔ دَیاندھی (رحم کا دریا یعنی خدا)، میرا اَبھلاشا پوری کرو۔ ہا، جَنَنی (ماں)

دھرتی، تم کیوں مجھے اپنی گود میں نہیں لے لیتی! دیپک کاجوالا شکھر کیوں میرے شریر کو بھسم نہیں کر ڈالتا! یہ بھینکر اندھکار کیوں کسی جَل-جنتو (آبی جانور) کی بھانتی مجھے اپنے اُدَر سے شرن نہیں دیتا۔

(پرستھان)

ساتواں منظر

[استھان — سبل سنگھ کا مکان، سَمے — دو بجے رات، سبل سنگھ اپنے باغ میں حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں]

سبل : (من میں) اس زندگی پر دھکّار ہے۔ چاروں طرف اندھیرا ہے، کہیں پرکاش کی جھلک تک نہیں۔ سارے منصوبے، سارے ادارے خاک میں مل گئے۔ اپنے جیون کو آدرش بنانا چاہتا تھا، اپنے کُل کو مریادا کے شِکھر پر پہنچانا چاہتا تھا، دیش اور راشٹر کی سیوا کرنا چاہتا تھا، سمگر (پورے) دیش میں اپنی کیرتی پھیلانا چاہتا تھا۔ دیش کو اُنّتی کے پرم استھان پر دیکھنا چاہتا تھا۔ ان بڑے بڑے اِرادوں کا کیسا کَروناجنک (عبرتناک، ہمدردی پیدا کرنے والا) انت ہورہا ہے۔ پھلے پھولے وِرِکش کی جڑ میں کتنی بے دردی سے آرا چلایا جارہا ہے۔ کام لولُپ ہوکر میں نے اپنی زندگی تباہ کردی۔ میری دَشا اُس مانجھی کی سی ہے جو ناؤ کو بوجھنے کے بعد شراب پی لے اور نشے میں ناؤ کو بھنور میں ڈال دے۔ بھائی کی ہتّیا کرکے بھی ابھیشٹ نہ پورا ہوا۔ جس کے لیے اس پاپ کُنڈ میں کودا وہ بھی اب مجھ سے گھرنا کرتی ہے۔ کتنی گھور زِردَیتا ہے۔ ہائے! میں کیا جانتا تھا کہ راجیشوری مَن میں میرے اَنشٹ (ضرر، نقصان) کا دِرڑھ (پختہ، مضبوط) سنکلپ کرکے یہاں آئی ہے۔ میں کیا جانتا تھا کہ وہ میرے ساتھ تریاچرتر کھیل رہی ہے۔ ایک اموَلیہ انوبھو

پراپت ہوا۔ استری اپنے ستیتو کی رکشا کرنے کے لیے، اپنے ایمان کا بدلہ لینے کے لیے، کتنا بھینکر روپ دھارن کرسکتی ہے۔ گئو کتنی سیدھی ہوتی ہے، پر کسی کو اپنے بچھڑے کے پاس آتے دیکھ کر کتنی سترک (ہوشیار، خبردار) ہوجاتی ہے۔ ستی اِستریاں بھی اپنے وَرَت پر آگھات ہوتے ہوئے دیکھ کر جان پر کھیل جاتی ہیں۔ کیسی پریم میں سَنی ہوئی باتیں کرتی تھی۔ جان پڑتا تھا، پریم کے ہاتھوں بِک گئی ہو۔ ایسی سُندری، ایسی سرلا، مِردُو پرکرتی (شیریں فطرت)، ایسی وِنَے شیلا (منکر مزاج عورت)، ایسی کومَل ہردَیا رَمنیاں بھی چھل کوشل میں اتنی نپُن ہوسکتی ہیں! اُس کی نٹھرتا (سخت دل، بے رحم) میں سہہ سکتا تھا۔ کنتو گیانی کی گھرنا نہیں سہی جاتی، اُس کی اُپیکشا سوُچک (بے اعتنائی اور نفرت ظاہر کرنے والی) دِرِشٹی کے سمّکھ کھڑا نہیں ہوسکتا۔ جس استری کا اب تک آرادھیہ (لائق پرستش) دیو تھا، جس کی مجھ پر اکھنڈ بھکتی تھی، جس کا سَروَسوَ مجھ پر اَرپن تھا، وہی استری اب مجھے اتنا نیچ اور پتت سمجھ رہی ہے۔ ایسی جینے پر دھکّار ہے۔ ایک بار پیارے اَچل کو بھی دیکھ لوں۔ بیٹا، تمھارے پَرَتی (تیئں) میرے دل میں بڑے بڑے ارمان تھے۔ میں تمھارا چرتر آدرش بنانا چاہتا تھا، پر کوئی اَرمان نہ نکلا۔ اب نہ جانے تمھارے اوپر کیا پڑے گی۔ ایشور تمھاری رکشا کریں! لوگ کہتے ہیں، پران بڑی پریہ (محبوب، مرغوب) وَستو ہے۔ اُسے دیتے ہوئے بڑا کشٹ ہوتا ہے۔ مجھے تو ذرا بھی شنکا، ذرا بھی بھَے نہیں ہے۔ مجھے تو پران دینا کھیل سا معلوم ہورہا ہے۔ وَاستو میں جیون ہی کھیل ہے، وِدھاتا کا کریڑا کشیتر (کھیل کا میدان)! (پستول نکال کر) ہاں، دونوں گولیاں ہیں، کام ہوجائے گا۔ میرے مرنے کی سوُچنا (خبر) جب راجیشوری کو ملے گی تو ایک کشن کے لیے اُسے شوک تو ہوگا ہی، چاہے پھر ہَرش (خوشی) ہو۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئیں گے۔ ابھی مجھے پاپی، اتیاچاری، وِشئی (بوالہواس) سمجھ

رہی ہے، سب عیب ہی عیب دکھائی دے رہے ہیں۔ مرنے پر کچھ تو گنوں کی یاد آئے گی۔ میری کوئی بات تو اُس کے کلیجے میں چٹکیاں لے گی۔ اتنا تو ضرور ہی کہے گی کہ اُسے مجھ سے سچّا پریم تھا۔ شہر میں میری سارؤجنِک سیواؤں کی پرشنسا ہوگی۔ لیکن کہیں یہ رہسیہ کھُل گیا تو میری ساری کیرتی پر پانی پھر جائے گا۔ یہ عیب سارے گنوں کو چھپا لے گا، جیسے سفید چادر پر کالا دھبّہ، یا سَر وانگ (سرتاپا) سُندر چِتر پر ایک چھینٹا۔ بے چاری گیانی تو یہ سماچار پاتے ہیں مورچھِت ہوکر گر پڑے گی، پھر شاید کبھی نہ سچیت ہو۔ یہ اُس کے لیے وَجراگھات (بجلی گرنا، بجلی کا حملہ) ہوگا۔ چاہے وہ مجھ سے کتنی ہی گھِرنا کرے، مجھے کتنا ہی دُراتما سمجھے، پر اُسے مجھ سے پریم ہے، اَٹل پریم ہے؛ وہ میرا اکلیان (نقصان، بربادی) نہیں دیکھ سکتی۔ جب سے میں نے اُسے اپنا وِرتانت سنایا ہے وہ کتنی چِنتت، کتنی سشنک (مشکوک، اندیشہ ناک) ہوگئی ہے۔ پریم کے سوا اور کوئی شکتی نہ تھی جو اُسے راجیشوری کے گھر کھینچ لے جاتی۔

(ہلدھر چاردیواری کود کر باغ میں آتا ہے اور دھیرے دھیرے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا سبل کے کمرے کی طرف جاتا ہے)

ہلدھر : (من میں) یہاں کسی کی آواج آرہی ہے (بھالا سنبھال کر) یہاں کون بیٹھا ہوا ہے۔ ارے! یہ تو سبل سنگھ ہی ہیں۔ صاف اُسی کی آواج (آواز) ہے۔ اِس وکت (وقت) یہاں بیٹھا کیا کررہا ہے؟ اچھا ہے یہیں کام تمام کردوں گا۔ کمرے میں نہ جانا پڑے گا۔ اِسی ہَوج (حوض) میں پھینک دوں گا۔ سنوں کیا کہہ رہا ہے۔

سبل : بس، اب بہت سوچ چکا۔ مَن اِس طرح بہانا ڈھونڈ رہا ہے۔ ایشور، تم دیا کے ساگر ہو، چھما کی مؤرتی ہو۔ مجھے چھما کرنا، اپنی دین وَتسلتا (مجبوروں اور ناداروں سے محبت اور شفقت) سے مجھے وَنچِت (محروم) نہ کرنا۔ کہاں نشانہ

لگاؤں؟ سر میں لگانے سے تُرت (فوراً) اَچیت (بے ہوش) ہو جاؤں گا۔ کچھ نہ معلوم ہوگا، پران کیسے نکلتے ہیں۔ سنتا ہوں پران نکلنے میں کشٹ نہیں ہوتا۔ بس چھاتی پر نشانہ ماروں۔

(پستول کا منہ چھاتی کی طرف پھیرتا ہے۔ اچانک ہلدھر بھالا پھینک کر جھپٹتا ہے اور سبل سنگھ کے ہاتھ سے پستول چھین لیتا ہے۔)

سبل : (تعجب سے) کون؟

ہلدھر : میں ہوں، ہلدھر۔

سبل : تمھارا کام تو میں ہی کیے دیتا تھا، تم ہتّیا سے بچ جاتے۔ اٹھالو پستول۔

ہلدھر : آپ کے اوپر مجھے دَیا آتی ہے۔

سبل : میں پاپی ہوں، کپٹی ہوں۔ میرے ہی ہاتھوں تمھارا گھر ستیاناش ہوا۔ میں نے تمھارا ایمان کیا، تمھاری عزّت لوٹی، اپنے سگے بھائی کا وَدھ (قتل) کرایا۔ میں دَیا کے یوگیہ نہیں ہوں۔

ہلدھر : کنچن سنگھ کو میں نے نہیں مارا۔

سبل : (اُچھل کر) سچ کہتے ہو؟

ہلدھر : وہ آپ ہی گنگا میں کودنے جارہے تھے۔ مجھے اُن پر بھی دَیا آگئی۔ میں نے سمجھا تھا، آپ میرا سَروناش کرکے بھوگ وِلاس میں مست ہیں۔ تب میں آپ کے کھون کا پیاسا ہوگیا تھا۔ پر اب دیکھتا ہوں تو آپ اپنے کیے پر لجّت ہیں، پچھتا رہے ہیں، اتنے دُکھی ہیں کہ پران تک دینے کو تیار ہیں۔ ایسا آدمی دَیا کے یوگیہ ہے۔ اُس پر کیا ہاتھ اٹھاؤں۔

سبل : (ہلدھر کے پیروں پر گر کر) تم نے کنچن کی جان بچا لی، اِس کے لیے میں مرتے دَم تک تمھارا یَش (نیک نامی، احسان) مانوں گا۔ میں نہ جانتا تھا کہ تمھارا ہردَے اتنا کومل اور اُدار ہے۔ تم پُنیہ آتما (نیک دل) ہو۔ مجھے لے چلو۔ کنچن کو دیکھ لوں۔ ہلدھر، میرے پاس اگر کُبیر کا دھن ہوتا تو تمھاری بھینٹ کر دیتا۔ تم نے میرے کُل کو سَروناش سے بچالیا۔

ہلدھر : میں سبیرے انھیں ساتھ لاؤں گا۔

سبل : نہیں، میں اِسی وقت تمھارے ساتھ چلوں گا۔ اب صبر نہیں ہے۔

ہلدھر : چلیے۔

(دونوں پھاٹک کھول کر چلے جاتے ہیں)

پانچواں حصہ

پہلا منظر

[استھان — ڈاکوؤں کا مکان، سَمے — دو (2) بجے رات، ہلدھر ڈاکوؤں کے مکان کے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔]

ہلدھر : (من میں) دونوں بھائی کیسے ٹوٹ کر گلے مِلے ہیں۔ مَیں نہ جانتا تھا کہ بڑے آدمیوں میں بھائی بھائی میں بھی اتنا پریم ہوتا ہے۔ دونوں کے آنسو ہی نہ تھمتے تھے۔ بڑی کُشل ہوئی کہ میں مَوکے (موقع) سے پہنچ گیا، نہیں تو وَنش کا اَنت ہوجاتا۔ مجھے تو دونوں بھائیوں سے ایسا پریم ہوگیا ہے مانو میرے اپنے بھائی ہیں۔ مگر آج تو میں نے انھیں بچا لیا۔ کون کہہ سکتا ہے وہ پھر ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوجائیں گے۔ روگ کی جڑ تو مَن میں جمی ہوئی ہے۔ اُس کو کاٹے بِنا روگی کی جان کیسے بچے گی۔ راجیشوری کے رہتے ہوئے اِن کے مَن کی مَیل نہ مٹے گی۔ دوچار دن میں اِن میں پھر اَن بَن ہوجائے گی۔ اِس اَبھاگنی نے میرے کُل میں داگ لگائی۔ اب اِس کُل کا ستیاناش کررہی ہے۔ اُسے موت بھی نہیں آجاتی۔ جب تک جیے گی مجھے کلنکِت کرتی رہے گی۔ برادری میں کہیں منہ دکھلانے لایک (لایق) نہیں رہا۔ سب لوگ مجھے برادری سے نکال دیں گے۔ ہُکّا پانی بند کردیں گے۔ ہیٹھی اور بدنامی ہوگی وہ گھاتے میں۔ یہ تو یہاں محل میں رانی بنی بیٹھی اپنے کُکرم کا آنند اُٹھایا کرے اور مَیں اس کے کارن بدنامی اٹھاؤں۔ اب تک اِس کو مارنے کا جی نہ چاہتا تھا۔ اَورتوں (عورتوں) پر ہاتھ اٹھانا نیچتا کا کام سمجھتا تھا۔ پر اب وہ نیچتا کرنی پڑے گی۔ اُس کے کیے بِنا سب کھیل بگڑ جائے گا۔

(چیتن داس کا داخلہ)

چیتن داس : یہاں کون بیٹھا ہے؟

ہلدھر : میں ہوں ہلدھر۔

چیتن : خوب ملے۔ بتاؤ سبل سنگھ کا کیا حال ہوا؟ وَدھ کر ڈالا؟

ہلدھر : نہیں، انھیں مرنے سے بچا لیا۔

چیتن : (خوش ہوکر) بہت اچھا کیا۔ مجھے یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی۔ سبل سنگھ کہاں ہیں؟

ہلدھر : میرے گھر۔

چیتن : گیانی جانتی ہے کہ وہ زندہ ہیں؟

ہلدھر : نہیں، اُسے اب تک اس کی کھبر نہیں ملی۔

چیتن : تو اُسے جلد خبر دو نہیں تو اُس سے بھینٹ نہ ہوگی۔ وہ گھر میں نہیں ہے۔ نہ جانے کہاں گئی؟ اُسے یہ خبر مل جائے گی تو کداچت اُس کی جان بچ جائے۔ میں اس کی ٹوہ میں جا رہا ہوں۔ اس اندھیری رات میں کہاں کھوجوں؟

(پرستھان)

ہلدھر : (من میں) یہ ڈاین نہ جانے کتنی جانیں لے کر سنتشٹ (مطمئن) ہوگی۔ گیانی دیوی ہے۔ اُس نے سبل سنگھ کو کمرے میں نہ دیکھا ہوگا۔ سمجھی ہوگی وہ گنگا میں ڈوب مرے۔ کون جانے اِسی ارادے سے وہ بھی گھر سے نکل کھڑی ہوئی ہو۔ چل کر آدمیوں کو اُس کا پتہ لگانے کے لیے دوڑا دوں۔ اُس کی جان مُفت میں چلی جائے گی۔ کیا دل لگی ہے کہ رانی تو ماری ماری پھرے اور گلٹا محل میں سکھ کی نیند سوئے۔

(اَچل دوسری طرف سے ہوائی بندوق لیے آتا ہے۔)

ہلدھر : کون ؟

اَچل : اَچل سنگھ، کنور سبل سنگھ کا پُتر۔

ہلدھر : اچھا، تم کھوب آگئے۔ پر اندھیری رات میں تمھیں ڈر نہیں لگا؟

اَچل : ڈر کس بات کا؟ مجھے ڈر نہیں لگتا۔ بابو جی نے مجھے بتایا ہے کہ ڈرنا پاپ ہے۔

ہلدھر : جاتے کہاں ہو؟

اَچل : کہیں نہیں۔

ہلدھر : تو اتنی رات گئے گھر سے کیوں نکلے؟

اچل : تم کون ہو؟

ہلدھر : میرا نام ہلدھر ہے۔

اچل : اچھا، تمھیں نے ماتا جی کی جان بچائی تھی؟

ہلدھر : جان تو بھگوان نے بچائی، میں نے تو کیول ڈاکوؤں کو بھگا دیا تھا۔ تم اتنی رات گئے اکیلے کہاں جارہے ہو؟

اچل : کسی سے کہوگے تو نہیں؟

ہلدھر : نہیں، کسی سے نہ کہوں گا۔

اچل : تم بہادر آدمی ہو۔ مجھے تمھارے اوپر وِشواس ہے۔ تم سے کہنے میں شرم نہیں ہے۔ یہاں کوئی ویشیا (رنڈی، قحبہ) ہے۔ اُس نے چاچا جی کو اور بابو جی کو وِش دے کر مار ڈالا ہے۔ اماں جی نے شوک سے پران تیاگ دیے۔ وہ استری تھیں، کیا کرسکتی تھیں۔ اب میں اُسی ویشیا کے گھر جارہا ہوں۔ اِسی وقت بندوق سے اُس کا سر اڑا دوں گا۔

(بندوق تان کر دکھاتا ہے)

ہلدھر : تم سے کس نے کہا؟

اَچل : مسرا ین نے۔ چاچا جی کل سے گھر پر نہیں ہیں۔ بابو جی بھی 10 بجے رات سے نہیں ہیں۔ نہ گھر میں اماں کا پتہ ہے۔ مسرا ین سب حال جانتی ہیں۔

ہلدھر : تم نے ویشیا کا گھر دیکھا ہے؟

اچل : نہیں، گھر تو نہیں دیکھا ہے۔

ہلدھر : تو اُسے مارو گے کیسے؟

اچل : کسی سے پوچھ لوں گا۔

ہلدھر : تمھارے چاچاجی اور بابوجی تو میرے گھر میں ہیں۔

اَچل : جھوٹ کہتے ہو، دکھا دوگے؟

ہلدھر : کچھ اِنام (انعام) دو تو دکھادوں۔

اچل : چلو، کیا دکھاؤگے۔ وہ لوگ اب سُورگ میں ہوں گے۔ ہاں، راجیشوری کا گھر دکھا دو تو جو کہو وہ دوں۔

ہلدھر : اچھا میرے ساتھ آؤ، مگر بندوک لے لوں گا۔

(دونوں گھر میں جاتے ہیں۔ سبل اور کنچن حیران ہوکر اَچل کو دیکھتے ہیں، اَچل دوڑ کر باپ کی گردن سے چمٹ جاتا ہے۔)

ہلدھر : (من میں) اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ پھر تینوں رونے لگے؟ باہر چلوں۔ کیسا ہونہار بالک ہے۔ (باہر آکر من میں) یہ بچّہ تک اُسے ویشیا کہتا ہے۔ ویشیا ہے ہی۔ ساری دنیا یہی کہتی ہوگی۔ اب تو اور بھی گُل کھلے گا۔ اگر دونوں بھائیوں نے اُسے تیاگ دیا تو پیٹ کے لیے اُسے اپنی لاج بیچنی پڑے گی۔ ایسی حیادار نہیں ہے کہ جُہر (زہر) کھاکر مرجائے۔ جسے میں دیوی سمجھتا تھا وہ ایسی کُل کلنکنی نکلی! تو نے میرے ساتھ ایسا چھَل (فریب) کیا! اب دنیا کو کون سا منھ دکھاؤں گا۔ سب کی ایک ہی دوا ہے نہ بانس رہے نہ بانسری بجے۔ تیرے جینے سے سب کی ہانی ہے کسی کا لابھ نہیں۔ تیرے مرنے سے سب کا لابھ ہے، کسی کی ہانی نہیں۔ اُس سے کچھ پوچھنا بیرتھ ہے۔ روئے گی، گڑگڑائے گی، پیروں پڑے گی۔ جس نے لاج بیچ دی وہ اپنی جان بچانے کے لیے سبھی طرح کی چالیں چل سکتی ہے۔ کہے گی مجھے سبل سنگھ جبردستی نکال لائے، میں تو آتی نہ تھی۔ نہ جانے کیا کیا بہانے کرے گی۔ اُس سے سوال جواب کرنے کی جرورت نہیں۔ چلتے ہی کام تمام کردوں گا ....

(ہتھیار سنبھال کر چل کھڑا ہوتا ہے۔)

دوسرا منظر

[استھان — شہر کی ایک گلی، سَمے — تین (3) بجے رات، انسپکٹر اور تھانیدار کی چیتن داس سے مٹھ بھیڑ۔)

انسپکٹر : مہاراج، خوب ملے۔ میں تو آپ کے ہی دولت خانے کی طرف جارہا تھا۔ لائیے، دودھ کے دُھلے ہوئے پورے ایک ہزار، کمی کی گنجائش نہیں، بیشی کی حد نہیں۔

تھانیدار : آپ نے ضمانت نہ کرلی ہوتی تو اِدھر بھی ہزار پانچ سو پر ہاتھ صاف کرتا۔

چیتن داس : اِس وقت میں دوسری فکر میں ہوں۔ پھر کبھی آنا۔

انسپکٹر : جناب، ہم آپ کے غلام نہیں ہیں جو بار بار سلام کرنے کو حاضر ہوں۔ آپ نے آج وعدہ کیا تھا۔ وعدہ پورا کیجیے۔ قیل و قال کی ضرورت نہیں۔

چیتن داس : کہہ دیا، میں اِس سَمے دوسری چِنتا میں ہوں۔ پھر اس سمبندھ میں باتیں ہوں گی۔

انسپکٹر : آپ کا کیا اعتبار، اِسی وقت کی گاڑی سے ہَردوار کی راہ لیں۔ پولس کے معاملے نقد ہوتے ہیں۔

ایک سپاہی : لاؤ نگد نارائن نکالو۔ پُلس سیتی پھیرپھار نہ چل پیہے۔ تُمرے ایسے ساؤھن کا یہاں روج چرائت ہیں (پولس سے دھوکا دھڑی نہیں چل پائے گی، تمھارے جیسے سادھوؤں کو یہاں روز چراتے ہیں)۔

انسپکٹر : آپ ہیں کس گُمان میں۔ یہ چالیں اپنے بھولے بھالے چیلے چاپڑوں کے لیے رہنے دیجیے، جنھیں آپ نجات دیتے ہیں۔ ہماری نجات کے لیے آپ کے روپے کافی ہیں۔ اُس سے ہم فرشتوں کو بھی راہ پر لگالیں گے۔ داروغہ جی وہ شعر آپ کو یاد ہے۔

داروغہ : جی ہاں، اے زر تو خدا نئی، بہ لیکن بہ خدا حاشا ربّی و فاضل ہوجاتی ہے۔

انسپکٹر : مطلب یہ ہے کہ روپیہ خدا نہیں ہے لیکن خدا کے دو سب سے بڑے

اوصاف اُس میں موجود ہیں۔ پرورش کرنا اور انسان کی ضرورتوں کو رفع کرنا۔

چیتن داس : کل کسی وقت آیئے گا۔

انسپکٹر : (راستے میں کھڑے ہوکر) کل آنے والے پر لعنت ہے۔ ایک بھلے آدمی کی عزّت خاک میں مِلوا کر اب آپ یوں جھانسا دینا چاہتے ہیں۔ کہیں صاحب بہادر تاڑ جاتے تو نوکری کے لالے پڑ جاتے۔

چیتن داس : راستے سے ہٹو۔ (آگے بڑھنا چاہتا ہے)

انسپکٹر : (ہاتھ پکڑ کر) اِدھر آیئے، اِس سینہ زوری سے کام نہ چلے گا!

(چیتن داس ہاتھ جھٹک کر چھڑا لیتا ہے اور انسپکٹر کو زور سے دھکّا مار کر گرا دیتا ہے۔)

داروغہ : گرفتار کرلو۔ رہزن ہے۔

چیتن داس : اگر کوئی میرے نِکٹ آیا تو گردن اڑا دوں گا۔

(داروغہ پستول اٹھاتا ہے، لیکن پستول نہیں چلتی، چیتن داس اُس کے ہاتھ سے پستول چھین کر اُس کی چھاتی پر نشانہ لگاتا ہے)

داروغہ : سوامی جی، خدا کے واسطے رحم کیجیے۔ تازیست آپ کا غلام رہوں گا۔

چیتن داس : مجھے تجھ جیسے دُشٹوں (بدمعاشوں) کی غلامی کی ضرورت نہیں۔ (دونوں سپاہی بھاگ جاتے ہیں۔ تھانیدار چیتن داس کے پیروں پر گر پڑتا ہے۔) بول کتنے روپے لے گا؟

تھانیدار : مہاراج، میری جاں بخش دیجیے۔ زندہ رہوں گا تو آپ کے اِقبال سے بہت روپے ملیں گے۔

چیتن داس : ابھی غریبوں کو ستانے کی اِکشا بنی ہوئی ہے۔ تجھے مار کیوں نہ ڈالوں۔ کم سے کم ایک اتیاچاری کا بھار تو پرتھوی پر کم ہوجائے۔

تھانیدار : نہیں مہاراج، خدا کے لیے رحم کیجیے۔ بال بچّے دانے بغیر مر جائیں گے۔ اب کبھی کسی کو نہ ستاؤں گا۔ اگر ایک کوڑی بھی رشوت لوں تو میرے

اصل میں فرق سمجھے گا۔ کبھی حرام کے مال کے قریب نہ جاؤں گا۔

چیتن داس : اچھا تم اس انسپکٹر کے سر پر پچاس جوتے گن کر لگاؤ تو چھوڑ دوں۔

تھانیدار : مہاراج، یہ میرے افسر ہیں۔ میں ان کی شان میں ایسی بے ادبی کیونکر کرسکتا ہوں۔ رپورٹ کردیں تو برخاست ہو جاؤں۔

چیتن داس : تو پھر آنکھیں بند کرلو اور خدا کو یاد کرو، گھوڑا گرتا ہے۔

تھانیدار : حضور، ذرا ٹھہر جائیں، حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ کتنے جوتے لگاؤں؟

چیتن : پچاس سے کم نہ زیادہ۔

تھانیدار : اتنے جوتے پڑیں گے تو چاند کھل جائے گی۔ نعل لگی ہوئی ہے۔

چیتن : کوئی پرواہ نہیں۔ اتار لو جوتے۔

(تھانیدار جوتے پیر سے نکال کر انسپکٹر کے سر پر لگاتا ہے، انسپکٹر چونک کر اٹھ بیٹھتا ہے، دوسرا جوتا پھر پڑتا ہے)

انسپکٹر : شیطان کہیں کا، ملعون۔

تھانیدار : میں کیا کروں؟ بیٹھ جایئے، پچاس لگالوں۔ اتنی عنایت کیجیے! جان تو بچے۔

(انسپکٹر اٹھ کر تھانیدار سے ہاتھاپائی کرنے لگتا ہے، دونوں ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں، دانت کاٹتے ہیں۔)

چیتن داس : جو جیتے گا اُسے انعام دوں گا۔ میری کٹی پر آنا۔ خوب لڑو، دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے۔

(پرستھان)

انسپکٹر : تمھاری اتنی مجال! برخاست نہ کرادیا تو کہنا۔

تھانیدار : کیا کرتا، سینے پر پستول کا نشانہ لگائے تو کھڑا تھا۔

انسپکٹر : یہاں کوئی سپاہی تو نہیں ہے؟

تھانیدار : وہ دونوں تو پہلے ہی بھاگ گئے۔

انسپکٹر : اچھا، خیریت چاہو تو چپکے سے بیٹھ جاؤ اور مجھے گن کر سو جوتے لگانے دو، ورنہ کہے دیتا ہوں کہ صبح کو تم تھانے میں نہ رہوگے۔ پگڑی اتار لو۔

تھانیدار : میں نے تو آپ کی پگڑی نہیں اُتاری تھی۔

انسپکٹر : اُس بدمعاش سادھو کو یہ سوُجھی ہی نہیں۔

تھانیدار : آپ تو دوسرے ہی ہاتھ پر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے!

انسپکٹر : خبردار، جو یہ کلمہ پھر منھ سے نکالا۔ دو کے دس تو تمھیں ضرور لگاؤں گا۔ باقی فی پاپوش ایک روپے کے حساب سے معاف کرسکتا ہوں۔

(دونوں سپاہی آجاتے ہیں، داروغہ سر پر صافہ رکھ لیتا ہے، انسپکٹر غصّے بھری نظروں سے اُسے دیکھتا ہے اور سب گشت پر نکل جاتے ہیں)

تیسرا منظر

[استھان — راجیشوری کا کمرہ، سَمے — تین بجے رات، فانوس جل رہی ہے، راجیشوری پان دان کھولے فرش پر بیٹھی ہے)

راجیشوری : (من میں) میرے من کی ساری ابھلاشائیں پوری ہوگئیں۔ جو پَرن (عہد، عزم) کرکے گھر سے نکلی تھی وہ پورا ہوگیا۔ جیون سپھل ہوگیا۔ اب جیون میں کون سا سُکھ رکھا ہے۔ وِدھاتا کی لیلا وِچتر ہے۔ سنسار کے اور پرانیوں کا جیون دھرم سے سپھل ہوتا ہے۔ اَہنسا ہی سب کی موکش داتا ہے۔ میرا جیون اَدھرم سے سپھل ہوا، ہنسا سے ہی میرا موکش ہورہا ہے۔ اب کون منھ لے کر مدھوبن جاؤں، میں کتنی ہی پتی ورتا (شوہر پرست) بنوں، کسے وِشواس آئے گا؟ میں نے یہاں کیسے اپنا دھرم نباہا، اِسے کون مانے گا؟ ہائے! کس کی ہوکر رہوں گی؟ ہلدھر کا کیا ٹھکانہ؟ نہ جانے کتنی جانیں لی ہوں گی، کِتنوں کا گھر لوٹا ہوگا، کتنوں کے کھُون سے ہاتھ رنگے ہوں گے، کیا کیا کُکرم کیے ہوں گے۔ وہ اگر مجھے پَتِتا اور کُلٹا سمجھتے ہیں تو مَیں بھی انھیں نیچ اور اَدھم سمجھتی ہوں۔ وہ میری صورت نہ دیکھنا چاہتے ہوں تو

میں ان کی پرچھائیں بھی اپنے اوپر نہیں پڑنے دینا چاہتی۔ اب اُن سے میرا کوئی سمبندھ نہیں۔ میں اناتھا (لاوارث عورت) ہوں، اُبھاگن ہوں، سنسار میں کوئی میرا نہیں ہے۔

(کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، لالٹین لے کر نیچے جاتی ہے اور دروازہ کھولتی ہے، گیانی کا داخلہ)

گیانی : بہن، چھما کرنا، تمھیں اَسمے (نامناسب وقت) کشٹ دیا۔ میرے سوامی جی یہاں ہیں یا نہیں؟ مجھے ایک بار اُن کے درشن کرلینے دو۔

راجیشوری : رانی جی، ستیہ کہتی ہوں وہ یہاں نہیں آئے۔

گیانی : یہاں نہیں آئے!

راجیشوری : نہ! جب سے گئے ہیں پھر نہیں آئے۔

گیانی : گھر پر بھی نہیں ہیں۔ اب کدھر جاؤں؟ بھگون، اُن کی رکشا کرنا۔ بہن، اب مجھے اُن کے درشن نہ ہوں گے۔ انھوں نے کوئی بھینکر کام کرڈالا۔ شنکا سے میرا ہردے کانپ رہا ہے۔ تم سے انھیں پریم تھا۔ شاید وہ ایک بار پھر آئیں۔ اُن سے کہہ دینا، گیانی تمھارے پدرَج (پیر کی دھول) کو شیش (سر، پیشانی) پر چڑھانے کے لیے آئی تھی۔ نراش ہوکر چلی گئی۔ اُن سے کہہ دینا وہ ابھاگنی، بھرشٹا، تمھارے پریم کے یوگیہ نہیں رہی۔

(ہیرے کی کنی کھالیتی ہے)

راجیشوری : رانی جی، آپ دیوی ہیں، وہ پتت ہوگئے ہیں، پر آپ کا چرتر اُجّول رتن ہے۔ آپ کیوں چھوبھ (غم) کرتی ہیں!

گیانی : بہن، کبھی یہ گھمنڈ تھا، پر اب نہیں ہے۔

(اُس کا چہرہ پیلا ہونے لگتا ہے اور پیر لڑکھڑاتے ہیں)

راجیشوری : رانی جی، کیسا جی ہے؟

گیانی : کلیجے میں آگ سی لگی ہوئی ہے۔ تھوڑا سا ٹھنڈا پانی دو۔ مگر نہیں، رہنے دو۔ زبان سوکھی جاتی ہے۔ کنٹھ میں کانٹے پڑگئے ہیں۔ آتم گورَو (عزت نفس،

خودداری) سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اُسے کھوکر جیے تو کیا جیے۔

راجیشوری : آپ نے کچھ کھا تو نہیں لیا؟

گیانی : تم آج ہی یہاں سے چلی جاؤ۔ اپنے پتی کے چرنوں پر گر کر اپنا اَپرادھ چھما کرالو۔ وہ ویراتما (بہادر، جَری) ہیں۔ ایک بار مجھے ڈاکوؤں سے بچایا تھا۔ تمھارے اوپر دَیا کریں گے۔ ایشور اس سَمے اُن سے میری بھینٹ کروادیتے تو میں اُن سے شپتھ (حلف، قسم) کھا کر کہتی، اس دیوی کے ساتھ تم نے بڑا انیائے کیا ہے۔ وہ ایسی پوِتر ہے جیسے پھول کی پنکھڑیوں پر پڑی ہوئی اوس کی بوندیں یا پربھاتِ کال کی نِرمل کرنیں۔ میں سِدّھ کرتی کہ اس کی آتما پوِتر ہے۔

(درد سے بے حال ہوکر بیٹھ جاتی ہے)

راجیشوری : (من میں) انھوں نے اَوشیہ ہی کچھ کھا لیا۔ آنکھیں پتھرائی جاتی ہیں، پسینہ نکل رہا ہے۔ نراش اور لجّا نے اَنت میں اِن کی جان ہی لے کر چھوڑی، میں اِن کی پران گھاتِکا (جان لینے والی عورت) ہوں۔ میرے ہی کارن اس دیوی کی جان جارہی ہے۔ اِسے مریادا پالن کہتے ہیں۔ ایک مین ہوں کہ کشٹ اور اپمان بھوگنے کے لیے بیٹھی ہوں۔ نہیں دیوی، مجھے بھی ساتھ لیتی چلو۔ تمھارے ساتھ میری بھی لاج رہ جائے گی۔ تمھیں ایشور نے کیا نہیں دیا۔ دودھ، پوت، مان مہاتم سبھی کچھ تو ہے۔ پر کیوَل پتی کے پتِت ہوجانے کے کارن تم اپنے پران تیاگ رہی ہو۔ تو میں جس کا آنسو پونچھنے والا بھی کوئی نہیں کون سا سُکھ بھوگنے کے لیے بیٹھی ہوں۔

گیانی : (ہوش میں آکر) پانی پانی۔

راجیشوری : (کٹورے میں پانی دیتی ہوئی) پی لیجیے۔

گیانی : (راجیشوری کو دھیان سے دیکھ کر) نہیں، رہنے دو۔ پتی دیو کے درشن کیسے پاؤں۔ میرے مرنے کا حال سُن کر انھیں بہت دُکھ ہوگا۔ راجیشوری، انھیں مجھ سے بہت پریم ہے۔ ادھر وہ مجھ سے اتنے لجّت تھے کہ میری طرف

سیدھی آنکھ سے تاک بھی نہ سکتے تھے۔

(پھر بے ہوش ہوجاتی ہے)

راجیشوری : (من میں) بھگوان، اب یہ شوک دیکھا نہیں جاتا۔ کوئی اور استری ہوتی تو میرے کھون کی پیاسی ہوجاتی۔ اس دیوی کے ہردے میں کتنی دیا ہے۔ مجھے اتنی نیچی سمجھتی ہے کہ میرے ہاتھ کا پانی بھی نہیں پیتی، پر بیوہار میں کتنی بھلمنساہٹ ہے۔ میں ایسی دیا کی مورت کی گھاتکا ہوں۔ میرا کیا انت ہوگا!

گیانی : ہائے، پُتر لالسا! تو نے میرا سَرو ناش کردیا۔ راجیشوری، سادھوؤں کا بھیس دیکھ کر دھوکے میں نہ آنا۔ (آنکھیں بند کرلیتی ہے)

راجیشوری : کبھی کسی سادھو نے اِسے جٹ کر راستہ لیا ہوگا۔ وہی سُدھ آرہی ہے۔ تم تو چلی، میرے لیے کون راستہ ہے؟ وہ ڈاکو ہی ہوگئے ہیں۔ اب تک سبل سنگھ کے بھئے سے اِدھر نہ آتے تھے۔ اب وہ مجھے کب جیتا چھوڑیں گے؟ نہ جانے کیا کیا دُرگتی کریں؟ میں جینا بھی تو نہیں چاہتی۔ من، اب سنسار کا مایا موہ چھوڑو۔ سنسار میں تمھارے لیے اب جگہ نہیں ہے۔ ہا! یہی کرنا تھا تو پہلے ہی کیوں نہ کیا؟ تین پرانیوں کی جان لے کر تب یہ سوجھی۔ کداچت تب مجھے موت سے اتنا ڈر نہ لگتا۔ اب تو جم راج (موت کا دیوتا، یم راج) کا دھیان آتے ہی روئیں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پر یہاں کی دُردشا (بُری حالت) سے وہاں کی دُردشا تو اچھی۔ کوئی ہنسنے والا تو نہ ہوگا۔ (رسّی کا پھندا بناکر چھت سے لٹکا دیتی ہے) بس، ایک جھٹکے میں کام تمام ہوجائے گا۔ اتنی سی جان کے لیے آدمی کیسے کیسے جتن کرتا ہے۔ (گلے میں پھندا ڈالتی ہے) دل کانپتا ہے۔ جرا سا پھندا کھینچ لوں اور بس۔ دم گھٹنے لگے گا۔ تڑپ تڑپ کر جان نکلے گی۔ (خوف سے کانپتی ہے) مجھے اتنا ڈر کیوں لگتا ہے؟ میں اپنے کو اتنی کائر نہ سمجھتی تھی۔ ساس کے ایک طعنے پر، پتی کی ایک کڑی بات پر اِستریاں پران دے دیتی ہیں۔ لڑکیاں اپنے وِواہ کی چِنتا سے ماتا پِتا کو بچانے کے لیے پران دے دیتی ہیں۔ پہلے اِستریاں پتی کے

ساتھ ستی ہو جاتی تھیں۔ ڈر کیا ہے؟ جو بھگوان یہاں ہیں وہی بھگوان وہاں ہیں۔ میں نے کوئی پاپ نہیں کیا ہے۔ ایک آدمی میرا دھرم بگاڑنا چاہتا تھا۔ میں اور کس طرح اُس سے نہ بچ سکتی تھی۔ میں نے کوشل سے اپنے دھرم کی رکشا کی۔ یہ پاپ نہیں کیا۔ میں بھوگ وِلاس کے لوبھ میں یہاں نہیں آئی! سنسار چاہے میری کتنی ہی نِندا کرے، ایشور سب جانتے ہیں۔ اُن سے ڈرنے کا کوئی کام نہیں۔

(پھندا کھینچ لیتی ہے۔ تلوار لیے ہوئے ہلدھر کا داخلہ)

ہلدھر : (تعجب سے) ارے! یہاں تو اس نے پھانسی لگا رکھی ہے۔

(تلوار سے فوراً رسّی کاٹ دیتا ہے۔ اور راجیشوری کو سنبھال کر فرش پر لٹا دیتا ہے۔)

راجیشوری : (ہوش میں آکر) وہی تلوار میری گردن پر کیوں نہیں چلا دیتے؟

ہلدھر : جو آپ ہی مر رہی ہے اُسے کیا ماروں؟

راجیشوری : ابھی اتنی دَیا ہے؟

ہلدھر : وہ تمھاری لاج کی طرح باجار میں بیچنے کی چیج (چیز) نہیں ہے۔

گیانی : (ہوش میں آکر) کون کہتا ہے کہ اِس نے اپنی لاج بیچ دی؟ یہ آج بھی اُتنی ہی پوِتر ہے جتنی اپنے گھر میں تھی۔ اِس نے اپنی لاج بیچنے کے لیے اِس مارگ پر پگ نہیں رکھا، بلکہ اپنی لاج کی رکشا کرنے کے لیے۔ اس نے میرے کُل کا سَروناش کردیا۔ اسی لیے اس نے یہ کپٹ بھیش دھارن کیا۔ ایک سمپَنّ (دولت مند) پُروش سے بچنے کا اِس کے سوا اور کون سا اُپائے تھا۔ تم اُس پر لانچھن (داغ، دھبّہ، الزام) لگا کر بڑا انیائے کررہے ہو۔ اُس نے تمھارے کُل کو کلنکِت نہیں کیا، بلکہ اُسے اُجّول کردیا۔ ایسی بِرلی (شاذو نادر، بہت کم) ہی کوئی استری ایسی اوستھا میں اپنے وَرَت پر اٹل رہ سکتی تھی۔ یہ چاہتی تو آجیون (زندگی بھر) سُکھ بھوگ کرتی، پر اِس نے دھرم کو سواد لِپسا (تلزذ کی خواہش) کی بھینٹ نہیں چڑھایا .... آہ! اب نہیں

بولا جاتا۔ بہت سی باتیں من میں تھیں .... سر میں چکّر آ رہا ہے .... سوامی کے درشن نہ کر سکی ......

(بے ہوش ہو جاتی ہے)

ہلدھر : گیانی ہے کیا؟

راجیشوری : سبل کا درشن پانے کی آشا سے یہاں آئی تھیں، کنتو بے چاری کی لالسا مَن میں رہی جاتی ہے۔ نہ جانے اُن کی کیا گت ہوئی؟

ہلدھر : میں ابھی انھیں لاتا ہوں۔

راجیشوری : کیا ابھی وہ ....

ہلدھر : ہاں انھوں نے پران دینا چاہا تھا، پستول کا نشانہ چھاتی پر لگا لیا تھا، پر میں پہنچ گیا اور اُن کے ہاتھ سے پستول چھین لی۔ دونوں بھائی وہیں ہیں۔ تم اِن کے منھ پر پانی کے چھینٹے دیتی رہنا۔ گلاب جَل تو رکھا ہی ہوگا، اُسے اِن کے منھ میں ٹپکانا، میں ابھی آتا ہوں۔

(جلدی سے چلا جاتا ہے)

راجیشوری : (من میں) میں سمجھتی تھی ان کا سُوروپ بدل گیا ہوگا۔ دیا نام کو بھی نہ رہی ہوگی۔ نتیہ ڈاکا مارتے ہوں گے، آچرن بھرشٹ ہوگیا ہوگا۔ پر اِن کی آنکھوں میں تو دَیا کی جوت جھلکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ نہ جانے کیسے دونوں بھائیوں کی جان بچا لی۔ کوئی دوسرا ہوتا تو اُن کی گھات میں لگا رہتا اور اَوسر پاتے ہیں پران لے لیتا۔ پر انھوں نے انھیں موت کے منھ سے نکال لیا۔ کیا ایشور کی لیلا ہے کہ ایک ہاتھ سے وِش پلاتے ہیں اور دوسرے ہاتھ سے اَمرت۔ مجھی کو کون بچاتا۔ سوچتا کہ مر رہی ہے، مرنے دو۔ شاید یہ مجھے مارنے کے ہی لیے یہاں تلوار لے کر آئے ہوں گے۔ مجھے اِس دَشا میں دیکھ کر دَیا آگئی۔ پر اِن کی دَیا پر میرا جی جھنجھلا رہا ہے۔ میری یہ بدنامی، یہ جگ ہنسائی بالکل نِشپھل (بے نتیجہ) ہوگئی۔ اِس میں جرور ایشور کا ہاتھ ہے۔ سبل سنگھ کے پروپکار (دوسروں کی بھلائی) نے انھیں بچالیا۔

کنچن سنگھ کی بھکتی نے ان کی رکشا کی۔ پر اِس دیوی کی جان پیر تھ جا رہی ہے۔ اِس کا دوش میری گردن پر ہے۔ اِس ایک دیوی نے کئی سبل سنگھ — بھینٹ کیے جاسکتے ہیں! (گیانی کو دھیان سے دیکھ کر) آنکھیں پتھرا گئیں، سانس اکھڑ گئی، پتی کے درشن نہ کرسکیں گی، من کی کامنا من میں ہی رہ گئی۔ (گلاب کے چھینٹے دے کر) چھن بھر اور ....

گیانی : (آنکھیں کھول کر) کیا وہ آگئے؟ کہاں ہیں، ذرا مجھے اُن کے پیر دکھا دو۔

راجیشوری : (ڈبدبائی آنکھوں سے) آتے ہی ہوں گے، اب دیر نہیں ہے۔ گلاب جل پلاؤں؟

گیانی : (مایوسی سے) نہ آئیں گے، کہہ دینا تمھارے چرنوں کی یاد میں .... (بے ہوش ہوجاتی ہے)

(چیتن داس کا داخلہ)

راجیشوری : یہ سَمے بھِکشا مانگنے کا نہیں ہے۔ آپ یہاں کیسے چلے آئے؟

چیتن داس : اِس سَمے نہ آتا تو جیون پریَنت (زندگی بھر) پچھتاتا۔ چھما دان مانگنے آیا ہوں۔

راجیشوری : کس سے؟

چیتن : جو اس سَمے پران تیاگ رہی ہے۔

گیانی : (آنکھیں کھول کر) کیا وہ آگئے؟ کوئی اُچل کو میری گود میں کیوں نہیں رکھ دیتا!

چیتن : دیوی، سب کے سب آرہے ہیں۔ تم ذرا یہ جڑی منہ میں رکھ لو۔ بھگوان چاہیں گے تو سب کلیان ہوگا۔

گیانی : کلیان اب میرے مرنے میں ہی ہے۔

چیتن : میرے اپرادھ چھما کرو۔

(گیانی کے پیروں پر گر پڑتا ہے)

گیانی : یہ بھیش تیاگ دو۔ بھگوان تم پر دیا کریں۔

(اُس کے منھ سے خون نکلتا ہے اور روح پرواز کرجاتی ہے۔ آخری لفظ اُس کے منھ سے یہی نکلتا ہے، 'اَچل، تو اَمر ہو')

راجیشوری : انتِ ہوگیا۔ (روتی ہے) من کی ابھلاشا من میں لے گئی۔ پتی اور پُتر سے بھینٹ نہ ہوسکی۔

چیتن : دیوی تھی۔

(سبل سنگھ، کنچن سنگھ، اَچل، ہلدھر سب آتے ہیں)

راجیشوری : سوامی جی، کچھ اپنی سدّھی دکھائیے۔ ایک پل بھر کے لیے سچیت ہوجاتی تو ان کی آتما شانت ہوجاتی۔

چیتن : اب برھما بھی آئیں تو کچھ نہیں کرسکتے۔

(اَچل روتا ہوا ماں کی لاش سے لپٹ جاتا ہے، سبل کو گیانی کی طرف دیکھنے کی ہمّت نہیں پڑتی)

راجیشوری : آپ لوگ ایک پل بھر پہلے آجاتے تو اِن کی منوکامنا پوری ہوجاتی۔ آپ کی ہی رٹ لگائے ہوئے تھیں۔ انتم شبد جو اُن کے منھ سے نکلا وہ اَچل سنگھ کا نام تھا۔

سبل : یہ میری ڈشٹتا کا دنڈ ہے۔ ہلدھر، اگر تم نے میری پران رکشا نہ کی ہوتی تو مجھے یہ شوک نہ سہن کرنا پڑتا۔ ایشور بڑے نیائی (منصف) ہیں۔ میرے کرموں کا اِس سے اُچت دنڈ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں تمھارے گھر کا سَروناش کرنا چاہتا تھا۔ وِدھاتا نے میرے گھر کا سَروناش کردیا۔ آج میری آنکھیں کھل گئیں۔ مجھے وِدِت (ظاہر، واضح) ہورہا ہے کہ ایشوریہ اور سمپتّی جس پر مانو سماج مٹا ہوا ہے، جس کی آرادھنا اور بھکتی میں ہم اپنی آتماؤں کو بھی بھینٹ کردیتے ہیں واستو میں ایک پرچنڈ جوالا ہے، جو منشیہ کے ہردَے کو جلا کر بھسم کردیتی ہے۔ یہ سمست پرتھوی کن پرانیوں کے پاپ بھار سے دبی ہوئی ہے؟ وہ کون سے لوگ ہیں جو دُربیسنوں (بدکرداری، بدخوئی) کے

پیچھے نانا پرکار (مختلف قسم کی) کے پاپاچار کررہے ہیں؟ ویشیاؤں کی اٹالکائیں (محل، ایوان) کن لوگوں کے دم سے رونق پر ہیں؟ کن کے گھروں کی مہلائیں رو رو کر اپنا جیون کشیپ (زندگی گزارنا) کررہی ہیں؟ کن کی بندوقوں سے جنگل کے جانوروں کی جان سنکٹ میں پڑی رہتی ہے؟ کن لوگوں کی مہتواکانکشاؤں (بہت بڑی تمنا) کو پورا کرنے کے لیے آئے دن سَمر بھومی (عرصہ کار زار، میدانِ جنگ) رکت مئی (خون کے رنگ کی، خون آمیز) ہوتی رہتی ہے؟ کن کے سکھ بھوگ کے لیے غریبوں کو آئے دن بے گاریں بھرنی پڑتی ہیں؟ یہ وہی لوگ ہیں جن کے پاس ایشوریہ (عیش و آرام) ہے، سمپتّی ہے، پربھتا (اقتدار) ہے، بل ہے۔ انھیں کے بھار سے پرتھوی دبی ہوئی ہے، انھیں کے نکھوں (ناخن) سے سنسار پیڑت ہو رہاہے۔ سمپتّی ہی پاپ کا مول (جڑ، بنیاد) ہے، اسی سے کواسنائیں (بری خواہش) جاگرت ہوتی ہیں، اسی سے دُربیسنوں (بدکرداری، بدخوئی) کی سرشٹی ہوتی ہے۔ غریب آدمی اگر پاپ کرتا ہے تو کشدھا (بھوک) کی ترپتی کے لیے۔ دھنی پُروش پاپ کرتا ہے اپنی کورتّیوں اور کواسناؤں کی پورتی کے لیے۔ میں اِسی ویادھی (بیماری، پریشانی) کا مارا ہوا ہوں۔ وِدھاتا نے مجھے نردھن بنایا ہوتا، میں بھی اپنی جیوکا کے لیے پسینہ بہاتا ہوتا، اپنے بال بچوں کے اُدرپالن (پیٹ بھرنا) کے لیے مجوری کرتا ہوتا تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، یوں رَکت کے آنسو نہ رونے پڑتے۔ دھنی جن پُنیہ بھی کرتے ہیں، دان بھی کرتے ہیں، دُکھی آدمیوں پر دیا بھی کرتے ہیں۔ دیش میں بڑی بڑی دھرم شالائیں، سینکڑوں پاٹھ شالائیں، چکتسالے (اسپتال)، تالاب، کنویں،ان کی کیرتی کے استمبھ (ستون) روپ کھڑے ہیں، ان کے دان سے سدا وَرت چلتے ہیں، اناتھوں اور وِدھواؤں کا پالن ہوتا ہے، سادھوؤں اور اُتھتیوں کا سَتکار ہوتا ہے، کتنے ہی وشال مندر سجے ہوئے ہیں،

وِدّا (تعلیم) کی اُنتی ہو رہی ہے، لیکن ان کی اَپ کرتیوں (بدنامی، برے کام) کے سامنے اُن کی سکرتیاں (نیک نامی، اچھے کام) اندھیری رات میں جگنو کی چمک کے سمان ہیں، جو اندھکار کو اور بھی گہن (گھنا، گہرا) بنا دیتی ہیں۔ پاپ کی کالما دان اور دَیا سے نہیں دُھلتی۔ نہیں، میرا تو یہ انوبھو ہے کہ دھنی جَن کبھی پَوِتر بھاوؤں سے پریرِت (آمادہ، ترغیب کیا ہوا) ہو ہی نہیں سکتے۔ اُن کی دان شیلتا (فیاضی، سخاوت)، ان کی بھکتی، اُن کی اُدارتا، اُن کی دین وَتسلتا (غریبوں پر مہربانی اور شفقت) واستو میں اُن کے سوارتھوں کو سِدھ کرنے کا سادھن ماتر ہے، اسی ٹٹّی کی آڑ میں وہ شکار کھیلتے ہیں۔ ہائے! تم لوگ مَن میں سوچتے ہوگے، یہ رونے اور وِلاپ کرنے کا سَمے ہے، دھن اور سَمپدا کی نِندا کرنے کا نہیں۔ مگر میں کیا کروں؟ آنسوؤں کی اَپیکشا (بہ نسبت) اِن جلے ہوئے شبدوں سے، ان پھپھولوں کے پھوڑنے سے، میرے چِت کو اَدِھک شانتی مل رہی ہے۔ میرے شوک، ہردَے داہ، اور آتم گلانی (پشیمانی) کا پرواہ (دھارا، چشمہ) کیول لوچنوں (آنکھوں) دوارا نہیں ہو سکتا، اس کے لیے زیادہ چوڑے، زیادہ استھول (کثیف) مارگ کی ضرورت ہے۔

ہائے! اس دیوی میں اَنیک (بہت سے، کئی) گُن تھے۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ اِس نے کبھی ایک اَپریہ (ناپسندیدہ) شبد بھی مجھ سے کہا ہو، وہ میرے پریم میں مگن تھی۔ آمود (عیش و عشرت) اور وِلاس سے اُسے لیش ماتر (ذرّہ برابر) بھی پریم نہ تھا۔ وہ ستیاسیوں کا جیون بیتیت کرتی تھی۔ میرے پرتی اُس کے ہردَے میں کتنی شرَدھا تھی، کتنی شُبھ کامنا۔ جب تک جی میرے لیے جی اور جب مجھے سَپتھ (صراطِ مستقیم، صحیح راستہ) سے ہٹتے دیکھا تو یہ شوک اُس کے لیے اَسہیہ (ناقابل برداشت) ہو گیا۔ ہائے! میں جانتا کہ وہ ایسا گھاتک سنکلپ کرلے گی تو اپنے آتم پتن (اپنا زوال) کا وِرتانت اُس سے نہ کہتا۔ پر اُس کی سہردَیتا (رحم دلی، خوش اخلاقی) اور سہانو بھوتی کے

رَسوادن (مزا لینا، لذّت اٹھانا) سے میں اپنے کو روک نہ سکا۔ اُس کی وہ چھما، آتم کرپا کبھی نہ بھولے گی جو اِس وِرتّانت کو سن کر اُس کے اُداس مُکھ پر جھلکنے لگی۔ روش (غصّہ) یا کرودھ کا لیش ماتر بھی چِنھ (نشان) نہ تھا۔ وہ دیامورتی سدا کے لیے میرے ہردَے گرہ (دل کا مکان) کو اجاڑ کر اَدِرشیہ (پوشیدہ، غیرمرئی) ہوگی۔ نہیں، میں نے اُسے پٹک کر چور چور کردیا۔ (روتا ہے) ہا! اُس کی یاد اب میرے دل سے کبھی نہ نکلے گی۔

چوتھا منظر

[استھان — گلابی کا مکان، سَمے — 10 بجے رات]

گلابی : اب کِس کے بل پر کودوں۔ پاس جو جماپونجی (جمع پونجی) تھی وہ نکل گئی۔ تین چار دن کے اندر کیا سے کیا ہوگیا۔ بنا بنایا گھر اُجڑ گیا۔ جو راجا تھے وہ رَنک ہوگئے۔ جس دیوی کے بدولت اتنی اُمر (عمر) سُکھ سے کٹی وہ سنسار سے اٹھ گئیں۔ اب وہاں پیٹ کی روٹیوں کے سوا اور کیا رکھا ہے۔ نہ اُدھر ہی کچھ رہا، نہ اِدھر ہی کچھ رہا۔ دونوں لوک سے گئی۔ اُس کلمنھ (جس کا منھ کالا ہو (غصہ اور جھنجھلاہٹ ظاہر کرنے کے لیے) سادھو کا کہیں پتہ نہیں۔ نہ جانے کہاں لوپ ہوگیا۔ رنگا ہوا سِیار تھا۔ میں بھی اُس کے چھل میں آگئی۔ اب کِس کے بل پر کودوں۔ بیٹا بہو یوں ہی بات نہ پوچھتے تھے، اب تو ایک بوند پانی کو ترسوں گی۔ اب کس داوے (دعوے) سے کہوں گی، میرے نہانے کے لیے پانی رکھ دے، میری ساڑی چھانٹ دے۔ میرا بدن داب دے۔ کس داوے (دعوے) سے دَھونس جماؤں گی۔ سب روپے کے میت ہیں۔ دونوں جانتے تھے، اماّں کے پاس دھن ہے۔ اِس لیے ڈرتے تھے، مانتے تھے، جس کل چاہتی تھی اُٹھاتی تھی، بیٹھاتی تھی۔ اُس دھوُرت

سادھو کو پاؤں تو سیکڑوں گالیاں سناؤں، منھ نوچ لوں۔ اب تو میری دشا اُس بلّی کی سی ہے جس کے پنجے کٹ گئے ہوں، اُس بچھوّ کی سی جس کا ڈنک ٹوٹ گیا ہو، اُس رانی کی سی جسے راجا نے آنکھوں سے گرا دیا ہو۔

چمپا : اماّں، چلو، رسوئی تیار ہے۔

گلابی : چلو بیٹی، چلتی ہوں۔ آج مجھے ٹھاکر صاحب کے گھر سے آنے میں دیر ہوگئی تمھیں بیٹھنے کا کشٹ ہوا۔

چمپا : (مَن میں) اماّں آج اتنے پیار سے کیوں باتیں کررہی ہیں، سیدھی بات منھ سے نکلتی ہی نہ تھی۔ (ظاہر) کچھ کسٹ نہیں ہوا، اماّں، کون ابھی تو نَو بجے ہیں۔

گلابی : بھرِگوناتھ نے بھوجن کرلیا ہے؟

چمپا: (من میں) کل تک تو اماّں پہلے ہی کھا لیتی تھیں، بیٹے کو پوچھتی تک نہ تھیں۔ آج کیوں اتنی کھاتر (خاطر) کررہی ہیں؟ (ظاہر) تم چل کر کھالو، ہم لوگوں کو تو ساری رات پڑی ہے۔

(گلابی رسوئی میں جاکر اپنے ہاتھوں سے پانی نکالتی ہے)

چمپا : تم بیٹھو اماّں، میں پانی رکھ دیتی ہوں۔

گلابی : نہیں بیٹی، مٹکا بھرا ہوا ہے، تمھاری آستین بھیک جائے گی۔

چمپا : (پنکھا جھلنے لگتی ہے) نمک تو جِیادا (زیادہ) نہیں ہوگیا؟

گلابی : پنکھا رکھ دو بیٹی، آج گرمی نہیں ہے۔ دال میں جرا نمک جیادا ہوگیا ہے۔ لاؤ تھوڑا سا پانی ملا کر کھالوں۔

چمپا : میں بہت انداج (انداز) سے چھوڑتی ہوں، مگر کبھی کبھی کم و بیش ہوہی جاتا ہے۔

گلابی : بیٹی، نمک کا انداج بڑھاپے تک ٹھیک نہیں ہوتا، کبھی کبھی دھوکھا ہو ہی جاتا ہے۔ (بھریگو آتا ہے) آؤ بیٹا، کھانا کھالو۔ دیر ہورہیَ ہے۔ کیا ہوا کنچن سنگھ کے یہاں جواب مل گیا؟

بھریگو : (من میں) آج اماں کی باتوں میں کچھ پیار بھرا ہوا جان پڑتا ہے۔ (ظاہر) نہیں اماں۔ سچ پوچھو تو آج ہی میری نوکری لگی ہے۔ ٹھاکر دُوارا بنوانے کے لیے مسالا جُٹانا میرا کام طے ہوا ہے۔

گلابی : بیٹا، یہ دھرم کا کام ہے، ہاتھ پاؤں سنبھال کر رہنا۔

بھریگو : دستوری تو چھوڑتا نہیں، اور کہیں ہاتھ مارنے کی گنجائش نہیں۔ ٹھاکر جی سیدھے سے دے دیں تو انگلی کیوں ٹیڑھی کرنی پڑے۔

(بھوجن کرنے بیٹھتا ہے)

چمپا : (بھریگو سے) کچھ اور لینا ہو تو لے لو، میں جاتی ہوں اماں کا بچھاون بچھانے۔

گلابی : رہنے دو بیٹی، میں آپ بچھا لوں گی۔

بھریگو : (چمپا سے) یہ آج دل میں نمک کیوں جھونک دیا؟ نتیہ (روز) یہی کام کرتی ہو، پھر بھی تمیج (تمیز) نہیں آتی؟

چمپا : جیادا ہو گیا، ہاتھ ہی تو ہے۔

بھریگو : شرم نہیں آتی، اوپر سے ہیکڑی کرتی ہو۔

گلابی : جانے دو بیٹا، انداج نہ ملا ہوگا۔ میں تو رسوئی بناتے بناتے بڈھی ہو گئی، لیکن کبھی کبھی نمک گھٹ بڑھ جاتا ہی ہے۔

بھریگو : (من میں) اماں آج کیوں اتنی ملائم ہو گئی ہیں۔ شاید ٹھاکروں کا پتن (زوال) دیکھ کر اِن کی آنکھیں کھُل گئی ہیں۔ یہ اگر اِسی طرح پیار سے باتیں کریں تو ہم لوگ تو اِن کے چرن دھودھو کر پئیں۔ (ظاہر) میں تو کسی طرح کھالو گا، پر تم تو نہ کھا سکو گی۔

گلابی : کھا لیا بیٹا، ایک دن جرا نمک جیادا ہی سہی۔ دیکھو بیٹی، کھاپی کر آرام سے سو رہنا، میرا بدن دابنے مت آنا۔ رات اُدھک ہو گئی ہے۔

چمپا : (من میں) آج تو ایسا جی چاہتا ہے کہ اِن کے چرن دھو کر پیئوں۔ اِسی طرح روج رہیں تو پھر یہ گھر سورگ ہو جائے۔ (ظاہر) جرا بدن دَبا دینے سے کون بڑی بات نکل جائے گی۔

گلابی : (من میں) آج کتنے پریم سے بہو میری سیوا کر رہی ہے۔ نہیں تو ذرا ذرا سی بات پر ناک بھوں سکوڑا کرتی تھی۔ (ظاہر) جی چاہے تو تھوڑی دیر کے لیے آجانا، تمھیں پریم ساگر سناؤں گی۔

(چیتن داس کا داخلہ)

گلابی : (تعجب سے) مہاراج، آپ کہاں چلے گئے تھے؟ میں دن میں کئی بار آپ کی کٹی پر گئی۔

چیتن داس : آج میں ایک کاریہ وش (کام کے سبب) باہر چلا گیا تھا۔ اب ایک مہان تیرتھ پر جانے کا وِچار ہے۔ اپنا دھن لے لو، گن لینا، کچھ نہ کچھ اُدھک (زیادہ) ہی ہوگا۔ میں وہ منتر بھول گیا جس سے دھن دُونا ہوجاتا تھا۔

گلابی : (چیتن داس کے پیروں پر گرکر) مہاراج، بیٹھ جائیے، آپ نے یہاں تک آنے کا کشٹ کیا ہے، کچھ بھوجن کر لیجیے۔ کرتارتھ (مرادمند، کامیاب) ہو جاؤں گی۔

چیتن : نہیں ماتاجی، مجھے وِلمب (تاخیر) ہوگا۔ مجھے آگیا دو اور میری یہ بات دھیان سے سنو۔ آگے کسی سادھو مہاتما کو اپنا دھن دُونا کرنے کے لیے مت دینا نہیں تو دھوکا کھاؤگی۔ (چمپا اور بھریگو آکر چیتن داس کے چرن چھوتے ہیں) ماتا، تیرے پُتر اور وَدھو بہت سُشیل (خوش خلق، نیک چلن) دِکھتے ہیں۔ پرماتما اِن کی رکشا کریں۔ تو بھول جا کہ میرے پاس دھن ہے۔ دَھن کے بس سے نہیں، پریم کے بل سے اپنے گھر میں شاسن کر۔

(چیتن داس کا پرستھان)

پانچواں منظر

[استھان — سوامی چیتن داس کی کُٹی، سَمے — رات، چیتن داس گنگاتٹ پر بیٹھے ہیں۔]

چیتن : (آپ ہی آپ) میں ہتیارا ہوں، پاپی ہوں، دھورت ہوں۔ میں نے سَرل پرانیوں کو ٹھگنے کے لیے یہ بھیش بنایا ہے۔ میں نے اِسی لیے یوگ کی کِرپائیں سیکھیں، اِسی لیے ہِپناٹزم سیکھا، میرا لوگ کتنا سمّان، کتنی پرتِشٹھا کرتے ہیں۔ پُروش مجھ سے دھن مانگتے ہیں، استریاں مجھ سے سنتان مانگتی ہیں۔ میں ایشور نہیں کہ سب کی مُرادیں پوری کرسکوں تِس پر بھی لوگ میرا پنڈ نہیں چھوڑتے۔ میں نے کتنے گھر تباہ کیے، کتنی ستی استریوں کو جال میں پھنسایا، کتنے نشچھل (سیدھے سادے، معصوم) پُروشوں کو چکما دیا۔ یہ سب سوانگ کیول سکھ بھوگ کے لیے، مجھ پر دھکار ہے! پہلے میرا جیون کتنا پوِتر تھا۔ میرے آدرش کتنے اونچے تھے۔ میں سنسار سے وِرکت (بیزار، متنفر) ہوگیا۔ پر سوارتھی (خود غرض) سنسار نے مجھے کھینچ لیا۔ میری اتنی مان پرتشٹھا تھی کہ میں پاکھنڈی ہوگیا، نَر سے پشاچ (بھوت، بدچلن) ہوگیا۔ ہاں، میں پشاچ ہوگیا۔ ہاں! میرے کُکرم مجھے چاروں اور سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اُن کے سوروپ کتنے بھینکر ہیں۔ وہ مجھے نگل جائیں گے۔ بھگوان مجھے بچاؤ! وہ سب اپنے منھ کھولے میری اور لپکے چلے آتے ہیں۔ (آنکھیں بند کرلیتے ہیں) گیانی! ایشور کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ کتنا وِکرال (خوفناک) سوروپ ہے۔ تیرے مُکھ سے جوالا نکل رہی ہے۔ تیری آنکھوں سے آگ کی لپٹیں آرہی ہیں۔ میں جل جاؤں گا۔ بھسم ہوجاؤں گا۔ تو کیسی سندری تھی۔ کیسی کوملانگی تھی! تیرا یہ رودر (ہولناک، تُند) روپ نہیں، تو وہ ستی نہیں، وہ کمل کی سی آنکھیں، وہ پُشپ کے سے کپول (رخسار، گال) کہاں ہیں۔ نہیں، یہ میرے اَدھرموں کا، میرے دُش کرموں (بُرے

کاموں) کا مورتی مان (مجسم، مشکل) سوروپ ہے، میرے دُش کرموں نے یہ پیشاچک روپ دھارن کیا ہے۔ یہ میرے ہی پاپوں کی جوالا ہے۔ کیا میں اپنے ہی پاپوں کی آگ میں جلوں گا؟ اپنے ہی بنائے ہوئے نرک میں پڑوں گا؟ (آنکھیں بند کرکے ہاتھوں سے ہٹانے کی کوشش کرکے) نہیں، میں ایشور کی سپتھ کھاتا ہوں، اب کبھی ایسے کرم نہ کروں گا۔ مجھے پران دان دے۔ آہ، کوئی وِنے نہیں سنتا۔ ایشور، میری کیا گتی (حالت) ہوگی۔ میں اِس پشاچنی کے مُکھ کا گراس (لقمہ) بنا جارہا ہوں۔ یہ دَیاشونیہ (رحم سے عاری، بے رحم)، ہردے شونیہ (دل سے محروم، بے رحم) راکشسی مجھے نگل جائے گی۔ بھگوان! کہاں جاؤں، کہاں بھاگوں! ارے رے .... جلا ....

(دوڑ کر ندی میں کوُد پڑتا ہے، اور ایک بار پھر اوپر آکر نیچے ڈوب جاتا ہے)

چھٹا منظر

[استھان — مدھوبن، سَمے — ساوَن کا مہینہ، پُوجا کی اُتسو (تقریب)، برھم بھوج، راجیشوری اور سلونی گاؤں کی دوسری عورتوں کے ساتھ گہنے کپڑے پہنے پوجا کرنے جارہی ہیں۔]

گیت

جے جگدیشوری مات سرسوتی، سَرناگت پَرتی پالن ہاری
چندر جوت سے بدن براج، سیس مُکٹ مالا گل دھاری ۔ جے ....
بینا بام انگ میں سوہے، سام گیت دُھن مدُھر پیاری ۔ جے ....
شوِیت بس کماسن سُندر، سنگ سکھی اَرو ہنس سواری۔ جے ....

سلونی : (دیوی کے پوجا کرکے راجیشوری سے) آ تیرے گلے میں مالا ڈال دوں، تیرے

ماتھے پر بھی ٹیکا لگا دوں۔ تو بھی ہماری دیوی ہے۔ میں جیتی رہی تو اِس گاؤں میں تیرا مندر بنواکر چھوڑوں گی۔

ایک بزرگ عورت : ساکشات (مجسم) دیوی ہے۔ اس کے کارن ہمارے بھاگ جاگ گئے، نہیں تو بے گار بھرنے اور رو رو کر دن کاٹنے کے سوا اور کیا تھا۔

سلونی : (راجیشوری سے) کیوں بیٹی، تو نے وہ وِدّا کہاں پڑھی تھی۔ دَھنیَ (قابل مبارک باد) ہے تیرے مائی باپ، جن کے کوکھ سے تو نے جنم لیا۔ میں تجھے نتیہ کوستی تھی، کُل کلنکنی کہتی تھی۔ کیا جانتی تھی کہ تو وہاں سب کے بھاگ سنوار رہی ہے۔

راجیشوری : کاکی، میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ ہوا ایشور کی دیا سے ہوا۔ ٹھاکر سبل سنگھ دیوتا ہیں۔ میں تو اُن سے اپنے ایمان کا بدلہ لینے گئی تھی۔ من میں ٹھان لیا تھا کہ اُن کے کُل کا سروناش کرکے چھوڑوں گی۔ اگر تمھارے بھتیجے نے اُن کی جان نہ بچالی ہوتی تو آج کوئی کُل میں پانی دینے والا بھی نہ رہتا۔

سلونی : ایشور کی لیلا اَپار (بے کنار، بہت زیادہ) ہے۔

راجیشوری : گیانی دیوی نے اپنے پران دے کر ہم سبھی کو اُبار لیا۔ اِس شوک نے ٹھاکر صاحب کو وِرکت کردیا۔ کوئی دوسرا سمجھتا، بلا سے مرگئی، دوسرا بیاہ کرلیں گے، سنسار میں کون لڑکیوں کی کمی ہے۔ لیکن اُن کے من میں دَیا اور دھرم کی جوت چمک رہی تھی۔ گلانی اُتپنَ ہوئی کہ میں نے اِس کُمارگ (بڑا راستہ) پر پیر نہ رکھا ہوتا تو یہ دیوی کیوں لجّا اور شوک سے آتم ہتّیا کرتی۔ اُن کے من نے کہا، تمھیں ہتّیارے ہو، تمھیں نے اس کی گردن پر چھری چلائی ہے۔ اِسی گلانی کی دَشا میں اُن کو وِدِت ہوا کہ ان ساری وِپتّیوں کا مؤل کارن میری سمپتّی ہے۔ یہ نہ ہوتی تو میرا مَن اتنا چنچل نہ ہوتا۔ ایسی سمپتّی ہی کیوں نہ تیاگ دوں جس سے ایسے ایسے اَنرتھ ہوتے ہیں۔ میں تو

بکھانوں گی اُس دُدھ منھے اچل سنگھ کو جو ٹھاکر صاحب کے منہ سے بات نکلتے ہی سب کوٹھی، محل، باگ بگیچہ تیاگنے پر تیار ہوگیا۔ اُن کے چھوٹے بھائی کنچن سنگھ پہلے ہی بھگود بھجن میں مگن رہتے تھے۔ اُن کی ابھِلاشا ایک ٹھاکر دوارا اور ایک دھرم شالا بنوانے کی تھی۔ راج بھون کھالی (خالی) ہوگیا۔ اُسی کو دھرم شالا بنائیں گے۔ گھر میں سب مِلا کر کوئی پچاس ساٹھ ہجار نکد (نقد) روپے تھے۔ ہواگاڑی، ٹمٹن، گھوڑے، لکڑی کے سامان، جھاڑفانوس، پلنگ، مسہری، کالین (قالین)، دری، اِن سب چیجوں (چیزوں) کے بیچنے سے پچیس ہجار مل گئے، دس ہجار کے گیانی دیوی کے گہنے تھے۔ وہ بھی بیچ دیے گئے۔ اس طرح سب جوڑ کر ایک لاکھ روپے ٹھاکر دوارا کے لیے جما (جمع) ہوگئے۔ ٹھاکر دوارے کے پاس ہی گیانی دیوی کے نام کا ایک پکّا تالاب بنے گا۔ جب کوئی لوبھ ہی نہ رہ گیا تو جمینداری رکھ کر کیا کرتے۔ سب جمین اَسامیوں کے نام درج کراکے تیرتھ یاترا کرنے چلے گئے۔

سلونی : اور اَچل سنگھ کہاں گیا؟ میں تو اُسے دیکھ لیتی تو چھاتی سے لگا لیتی۔ لڑکا نہیں ہے بھگوان کا اوتار ہے۔

ایک عورت : اُس کے چرن دھوکر پینا چاہیے۔

راجیشوری : گروکُل میں پڑھنے چلا گیا۔ کوئی نوکر بھی ساتھ نہیں لیا۔ اب اکیلے کنچن سنگھ رہ گئے ہیں۔ وہ ٹھاکر دوارا بنوا رہے ہیں۔

سلونی : اچھا اب چلو، ابھی دس من کی پوریاں بیلنی ہیں۔

(سب عورتیں گاتی ہوئی واپس ہوتی ہیں، لکشمی کی حمد کرتی ہوئی جاتی ہیں)

پھتو : چلو، چلو، کڈاہ (کڑاہ) کی تیاری کرو۔ رات ہوئی جاتی ہے۔ ہلدھر دیکھو، دیر نہ ہو، میں جاتا ہوں مولوُد سرید کا انتجام کرنے۔ فرس (فرش) اور سامیانا (شامیانہ) آگیا۔

ہلدھر : تم اُدھر تھے، اِدھر تھانیدار آئے تھے ٹھاکر سبل کی کھوج میں۔ کہتے تھے اُن کے نام وارنٹ ہے۔ میں نے کہہ دیا اُنھیں جاکر سُورگ دھام میں تلاس کرو۔ مگر یہ تو آنے کا بہانہ تھا۔ اَصل میں آئے تھے نُجر (نذر) لینے۔ میں نے کہا، نجر تو دیتے نہیں، ہاں ہجاروں روپے کھیرات (خیرات) ہورہے ہیں، تمھارا جی چاہے تم بھی لے لو۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ یہ سُن کر اپنا سا منھ لے کے چلا جائے گا لیکن اس محکمے والوں کو حیا نہیں ہوتی، تُرنت ہاتھ پھیلا دیے۔ آکھر میں نے 25 روپے ہاتھ پر رکھ دیے۔

پھتّو : کچھ بولا تو نہیں؟

ہلدھر : بولتا کیا، چپکے سے چلا گیا۔

پھتّو : گانے والے آگئے؟

ہلدھر : ہاں، چوپال میں بیٹھے ہیں، بُلاتا ہوں۔

منگرو : (گاؤں کی طرف آکر) ہلدھر بھیا، سب کی صلاح ہے کہ تمھارا وِمان سجا کر نکالا جائے، وہاں سے لوٹنے پر گانا بجانا ہو۔

ہرداس : تمھاری بدولت سب کچھ ہوا ہے، تمھارا کچھ تو مہاتم (بڑائی) ہونا چاہیے۔

ہلدھر : میں نے کچھ نہیں کیا۔ سب بھگوان کی اِکشا ہے۔ جرا گانے والوں کو بُلا لو!

(ہرداس جاتا ہے)

منگرو : بھیّا، اب تو جمیندار کو مالگجاری نہ دینی پڑے گی؟

ہلدھر : اب تو ہم آپ ہی جمیندار ہیں، مالگجاری سرکار کو دیں گے۔

منگرو : تم نے کاکد دیکھ لیے ہیں؟ رجسٹری ہوگئی ہے؟

ہلدھر : میرے سامنے ہی ہوگئی تھی۔

(ہلدھر کسی کام سے چلا جاتا ہے، ہرداس گانے والوں کو بُلا لاتا ہے، وہ سب ساز ملانے لگتے ہیں)

منگرو : (ہرداس سے) اِس میں ہلدھر کا کون احسان ہے؟ ان کا بس ہوتا تو سب اپنے ہی نام چڑھوا لیتے۔

ہرداس : احسان کسی کا نہیں ہے۔ ایشور کی جو اِکشا ہوتی ہے وہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ
تو سمجھ رہے ہیں کہ میں ہی سب کا ٹھاکر ہوں۔ جمین پر پاؤں ہی نہیں
رکھتے۔ چندے کے روپے لے لیے، لیکن ہم سے کوئی صلاح تک نہیں
لیتے۔ پھتّو اور یہ دونوں جو جی چاہتا ہے کرتے ہیں۔

منگرو : دونوں کھاسی (خاصی) رکم (رقم) بنا لیں گے۔ دو ہجار چندا اُترا ہے۔ کھرچا
(خرچہ) واجبی ہی واجبی ہو رہا ہے۔

(گانا ہوتا ہے)

جگدیش سکل جگت کا تو ہی اُدھار ہے
بھومی، نیر، اَگن، پَون، سورج، چند، شَیل، گگن
تیرا کیا چودہ بھوَن کا پسا ہے۔ جگدیش ......
سُر،نر، پشو، جیو جنتو، جَل، تھل، چَر ہے اَننت
تیری رَچنا کا نہیں انت پار ہے۔ جگدیش ......
کروناندھی، وِشّو بھران، شرنا گت، تاپ ہَرن
سَت چِت سُکھ روپ سدا نرِوکار ہے۔ جگدیش ......
نرگن سب گُن نِدھان نِگماگم کرَت گان
سیوک نَمن کرت بار بار ہے۔ جگدیش ......

☆☆☆

نیاے

فہرست کردار

جیمس ہاؤ	سالسٹر (وکیل)
والٹر ہاؤ	جیمس ہاؤ کا بیٹا
رابرٹ کوکسن	ان کا مینجنگ کلرک
ولیم فالڈر	چھوٹا (جونیر) کلرک
سوئیڈل	آفس کا نوکر
وِسٹر	ڈِٹکٹیو (خفیہ پولیس)
کاوَلی	ایک کیشیر (خزانچی)
مسٹر جسٹس فلائیڈ	جج وِچارک (عدالت)
ہیرالڈ کلیور	پرانا ایڈووکیٹ (سرکاری وکیل)
ہیکٹر فروم	ایک یوَوک (نوجوان) وکیل
کیپٹن ڈانس. می. سی	ایک جیل کا ادھ یکش
ریورینڈ ہیو ملِر	ایک جیل کا پادری
ایڈورڈ کلیمنٹس	ایک جیل کا ڈاکٹر
وُڈر	پردھان واڈر
مونی، کلپٹن، اوکلیری	قیدی
رُتھ ہنی ول	ایک عورت

بیرسٹر گن (حضرات)، سالسٹر گن، دَرشک گن (تماشائی حضرات)، چوبدار، رپورٹر گن، جیوری مین، وارڈر گن اور قیدی گن۔

سمے	: ورتمان کال (زمانۂ حال)
انک (حصہ) 1	: جیمس اینڈ والٹر ہاؤ کا آفس
انک 2	: عدالت، دوپہر، اکتوبر
انک 3	: جیل، دسمبر
درشیہ (منظر) پہلا	: جیل کا آفس
درشیہ دوسرا	: جانے آنے کا راستہ
درشیہ تیسرا	: جیل کی کوٹھری
انک 4	: جیمس اینڈ والٹرہاؤ کا آفس، سویرا، مارچ، دو برس بعد کی گھٹنا

انک 1

درشیہ (منظر) پہلا

[جولائی ماس کا سویرا، جیمس اور والٹرہاؤ کے مینجنگ کلرک کا کمرہ ہے۔ کمرہ پرانے ڈھنگ کا مہوگنی کی پرانی کرسی اور میزوں سے سجا ہواہے، جن پر چمڑا لگا ہوا ہے۔ ٹین کے بکس اور علاقوں کے نقشے، قطاروں میں سجے ہیں۔ کمرے میں تین دروازے ہیں، جن میں دو دروازے بیچ دیوار میں پاس پاس ہیں۔ ان دروازوں میں ایک باہر کے دفتر میں جانے کا ہے۔ لکڑی اور کانچ کے پردے کی دیوار سے مینجر کا کمرہ اس باہری کمرے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ باہری کمرے میں جانے کا دروازہ کھولنے پر ایک چوڑا دروازہ اور دکھائی دیتا ہے جہاں سے نیچے اترنے کی سیڑھیاں ہیں۔ بیچ کے دو دروازوں میں دوسرا دروازہ چھوٹے کلرک کے کمرے میں جاتا ہے۔ تیسرا دروازہ مالکوں کے کمرے میں جانے کا ہے۔

مینجنگ کلرک کوکسن بیٹھے ہوئے میز پر رکھی ہوئی پاس بک کے انکوں (عدد) کو جوڑ رہے ہیں اور اپنے ہی آپ انکوں کو دہراتے بھی جاتے ہیں۔ ان کی عمر ساٹھ ورش کی ہے۔ چشمہ لگائے ہوئے ہیں۔ قد کے ٹھگنے ہیں، سر گنجا ہے۔ ٹھڈی کچھ آگے کو اٹھی ہوئی ہے، جس سے نیت کی صفائی جھلک رہی ہے۔ ایک پرانا کالا کوٹ اور دھاری دار پتلون پہنے ہوئے ہیں۔]

کوکسن : سات اور پانچ بارہ، اور تین پندرہ، انیس، تیئیس، بتیس، اکتالیس، حاصل آئے چار۔

(پرسٹھ (صفحہ) پر ایک نشان لگا کر اسی پرکار (طرح) اُچارن (تلفظ) کرتا جاتا ہے)

پانچ، سات، بارہ، سترہ، چوبیس اور نو تینتیس، تیرہ، حاصل آیا ایک۔

(پھر نشان لگاتا ہے۔ باہر کے کمرے کا دروازہ کھلتا ہے، اور آفس کا اردلی سوئیڈل دروازے کو بند کرتا ہوا بھیتر (اندر) آتا ہے۔ اسکی اَوستھا 16/ سال کی ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ پیلا اور بال کھڑے ہیں)

جھنجھلا کر ایسی درِشٹی (نظر) سے دیکھتا ہے مانو کہہ رہا ہو کہ تم کیا کرنے آئے ہو؟)

اور حاصل آیا ایک۔

سوئیڈل : فالڈر کو کوئی پوچھ رہا ہے۔

کوکسن : پانچ، نو، سولہ، اکیس، انتیس اور حاصل آئے دو۔ اسے مارِس کے مکان پر بھیج دو۔ نام کیا ہے؟

سوئیڈل : ہنی وِل!

کوکسن : چاہتا کیا ہے؟

سوئیڈل : عورت ہے۔

کوکسن : شریف عورت ہے؟

سوئیڈل : نہیں، معمولی ہے۔

کوکسن : اسے بھیتر بلا لو۔ یہ پاس بُک مسٹر جیمس کے پاس لے جاؤ۔

(پاس بُک بند کرتا ہے)

سوئیڈل : (دروازہ کھول کر) ذرا آپ اندر چلی آئیں۔

(رُتھ ہنی وِل بھیتر آتی ہے۔ اس کی اَوستھا (عمر) چھبیس برس کی ہے۔ قد لمبا، آنکھیں اور بال کالے ہیں۔ چہرہ سُگٹھت، سڈول اور ہاتھی دانت سا سفید ہے۔ اس کے کپڑے سادے ہیں۔ وہ بالکل چپ چاپ کھڑی ہے۔ اس کے انداز اور رنگ ڈھنگ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی اچھے گھر کی ہے)

(سوئیڈل پاس بُک لے کر مالکوں کے کمرے کی طرف چلا جاتا ہے)

کوکسن : (گھوم کر رُتھ کی طرف دیکھتے ہوئے) وہ ابھی باہر گیا ہے۔

(سندیہہ (شک) کے ساتھ)

آپ اپنا مطلب کہیے۔

رُتھ : (بے دھڑک ہوکر) جی ہاں، کچھ اپنا کام ہے۔

کوکسن : یہاں نجی کام سے کوئی نہیں آنے پاتا۔ آپ چاہیں تو اسے کچھ لکھ کر رکھ جائیں۔

رُتھ : نہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔

(وہ اپنی کالی آنکھوں کو سکوڑ کر کٹاکش (ادا) سے ان کی طرف دیکھتی ہے)

کوکسن : (پھول کر) یہ بالکل نیم کے وِرُودھ (قاعدے کے خلاف) ہے۔ مان لیجیے میرا ہی کوئی مِتر یہاں مجھ سے ملنے آئے۔ یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔

رُتھ : جی نہیں، ٹھیک ہے؟

کوکسن : (کچھ چکرا کر) ہاں کہتا ہوں، اور تم تو یہاں ایک چھوٹے کلرک سے ملنا چاہتی ہو؟

رُتھ : جی ہاں، مجھے اس سے بہت ہی ضروری کام ہے۔

کوکسن : (اس کی طرف پوری طرح منہ پھیر کر، کچھ برا مان کر) لیکن یہ وکیل کا دفتر ہے۔ تم اس کے گھر پر جاکر ملو۔

رُتھ : وہاں تو وہ تھا ہی نہیں۔

کوکسن : (چِنتِت (متفکر) ہوکر) کیا تمھارا اس سے کچھ رشتہ ہے؟

رُتھ : جی نہیں۔

کوکسن : (دُوِدھا (تذبذب) میں پڑ کر) میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں؟ یہ کوئی دفتر کا کام تو ہے نہیں۔

رُتھ : لیکن میں کروں تو کیا کروں؟

کوکسن : واہ! یہ میں کیا جانوں؟

(سوئیڈِل لوٹ آتا ہے، اور اس کمرے سے کوکسن کی طرف کوتوہل (رازدارانہ نگاہ) سے گھورتا ہوا کمرے میں چلے جاتا ہے۔ جاتے سمے دروازے کو ساودھانی (ہوشیاری) کے ساتھ دو ایک انچ کھلا چھوڑ جاتا ہے)

کوکسن : (اس کی درشتی سے ہوشیار ہوکر) ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ نہیں جانتی ہیں۔ ایسا کسی طرح نہیں ہوسکتا! مان لو ایک مالک ہی آجائیں تو؟

(باہری کمرے کے باہری دروازے سے رہ رہ کر کنڈی کا کھٹکنا اور ہنسنا سنائی دیتا ہے)

سوئیڈل : (دروازے کے بھیتر سر ڈال کر) یہاں باہر کچھ بچے کھڑے ہیں۔

رُتھ : جی، وہ میرے بچے ہیں۔

سوئیڈل : میں انھیں دیکھتا رہوں؟

رُتھ : یہ تو بالکل چھوٹے بچے ہیں۔

(کوکسن کی طرف ایک قدم بڑھاتی ہے)

کوکسن : تمھیں دفتر کے گھنٹوں میں اس کا سمے نشٹ (برباد) نہ کرنا چاہیے۔ یوں ہی ہمارے یہاں ایک کلرک کی کمی ہے۔

رُتھ : مرنے جینے کا سوال ہے جی۔

کوکسن : (پھر کان کھڑے کرکے) مرنے جینے کا؟

سوئیڈل : یہ فالڈر صاحب آگئے۔

(فالڈر باہر کے کمرے سے بھیتر آتا ہے۔ اس کا چہرہ پیلا ہے، دیکھنے میں اچھا ہے۔ اس کی آنکھیں تیز اور سہمی ہوئی ہیں۔ وہ کلرک کے کمرے کی طرف بڑھتا ہے اور وہاں ہچکچاتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے)

کوکسن : خیر، میں تمھیں ایک منٹ دے سکتا ہوں۔ لیکن یہ نیَم وِرُدھ ہے۔

(وہ کاغذوں کا ایک پلندہ اٹھا کر مالکوں کے کمرے میں گھس جاتا ہے)

رُتھ : (دھیمی، گھبرائی ہوئی آواز سے) وہ پھر پینے لگا، بلِ۔ کل رات کو اس نے میرا گلا کاٹنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے جاگنے کے پہلے ہی میں بچوں کو لے کر بھاگ آئی ہوں۔ میں تمھارے گھر گئی تھی۔

فالڈر : میں نے ڈیرہ بدل دیا ہے۔

رُتھ : آج رات کے لیے سب تیاری ہوگئی ہے نا؟

فالڈر : میں ٹکٹ لے آیا ہوں۔ ٹکٹ گھر کے پاس مجھ سے پونے بارہ بجے ملنا۔ ایشور کے لیے بھول مت جانا کہ ہم استری پُروش ہیں۔

(اس کی طرف اسثِھر اور بِراش نیتروں (حسرت ناک نگاہوں) سے دیکھتے ہوئے)

رُتھ : تم جانے سے ڈر تو نہیں رہے ہو؟

فالڈر : کیا اپنا اور بچوں کا سامان تم نے ٹھیک کرلیا ہے؟

رُتھ : نہیں، سب چھوڑ آئی ہوں! مجھے ہنی وِل کے جگ جانے کا بھئے (ڈر) تھا۔ بس ایک بیگ لے کر چلی آئی ہوں۔ میں اب گھر کے پاس تک نہیں جاسکتی۔

فالڈر : (ہکا بکا ہوکر) وہ سب روپیہ یوں ہی برباد گیا! کم سے کم کتنے روپے ہوں تو تمھارا کام چل جائے؟

رُتھ : چھ پاؤنڈ۔ میرے خیال سے اتنے میں کام چل جائے گا۔

فالڈر : دیکھو، ہمارے جانے کی خبر کسی کو نہ ہو۔

(مانو کچھ اپنے ہی آپ سے)

وہاں جاکر میں یہ سب بھلا دینا چاہتا ہوں۔

رُتھ : اگر تمھیں کھید (افسوس) ہورہا ہو تو رہنے دو۔ مجھے اس کے ہاتھ سے مر جانا منظور ہے۔ پرنتو (لیکن) تمھاری مرضی کے خلاف تمھیں نہ لے جاؤں گی۔

فالڈر : (ایک عجیب ہنسی ہنس کر) ہمارا جانا تو رک نہیں سکتا۔ تمھیں پرواہ نہیں۔ میں تو تمھیں چاہتا ہوں۔

رُتھ : اب بھی وِچار (غور) کرلو، کیونکہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔

فالڈر : جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ یہ لو سات پاؤنڈ۔ یاد رکھنا ٹکٹ گھر کے پاس — پونے

بارہ بجے۔ رُتھ، یدی مجھے تم سے پریم نہ ہوتا۔

رُتھ : مجھے پیار کرو۔

(دونوں آدیگ (فرط شوق) کے ساتھ چپٹ جاتے ہیں، ٹھیک اسی ئے کوکسن کے آجانے سے وہ جھٹ الگ ہوجاتے ہیں۔ رُتھ باہر کے کمرے سے ہوکر چلی جاتی ہے۔ کوکسن گمبھیر بھاؤ (متفکرانہ انداز) سے سب سمجھتے ہوئے بھی دِڑھتا سے دھیرے دھیرے جاکر اپنی جگہ پر بیٹھتے ہیں)

کوکسن : یہ بات ٹھیک نہیں ہے، فالڈر۔

فالڈر : پھر ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

کوکسن : اس جگہ یہ بالکل مناسب نہیں۔

فالڈر : ہاں، ٹھیک ہے۔

کوکسن : تم خود سمجھ سکتے ہو۔ میں نے کیول (صرف) اس لیے آنے دیا کہ وہ دکھی تھی، اور اس کے ساتھ بچے تھے۔

(میز کی دراز سے ایک پُستک نکال کر دیتے ہوئے)

لو اسے پڑھنا۔ گھر کی پوِتّرتا (پاکیزگی)، بڑے اچھے ڈھنگ سے لکھی گئی ہے۔

فالڈر : (ایک عجیب مُنہ بناکر اسے لیتے ہوئے) دھنیّ واد (شکریہ)!

کوکسن : اور سنو فالڈر، والٹر صاحب آتے ہی ہوں گے۔ کیا تم نے یہ سُوچی (فہرست) پوری کرلی جو ڈیوِس جانے سے پہلے کررہا تھا؟

فالڈر : جی، میں کل اسے بالکل پوری کردوں گا۔ نِشچے (یقیناً)

کوکسن : ڈیوڈ کو گئے ایک ہفتہ ہوگیا۔ دیکھو فالڈر، ایسے کام نہیں چلے گا۔ تم نجی جھگڑوں میں پڑکر دفتر کے کاموں میں لاپرواہی کررہے ہو۔ میں اس عورت کے آنے کی بات تو کسی سے نہ کہوں گا۔ لیکن ......

فالڈر : (اپنے کمرے میں جاتے ہوئے) بڑی دَیا (رحم) ہے۔

(کوکسن اس دروازے کی طرف گھورتا ہوا، جس میں سے ہوکر فالڈر گیا ہے، پھر ایک بار سر ہلا کر کچھ لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس سَمے باہر کمرے

سے والٹرہاؤ آتا ہے۔ اس کی عمر پینتیس برس کی ہوگی۔ صورت بھلے مانسوں کی سی ہے۔ آواز میٹھی اور نرم ہے)

والٹر : گڈ مارننگ، کوکسن!

کوکسن : گڈ مارننگ، مسٹر والٹر!

والٹر : لبّا جان؟

کوکسن : (بڑپّن جتاتے ہوئے، مانو ایسے یووَک سے باتیں کررہا ہو، جو اپنے کام میں جی نہ لگاتا ہو) مسٹر جیمس تو ٹھیک گیارہ بجے آگئے ہیں۔

والٹر : میں تصویر دیکھنے گِلڈ ہال چلا گیا تھا۔

کوکسن : (اس پرکار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مانو اس نے ٹھیک اسی اُتّر (جواب) کی آشا کی ہو) دیکھ آئے آپ؟ ہاں، یہ بولٹر کا پٹّا ہے۔ کیوں اسے وکیل کے پاس بھیج دوں؟

والٹر : لبّا جان کیا کہتے ہیں؟

کوکسن : ان سے پوچھنا وِیَرتھ (بے کار) ہے۔

والٹر : مگر ہمیں بہت ہوشیار رہنا چاہیے۔

کوکسن : بالکل ذرا سی تو بات ہے۔ مشکل سے مہنتا نے بھرکا بھی نہ ہوگا۔ میں سمجھتا تھا آپ خود ہی اسے کرلیں گے۔

والٹر : نہیں، آپ بھیج ہی دیں۔ میں ذمہ داری اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔

کوکسن : (ایسے دَیابھاؤ (ترحمانہ انداز) سے جو شبدوں (لفظوں) میں نہیں پرکٹ (ظاہر) کیا جاسکتا) جیسی آپ کی اِکشا (خواہش یا مرضی) اور یہ راستے کے حق والا جو معاملہ ہے، اس کی سب لکھا پڑھی ہوگئی ہے۔

والٹر : میں جانتا ہوں۔ لیکن صاف صاف تو ان کی منشا یہی معلوم ہوتی ہے کہ شرکت کی زمین کو الگ کردیا جائے۔

کوکسن : ہمیں اس سے کیا مطلب، ہم قانون سے باہر نہیں ہیں۔

والٹر : میں اسے پسند نہیں کرتا۔

کوکسن : (سدبھاؤ (شفقت) سے مسکرا کر) ہم قانون کے خلاف نہیں جاسکتے۔ آپ کے پتاجی بھی ایسے کاموں میں سَمے نشٹ کرنا پسند نہ کریں گے۔

(ٹھیک اسی سَمے جیمس ہاؤ مالکوں کے کمرے میں سے ہوکر بھیتر آتے ہیں۔ وہ ٹھگنے ہیں۔ سفید گل مچھے ہیں۔ سر کے بال گھنے اور سفید ہیں۔ آنکھوں سے ہوشیاری ٹپکتی ہے۔ سونے کا کمانی دار چشمہ ناک پر لگا ہے)

جیمس : گڈ مارننگ، والٹر!

والٹر : آپ کا مزاج کیسا ہے، ابّا جان؟

کوکسن : (اپنے ہاتھ کے کاغذوں کو ناک کے نیچے سے اس طرح دیکھتا ہوا، مانو ان کے آکار کو تُچھ سمجھ رہا ہو) میں بولٹر کے پٹّے کو فالڈر کو دیے آتا ہوں کہ اس بارے میں ہدایت تیار کردے۔

(فالڈر کے کمرے میں جاتا ہے)

والٹر : اس راستے کے حق والے معاملے میں کیا ہوگا؟

جیمس : ہاں، ہم کو وہاں جانا پڑے گا۔ مجھے یاد آتا ہے تم نے کہا تھا نہ، کہ فرم کا روکڑ چار سو کے کچھ اوپر ہے؟

والٹر : ہاں، ہے تو۔

جیمس : (پاس بُک بیٹے کی طرف بڑھا کر) تین، پانچ، ایک — اور حال کا تو کوئی چیک ہے ہی نہیں۔ ذرا وہ چیک بُک نکال تو لاؤ۔

(والٹر ایک الماری کی دراز کھول کر چیک بُک لاکر دیتا ہے)

جیمس : مثنّوں میں پونڈ پر نشان لگاتے جاؤ۔ پانچ، چون، سات، پانچ، اٹھائیس، بیس، نوّے، گیارہ، باون، اکہتر، ملتے ہیں نہ؟

والٹر : (سر ہلا کر) کچھ سمجھ میں ہیں نہیں آتا، میں نے تو اچھی طرح دیکھ لیا تھا، چار سو سے اوپر تھے۔

جیمس : لاؤ مجھے تو دو۔

(چیک بک لے کر منّوں کو اچھی طرح جانچتا ہے)

دیکھو تو یہ نوّے کیسا ہے؟

والٹر : اسے کس نے منگایا؟

جیمس : تم نے۔

والٹر : (چیک بک لے کر) جولائی/7 کو لکھا گیا ہے؟ ہاں، اس دن میں ٹرینٹن کا علاقہ دیکھنے گیا تھا۔ شکروار (جمعہ) کو میں گیا تھا اور منگل وار کو واپس آیا تھا۔ آپ کو تو یاد ہوگا۔ لیکن دیکھیے، ابا جان، میں نے نو پونڈ کا چیک بھنایا تھا۔ پانچ گنّی اسمتھر کو دیا۔ باقی سب میرے خرچ میں آیا۔ ہاں، کیول (صرف) آدھا کراؤن بچا تھا۔

جیمس : (گمبھیر بھاؤ (سنجیدگی) سے) اس نوے پونڈ والے چیک کو دیکھنا چاہیے۔

(پاس بک کے پاکٹ میں سے چیک کو ڈھونڈ نکالتا ہے)

ٹھیک تو معلوم ہوتا ہے۔ یہاں نو تو کہیں نہیں ہے۔ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس نو پونڈ کے چیک کو کس نے بھنایا تھا؟

والٹر : (پریشانی اور دکھ کے ساتھ) لائیے دیکھوں، میں مسز ریڈی کی وصیت لکھ رہا تھا۔ اُتنا ہی سمے ملا تھا۔ یاد آگیا، ہاں میں نے کوکسن کو دیا تھا۔

جیمس : ان اَکشروں (لفظوں) کو تو دیکھو۔ کیا تم نے لکھا تھا؟

والٹر : (وچار کر) اَکشر (لفظ) پیچھے کی طرف کچھ گھوم جاتا ہے۔ لیکن یہ تو نہیں گھومتا۔

جیمس : (کوکسن اسی سمے فالڈر کے کمرے سے نکل کر آتا ہے) اس سے پوچھنا چاہیے۔ کوکسن ذرا ادھر آکر سوچو تو صحیح۔ کیا تمھیں یاد ہے، گئے شکروار کو مسٹر والٹر نے تمھیں ایک چیک بھنانے کے لیے دیا تھا؟ یہ وہی دن ہے جس دن وہ ٹرینٹن گئے تھے۔

کوکسن : ہاں۔ نو پونڈ کا چیک تھا۔

جیمس : ذرا دیکھو تو اِسے؟

(چیک اس کے ہاتھ میں دیتا ہے)

کوکسن : نہیں! نو پونڈ تھا، میرا کھانا اسی سمے آتا تھا۔ اور میں گرم گرم کھانا پسند کرتا ہوں اس لیے چیک کو میں نے ڈیوس کو دے دیا کہ جلد بینک چلا جائے۔ وہ گیا اور سب نوٹ ہی نوٹ لایا تھا۔ آپ کو تو یاد ہوگا۔ مسٹر والٹر! گاڑی کے بھاڑے کے لیے آپ کو کچھ ریزگاری کی درکار تھی!

(کچھ اَوگیا بھری دَیا کی درِشٹی (ایک قسم کی حقارت آمیز ترحم) کے ساتھ)

ادھر لایئے، ذرا میں تو دیکھوں۔ آپ شاید غلط چیک دیکھ رہے ہیں۔

(چیک بُک اور پاس بُک والٹر کے ہاتھ سے لے لیتا ہے)

والٹر : نہیں، ایسا نہیں ہے۔

کوکسن : (جانچ کر) بڑے اچمبھے (تعجب) کی بات ہے۔

جیمس : تم نے ڈیوس کو دیا تھا، اور اِدھر ڈیوِس سوموار کو اسٹریلیا کے لیے روانہ ہوگیا۔ دال میں کچھ کالا ہے، کوکسن!

کوکسن : (پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ) یہ تو پکا جال ہے۔ نہیں، نہیں، ضرور کچھ غلطی ہورہی ہے۔

جیمس : میرا بھی ایسا ہی خیال ہے۔

کوکسن : مجھے یہاں تیس سال ہوگئے، پر ایسا کبھی اس دفتر میں نہیں ہوا۔

جیمس : (چیک اور مثنیٰ کو دیکھتے ہوئے) کسی بڑے چالاک آدمی کا کام ہے۔ یہ تمھارے لیے چتاوَنی ہے والٹر، کہ اَنکوں کے بعد جگہ مت چھوڑا کرو۔

والٹر : (کچھ چڑھ کر) میں جانتا ہوں، لیکن اس دن میں بڑی جلدی میں تھا۔

کوکسن : (اَکسمات (اچانک)) میرے تو ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔

جیمس : مثنیٰ میں بھی اَنک بدلے ہوئے ہیں۔ بڑی استادی سے مال اڑایا ہے۔ ڈیوِس کون سے جہاز سے گیا ہے؟

کوکسن : 'سیٹی آف رَنگون' سے۔

جیمس : ہمیں تار دے کر اسے نیپلس میں گرفتار کرا دینا چاہیے۔ ابھی وہاں پہنچا نہ ہوگا۔

کوکسن : اس کی جوان بیوی کا کیا ہوگا۔ اس ڈیوس یُوَک کو میں بہت چاہتا ہوں۔ چھی! چھی! اس دفتر میں ایسی ....

والٹر : میں بینک جاکر خزانچی سے دریافت کروں؟

جیمس : (گمبھیر بھاؤ سے) اسے یہاں لے آؤ اور کوتوالی کو بھی ٹیلی فون کرو۔

والٹر : سچ مچ؟

(باہر کے کمرے سے ہوکر چلا جاتا ہے، جیمس کمرے میں ٹہلنے لگتا ہے۔ پھر ٹھہر کر کوکسن کی طرف دیکھتا ہے جو بے چینی سے پاجامے کے اوپر سے گھٹنے کو رگڑ رہا ہے)

جیمس : دیکھو کوکسن، چال چلن بڑی چیز ہے۔ ہے نہ؟

کوکسن : (چشمے کے اوپر سے اس کی طرف دیکھ کر) میں آپ کا ٹھیک مطلب سمجھ نہیں سکا۔

جیمس : تمھارا بیان اسے بالکل نہ جنچے گا۔ جو تمھیں نہیں جانتا ہے۔

کوکسن : آں۔ ہاں

(وہ ہنس پڑتا ہے اور پھر یکایک گمبھیر ہوکر کہتا ہے)

میں اس یوَک کے لیے بہت دُکھیت (دکھی) ہوں۔ مسٹر جیمس، مجھے اپنے لڑکے کے لیے بھی اس سے اَدِھک (زیادہ) دکھ نہ ہوتا۔

جیمس : بری بات ہے۔

کوکسن : سب کام ٹھیک چلتا ہو وہاں یکایک ایسی واردات ہو جائے! آفت ہے اور کیا۔ آج کھانا بھی نہ روچے گا۔

جیمس : ایں ...... یہاں تک نوبت پہنچ گئی؟

کوکسن : چنتا (فکر) میں ڈالنے والی بات ہے۔

(دھیرے سے)

وہ ضرور کسی لالچ میں پڑ گیا ہوگا۔

جیمس : اتنی جلدی نہیں، کوکسن۔ ابھی ان پر دوش (الزام) بھی تو نہیں ثابت ہوا ہے۔

کوکسن : اگر مجھے ایک مہینے کی تنخواہ نہ ملتی تو مجھے افسوس نہ ہوتا، مگر یہ تو ....

(سوچتا ہے)

جیمس : میں خیال کرتا ہوں وہ جلدی پہنچے گا۔

کوکسن : (خزانچی کے لیے سب سامان ٹھیک کر) پچاس گز بھی تو نہیں ہے یہاں سے ابھی ایک منٹ میں آپہنچتا ہے۔

جیمس : اس دفتر میں بے ایمانی! یہ سوچ کر میرے دل کو چوٹ لگتی ہے۔

(وہ مالکوں کے کمرے کی طرف جاتا ہے)

سوئیڈل : (آہستے سے آکر دھیرے دھیرے کوکسن سے) وہ پھر آ پہنچی۔ فالڈر سے شاید کچھ کہنا بھول گئی ہے۔

کوکسن : (یکایک چونک کر) ہیں؟ نہیں اَسمبھو (ناممکن) ہے! لوٹا دو اسے۔

جیمس : معاملہ کیا ہے؟

کوکسن : کچھ نہیں مسٹر جیمس، ایک نجی معاملہ ہے۔ چلو، میں خود چلتا ہوں۔

(جیمس کے مالک کے کمرے میں جاتے ہی وہ باہر کے دفتر میں آتا ہے)

دیکھو اب تم تنگ مت کرو، ابھی ہم کسی سے مل نہیں سکتے۔

رُتھ : جی! بہت اچھا!

(والٹر خزانچی کے ساتھ جاتا ہے، اور رُتھ کے بگل سے ہوکر نکلتا ہے، رُتھ بھی اسی سَمے باہر کے کمرے میں چلی جاتی ہے)

کوکسن : (خزانچی سے، جو دیکھنے میں، گھوڑ سوار پلٹن کا ایک آلسی (کاہل) سپاہی سا معلوم ہوتا تھا)

گڈ مارننگ۔

(والٹر سے)

آپ کے ابا جان کہاں ہیں؟

(والٹر مالکوں کے کمرے کی طرف چلا جاتا ہے)

کوکسن : مسٹر کاؤلی۔ بات تو چھوٹی ہے پر ہے بڑی بھدی۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اس کے لیے آپ کو کشٹ دینا پڑا۔

کاؤلی : مجھے وہ چیک خوب یاد ہے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔

کوکسن : خیر، آپ بیٹھیے تو۔ میں ایسا آدمی تو نہیں ہوں کہ ذرا سی بات میں گھبرا جاؤں، لیکن اس طرح کا معاملہ ایسی جگہ میں ہوجائے، یہ تو ٹھیک نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ لوگ سچے دل سے خوشی خوشی کام کریں۔

کاؤلی : ٹھیک ہے۔

کوکسن : (بٹن پکڑ کر، کھینچتے ہوئے اور مالکوں کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے) مان لیا کہ وہ ابھی بالکل ناسمجھ ہے، پر میں نے اس سے کئی بار کہا کہ اَنکوں کے آگے جگہ نہ چھوڑا کرو، پر وہ سنتا ہی نہیں۔

کاؤلی : مجھے اس آدمی کی صورت خوب یاد ہے .... بالکل جوان تھا۔

کوکسن : پر بات یوں ہے کہ شاید اس آدمی کو ہم آپ کے آگے پیش نہ کر سکیں۔

(جیمس اور والٹر اپنے کمرے سے باہر آتے ہیں)

جیمس : گڈ مارننگ، مسٹر کولی! آپ نے مجھے اور میرے لڑکے کو تو دیکھ ہی لیا۔ مسٹر کوکسن اور میرے آفس کے نوکر سوئیڈل کو بھی آپ دیکھ چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں، ہم میں سے کوئی نہ تھا۔

(خزانچی مسکرا کر سر ہلاتا ہے)

جیمس : آپ کرپا کر (مہربانی کر) بیٹھیے تو یہاں، مسٹر کولی! کوکسن تم ذرا تب تک ان سے باتیں کرو۔

(فالڈر کے کمرے کی طرف جاتے ہیں)

کوکسن: ذرا ایک بات سنتے جایئے، مسٹر جیمس۔

جیمس: کہو، کہو۔

کوکسن: اس بے چارے کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ وہ غریب یوں ہی بات بات میں گھبرا جاتا ہے۔

جیمس: اس معاملے کو بالکل صاف کرلینا چاہیے کوکسن۔ فالڈر کی ہی نہیں تمھاری بھی نیک نامی ہے اس میں۔

کوکسن: (ذرا اکڑ کر) خیر میری تو آپ چِنتا (فکر) نہ کریں۔ وہ آج سویرے ایک بار حیران ہوچکا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے دوبارہ اُلجھن میں ڈالا جائے۔

جیمس: یہ تو ضابطے کی بات ہے، لیکن ایسے وِشے (موضوع) میں بَھل مَنسی کی کیا بات ہے۔ بہت سنگین معاملہ ہے۔ جب تک کولی صاحب کو باتوں میں لگایئے۔

(فالڈر کے کمرے کا دروازہ کھولتا ہے)

پولٹر کے پٹے کی مثل تو لاؤ فالڈر۔

کوکسن: (جھٹکے کے ساتھ) آپ کتے تو نہیں پالتے؟

(خزانچی دروازے کی طرف ایک ٹک دیکھتا رہتا ہے، اور کچھ جواب نہیں دیتا)

کوکسن: آپ کے پاس کوئی ڈاگ کا بچہ ہو، تو ایک مجھے دے دیجیے۔

(خزانچی کے چہرے کا رنگ دیکھ کر اس کا چہرہ اتر جاتا ہے، اور فالڈر کی طرف مڑکر دیکھتا ہے۔ فالڈر کولی کے چہرے کی طرف اس طرح ٹکٹکی لگائے دوار (دروازہ) پر کھڑا ہے، جیسے خرگوش سانپ کی طرف آنکھ جما لیتا ہے)

فالڈر: (کاغذوں کو لاکر) جی، یہ ہیں سب۔

جیمس: (ان کو لے کر) دھنیہ واد!

فالڈر: جی، تو میرے لیے اور کوئی کام نہیں ہے؟

جیمس : نہیں۔

(فالڈر گھوم کر اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے، جیسے ہی وہ دروازہ بند کرتا ہے، جیمس خزانچی کی طرف پَرَشن سُوچک درِشٹی (سوالیہ نگاہ) سے دیکھتا ہے۔ خزانچی سر ہلاتا ہے)

جیمس: یہی تھا؟ ہمیں تو یہ سَندیہہ نہ تھا۔

کاوَلی : بالکل ٹھیک، یہ بھی مجھے پہچان گیا۔ اس کمرے سے بھاگ تو نہیں سکتا؟

کوکسن : (دُکھت ہوکر) ایک ہی کھڑکی ہے، نیچے پورا ایک منزل اور تہہ خانہ۔

فالڈر کے کمرے کا دروازہ کھلتا ہے۔ فالڈر ہاتھ میں ٹوپی لیے باہری کمرے کے دروازے کی طرف جاتا ہے)

جیمس : (دھیرے سے) کہاں جاتے ہو، فالڈر؟

فالڈر : جی، کھانا کھانے۔

جیمس : تھوڑی دیر اور ٹھہر سکتے ہو؟ مجھے تم سے اس چیک کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔ سمجھے!

فالڈر : جی اچھا!

(اپنے کمرے میں واپس جاتا ہے)

کاوَلی : اگر ضرورت پڑے، تو میں قسم کھاکر کہہ سکتا ہوں کہ اس آدمی نے چیک بھنایا تھا۔ اس دن سویرے وہی آخری چیک تھا جو کھانا کھانے کے پہلے میں نے لیا تھا۔ دیکھیے میرے پاس ان نوٹوں کے نمبر بھی موجود ہیں۔

(ایک کاغذ کا پرزہ میز پر رکھتا ہے پھر اپنی ٹوپی گھماتے ہوئے)

اچھا، گڈ مارننگ!

جیمس : گڈ مارننگ، مسٹر کولی!

کاوَلی : گڈ مارننگ، مسٹر کوکسن!

کوکسن : (کچھ بھوچکے ہوکر) گڈ مارننگ!

(خزانچی باہر کے آفس گھر سے ہوکر جاتا ہے، کوکسن اپنی کرسی پر اس بھانتی (طرح) بیٹھ جاتا ہے، مانو اس پریشانی میں اسے صرف کرسی ہی کا سہارا ہے)

والٹر : آپ اب کیا کرنا چاہتے ہیں؟

جیمس : اسے یہاں بلاؤ۔ چیک اور ثنیٰ مجھے دے دو۔

کوکسن : آخر یہ بات کیا ہے میں نے تو سمجھا تھا، یہ ڈیوِس ——

جیمس : ابھی سب معلوم ہوا جاتا ہے۔

والٹر : ٹھہریے، کیا آپ نے اچھی طرح سوچ لیا ہے؟

جیمس : بلاؤ اس کو اندر۔

کوکسن : (مشکل سے اٹھ کر فالڈر کے کمرے کا دروازہ کھول کر بھاری سُور (آواز) سے) ذرا یہاں تو آنا۔

(فالڈر آتا ہے)

فالڈر : (شانت بھاؤ سے) جی، حاضر ہوں!

جیمس : (اچانک اس کی طرف مڑ کر چیک کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے) تم اس چیک کو پہچانتے ہو، فالڈر؟

فالڈر : جی نہیں!

جیمس : اچھی طرح دیکھو تو اسے، تم نے پچھلے شکروار کو اسے بھنایا تھا۔

فالڈر : ہاں، جی ہاں! یہ وہی ہے، جسے ڈیوِس نے مجھے دیا تھا۔

جیمس : مجھے معلوم ہے اور تم نے ڈیوِس کو روپے دیے تھے؟

فالڈر : جی ہاں!

جیمس : جب ڈیوِس نے تم کو یہ چیک دیا تھا تب کیا یہ ٹھیک ایسا ہی تھا؟

فالڈر : جی ہاں، میرا تو یہی خیال ہے۔

جیمس : کیا تمھیں معلوم ہے کہ مسٹر والٹر نے کیوَل (صرف) نو پونڈ کا چیک لکھا تھا؟

فالڈر : جی نہیں، نوّے کا۔

جیمس : نہیں فالڈر، صرف نو کا۔

فالڈر : (گھبرا کر) میں نے سمجھا نہیں۔

جیمس : مطلب یہ کہ اس چیک میں پھیر پھار کیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تم نے کیا یا ڈیوِس نے!

فالڈر : میں نے، میں نے؟

جیمس : سمجھ کر جواب دو، سوچ لو!

فالڈر : (سمجھ کر) جی نہیں، مجھ سے یہ کام نہیں ہوا۔

جیمس : مسٹر والٹر نے کوکسن کو چیک دیا تھا۔ اسی سمے کوکسن کا کھانا آیا تھا۔ اس سمے ضرور ایک بجا ہوگا۔

کوکسن : ہاں، اس لیے تو میں جا نہیں سکا۔

جیمس : ٹھیک ہے، اسی لیے کوکسن نے ڈیوِس کو چیک دے دیا۔ تم نے سوا بجے چیک بھُنایا تھا۔ یہ ایسے پتا چلتا ہے کہ خزانچی نے کھانا نہ کھانے کے پہلے اس چیک کے روپے دیے تھے۔

فالڈر : جی ہاں، ڈیوِس نے مجھے اس لیے چیک دیا تھا کہ اس کے کچھ مِتر اسے ایک دعوت دے رہے تھے۔

جیمس : (سٹپٹا کر) تو تم ڈیوِس پر دوش (الزام) لگاتے ہو؟

فالڈر : یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟ بڑے اَچرج (تعجب) کی بات ہے!

(والٹر اپنے باپ سے بالکل پاس جاکر کان میں کچھ کہتا ہے)

جیمس : پھر شنی وار کے بعد تو ڈیوِس یہاں نہیں آیا نہ؟

کوکسن : (کسی پرکار اس یوَک کو سہارا دینے کی اکشا سے اور اس بات کے ٹلنے کی جھلک کی تنِک آشا (تھوڑی امید) پاکر)
نہیں، وہ سوموار کو چلا گیا۔

جیمس : وہ یہاں آیا تو نہیں تھا؟ کیوں فالڈر؟

فالڈر : (بہت دھیمے سُور سے) جی نہیں۔

جیمس : بہت اچھا، تب تم اس بات کا کیا جواب دیتے ہو کہ شُنیٰ میں نو کے بعد صفر منگل کے دن یا اس کے بعد جوڑا گیا۔

کوکسن : (آشچریہ سے) یہ کیا؟

(فالڈر کا سر چکرانے لگتا ہے، بڑی کٹھنائی کے ساتھ وہ اپنے کو سنبھالتا ہے۔ مگر اس کی حالت بری ہوجاتی ہے)

جیمس : (بہت گمبھیر ہوکر) کوکسن، بات پکڑ گئی نہ! چیک ٹیک مسٹر والٹر کی جیب میں منگل وار تک تھا۔ کیونکہ اسی دن سویرے ٹرینٹن سے لوٹے ہیں۔ کیا اب بھی تم انکار کرتے ہو فالڈر تم نے چیک اور مشنےٰ کو نہیں بدلا؟

فالڈر : جی نہیں، جی نہیں، ہاں صاحب۔ جی ہاں، میں نے ہی یہ کام کیا ہے۔

کوکسن : (دکھ کے آویش میں) چھی! چھی! ایسا کام کیا تم نے؟

فالڈر : صاحب، مجھے روپے کی بڑی سخت ضرورت تھی۔ مجھے دھیان ہی نہ رہا کہ میں کیا کررہا ہوں۔

کوکسن : تمھارے دماغ میں یہ بات آئی کیسے؟

فالڈر : (اس کی باتوں کا مطلب سمجھ کر) میں کچھ نہیں کہہ سکتا، صاحب۔ ایک منٹ کے لیے میں پاگل ہوگیا تھا۔

جیمس : تمھارا منٹ بہت لمبا ہوتا ہے، فالڈر۔

(مشنےٰ کو ٹھونکتے ہوئے)

کم سے کم چار دن کا۔

فالڈر : حضور میں قسم کھاتا ہوں، مجھے بالکل خیال نہ تھا کہ میں کیا کررہا ہوں۔ جب کر چکا تو ہوش آیا۔ میری اتنی ہمت نہ ہوئی کہ کہہ دوں۔ بھول جائیے، صاحب، میری اس دُربلتا (کمزوری) کو، میں سب روپے واپس

کردوں گا، میں وعدہ کرتا ہوں۔

جیمس : اپنے کمرے میں جاؤ۔

(فالڈر کروناجنک درشٹی (التجا آمیز نگاہوں) سے دیکھ کر اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے۔ سناٹا چھا جاتا ہے)

کوکبسن : ایسی سینہ زوری اور یہاں!

والٹر : اب کیا کرنا چاہیے؟

جیمس : اور کچھ نہیں، مقدمہ چلائیے۔

والٹر : مگر یہ اس کا پہلا قصور ہے۔

جیمس : (سر ہلا کر) مجھے اس میں بہت سندیہہ ہے۔ کتنی صفائی کے ساتھ ہاتھ مارا ہے۔

کوکسن : میں تو سمجھتا ہوں اسے کسی نے موہ میں ڈال دیا۔

جیمس : جیون (زندگی) بھاری موہ کے سوا اور ہے کیا؟

کوکسن : ہاں، یہ تو ٹھیک ہے لیکن میں کایا اور کامنی کی بات کررہا ہوں، مسٹر جیمس! اس سے ملنے کے لیے آج ہی ایک عورت آئی تھی۔

والٹر : وہی عورت جو آتے وقت ہمارے سامنے سے نکلی تھی۔ کیا وہ اِس کی بیوی ہے؟

کوکسن : نہیں، کوئی رشتہ نہیں۔

(آنکھیں مٹکانا چاہتا ہے، پر سمے کا وچار کرکے رک جاتا ہے)

ہاں، وواہتا (شادی شدہ) ہے۔

والٹر : آپ کو کیسے معلوم؟

کوکسن : اپنے بچے کو ساتھ لائی تھی۔

(وِرَکتی (منہ بناکر) کے ساتھ)

وے دفتر کے باہر تھے۔

جیمس : تب تو پکا شُہدا ہے۔

والٹر : میرے خیال سے اسے اس بار چھما کر دینا چاہیے۔

جیمس : جس کمینہ پن سے اس نے یہ کام کیا ہے، اس سے تو میں چھما نہیں کر سکتا۔ یہ سمجھے بیٹھا تھا، کہ اگر بات کھل گئی، تو ہمارا سندیہہ ڈیوِس پر ہوگا۔ یہ بالکل اتفاق تھا کہ چیک بک تمھاری جیب میں پڑی رہ گئی۔

والٹر : ضرور کسی چھنِک موہ (ایک لمحہ کے لیے لالچ میں پڑنا) میں پڑ گیا تھا۔ ان کو سوچنے کا وقت نہیں ملا۔

جیمس : کوئی ایماندار اور صاف دل آدمی ایک منٹ کے اندر ایسے موہ میں نہیں پڑ جاتا۔ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ روپے کے معاملے میں اپنی نیت کو صاف رکھنے کی شکتی (طاقت) اس میں نہیں ہے۔

والٹر : (رُکھے سُور سے) لیکن پہلے کبھی اس نے ایسا نہیں کیا۔

جیمس : (اس کی بات کو اَن سُنی کرکے) اپنے سَمے میں میں نے ایسے بہت آدمی دیکھے ہیں۔ اس کے سوا کوئی اُپائے (طریقہ) نہیں کہ انھیں ہانی کے پَتھ (خسارہ کا راستہ) سے دور رکھا جائے۔ ان کی آنکھیں نہیں ہوتی۔

والٹر : اسے سخت قید کی سزا ہو جائے گی۔

کوکسن : جیل بڑی بری جگہ ہے!

جیمس : (ہچکچاتا ہوا) سمجھ میں نہیں آتا، اسے کیسے چھوڑ دیا جاسکتا ہے۔ اس دفتر میں اسے رکھنے کا تو اب کوئی سوال ہی نہیں۔ لیکن ایمان ہی مَنُشیہ (انسان) کا سب سے بڑا گُن (ہنر) ہے۔

کوکسن : (منتر مُگدھ کی بھانتی) اس میں کیا شک۔

جیمس : ویسے ہی اسے ہم ان لوگوں کے بیچ میں نہیں چھوڑ سکتے جو اس کے چال چلن کو نہیں جانتے۔ سماج کی طرف بھی ہمارا کچھ کرتویہ (فرض) ہے۔

والٹر : لیکن اس پر اس طرح تو داغ لگا دینا اچھا نہیں۔

جیمس : اگر چکما دینے کی کوشش نہ کرتا تو میں اسے چھما کردیتا۔ لیکن اس نے اَپرادھ (گناہ) کیا ہے۔ آوارہ ہے۔

کوکسن : میں یہ نہیں کہتا۔ پر ستھتیوں پر وِچار (حالات پر غور وخوض) کرکے اس کا اپرادھ ہلکا ہوجاتا ہے۔

جیمس : ایک ہی بات ہے، اس نے خوب داؤ گھات لگائی، اور مالکوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی، اور ایک نِردوش (بے قصور) آدمی کے سر اَپرادھ مڈھ دیا۔ اگر ایسا معاملہ بھی قانون کے لائق نہ ہو، تو کون ہوگا۔

والٹر : پھر بھی اس کی ساری زندگی کی طرف دیکھیے۔

جیمس : (چٹکی لیتے ہوئے) اگر تمھاری چلے تو کوئی اَبھیوگ ہی نہ چلے۔

والٹر : (منہ سکوڑ کر) میں ایسی باتوں سے نفرت کرتا ہوں۔

کوکسن : ہمیں تو صرف اپنے بچاؤ سے مطلب۔

جیمس : ایسی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔

(اپنے کمرے کی طرف بڑھتا ہے)

والٹر : تھوڑی دیر کے لیے، اپنے آپ کو اس کی جگہ پر رکھیے، پتا جی !

جیمس : یہ میرے بس کی بات نہیں۔

والٹر : ہمیں کیا معلوم کہ اس پر کیا سنکٹ (مصیبت) پڑا تھا۔

جیمس : یہ سمجھ لو والٹر، کہ جو آدمی ایسا کرنا چاہتا ہے، وہ کرے گا، چاہے سنکٹ ہو یا نہ ہو۔ اگر نہ کرنا چاہے، تو کوئی اس کو مجبور نہیں کرسکتا۔

والٹر : وہ آگے ایسا کام نہیں کرے گا۔

کوکسن : اچھا، میں ابھی اس سے اس بارے میں باتیں کرتا ہوں۔ اس بے چارے پر سختی نہ کرنی چاہیے۔

جیمس : اب جانے دو، کوکسن ! میں نے ارادہ پکا کرلیا ہے۔

(اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے)

کوکسن : (تھوڑی دیر سندیہہ کے ساتھ کچھ سوچ کر) تمھارا پتا کا کوئی وِشیش دوش (خاص قصور) نہیں ہے، اگر وہ یہی اُچت سمجھتے ہیں، تو میں ان کا ہاتھ نہ پکڑوں گا۔

والٹر : ہٹو بھی کوکسن، تم میری بات پر زور کیوں نہیں دیتے۔ اس پر دَیا تو آئی ہے۔

کوکسن : (غرور سے) میں نہیں کہہ سکتا مجھے دَیا آرہی ہے، یا نہیں۔

والٹر : ہمیں پچھتانا پڑے گا۔

کوکسن : اس نے جان بوجھ کر یہ کام کیا ہے۔

والٹر : دَیا کھینچ تان سے نہیں آتی۔

کوکسن : (پرشن سوچک دِرشٹی سے (سوالیہ نگاہ سے) اس کی طرف دیکھ کر) ناراض نہ ہو، ہمیں سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے۔

سوئیڈِل : (طشتری میں کھانا لاکر) آپ کا کھانا، ہجور۔

کوکسن : رکھو۔

(سوئیڈِل کھانا میز پر رکھتا ہے، ٹھیک اسی سمے جاسوس وِسٹر باہر کے کمرے میں آتا ہے۔ اور وہاں کسی کو نہ دیکھ کر بھیتر چلا آتا ہے۔ وہ موٹا آدمی ہے، قد معمولی، مونچھیں منڈی ہوئی، نیلے رنگ کا ٹکاؤ سوٹ پہنے ہے۔ مضبوط بوٹ پیر میں ہے)

وِسٹر : (والٹر سے) میں اسکاٹ لینڈ تھانے سے آرہاہوں، میرا نام ڈِٹکٹیو سرجنٹ وسٹر ہے۔

والٹر : (پرشن سُوچک دِرشٹی سے دیکھتا ہوا) بہت اچھا، میں اپنے پتا کو خبر دیتا ہوں۔

(وہ مالکوں والے کمرے میں جاتا ہے، جیمس آتا ہے)

جیمس : گڈ مارننگ!

(کوکسن سے جو اس کی طرف کرونا بھری دِرشٹی (ترحم آمیز نگاہ) سے دیکھتا ہے)

مجھے افسوس ہے کہ میں مان نہیں سکتا۔ مجھے ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ اس دروازے کو کھولو۔

(سوئیڈل آٹچر یہ کے ساتھ سہتے ہوئے دروازہ کھولتا ہے)

ادھر آؤ، فالڈر۔

(جیسے ہی فالڈر جھجکتا ہوا باہر نکلتا ہے، ڈٹکٹیو جیمس کا اشارہ پاکر اس کی بانہوں کو پکڑ لیتا ہے)

فالڈر : (سکڑتے ہوئے) نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں!

وِسٹر : بس! بس! تم تو سمجھدار آدمی ہو۔

جیمس : میں اس پر چوری کا الزام لگاتا ہوں۔

فالڈر : حضور، دیا کیجیے۔ ایک عورت ہے جس کے لیے میں نے یہ کام کیا۔ مجھے کل تک کے لیے چھوڑ دیجیے۔

(جیمس ہاتھ کا اشارہ کرتا ہے۔ اُس کے اُس نشٹھُر بھاؤ (بشرے کی سختی) کو دیکھ کر فالڈر نشچل (ہمت پست ہونا) ہو جاتا ہے۔ پھر دھیرے دھیرے مڑ کر اپنے کو ڈٹکٹیو کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ جیمس کٹھور اور گمبھیر (خشک و بے مروت) ہو کر پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ سوئیڈل لپک کر دُوار کھولتا ہے اور ان کے پیچھے باہر کے کمرے سے دالان تک جاتا ہے، جب وے سب چلے جاتے ہیں، کوکسن ایک بار چاروں طرف گھوم کر باہر کے کمرے کی طرف دوڑتا ہے)

کوکسن (اُدھیر ہو کر (بھاری آواز سے)) سنو، سنو! یہ سب ہم کیا کررہے ہیں؟

(چاروں طرف سناٹا چھا جاتا ہے، وہ اپنا رومال نکال کر منہ پر سے پسینہ پوچھتا ہے۔ پھر اپنی میز کے پاس اندھے کی طرح آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اور کھانے کی طرف اداس بھاؤ سے دیکھتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

انک 2

درشیہ پہلا

[نیایالیہ (عدالت)۔ اکتوبر مہینے کا تیسرا پہر، چاروں طرف کہرہ چھایا ہوا ہے۔ کچہری میں بیرسٹر، وکیل، سَمواد داتا، چپراسی، جیوریوں سے ٹھساٹھس بھرا ہے۔ ایک بڑے مضبوط کٹھگھرے میں فالڈر ہے۔ اس کے دونوں طرف دو سپاہی نگرانی کے لیے کھڑے ہیں۔ مانو ان کی اس پر کچھ وِشیش دِرشٹی (خاص نظر) نہیں ہے۔ فالڈر ٹھیک جج کے سامنے بیٹھا ہے۔ جج ایک اونچی جگہ پر بیٹھا ہے۔ اس کا بھی دھیان کسی خاص چیز پر نہیں ہے۔ سرکاری وکیل ہیرالڈ کلیور دبلا اور پیلا آدمی ہے ...... عمر ادھیڑ سے کچھ اَدھیک (زیادہ) ہے۔ سر پر ایک نقلی بال لگائے بیٹھا ہے، جس کا رنگ اس کے چہرے کے رنگ سے ملتا جلتا ہے۔ وادی (مخالف) کا وکیل ہیکٹر فروم جوان اور لمبے قد کا ہے۔ مونچھ اور داڑھی صاف ہے۔ ایک سفید نقلی بال سر پر پہنے ہے۔ دَرشکوں میں جیمس اور مسٹر ہوم بیٹھے ہیں۔ ان کی گواہی ہو چکی ہے۔ کوکسن اور خزانچی بھی بیٹھے ہیں۔ وِسٹر گواہی کے کٹھرے سے اُتر رہا ہے۔]

کلیور : یہ سرکاری مقدمہ ہے حضور۔

(اپنے کپڑوں کو سنبھال کر بیٹھتا ہے)

فروم : (اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا، جج کو سلام کرکے) حضور جج اور جیوری کے سدسیہ گن! میں اس یتھارتھ بات کو اَسویکار (اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار) نہیں کرتا کہ اَبھیوکت (ملزم) نے چیک کے اَنکوں کو بدلا تھا۔ میں آپ کے سَمکھ (روبرو) اس بات کا پرمان (شہادت) دوں گا کہ اس سمے اَبھیوکت کی مانسِک اَوستھا (دماغی حالت) کیسی تھی، اور آپ کی سیوا (خدمت) میں نِیوِدن (عرض کرنا) کروں گا کہ اس سمے اسے اس کا ذمے دار سمجھنے میں

آپ اس سے انیائے (نا انصافی) کریں گے، واستو میں ابھیوکت (ملزم) نے یہ کام چت کی اوِیوستھت دَشا (دماغی ہیجان کی حالت) میں کیا جو چھنِک اُنماد (عارضی جوش) کے سَمان تھا۔ اس کا کارَن وہ بھیشَن سَمسیا (سنگین مسئلہ) تھی جو اس پر آپڑی تھی۔ مہودے (حضرات)! ابھیوکت کی عمر کیوَل تیس برس کی ہے۔ میں ابھی یہاں ایک عورت کو پیش کرتا ہوں جس کے بیان سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ابھیوکت نے یہ کام کیوں کیا۔ آپ سَویم (خود) اس کے مُکھ سے اس کے جیون کی کَرونڑ کتھا (دردناک کہانی) اور اس سے بھی کرون پریم وِرتانت (پیار کی دردناک خودافگی) سنیں گے، جو ابھیوکت کے ہردے میں اس نے جاگرت (پیدا) کی تھی۔ مہاشیہ گَن! وہ عورت اپنے پَتی کے ساتھ بڑی بری اَوَستھا میں رہتی ہے۔ اس کا پَتی برابر اس کے ساتھ اتیاچار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بے چاری کو ڈر ہے کہ وہ اسے مار تک نہ ڈالے۔ اس سَمے میرے کہنے کا تات پریہ (مطلب) یہ نہیں ہے کہ کسی نویووَک (نوجوان آدمی) کے لیے کسی کی وِواہت استری (منکوحہ عورت) سے پریم کرنا پَرشنسنی یا اُچت (قابلِ تعریف یا مناسب) ہے اَتھوا (علاوہ ازیں) اس کو یہ اَدھیکار (حق) ہے کہ وہ اس استری کی اس کے پشاچ پَتی (شیطان صفت شوہر) سے رَکشا کرے۔ پَرنتو (لیکن) ہم سب کو معلوم ہے، کہ پریم آدمی سے کیا کیا نہیں کراسکتا۔ مہودے! میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس عورت کا بیان سنتے سَمے آپ اس بات پر دھیان رکھیں، کہ ایک نِردیے (بے رحم) اور اَتیاچاری وِیَکتی (ظالم شخص) سے وِواہ ہونے کے کارن وہ اس کے ہاتھ سے چھٹکارا نہیں پاسکتی۔ کیونکہ وِواہ وِچھید کرانے (طلاق حاصل کرنا) کے لیے مارپیٹ کے سوا کسی اور دوش کا دکھانا ضروری ہے جو شاید اس کے پتی میں نہیں ہے۔

جج : کیا ان باتوں کا بھی ابھیوگ سے کوئی سمبندھ ہے، مسٹر فروم؟

فروم : حضور، میں ابھی یہ آپ کو ثابت کروں گا۔

جج : بہت اچھا۔

فروم : اس پرکار کی اَوستھا میں وہ اور کیا کر سکتی تھی۔ اس کے لیے اور کون سا راستہ کھلا ہوا تھا؟ یا تو وہ اپنے شرابی پتی کے ساتھ رہ کر اتیاچاروں (مظالم) کو چپ چاپ سہتی اَتھوا عدالت کے ذریعے ویواہ وِچھید کراتی۔ لیکن مہاشیہ گن! اپنے اَنُوبھوؤں (تجربے) سے میں کہہ سکتا ہوں کہ عدالت کی شرن لے کر بھی اپنے پتی کے اتیاچاروں سے بچنا کٹھن تھا۔ اور کسی طرح وہ بچ بھی جاتی، تو سوا کسی کارخانے میں جانے یا سڑک پر مارے مارے پھرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ کوئی کام نہ جاننے والی عورت کے لیے اپنا اور اپنے بچوں کا پالن کرنا آسان کام نہیں۔ یہ اب اسے معلوم ہو رہا ہے۔ یا تو وہ سرکاری خیرات خانے میں جاتی یا اپنی لاج بیچتی۔

جج : آپ اپنے وِشے (موضوع) سے بہت دور چلے گئے، مسٹر فروم۔

فروم : میں ایک منٹ کے اندر اپنا آشیہ (مطلب) بتلا دوں گا، حضور۔

جج : خیر، کہو۔

فروم : مہودے (جناب)! وچار کیجیے۔ یہ عورت سَویم آپ کو یہ باتیں بتائے گی اور ابھیوکت بھی اس کا سمرتھن (تائید) کرے گا کہ ایسی اَوستھاؤں میں پڑ کر اس نے اپنے اُدھار کی ساری آشائیں (امیدیں) اس پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ اس یووک کے ہردے میں اس نے جو بھاؤ اُتپن (جذبہ پیدا) کیے تھے اس سے وہ اپریچت (اجنبی) نہ تھی۔ اس وِپتی (آفت و مصیبت) سے بچنے کے لیے اسے اس کے سوا اور کوئی مارگ دکھائی نہ دیا کہ کسی دوسرے دیش میں جاکر، جہاں انھیں کوئی نہ پہچانے، وے پتی پتنی کی طرح رہیں۔ بس یہی ان کا اَنتم اور، جیسا نسندیہہ (یقیناً) میرے مِتر مسٹر کلیور کہیں گے، اَوِچار پورن (نامناسب) نرنے (فیصلہ) تھا۔ پرنتو یہ سچی بات ہے کہ دونوں کا من اس پر

تلا ہوا تھا۔ ایک اپرادھ سے بچنے کے لیے دوسرا اپرادھ کرنا اچھی بات نہیں۔ اور جن کے لیے ایسی اوستھا میں پڑنے کی سمبھاونا (امید) نہیں ہے، وے شاید میرے باتوں پر چونک اٹھیں گے۔ پرنتو میں ان کا اُتر (جواب) دینا نہیں چاہتا۔ مہودے، چاہے آپ ان کے اس کاریہ کو کسی بھی درشٹی سے دیکھیں، چاہے اس دشا میں پڑ کر ان دونوں کو قانون کے ہاتھ میں لے لینا آپ کو اُچت معلوم ہو یا اَنوچت پر بات یہ اَوَشیہ ٹھیک ہے۔ آفت کی ماری ہوئی یہ بے چاری عورت اور اس کو جان سے چاہنے والا یہ ابھیوکت، جو بالک سے کچھ ہی ادِھک عمر کا ہوگا، ان دونوں نے ایک ساتھ کسی دور دیش میں جانے کا نشچے کرلیا تھا۔ اب اس کے لیے ان کو روپے کی اَوشیکتا (ضرورت) بھی تھی۔ پرنتو ان کے پاس روپیہ نہیں تھا۔ اب ساتویں جولائی کی گھٹناؤں کے وِشے میں، جس دن چیک پر کا انک بدلا گیا تھا، اور جن گھٹناؤں سے میں یہ سِدّھ کرنا چاہتا ہوں کہ ابھیوکت اس کاریہ کے لیے ذمہ دار نہیں تھا، یہ باتیں آپ گواہوں کے منکھ سے ہی سنیں گے۔ رابرٹ کوکسن ......۔

(ایک بار چاروں طرف گھوم پڑتا ہے پھر سادہ کاغذ ہاتھ میں لے کر انتظار کرتا ہے)

(کوکسن کی پکار ہوتی ہے، وہ آکر گواہوں کے کٹگھرے میں جاتا ہے، ٹوپی کو اپنے سامنے پکڑے رہتا ہے، اسے حلف دی جاتی ہے)

فروم : آپ کا نام کیا ہے؟

کوکسن : رابرٹ کوکسن۔

فروم : کیا آپ اس آفس کے مینجنگ کلرک ہیں، جس میں ابھیوکت نوکر تھا؟

کوکسن : ہاں

فروم : ابھیوکت ان کے یہاں کتنے دنوں سے کام کررہا ہے؟

کوکسن : دو سال سے۔ نہیں ...... میں بھول رہا ہوں ...... ہاں ...... بس 17/ دن کم دو سال۔

فروم : ٹھیک ہے، اچھا مہربانی کرکے یہ بتلایئے کہ دو سال میں آپ نے اس کا چال چلن کیسا پایا ہے؟

کوکسن : (مانو اس پرشن سے کچھ تعجب ہوا ہو، وہ دھیرے سے جیوری سے کہتا ہے)
وہ بہت اچھا اور شریف آدمی تھا۔ میں نے کبھی اس کا کوئی دوش نہیں دیکھا۔ مجھے تو بڑا آشچریہ ہوا تھا، جب اس نے ایسی حرکت کی۔

فروم : کیا کبھی اس نے ایسا موقعہ دیا تھا، جس سے اس کی ایمانداری پر آپ کو سندیہہ ہوا ہو؟

کوکسن : نہیں، ہمارے دفتر میں بے ایمانی! نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا۔

فروم : مجھے وِشواس ہے مسٹر کوکسن، کہ جیوزی مہودے گن آپ کی بات کو دھیان سے سن رہے ہیں۔

کوکسن : ہر ایک روزگاری آدمی جانتا ہے کہ کاروبار میں ایمان داری ہی سب کچھ ہے۔

فروم : کیا آپ اس کے چال چلن کی تعریف کرسکتے ہیں؟

کوکسن : (جج کی طرف مڑ کر) بیشک! ہمیشہ سے ہم لوگ سب بہت اچھی طرح آنندپوروَک (لطف و خوبی سے) رہتے تھے۔ اسے سن کر میرے تو ہوش اُڑ گئے۔

فروم : اچھا، اب ساتویں جولائی کا دن یاد کیجیے۔ جس دن کہ یہ چیک بدلا گیا تھا۔ اس دن اس کے چت کی کیا دَشا تھی؟

کوکسن : (جیوریوں سے) یدی (اگر) مجھ سے پوچھا، تو میں کہوں گا، کہ اس سَمے اس کا چت ٹھکانے نہیں تھا۔

جج : (تیور سَور میں) کیا تمھارا مطلب ہے کہ وہ پاگل تھا؟

کوکسن : پریشان تھا۔
جج : ذرا صاف صاف کہو۔
فروم : (نمرتا (نرمی) کے ساتھ) کہیے، مسٹر کوکسن!
کوکسن : (کچھ چڑھ کر) میری رائے میں ....

(جج کی طرف دیکھ کر)

وہ جیسی کچھ بھی ہو۔ وہ کچھ ڈانواڈول سا تھا، اوشیہ جیوری گن میرے مطلب کو سمجھ گئے ہوں گے۔

فروم : کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے یہ رائے کیسے قائم کی۔
کوکسن : ہاں! میں کہہ سکتا ہوں، میں ہوٹل سے کھانا منگواتا ہوں۔ تھوڑا سا کباب اور آلو۔ اس سے وقت کی بہت بچت ہوتی ہے۔ ہاں، جب میرا کھانا آیا مسٹر والٹر ہی نے مجھے وہ چیک بھنانے کے لیے دیا۔ ادھر اگر میں اُس سَمے جاؤں، تو کھانا ٹھنڈا ہو جاتا ہے، اور پھر ٹھنڈا کھانا کس کام کا۔ یہ تو آپ سمجھ ہی سکتے ہیں۔ ہاں، تو بس میں کلرکوں کے کمرے میں گیا، اور دوسرے کلرک ڈیوس کو میں نے وہ چیک بھنا لانے کو دے دیا۔ میں نے اس سَمے فالڈر کو کمرے میں ٹہلتے دیکھا، میں نے اس سے کہا بھی تھا، "فالڈر یہ چڑیا گھر نہیں ہے۔"
فروم : کیا آپ کو یاد ہے اس نے اس کا کیا جواب دیا؟
کوکسن : ہاں، اس نے کہا، "ایشور اسے چڑیاگھر بنا دیتا تو اچھا ہوتا۔" مجھے بڑا آشچریہ ہوا۔
فروم : اور بھی آپ نے کوئی وِشیش (خاص) بات دیکھی؟
کوکسن : ہاں، دیکھا تھا۔
فروم : وہ کیا؟
کوکسن : اس کے گلے کا بٹن کھلا ہوا تھا۔ میں ہمیشہ چاہتا ہوں کہ لوگ صاف اور

قاعدے سے رہیں۔ میں نے اس سے کہا، تمھارا کالر کا بٹن کھلا ہے۔

فرُدم : اس نے آپ کی بات کا کیا جواب دیا تھا؟

کوکسن اس نے مجھے گھور کر دیکھا، یہ بے ادبی تھی۔

جج : تمھیں گھور کر دیکھا تھا؟ کیا یہ ایک بہت معمولی بات نہیں ہے؟

کوکسن : ہاں، لیکن اس کا دیکھنا کچھ ...... میں ٹھیک بیان نہیں کرسکتا، ایک عجیب طرح کا تھا۔

فروم : کیا آپ نے کبھی ایسی درشٹی اس کی آنکھوں سے آگے نہیں دیکھی تھی۔

کوکسن : نہیں۔ اگر دیکھتا، تو میں مالکوں سے اس کی شکایت کردیتا۔ ہم ایسے جھکی آدمی کو اپنے یہاں نہیں رکھتے۔

جج : کیا تم نے اس بات کی شکایت اپنے مالکوں سے کی تھی۔

کوکسن : (آہستہ سے) بنا کسی پکے ثبوت کے میں ان کو کشٹ دینا اُچت نہیں سمجھتا۔

فروم : لیکن آپ پر اس بات کا خاص اثر پڑا تھا؟

کوکسن : اس میں کیا شک! ڈیوس اگر یہاں ہوتا، تو وہ بھی یہی کہتا۔

فروم : افسوس ہے کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ خیر، اب آپ اس دن کی بات یاد کرسکتے ہیں، جس دن وہ جال پکڑا گیا۔ کیا اس دن کوئی خاص بات ہوئی تھی؟ وہ 18/ تاریخ تھی۔

کوکسن : (کان پر ہاتھ رکھ کر) میں کچھ کم سنتا ہوں۔

فروم : جس دن آپ کو اس جال کی بات معلوم ہوئی اس دن اس کے پہلے کوئی ایسی گھٹنا ہوئی تھی، جس سے آپ کا دھیان آکرشِت (توجہ مبذول ہونا) ہوا ہو؟

کوکسن : ہاں، ایک عورت۔

جج : اس بات سے اس کا کیا سمبندھ (تعلق) ہے، مسٹر فروم؟

فروم : حضور، میں کوشش کررہا ہوں جس سے معلوم ہو جائے کہ ابھیوکت نے یہ

کام کس پرکار کی مانسیک اوستھا میں کیا ہے۔

جج : ٹھیک ہے، یہ میں سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ جو پوچھ رہے ہیں، وہ اس کے بہت بعد کی بات ہے۔

فروم : ہاں، حضور۔ لیکن یہ میرے کتھن کی پشٹی (خیال کی تائید) کرتی ہے۔

جج : ٹھیک ہے۔

فروم : آپ نے کیا کہا؟ ایک عورت؟ تو کیا وہ دفتر میں آئی تھی؟

کوکسن : ہاں۔

فروم : کس لیے؟

کوکسن : فالڈر سے ملنے کے لیے۔ وہ اس سَمے موجود نہیں تھا۔

فروم : اسے آپ نے دیکھا تھا؟

کوکسن : ہاں! دیکھا تھا۔

فروم : کیا وہ اکیلی آئی تھی۔

کوکسن : (دڑھتا سے) آپ مجھے مشکل میں ڈال رہے ہیں۔ چپراسی نے جو کچھ کہا تھا وہ بیان کرتے ہوئے مجھے سنکوچ ہوتا ہے۔

فروم : ٹھیک ہے، مسٹر کوکسن، ٹھیک ہے!

کوکسن : (اَکسمات (اچانک) اس بھاؤ سے جیسے کہتا ہو تم ان باتوں کو کیا سمجھو ابھی بچے ہو، میں کہتا ہوں)
پھر بھی دوسری طرح سمجھا دیتا ہوں۔ ایک آدمی کے کسی پرشن کے اُتر میں اس عورت نے جواب دیا تھا، وے میرے ہیں، مہاشیہ!

جج : وے کیا تھے؟ کون تھے؟

کوکسن : اس کے بچے باہر تھے۔

جج : آپ کو کیسے معلوم؟

کوکسن : حضور۔ مجھ سے یہ بات نہ پوچھیں، ورنہ مجھے سب ماجرا کہنا پڑے گا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔

جج : (مسکراتے ہوئے) دفتر کے چپراسی نے آپ سے سب ماجرا کہہ دیا۔

کوکسن : جی ہاں! جی ہاں!

فروم : خیر، میں جو پوچھنا چاہتا ہوں۔ مسٹر کوکسن، وہ یہ ہے، کہ جب وہ عورت مسٹر فالڈر سے ملنے کے لیے آگرہ (منت سماجت) کر رہی تھی، اس سمے اس نے کوئی ایسی بات کہی تھی، جو آپ کو خاص طور سے یاد ہو؟

کوکسن : (اس کی طرف اس طرح سے دیکھتا ہو مانو اسے اس واکیہ (جملے) کو پورا کرنے کے لیے اُتساہت (حوصلہ افزائی) کر رہا ہو)

ہاں، کچھ اور کہہ رہا تھا۔

فروم : یا اس نے کچھ نہیں کہا تھا؟

کوکسن : نہیں، کہا تھا۔ لیکن میں اس پرشن کا اُتّر دینا ٹھیک نہیں سمجھتا۔

فروم : (چڑھ سے مسکرا کر) کیا آپ جیوری سے بھی نہیں کہہ سکتے؟

کوکسن : جینے مرنے کا سوال ہے۔

جیوری کا کھیا: کیا آپ کا مطلب ہے کہ اس عورت نے یہ کہا تھا؟

کوکسن : (سر ہلا کر) یہ ایسی بات ہے جو آپ سننا پسند نہ کریں گے۔

فروم : (بے صبر ہو کر) کیا فالڈر اس عورت کے سامنے ہی آگیا تھا؟

(کوکسن سر ہلاتا ہے)

اور وہ اس سے بھیٹ کر کے چلی گئی؟

کوکسن : اے! میں نے ٹھیک سمجھا نہیں، میں نے اسے جاتے نہیں دیکھا۔

فروم : تو کیا وہ اب بھی وہیں ہے؟

کوکسن : (پرسنتا (خوشی) سے مسکرا کر) نہیں۔

فروم : دھنیہ واد، مسٹر کوکسن۔

(وہ بیٹھتا ہے)

کلیور : (اٹھ کر) آپ نے کہا کہ جال کے دن ابھیوکت کچھ وِچلت سا تھا۔ اس کے

معنی کیا، مہاشیہ؟

کوکسن : (نرمی سے) یہ آپ کو خود سمجھ لینا چاہیے، آپ نے کوئی ایسا کتا دیکھا ہے ...... کتا جو اپنے مالک سے بھٹک گیا ہو ...... اس سمے وہ چاروں طرف نگاہ دوڑاتا ہے؟

کلیور : ٹھیک، میں بھی آنکھوں کی بات پوچھنے والا تھا۔ آپ نے کہا، اس کی درشٹی کچھ عجیب تھی۔ عجیب سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ وچتر یا کچھ اور؟

کوکسن : ہاں، عجیب سی۔

کلیور : (جھنجھلا کر) ہاں، یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن آپ کے لیے جو عجیب ہو، ممکن ہے وہ میرے لیے اتھوا جیوری کے لیے عجیب نہ ہو۔ آپ کا مطلب کیا ہے ڈری ہوئی، لجائی ہوئی، یا غصّے میں بھری ہوئی؟

کوکسن : آپ میرا کام اور مشکل کررہے ہیں۔ میں ایک شبد (لفظ) کہتا ہوں، آپ اس کے لیے دوسرا شبد چاہتے ہیں۔

کلیور : (ٹیبل پر ہاتھ رگڑتے ہوئے) کیا عجیب کا ارتھ (مطلب) پاگل ہے؟

کوکسن : پاگل نہیں ...... عجیب۔

کلیور : خیر، آپ نے کہا اس کے گلے کا بٹن کھلا ہوا تھا۔ کیا اس دن بہت گرمی تھی؟

کوکسن : ہاں، شاید تھی تو۔

کلیور : جب آپ نے اس سے کہا، تو کیا اس نے بٹن لگا لیا؟

کوکسن : ہاں، شاید لگا لیا۔

کلیور : کیا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ ٹھیک نہیں تھا؟

(کوکسن جواب دینے کو منہ کھول کر ہی رہ جاتا ہے۔ کلیور بیٹھ جاتا ہے)

فروم : (جلدی سے اٹھ کر) کیا آپ نے کبھی پہلے اسے ایسے است ویست (پریشان) دیکھا تھا؟

کوکسن : نہیں، وہ ہمیشہ شانت اور صاف رہتا تھا۔

فروم : بس، اتنا کافی ہے۔

(کوکسن جج کی طرف گھوم کر اس پرکار سے دیکھتا ہے مانو وکیل بھول گیا ہو کہ جج بھی کچھ پوچھے گا۔ پھر جب سمجھ جاتا ہے کہ جج کچھ نہیں پوچھے گا تو اتر کر جیمس اور والٹر کے بگل میں بیٹھ جاتا ہے)

فروم : رُتھ ہنی ول کا نام پکارتا ہے۔

(رُتھ ہنی ول عدالت میں آکر گواہوں کے کٹھگھرے میں اِستھر بھاؤ سے شانت کھڑی ہوتی ہے، اس کا چہرہ مرجھایا ہوا ہے)

فروم : نام کیا ہے؟

رُتھ : رُتھ ہنی وِل۔

فروم : عمر؟

رُتھ : چھبیس سال۔

فروم : آپ کی شادی ہوچکی ہے؟ اپنے پتی کے ساتھ رہتی ہیں؟ ذرا زور سے بولیے۔

رُتھ : نہیں، جولائی سے اس کے ساتھ نہیں رہتی۔

فروم : آپ کے بال بچے ہیں؟

رُتھ : جی ہاں! دو ہیں۔

فروم : کیا وہ آپ کے ساتھ رہتے ہیں؟

رُتھ : جی ہاں!

فروم : کیا آپ ابھیوکت کو جانتی ہیں؟

رُتھ : (اس کی طرف دیکھ کر) ہاں!

فروم : آپ کے ساتھ اس کا کس پرکار کا سمبندھ تھا؟

رُتھ : متر کا۔

جج : متر!

رُتھ : (بھولے پن سے) جی ہاں، پریمی۔
جج : (تیور سئور سے) کس معنی میں؟
رُتھ : ہم دونوں ایک دوسرے کو پیار کرتے ہیں۔
جج : ٹھیک ہے! لیکن ......
رُتھ : (سر ہلا کر) جی نہیں، اور کچھ نہیں ہوا۔
جج : ابھی تک کچھ نہیں ...... ہوں ......

(رُتھ سے فالڈر کی طرف درشٹی گھما کر)

ٹھیک ہے!

فروم : آپ کے پتی کیا کرتے ہیں؟
رُتھ : مسافر ہیں۔
فروم : آپ دونوں میں کیسی پٹتی ہے؟
رُتھ : (سر ہلا کر) وہ کہنے کی بات نہیں ہے۔
فروم : کیا وہ تمھارے ساتھ برا ویوہار کرتے تھے یا اور کوئی بات ہے؟
رُتھ : ہاں، پہلے بچے کے بعد سے ہی۔
فروم : کس پرکار؟
رُتھ : یہ میں نہیں کہہ سکتی ...... ہر طرح سے۔
جج : مجھے ڈر ہے، آپ یہ سب نہیں کہہ سکتے۔
رُتھ : (فالڈر کی طرف اشارہ کرکے) انھوں نے مجھے اپنی شَرَن میں لینے کا بچَن (وعدہ) دیا، ہم دَکشِن امریکا (جنوبی امریکا) جانے والے تھے۔
فروم : (جلدی سے) ہاں، ٹھیک ہے، اور پھر اڑچن کیا پڑی؟
رُتھ : میں دفتر کے باہر ہی کھڑی تھی کہ وہ پکڑ لیے گئے۔ اس سے میرا دل ٹوٹ سا گیا۔
فروم : تو آپ جان گئی تھیں کہ وہ گرفتار کرلیا گیا؟

رُتھ : جی ہاں، میں اس کے بعد دفتر میں گئی تھی، اور انھوں نے ....
(کوکسن کی طرف اشارہ کرکے)
مجھے سب بتلا دیا۔

فروم : اچھا، کیا آپ کو ساتویں جولائی کی بات یاد ہے؟

رُتھ : ہاں۔

فروم : کیوں؟

رُتھ : اس دن میرے پتی نے میرا گلا گھونٹ ڈالنا چاہا تھا۔

جج : گلا گھونٹ ڈالنا چاہا تھا؟

رُتھ : (سر نیچا کرکے) جی ہاں۔

فروم : ہاتھ سے یا کسی ......

رُتھ : ہاں، میں کسی پرکار وہاں سے بھاگ آئی، اور اپنے مِتر سے ملی۔ اس سَمے ٹھیک آٹھ بجے تھے۔

جج : سویرے؟ تمھارے پتی اس سَمے شراب کے نشے میں تو نہیں تھے؟

رُتھ : ہمیشہ شراب کے نشے میں ہی نہیں مارتے تھے۔

فروم : آپ اس سَمے کس حالت میں تھیں؟

رُتھ : بہت بری حالت میں۔ میرے کپڑے سب پھٹ رہے تھے، اور میرا دم گھٹ رہا تھا۔

فروم : کیا آپ نے اپنے مِتر سے یہ ماجرا کہا تھا؟

رُتھ : ہاں، کہا تھا۔ اب سمجھتی ہوں، اگر نہ کہتی، تو اچھا ہوتا۔

فروم : کیا وہ سن کر وہ آپے سے باہر ہوگیا تھا؟

رُتھ : بری طرح۔

فروم : اس نے کسی چیک کے بارے میں کبھی آپ سے کچھ کہا تھا؟

رُتھ : کبھی نہیں۔

فروم : اس نے کبھی آپ کو روپے بھی دیے تھے۔

رُتھ : ہاں، دیے تھے۔

فروم : کس دن؟

رُتھ : شنی وار (سنیچر) کے دن۔

فروم : 8/ تاریخ کو۔

رُتھ : میرے اور بچے کے لیے کپڑے خریدنے اور چلنے کی تیاری کرنے کے لیے۔

فروم : کیا ان سے آپ کو آشچریہ ہوا تھا؟

رُتھ : کس بات سے؟

فروم : کہ اس کے پاس تمھیں دینے کو روپے نکل آئے۔

رُتھ : ہاں، ہوا تھا۔ اس لیے کہ جب میرے پتی نے مجھے مارا تھا اس دن سویرے میرے مِتر رونے لگے تھے کہ ان کے پاس روپے نہیں ہے جو وہ مجھے کہیں لے چلیں۔ بعد کو انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اچانک ان کی قسمت کھل گئی ہے۔

فروم : آپ نے ان کو آخری بار کب دیکھا تھا؟

رُتھ : جب وہ پکڑ لیے گئے۔ یہی دن ہمارے روانہ ہونے کا تھا۔

فروم : اچھا، کیا آپ سے اس کی ملاقات شُکروار (جمعہ) اور اس دن کے بیچ میں اور بھی کبھی ہوئی تھی؟

(رتھ سر ہلا کر قبول کرتی ہے)

اس سَمے اس کی کیا حالت تھی؟

رُتھ : گونگے کے سمان۔ کبھی کبھی تو اس کے منہ سے ایک شَبد بھی نہیں نکلتا تھا۔

فروم : مانو کوئی اَسدھارن (معمولی) بات ہوگئی ہو؟

رُتھ : ہاں!

فروم : رنج کی، خوشی کی، یا اور کسی بات کی؟

رُتھ : جیسے اس کے سر پر کوئی وِپتی (آفت) منڈلا رہی ہو!

فروم : (کچھ ہچک کر) میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمھیں اس سے بہت پریم تھا؟

رُتھ : (سر نوا کر) ہاں۔

فروم : کیا وہ بھی آپ سے بہت پریم کرتا تھا؟

رُتھ : (فالڈر کی طرف دیکھ کر) ہاں صاحب!

فروم : اچھا جی، آپ کا کیا وِچار ہے؟ آپ کو خطرے اور آفت میں دیکھ کر وہ بدحواس ہوگیا تھا اور اس کا اپنے اوپر قابو نہ رہا یا اور کچھ؟

رُتھ : ہاں، یہی بات ہے۔

فروم : بھلے برے کا خیال بھی جاتا رہا؟

رُتھ : ہاں، کچھ دیر کے لیے اَوَشیہ۔

فروم : اچھا، کیا شُکروار کو وہ بہت گھبرایا ہوا تھا یا سَدھارن دَشا میں؟

رُتھ : بہت ہی گھبرائے ہوئے۔ میں انھیں اپنے پاس سے جانے نہ دیتی تھی۔

فروم : کیا آپ اب بھی اسے چاہتی ہیں؟

رُتھ : (فالڈر کی طرف دیکھ کر) انھوں نے میرے لیے اپنا ستیاناس (برباد) کرلیا۔

فروم : دھنیّ واد!

(وہ بیٹھ جاتا ہے، رُتھ وہیں پر اُوِچلت بھاؤ سے (ساکت) سیدھی کھڑی رہتی ہے)

کلیور : (لحاظ سے) جب شُکروار سات تاریخ کے سویرے آپ ان سے بِدا (رخصت) ہوئیں، اس سَمے وہ ہوش و ہواس میں تھے؟

رُتھ : جی ہاں!

کلیور : دھنیّ واد! مجھے آپ سے اور کچھ نہیں پوچھنا ہے۔

رُتھ : (جیوری کی طرف کچھ جھک کر) شاید میں بھی ان کے لیے ایسا ہی کرسکتی تھی، اوشیہ کرسکتی تھی۔

جج : ذرا ٹھہرو، تم کہتی ہو کہ تمھارا وِواہت جیون بالکل سُکھ رَہت ہے۔ دونوں ہی کا دوش (قصور) ہوگا۔

رُتھ : میرا دوش ہے کہ میں کبھی اس کی خوشامد نہیں کرتی۔ ایسے آدمی کی خوشامد کریں ہی کیوں؟

جج : تم ان کا کہنا نہیں مانتی ہوگی۔

رُتھ : (پرشن کو ٹال کر) میں ہمیشہ اس کی اکشا (مرضی) کے انوسار (مطابق) کام کرتی رہی ہوں۔

جج : ملزم سے جان پہچان ہونے کے پہلے تک؟

رُتھ : نہیں، بعد کو بھی۔

جج : میں یہ سوال اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ تم ملزم سے پریم کرنا نِندا (مذمت) کی بات نہیں سمجھتی؟

رُتھ : (ہچک کر) کداپی (قطعی) نہیں، میرے جیون کا یہی آدھار (بنیاد) ہے۔

جج : (کڑی نگاہ سے دیکھ کر) اچھا، اب تم جاسکتی ہو۔

(رُتھ فالڈر کی طرف دیکھتی ہے، پھر دھیرے دھیرے اتر کر گواہوں میں جاکر بیٹھ جاتی ہے)

فروم : میں اب ملزم کو بلاتا ہوں، حضور!

(فالڈر کٹھگھرے میں سے اتر کر گواہوں کے کٹھگھرے میں جاتا ہے۔ باقاعدہ قسم دلائی جاتی ہے)

فروم : تمھارا نام کیا ہے؟

فالڈر : ولیم فالڈر۔

فروم : اور عمر؟

فالڈر : تئیس سال۔

فروم : تمھاری شادی نہیں ہوئی ہے؟

(فالڈر سر ہلا کر انکار کرتا ہے)

فروم : اس مہیلا (عورت) کو تم کتنے دنوں سے جانتے ہو؟

فالڈر : چھ مہینے سے۔

فروم : اس نے تمھارے ساتھ اپنا جو رشتہ بتلایا ہے، کیا وہ ٹھیک ہے؟

فالڈر : ہاں۔

فروم : تو تمھیں اس سے گہرا پریم ہے۔ کیوں؟

فالڈر : ہاں۔

جج : یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی شادی ہو گئی ہے؟

فالڈر : حضور، میں لاچار ہو گیا۔

جج : لاچار ہو گئے؟

فالڈر : حضور، میں اپنے کو سنبھال نہ سکا۔

(جج کندھا ہلاتا ہے)

فروم : تم سے اس سے جان پہچان کیسے ہوئی؟

فالڈر : میری ایک وِواہت بہن کے ذریعے۔

فروم : کیا تم جانتے تھے کہ اپنے پتی کے ساتھ وہ سکھی تھی، اتھوا نہیں؟

فالڈر : اسے کبھی سکھ نہیں ملا۔

فروم : کیا تم اس کے پتی کو جانتے تھے؟

فالڈر : ہاں، کیول اسی کے دوارا (ذریعے) میں نے جانا تھا وہ نرپشو ہے۔

جج : میں نہیں چاہتا پڑوس میں کسی آدمی کو گالیاں دی جائیں۔

فروم : (سر جھکا کر) جیسی حضور کی آگیہ (حکم)!

(فالڈر سے)

کیا تم اس چیک میں ردو بدل سویکار کرتے ہو؟

(فالڈر سر جھکا لیتا ہے)

فروم : تاریخ 7/ جولائی کی بات یاد کرو اور جیوری سے اس دن کی گھٹنا (واقعہ) بیان کرو۔

فالڈر : (جیوری کی طرف دیکھ کر) میں سویرے اپنا ناشتہ کررہا تھا جب وہ آئی۔ اس کے سارے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، وہ ہانپ رہی تھی مانو سانس لینے میں بھی اسے کشٹ ہورہا ہو۔ اس کے گلے پر پُروش کی انگلیوں کے نشان تھے۔ اس کی بانہوں میں چوٹ آگئی تھی۔ اور خون جم گیا تھا۔ میں اس کی یہ دَشا دیکھ کر ڈر گیا۔ اس کے بعد اس نے سب حال مجھ سے کہا۔ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا ...... ایسا معلوم ہونے لگا اور وہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ میرے لیے وہ اَسہائے (ناقابلِ برداشت) تھا۔

(یکایک تن کر)

آپ اسے دیکھتے، اور آپ کے دل میں بھی اس کے لیے میری جیسی محبت ہوتی تو آپ بھی میرے ہی سمان (طرح) ویاکل (پریشان) ہوجاتے۔

فروم : اچھا!

فالڈر : وہ میرے پاس سے چلی گئی کیونکہ مجھے دفتر جانا تھا۔ تو اس بھے (خوف) سے میرے ہوش اڑے تھے کہ کہیں وہ پھر اس پر اتیاچار نہ کرے۔ سوچ رہا تھا کیا کروں۔ میں کام نہ کرسکا۔ رات دن اسی طرح بیت گیا۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا۔ سوچنے کی شکتی نہ تھی۔ چپ چاپ بیٹھا نہ جاتا تھا۔ ٹھیک اسی سَمے ڈیوس میرے پاس آیا، اور چیک دے کر بولا، فالڈر جاؤ، ذرا بینک سے روپیے لیتے آؤ شاید ہوا میں پھر آنے سے تمھیں کچھ آرام ملے۔ معلوم ہوتا ہے تمھاری آدھی جان نکل گئی ہے۔ پھر وہ جب چیک میرے ہاتھ میں آیا میں نہیں جانتا مجھے کیا ہوا۔ نہ جانے کیوں کر میرے من میں آیا کہ اگر ٹی وائی جوڑ کر انک کے آگے ایک بندی لگا دوں تو رُتھ کو وہاں ہٹا لے جانے کے لیے روپے ہوجائیں گے۔ وہ بات میرے دماغ میں آئی اور

چلی گئی۔ مجھے پھر کچھ یاد نہیں کہ ڈیوس کے جانے کے بعد میں نے کیا کیا۔ کیول جب کیشیر کو میں نے چیک دیا، تو اس نے پوچھا تھا کہ کیا نوٹ دوں؟ تب شاید مجھے معلوم ہوا کہ میں نے کیا کیا۔ جب میں باہر آیا، تو جی میں آیا کسی موٹر کے نیچے دب کر مر جاؤں۔ میں نے چاہا روپیوں کو پھینک دوں، لیکن پھر مجھے اس کی یاد آئی اور میں نے اسے بچانے کی ٹھان لی، چاہے کچھ بھی ہو۔ یہ سچ ہے کہ سفر کے ٹکٹ کے روپے اور جو کچھ میں نے اس کو دیے تھے سب مٹی میں مل گئے۔ لیکن باقی روپے میں نے بچا لیے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں میں نے یہ کام کیسے کیا، کیونکہ یہ میرا سوبھاؤ نہیں ہے۔

(فالڈر چپ ہو جاتا ہے اور ہاتھ ملتا ہے)

فروم : تمھارے آفس سے بینک کتنی دور ہے؟

فالڈر : کوئی پچاس گز سے ادھک نہ ہوگا۔

فروم : ڈیوس کے چلے جانے کے بعد سے تمھارے چیک بھنانے میں کتنا سمے لگا ہوگا؟

فالڈر : چار منٹ سے زیادہ نہ لگے ہوں گے۔ کیونکہ میں ڈوڑتا ہوا گیا تھا۔

فروم : کیا چار منٹ کے بھیتر کا حال تمھیں یاد نہیں۔

فالڈر : جی نہیں، سوائے اس کے کہ میں دوڑتا ہوا گیا تھا۔

فروم : ٹی وائی اور ہندی کا جوڑنا بھی تمھیں یاد نہیں؟

فالڈر : جی نہیں، میں سچ کہتا ہوں۔

(فروم بیٹھتا ہے اور کلیور اٹھتا ہے)

کلیور : لیکن تمھیں یاد ہے کہ تم دوڑے تھے؟

فالڈر : جب میں بینک پہنچا، اس سمے میرا دم پھول رہا تھا۔

کلیور : اور تمھیں چیک کا بدلنا یاد نہیں؟

فالڈر : (دھیرے سے) جی نہیں۔

کلیور : میرے مِتر نے وِلک شنتا کا آورن ڈال رکھا ہے اسے ہٹا دینے سے کیا وہ سادھارن (معمولی) جعل سازی کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے؟ بولو؟

فالڈر : میں اس دن آدھا پاگل ہو رہا تھا، جناب۔

کلیور : ٹھیک، ٹھیک! لیکن تم انکار نہیں کرسکتے کہ ٹی وائی اور صفر باقی لکھاوٹ کے ساتھ ایسا مل گیا تھا، کہ خزانچی دھوکھا کھا گیا۔

فالڈر : سنیوگ تھا۔

کلیور : (خوش ہو کر) وِچتر کا سنیوگ تھا، کیوں؟ مثنیٰ کو تم نے کب بدلا؟

فالڈر : (سر جھکا کر) بدھوار کے دن۔

کلیور : کیا وہ بھی سنیوگ تھا؟

فالڈر : (چھینتر سَور سے) جی نہیں۔

کلیور : یہ کام کرنے کے لیے تم آوشیہ موقع ڈھونڈتے رہے ہو گے۔ کیوں؟

فالڈر : (آواز مشکل سے سنائی پڑتی ہے) ہاں۔

کلیور : تم یہ تو نہیں کہتے کہ کام کرتے وقت بھی تم بہت اُتّجت تھے؟

فالڈر : میرے سر پر بھوت سوار تھا۔

کلیور : پکڑے جانے کے ڈر سے؟

فالڈر : (بہت دھیرے سے) ہاں!

جج : کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ اپنے مالکوں سے ساری باتیں کہہ کر روپے لوٹا دینا ہی تمھارے لیے اچھا ہو گا؟

فالڈر : میں ڈرتا تھا۔

(سب چپ ہو جاتے ہیں)

کلیور : نیہ سندیہہ تمھاری اکشا تھی کہ تم اس کے بعد اس عورت کو بھگا لے جاؤ گے۔

فالڈر : جب مجھے معلوم ہوا کہ میں نے ایسا کام کر ڈالا تو اس کا اُپیوگ (استعمال) نہ کرنا گناہ بے لذّت تھا۔ اس سے تو کہیں اِدھک اکشا ندی میں ڈوب کر مر جانا تھا۔

کلیور : تم جانتے تھے کہ کلرک ڈیوس انگلینڈ جارہا ہے۔ جب تم نے چیک بدلا تھا تب کیا تمھیں نہیں سوجھا تھا کہ سب کا شک ڈیوس پر ہوگا۔

فالڈر : میں نے پل کے بھیتر سب کام کیا۔ ہاں، بعد میں یہ بات میری سمجھ میں آئی تھی۔

کلیور : اور پھر بھی تم سے اپنی غلطی ظاہر نہ کی گئی؟

فالڈر : (اداسی سے) میں نے سوچا تھا وہاں پہنچ کر میں سب کچھ لکھ بھیجوں گا۔ میری اکشا روپے کو چکا دینے کی تھی۔

جج : لیکن اسی بیچ میں تمھارا نردوش مِتر (بے قصور دوست) کلرک گرفتار ہوسکتا تھا۔

فالڈر : میں جانتا تھا کہ وہ بہت دور ہے، حضور۔ میں نے سوچا تھا کہ وقت مل جائے گا۔ اتنی جلدی بات ظاہر ہوجائے گی یہ مجھے خیال ہی نہیں تھا۔

فروم : شاید حضور کو یاد دلانا بے جا نہ ہوگا، چیک بُک مسٹر والٹرہاؤ کے پاس ڈیوس کے چلے جانے کے بعد تک تھا۔ اگر یہ جعل سازی ایک دن بعد پکڑی جاتی، تو فالڈر بھی چلا گیا ہوتا۔ اس سے شک بھی فالڈر پر ہی ہوتا نہ ڈیوس پر۔

جج : سوال یہ ہے کہ ملزم کو یہ بات معلوم تھی یا نہیں کہ شک اس پر ہوگا نہ کہ ڈیوس پر؟

(فالڈر سے تیور سور میں)

کیا تم جانتے تھے کہ چیک مسٹر والٹرہاؤ کے پاس ڈیوس کے چلے جانے کے بعد تک تھا؟

فالڈر : میں .... میں .... میں نے سوچا تھا .... وہ ....

جج : دیکھو سچ سچ بولو، ہاں یا نہیں۔

فالڈر : (بہت آہستے) نہیں حضور، یہ میں نہیں جانتا تھا۔

جج : یہاں تمھاری بات کٹ جاتی ہے، مسٹر فروم۔

(فروم سر جھکاتا ہے)

کلیور : کیا ایسی سنک تمھیں پہلے بھی کبھی سوار ہوئی تھی؟

فالڈر : (کاتر بھاؤ (دبی آواز) سے) جی نہیں۔

کلیور : تیسرے پہر تم اتنے سوستھ (تندرست) ہوگئے تھے کہ پھر تم اس سمے پورے طور پر کام پر واپس اپنا کام کرنے کے لیے گئے۔

فالڈر : ہاں، مجھے روپیہ لے کر آفس میں واپس جانا تھا۔

کلیور : تمھارا مطلب نو پونڈ سے ہے۔ تمھارا ہوش تو اتنا ٹھیک تھا کہ تمھیں یہ سب خوب اچھی طرح یاد تھی پھر بھی تم کہتے ہو کہ تمھارے چیک کے انک بدلنے کی بات یاد نہیں۔

فالڈر : اگر میں اس سمے پاگل نہ ہوتا، تو میں کبھی بھی یہ کام کرنے کی ہمت نہ کرتا۔

فروم : (اٹھ کر) کیا واپس جانے کے پہلے تم نے اپنا کھانا کھایا تھا؟

فالڈر : نہیں، میں نے دن بھر کچھ نہیں کھایا تھا۔ اور رات کو نیند بھی مجھے نہیں آئی۔

فروم : اچھا، ڈیوس کے جانے اور نوٹ بھنانے کے بیچ جو چار منٹ بیتے تھے، اس کی بات کیا تمھیں بالکل یاد نہیں؟

فالڈر : (ایک منٹ ٹھہر کر) مجھے کیول یہ یاد ہے کہ اس سمے مسٹر کوکسن کا چہرہ مجھے یاد آرہا تھا۔

فروم : مسٹر کوکسن کا چہرہ؟ اس سے اور تمھارے کام سے کیا سمبندھ ؟

فالڈر : نہیں، مہاشیہ۔

فروم : کیا تمھیں آفس میں جانے کے پہلے بھی وہی بات یاد تھی؟

فالڈر : ہاں! اس سمے، باہر دوڑتے سمے بھی۔

فروم : اور کیا اس سمے تک ہی یاد تھی جب خزانچی نے تم سے کہا، کیا نوٹ لیں گے؟

فالڈر : ہاں، اس کے بعد مجھے ہوش آگیا۔ لیکن تب سوچنا بے کار تھا۔

فروم : دھنیّ واد! بس صفائی کے سب گواہ گزر چکے۔

(جج سر ہلاتا ہے۔ فالڈر اپنی جگہ پر واپس آتا ہے)

فروم : (کاغذ وغیرہ سنبھال کر) حضور اور جیوری گن، میرے مِتر اپنی جرہ میں اس صفائی کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے جو اس معاملے میں ہماری طرف سے پیش کی گئی۔ میں جانتا ہوں کہ جو گواہ پیش کیے گئے ہیں اس سے اگر آپ کے دل میں یہ یقین نہ ہوگیا ہو کہ ملزم نے یہ کام کیوَل ایک چھنِک دُربلتا کے کارن کیا ہے، اور دراصل اس کو اس کے لیے ذمہ دار نہیں کہا جاسکتا تو میرے کتھن کا بھی کچھ اثر آپ پر نہیں پڑے گا۔ اس کے ہردے (دل) میں جو بھیانک اُتھل پُتھل تھا، اس نے اس کی مانسیک اور نیتک شکتیوں کو ایسا کچل ڈالا کہ اسے ایک چھنیک پاگل پن کہا جاسکتا ہے۔ میرے مِتر نے کہا ہے کہ میں نے اس معاملے پر وِلک شَنتا کا آورن ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مہودے گن، میں نے ایسی کوشش نہیں کی۔ میں نے کیوَل جیون کا وہ آدھار دکھایا ہے .... اس اُاستھر جیون کا، جو پرتِک پاپ (ہر گناہ) کا کارن ہوتا ہے، چاہے میرے مِتر اس کی کتنی ہنسی کیوں نہ اڑائیں۔ مہاشیہ گن، ہم اس سمے ایک ایسے سمیہ یوگ میں پہنچ گئے ہیں کہ کسی پرکار کے بھیشن اتیاچار کا درشیہ (منظر) ہمارے دل پر ایک خاص اثر ڈالے بنا نہیں رہتا، چاہے ہمارے ساتھ اس معاملے کا کچھ بھی سمبھند نہ ہو۔ پر اگر

ہم ایسا اتیاچار ایک عورت پر ہوتے دیکھیں، اور وہ ایسی عورت ہو جسے ہم پیار کرتے ہیں، تب کیا ہوگا؟ سوچیے، یدی ملزم کی دشا میں آپ ہوتے، تو کس پرکار کا بھاؤ آپ کے من میں اُتپن ہوتا؟ اس بات کو سوچیے اور تب اس کے منہ کی طرف دیکھیے۔ وہ ان بے فکروں میں اور بے حیاؤں میں نہیں ہے جو اس عورت پر جسے وہ پیار کرتا ہے پیشاچک اتیاچار کے چنہہ (شیطان صفت ظلم کے نشان) دیکھے اور وِچلت (متاثر) نہ ہو۔ ہاں مہاشیہ گن، دیکھیے اس کے مکھ پر دِڑھتا نہیں ہے۔ اور نہ اس کے چہرے سے پاپ ہی جھلک رہا ہے۔ یہ ایک ایسا سادھارن چہرہ ہے جو بڑی آسانی سے اپنے بھاؤں کے وشبھوت ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کا حال بھی آپ نے سنا ہے۔ میرے متر چاہے "عجیب" شبد پر ہنس اٹھیں، لیکن دراصل ایسی اوستھاؤں میں منشیوں (انسانوں) کی آنکھوں میں جو چنچلتا آجاتی ہے وہ سوائے "عجیب" کے اور کچھ نہیں کہی جاسکتی۔ یاد رکھیے، میں یہ نہیں کہتا کہ اس کی مانسیک دُربلتا چھنیک اندھکار کی جھلک ماتر نہیں تھی جس میں دھرم اور اَدھرم کا گیان لُپت ہو گیا، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ جس طرح کوئی منشیہ ایسی پرستھیتی میں آتم ہتیا کرلینے پر آتم ہتیا کے دوش (قصور) سے مکت ہو جاتا ہے، اسی بھانتی وہ اس اَویوستھت دشا میں دوسرے اپرادھ بھی کرسکتا ہے، اور کرتا ہے۔

اس کارن اس کو اپرادھی نہ کہہ کر ایک مریض کہنا چاہیے اور اس کے علاج کا پربندھ (انتظام) بھی کرنا چاہیے۔ میں مانتا ہوں کہ اس ترک کا دُرپیوگ کیا جاسکتا ہے۔ پرستھیتی کو دیکھ کر ہی اس کا نرنیہ (فیصلہ) کرنا چاہیے۔ لیکن یہ ایک ایسی بھاؤنا ہے، جس میں آپ کو سندیہہ کا پھل اپرادھی کو دینا چاہیے۔ آپ نے سنا ہوگا میں نے پرادھی سے پرشن کیا تھا کہ اس ابھاگے نے چار منٹ میں کیا سوچا تھا۔ اس نے کیا جواب دیا؟ 'مجھے مسٹر کوکسن کا

چہرہ یاد آرہا تھا۔' مہاشیہ گن، کوئی آدمی بناوٹی طور سے ایسا جواب نہیں دے سکتا۔ اس پر ستیہ (حقیقت) کی ایک گمبھیر (گہری) چھاپ لگی ہوئی ہے۔ جو عورت آج اپنی جان کو بھی جوکھم (خطرہ) میں ڈال کر یہاں گواہی دینے آئی ہے، اس کے ساتھ اپرادھی کا جو پریم ہے، چاہے اُچت ہو یا نہ ہو، وہ بھی آپ سے اب چھپا نہیں ہے۔ جس دن اس نے یہ کام کیا تھا اس دن وہ کتنا گھبرایا ہوا تھا اس میں تو کوئی سندیہہ کرنا اسمبھو ہے۔ اس پرکار کے دُربل اور بھاؤپربل آدمی کا ایسی دشا میں کتنا پَتن (تنزل) ہوسکتا ہے۔ یہ ہم سب کو اچھی طرح معلوم ہے۔ یہ سارا کام کیوَل ایک منٹ میں ہوا۔ باقی کام ٹھیک ویسے ہی ہوا، جیسے چھرا بھونکنے کے بعد آدمی مر جاتا ہے یا صراحی الٹ دینے سے پانی گر پڑتا ہے۔

آپ کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ جیون میں کوئی بات اتنی دُکھ دائی نہیں ہے جتنی یہ کہ جو ہوچکا وہ مِٹایا نہیں جاسکتا۔ ایک بار جب چیک پر انک بدل دیا گیا اور اس کے روپے مل گئے۔ جو چار بھینکر منٹوں کا کام تھا تو چپ سادھ لینے کے سوا اور کیا کیا جاسکتا تھا؟ لیکن ان چار منٹوں میں یہ آدمی جو آپ کے سامنے کھڑا ہے اس پنجڑے میں آکر پھنس گیا جو آدمی کو بے داغ نہیں چھوڑتا۔ اس کے بعد کے کام .... اس کا اپرادھ سویکار نہ کرنا، مثنے کو بدلنا، بھاگنے کی تیاری کرنا .... ان سے یہ نہیں سِدّھ (ثابت) ہوتا کہ اس نے دِڑھ پاپ مئے سنکلپ سے یہ کام کیے، جو مُول آچرن کے پھل ماتر تھے۔ بلکہ ان سے کیوَل اس کے چرتر کی دُربلتا سدھ ہوتی ہے اور یہی اس کی وِپتی کا کارن (وجہ) ہے۔ لیکن کیا ہمیں کیوَل اس لیے اسے پتت کر دینا چاہیے کہ وہ جنم اور شِکشا (تعلیم) سے دُربل چرِتر ہے۔ مہودے گن، اس اپرادھی کی طرح ہزاروں آدمی ہمارے قانون کی چکّی میں روز پِس کر مرر ہے ہیں۔ کیوَل اس لیے کہ ہم میں وہ انسانیت کی

آنکھ نہیں ہے جس سے ہم دیکھیں کہ وہ اپرادھی نہیں کیول مریض ہے، یدی ملزم اپرادھی ثابت ہوگیا اور اس کے ساتھ ملزم یا پاپ میں سَنے پرانیوں کا سا ویوہار کیا گیا تو وہ سچ مچ میں ایک اپرادھی بن جائے گا، جیسا ہم اپنے اُنبھو سے کہہ سکتے ہیں۔

میں آپ سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ ایسی ویوستھا نہ دیجیے جو اسے جیل میں لے جاکر ہمیشہ کے لیے داغ لگا دے۔ مہودے گن! نیائے ایک یَنتر (آلہ، مشین) ہے جسے یدی کوئی چلادے تو پھر وہ اپنے ہی آپ چلتا رہتا ہے۔ کیا ہم اس ویکتی کو دراصل اس مشین کے نیچے دبا کر چکناچور کردیں گے؟ اور وہ اس لیے کہ دربلتا کے وشیبھوت ہوکر اس نے ایک بھول کی ہے۔ کیا آپ اسے ان ابھاگے ملاحوں کا ایک سَدَسیہ بنانا چاہتے ہیں جو ان اندھیرے اور بھیشن جہازوں کو چلاتے ہیں جنھیں ہم جیل خانہ کہتے ہیں؟ کیا اسے وہ یاترا (سفر) شروع کرنی ہوگی جہاں سے شاید ہی کوئی لوٹتا ہو؟ یا پھر اسے ایک بار سَمے دینا چاہیے کہ صبح کا کھویا ہوا شام کو بھی لوٹ آتا ہے، یا نہیں؟ میں آپ لوگوں سے عرض کرتا ہوں کہ اس نوجوان کی زندگی کو برباد نہ کیجیے۔ یہ ساری بربادی انھیں چار منٹوں کا پھل ہے۔ گھور سَروناش اس کی طرف منہ کھولے کھڑا ہے۔ ابھی یہ بچ سکتا ہے۔ آج آپ اسے اپرادھی کی طرح سزا دے دیجیے اور میں آپ سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ نہ تو اس کا چہرہ اور نہ اس کا رنگ ڈھنگ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اس اَگنی پریکشا سے بچ نکلے گا۔ اس کے اپرادھ کو ایک پلڑے میں تولیے اور دوسرے پر اس کے ان کشٹوں کو تولیے جو وہ پاچکا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کشٹو کا پلڑا دس گنا ادھِک بھاری ہوگیا۔ دو مہینے سے وہ حوالات میں سڑ رہا ہے۔ کیا سمبھو (ممکن) ہے وہ اسے بھول جائے گا؟ اس دو مہینے میں اس کے ہردے کو جو دکھ ہوا ہوگا اسے سوچیے۔

آپ یقین رکھیے کہ اس کی سزا کافی ہو گئی۔ نیاے کی بھیشن چکّی اس کو تبھی سے پیسنے لگی ہے جب سے اس کا گرفتار ہونا طے ہو چکا تھا۔ یہ اس کی سزا کی دوسری منزل چل رہی ہے۔ اگر آپ تیسری پر لے جانے کی چیشٹا (کوشش) کریں گے تو میں آگے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

(اپنی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر ایک دائرہ بناتا ہے، پھر ہاتھ کو نیچا کرلیتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے)

(جیوری ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر سر ہلاتے ہیں، پھر سرکاری وکیل کی طرف دیکھتے ہیں۔ وہ اٹھتا ہے اور اپنی آنکھیں ایسی جگہ گڑا کر جس سے اسے کچھ سویدھا (سہولت) معلوم پڑتی ہے، بار بار آنکھیں پھیر کر جیوری کی طرف دیکھتا جاتا ہے)

کلیور : حضور! (نیچے کے بَل، کھڑے ہوکر) اور جیوری گن! اس معاملے کی گھٹناؤں پر کوئی آپتّی نہیں کی گئی ہے اور میرے مِتر چھما کریں، صفائی جو دی گئی ہے وہ اتنی کمزور ہے کہ میں پھر گواہوں کے بیان کی آلوچنا کرکے آپ کا سَمے نہیں خراب کرنا چاہتا۔ صفائی میں چھنیک پاگل پن کی دلیل پیش کی گئی ہے اور کیوں یہ بے سر پیر کی صفائی پیش کی گئی؟ شاید آپ مجھے معاف کریں، میں آپ سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں! ایسی صفائی کو بے سر پیر کے سوا اور کیا کہا جائے؟ قصور کو اقبال کرلینا ہی دوسرا راستہ تھا۔ مہودے گن! اگر اپرادھ سویکار کر لیا گیا ہوتا، تو میرے مِتر کو حضور کی سیدھی سادی دَیا کی پرارتھنا کرنے کے سوا اور کوئی اُپاے نہ تھا۔ پرنتوں انھوں نے ایسا نہ کرکے اس معاملے کی کتربیونت کی ہے، اور یہ صفائی گڑھ ڈالی ہے جس سے انھیں تریاچرتر کی بانگی دکھانے، ایک استری کو گواہ کے کٹھگھرے میں کھڑا کرنے اور اسے ایک کرونڑ پریم کے رنگ میں رنگنے کا اَوسَر (موقعہ) دے دیا ہے۔ میں اپنے مِتر کی اس سوجھ بوجھ کی تعریف کرتا ہوں۔ اس سے انھوں نے کسی حد تک قانون سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ شاید اور کسی

طرح وہ پریرنا اور چتنا کے سارے قصے کو عدالت کے سامنے اس پرکار نہ کھڑا کرسکتے۔ لیکن مہودے گن! ایک بار جب آپ کو اصلی بات معلوم ہوگئی، تب آپ ساری بات مان گئے۔

(سہردے اُپیکشا کے ساتھ)

اچھا اس پاگل پن کی دلیل کو دیکھیے۔ پاگل پن کے سوا ہم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے اس عورت کا بیان سنا ہے۔ وہ قیدی کے حق میں گواہی دے گی اس میں کچھ آشچریہ کی بات نہیں۔ پھر بھی اس نے کیا کہا تھا، آپ کو معلوم ہے؟ اس نے کہا .... جب اس نے بِدا لی تھی اس سَمے وہ کسی طرح اوَیوستھت نہ تھا۔ اگر چنتاؤں نے اسے آشانت کردیا تھا تو وہی ایک ایسا وقت تھا، جب اس کے من کی آشانتی پرکٹ ہوتی۔ صفائی کے دوسرے گواہ مینجنگ کلرک کی گواہی بھی آپ نے سنی جو انھوں نے قیدی کے حق میں دی تھی۔ کچھ کٹھنائی کے بعد میں اس سے قبول کرا پایا ہوں کہ ڈیوس کو چیک دیتے وقت ملزم کچھ اِاَستھر (ان کا وِچار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس شبد کا آشیہ سمجھ جائیں گے اور یقین ہے، مہاشیہ گن آپ سمجھ گئے ہوں گے) ہونے پر بھی پاگل نہیں تھا۔ اپنے مِتر کی بھانتی مجھے بھی دکھ ہے کہ ڈیوس یہاں نہیں ہے۔ لیکن ملزم نے وہ شبد کہے ہیں جو ڈیوس نے انھیں چیک دیتے سَمے کہے تھے۔ اوشیہ ہی وہ اس سَمے پاگل نہیں تھا۔ نہیں تو وہ ان شبدوں کو ضرور بھول جاتا۔ خزانچی نے بھی کہا کہ چیک بھناتے وقت اس کے ہوش و ہواش بالکل ٹھیک تھے۔ اس لیے اس صفائی کا مطلب یہ ہوا کہ ایک آدمی جو ایک بج کر دس منٹ پر سوَستھ (تندرست) تھا اور ایک بج کر پندرہ منٹ پر بھی ٹھیک تھا، وہ اپنے کو اس سَمے کے بیچ میں کیول اپرادھ کی سزا پانے کے ڈر سے پاگل کہہ رہا ہے۔

مہاشیہ، یہ دلیل اتنی لُچر (کمزور) ہے کہ میں زیادہ بکواس کرکے آپ کا سَمے

نشٹ (برباد) نہیں کرنا چاہتا۔ آپ سویم نشچے (فیصلہ) کرسکتے ہیں کہ اس کا کیا مُولیہ ہے۔ مِتر نے یہ ادھار لے کر جوانی، پرلوبھن (لالچ) آدی (وغیرہ) کے وِشے میں بہت کچھ کہا ہے اور بڑے سُندر شبدوں (خوبصورت لفظوں) میں کہا ہے۔ پرنتو میں کیوَل اتنا ہی یاد دلاتا ہوں کہ ملزم نے جو اپرادھ کیا ہے قانون کی دِرشٹی سے بہت بھاری اپرادھ ہے۔ ساتھ ہی اس معاملے میں کچھ اور بھی وِچار کرنے کی بات ہے۔ جیسے ملزم کا اپنے ساتھ کے نردوش (بے قصور) کلرک پر شک کروانے کی کوشش کرنا، دوسرے کی بیاہی ہوئی عورت کے ساتھ رشتہ رکھنا، اِتیادی (وغیرہ)۔ ان سب باتوں سے آپ کے لیے اس صفائی کو ادھِک مہتو (زیادہ اہمیت) دینا کٹھن ہوجائے گا۔ سارانش (خلاصہ) یہ کہ میں آپ سے ملزم کی دوشی سویکار کرنے کی پرارتھنا کرتا ہوں، جو ان ساری باتوں کو دیکھتے ہوئے آپ کے لیے لازم ہوگئی ہے۔

(درشٹی (نظر) کو جج اور جیوری کی طرف سے پھیر کر، فالڈر کی طرف گھماتا ہے، پھر بیٹھ جاتا ہے)

جج : (جیوری کی طرف کچھ جھک کر اور حاکمانہ انداز سے)

جیوری گن، آپ نے گواہوں کے بیان اور ان پر جرح سن لی ہے۔ میرا کام کیوَل یہی ہے کہ میں آپ کے سامنے وہ تنقیحیں رکھ دوں جن پر آپ کو وِچار کرنا ہے۔ یہ بات تو سویکار کرہی لی گئی ہے کہ چیک اور مثنے کے انکوں کو ملزم نے بدلا۔ اب صفائی یہ دی گئی ہے کہ ملزم نے جب یہ اپرادھ کیا، اس سمے وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ تھا۔ جہاں تک پاگل پن کی بات ہے آپ نے ملزم کا سارا قصہ اور دوسرے گواہوں کے بیان بھی سن لیے۔ اگر ان باتوں سے آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ جال کرتے وقت ملزم پاگل تھا تو آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ملزم اپرادھی ہے، لیکن وہ پاگل تھا۔ اور یدی

آپ کو یہ وِشواس ہو کہ ملزم کا دماغ ٹھیک تھا

(یاد رکھیے پورا پاگل ہونا ضروری ہے)

تو آپ اسے اپرادھی ٹھہرائیں گے۔ اس کے من کی دَشا کے وِشے میں جو شہادتیں ہیں، ان پر وِچار کرتے سَمے آپ بہت ہوشیاری سے جعل سازی کے پہلے اور پیچھے ملزم کے رنگ ڈھنگ اور چال چلن پر دھیان رکھیں۔ خود ملزم کی، اس عورت کی، کوکسن کی، اور کیشیر کی شہادتوں سے کیا سدّھ ہوتا ہے؟ اس وِشے میں میں آپ کو یہ بھی یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ملزم نے قبول کیا ہے کہ ٹی وائی اور صفر کے جوڑنے کی بات چیک ہاتھ میں آتے ہی اس کے من میں آگئی تھی۔ مثنیٰ کے بدلنے کے بعد اس کا آچرن کیسا تھا اسے بھی دھیان میں رکھیے۔ ان سب باتوں کا پوروِنشچے کے پرشن سے جو سمبندھ ہے وہ کھلا ہوا ہے۔ اور پوروِنشچے سوستھ دَشا میں ہی ہوسکتا ہے۔ اس کی عمر اور چت کی چنچلتا اتیادی باتوں پر وچار کرکے آپ کو اس کے ساتھ رعایت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یدی آپ اسے دوشی کے ساتھ پاگل نرنے کریں، تو یہ سوچ دیکھیں کہ وہ پاگل پن اس کا اس لائق تھا یا نہیں کہ اس وقت وہ پاگل خانے بھیج دیا جاتا۔

(وہ رک جاتا ہے، پھر جیوری کے ممبروں کو دُودھے (پش و پیش) میں پڑا ہوا دیکھ کر کہتا ہے)

اب آپ چاہیں تو الگ جاسکتے ہیں۔

(جج کے پیچھے کے دروازے سے جیوری چلے جاتے ہیں، جج کچھ کاغذوں کو سر جھکا کر دیکھنے لگتا ہے، فالڈر اپنے کھٹگھرے سے جھک کر اپنے وکیل سے گھبرائے ہوئے سُور میں رُتھ کی طرف سنکیت (اشارہ) کر کچھ بات کرتا ہے۔ وکیل اسے سن کر فروم سے کہتا ہے)

فروم : (اٹھ کر) حضور، ملزم نے مجھے آپ سے یہ عرض کرنے کو کہا ہے کہ آپ

کرپا (مہربانی) کرکے رپوٹروں سے کہہ دیں کہ وہ اخبار میں اس گواہ عورت کا نام اس معاملے کی کارروائی کی رپورٹ میں نہ چھاپیں۔ شاید حضور سمجھ سکتے ہیں کہ نتیجہ اس کے لیے کتنا برا ہوسکتا ہے۔

جج : (چوٹ کرتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ) لیکن مسٹر فروم، آپ ان باتوں کو جانتے ہوئے بھی اسے یہاں لائے ہیں نہ؟

فروم : (سندیہہ کے ساتھ سر جھکا کر) کیا حضور سمجھتے ہیں کہ اور کسی پرکار میں معاملے کو صاف صاف پیش کرسکتا تھا؟

جج : ہوں! خیر!

فروم : حضور، دراصل اس پر بڑی بھاری آفت آجائے گی۔

جج : یہ کوئی کارن نہیں ہے کہ میں آپ کی بات پر دھیان دوں۔

فروم : حضور، اتنی دَیا کریں۔ میں یقین دلاتا ہوں، کہ میں اتیوکتی نہیں کررہا ہوں۔

جج : گواہ کے نام کو چھپا رکھنا میرے نیم کے وِرُدھ ہے۔

(فالڈر کی طرف دیکھتا ہے، جو ہاتھ ملتا رہتا ہے، پھر رُتھ کی طرف دیکھتا ہے، جو اِستھر بیٹھی ہوئی فالڈر کی طرف دیکھتی ہے)

میں آپ کی بات پر وِچار کروں گا۔ میں سوچوں گا، کیونکہ مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ عورت کہیں قیدی کے لیے جھوٹی گواہی دینے نہ آئی ہو۔

فروم : حضور، میں سچ ....

جج : ٹھیک ہے، میں ابھی کوئی ایسی بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ مسٹر فروم، ابھی اس بات کو چھوڑیے۔

(بات ختم ہوتے ہی جیوری لوٹتے ہیں اور اپنی جگہ پر بیٹھتے ہیں)

اہلمد : جیوری گن، کیا آپ سب کی رائے مل گئی ہے؟

فورمین : ہاں، مل گئی ہے۔

اہلمد : کیا آپ نے اسے دوشی ٹھہرایا ہے، یا دوشی کے ساتھ پاگل بھی!

فورمین : دوشی (قصوروار)۔

(جج پرسن (خوش) ہوکر سر ہلاتا ہے، پھر کاغذوں کو ہلا کر فالڈر کی طرف دیکھتا ہے جو چپ چاپ اِستھر بھاؤ سے بیٹھا ہے)

فروم : (اٹھ کر) حضور کا حکم ہو تو آپ سے اس کی سزا کچھ کم کرنے کے لیے عرض کروں۔ جیوری سے تو میں اس کی عمر اور یہ کام کرتے سَمے اس کے من کی چنچلتا کے وِشے میں جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔ اس کے اُپرانت (بعد) حضور سے کچھ اور کہنے کی ضرورت میں نہیں سمجھتا۔

جج : میرا تو ایسا ہی خیال ہے۔

فروم : اگر حضور ایسا فرماتے ہیں، تو میں کیوَل اتنا ہی عرض کروں گا کہ حضور سزا دیتے وقت میری عرض کا خیال رکھیں۔

جج : (کلرک سے) قیدی کو آواز دو۔

کلرک : ملزم! سنو تمھارے اوپر جعل سازی کرنے کا اپرادھ لگایا گیا ہے۔ کیا تمھیں اس وِشے میں کچھ کہنا ہے کہ عدالت سے تمھیں قانون کے مطابق سزا کیوں نہ دی جائے؟

(فالڈر سر ہلا کر 'نہیں' کہتا ہے)

جج : ولیم فالڈر، تمھارا وچار اچھی طرح کیا گیا اور تمھارے اوپر جعل سازی کا اپرادھ سدّھ (ثابت) ہوا ہے۔

(کچھ ٹھہر کا کاغذ دیکھتا ہے اور کہتا ہے)

تمھاری طرف سے یہ صفائی دی گئی تھی کہ یہ اپرادھ کرتے سَمے تم اویوستھت تھے، اور اسی لیے اس کام کے لیے تم ذمہ دار نہیں کہے جاسکتے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ کیوَل اس پرلوبھن کا پرتیکش روپ دکھانے کی ایک چال تھی جس نے تمھیں چنچل کردیا، کیونکہ تمھارے وِچار کے پرارمبھ (ابتدا) سے ہی تمھارے وکیل نے ایک پرکار سے کیوَل دَیا کی

پرارتھنا کی ہے۔ یہ صفائی پیش کرنے سے اتنا ضرور ہوا کہ انھیں ایسی گواہیاں دلانے کا اوسر ملا جو اس وِچار سے دھیان دینے یوگیہ (لائق) ہیں۔ یہ کارروائی اُچت تھی یا نہیں تھی، دوسری بات ہے۔ انھوں نے تمھارے بارے میں کہا ہے کہ تمھیں اپرادھی نہیں، مریض سمجھنا چاہیے۔ اور ان کی اسی دلیل کا جس کا اَنت (اختتام) دَیا کی ایک مرم اسپرشی پرارتھنا پر ہوا، تتو کیا ہے؟ یہی کہ ہماری نیائے پدّھتی (طریقۂ انصاف) دوشِت (ناقص) ہے اور پاپ وِرتی (گناہ کے رجحان) کو سدھارنے کے بدلے اس کو پُشٹ اور پورن (مقوی اور مکمل) کرتی ہے۔ اس پرارتھنا کو کتنا مہتو دینا چاہیے اس وِشے میں کئی باتیں وِچارنیہ (قابل تفکر) ہیں۔ پہلے تو تمھارے اپرادھ کی گرُورتا ہے۔ کس چالاکی کے ساتھ تم نے مثنیٰ کو بدلا، کس کمینہ پن سے ایک نِردوش کے سر اپرادھ مڑھنے کی کوشش کی۔ اور یہ میرے خیال میں ایک بہت بڑی بات ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مجھے دوسروں کو تمھارا اُداہرن دکھا کر ایسے کاموں سے روکنا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی وِچار کرنا ہے کہ تم کم عمر ہو۔

اس کے پہلے تمھارا چال چلن ہمیشہ اچھا رہا ہے اور جیسا کہ تمھارے اور تمھارے گواہوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تم یہ کام کرتے وقت کئی کارنوں سے کچھ اَاَستھرچت بھی تھے۔ تمھارے پرَتی (تئیں) اور سماج کے پرتی جو میرا کرتویہ ہے اس کے اندر رہتے ہوئے میری پوری اِکشا ہے کہ میں تم پر دَیا کا وَیوہار کروں۔ اور یہ مجھے ان باتوں کی یاد دلاتا ہے جن کے آدھار پر ہی معاملے کا وِچار کیا جاسکتا ہے۔ تم وکیل کے دفتر میں کلرک کا کام کرتے ہو یہ اس معاملے میں ایک بڑی بھاری بات ہے۔ یہ تم کسی پرکار بھی نہیں کہہ سکتے کہ تمھیں اپرادھ کی بھیشنتا یا اس کے دنڈ کا پورا گیان نہیں تھا۔ ہاں، یہ کہا گیا ہے، کہ تمھارے منوبھاؤں نے تمھیں اَاَستھر بنا دیا

تھا۔ ہنی وِل سے جو تمھارا رشتہ تھا اس کا وِرتانت آج کہا گیا ہے، اسی وِرتانت پر صفائی اور دَیا پرارتھنا دونوں ہی کا آدھار رکھا گیا ہے۔ دَیا کی پرارتھنا کیوَل اسی سے کی گئی ہے۔ اچھا اب وہ ورتانت کیا ہے؟

تم ایک یُووک ہو اور وہ ایک وِواہت یوَتی ہے۔ یدھپی (حالانکہ) اس کا وِواہت جیون دکھی ہے، تم دونوں کا آپس میں پریم ہوگیا۔ تم دونوں کہتے ہو کہ وہ سمبندھ اپوتر (ناپاک) اور کُلشِت نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بات کہاں تک سچ ہے۔ پھر بھی تم سویکار کرتے ہو کہ شیگھر (فوراً) ہی وہ ہونے والا تھا۔ تمھارے وکیل نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ کہا ہے کہ اس عورت کی اَوستھا (حالت) بڑی کرونز (تکلیف دہ) تھی۔ میں اپنی رائے اس وِشے میں نہیں دینا چاہتا۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک وِواہت اِستری ہے، اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ تم نے یہ اپرادھ ایک بھرسٹ سنکلپ کو پورا کرنے کے لیے کیا۔ اچھا ہونے پر بھی میں دَیا پرارتھنا کا اَنُموَدن نہیں کرسکتا، جس کا ادھار سداچار کے وِرُدّھ ہے۔ تمھارے وکیل نے یہ بھی کہا ہے کہ تم کو اور ادھِک قید کی سزا دینا تمھارے پرتی اتیاچار ہوگا۔ میں ان کے اس کتھن سے سَہمت (متفق) نہیں ہوں۔ قانون جو ہے وہی رہے گا۔ قانون ایک وِشال بھوَن (عالیشان محل) ہے جو ہم سب کی رَکشا کرتا ہے، اور جس کا ہر ایک پتھر دوسرے پتھر پر اَولمبت ہے۔ میں کیوَل اس کا وَیوہار (استعمال) کرنے والا ہوں۔ تم نے جو اپرادھ کیا ہے وہ بڑا بھاری ہے۔ اس حالت میں کرتویہ کی طرف دِرشٹی رکھ کر میرے ہردے میں تمھارے پَرتی جو دَیا کی اِکشا ہے، وہ میں پوری نہیں کرسکتا۔ تمھیں تین سال کی سخت سزا بھوگنی پڑے گی۔

(فالڈر جو اب تک وِیگرتا کے ساتھ جج کی وَکترتا کو سن رہا تھا، اپنی چھاتی پر سر جھکا لیتا ہے۔ جیسے ہی وارڈر اسے لے جانے لگتے ہیں رُتھ اپنی جگہ پر کھڑی ہوتی ہے۔ عدالت میں گول مال ہونے لگتا ہے)

جج : (رپورٹر سے) پریس کے مہودے گن، آج کے معاملے میں جس عورت نے گواہی دی ہے اس کا نام کاغذوں میں ظاہر نہ ہو۔

(رپورٹر لوگ سر جھکا کر سویکار کرتے ہیں)

جج : (رُتھ سے جو اس کی طرف دیکھ رہی ہے) تم سمجھ گئی نہ؟ تمھارا نام ظاہر نہ ہوگا۔

کوکسن : (رُتھ کی آستین پکڑ کر) جج صاحب کچھ کہہ رہے ہیں۔

(رُتھ جج کی طرف دیکھتی ہے اور چلی جاتی ہے)

جج : آج میں ابھی اور بیٹھوں گا۔ دوسرا معاملہ پیش کرو۔ اہلمد جان وولی کو آواز دو۔

اہلمد : (وارڈر سے) جان وولی والے گواہ حاضر ہوں؟

(وہ آواز دیتا ہے .... جان وولی والے گواہ حاضر ہوں)

(پردہ گرتا ہے)

انک 3

درشیہ پہلا

[جیل خانے میں معمولی طرح سے سزا ہوا ایک کمرہ، جس میں دو بڑی بڑی کھڑکیاں ہیں۔ کھڑکیاں میں چھڑ لگی ہوئی ہے، جن سے قیدیوں کے کسرت کرنے کا آنگن دکھائی دے رہا ہے۔ وہاں قیدی پیلے کپڑے پہنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے کپڑوں پر تیر کا نشان لگا ہوا ہے۔ سر پر پیلی منڈی ٹوپی ہے۔ وہ سب ایک قطار میں چار چار گز کے فاصلے سے سفید اور ٹیڑھی میڑھی لکیروں پر تیزی سے چلتے دکھائی دیتے ہیں جو آنگن سے فرش پر بنی ہے۔ دو سپاہی نیلے رنگ کا کپڑا پہنے ہوئے، تلوار لیے بیچ میں کھڑے ہیں۔ ان کی ٹوپی کے سامنے تھوڑا سا حصہ نکلا ہوا ہے۔ کمرے کی دیواریں رنگ سے پتی ہوئی ہیں۔ کمرے میں کتاب رکھنے کا ایک آلہ ہے جس میں سرکاری ڈھنگ کی کتابیں رکھی ہیں۔ دونوں کھڑکیوں کے بیچ ایک الماری ہے۔ دیوار پر جیل خانے کا ایک نقشہ لٹک رہا ہے۔ ایک لکھنے کی میز پر سرکاری کاغذات رکھے ہیں۔ یہ کرسمس کی سندھیا (شام) ہے۔ داروغہ صاف روب دار آدمی ہے۔ کتری ہوئی چھوٹی مونچھیں ہیں۔ ملاؤں کی سی آنکھیں، بال کھچڑی ہوگئے ہیں اور کنپٹی سے پھرے ہوئے ہیں۔ میز کے پاس کھڑا ایک آری کو دیکھ رہا ہے، جو کسی دھاتو کی بنی ہوئی ہے۔ جس ہاتھ میں وہ اسے پکڑے ہوئے ہے اس میں داستانہ ہے، کیونکہ اس کے ہاتھ کی دو انگلیاں غائب ہیں۔ پردھان وارڈر لمبا اور دبلا ہے، اور پلٹنیا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی عمر ساٹھ برس کی ہے۔ مونچھیں سفید ہیں۔ بندر کی سی اداس آنکھیں ہیں۔ گورنر سے دو قدم کی دوری پر مستعدی سے کھڑا ہے۔]

داروغہ : (روکھی اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ) بڑے آشچریہ کی بات ہے، مسٹر وُڈر! تمھیں یہ کہاں ملی؟

وُڈر : اس کی چادر کے نیچے، صاحب۔ ایسی بات دو برس سے نظر نہیں آئی۔

داروغہ : (آشچریہ سے) کوئی سدھی بدھی بات تھی کیا؟

وُڈر : اس نے اپنی کھڑکی کی گراد اتنی کاٹ ڈالی ہے۔

(انگوٹھے اور انگلی کو ایک چوتھائی انچ الگ کر کے اٹھاتا ہے)

داروغہ : میں دوپہر کو اس سے ملوں گا، اس کا نام کیا ہے؟ مانو، شاید کوئی پرانا آسامی ہے۔

وڈر : ہاں، صاحب! یہ چوتھی بار سزا بھگت رہا ہے۔ ایسے پرانے کھلاڑی کو تو زیادہ سمجھ سے کام لینا چاہیے تھا۔

(کرونا بھاؤ سے)

کہہ رہا تھا، من بہلاتا تھا۔ کہیں گھُس گئے۔ کہیں سے نکل آئے۔ سب اس دُھن میں پڑے رہتے ہیں۔

داروغہ : دوسرے کمرے میں کون رہتا ہے۔

وڈر : اوکلیری، حضور!

داروغہ : اچھا، یہ آئیرش مین؟

وڈر : اس کے دوسرے کمرے میں رہتا ہے وہ یووَک فالڈر، سمھیہ شرینی (مہذب درجے) کا۔ اس کے بعد بوڑھا کلپٹن۔

داروغہ : ہاں، وہ دارشنِک۔ میں اس سے ملوں گا۔ اس کی آنکھوں کے بارے میں پوچھنا ہے۔

وڈر : کچھ عقل کام نہیں کرتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، تو باقی سبھوں کو اس کی خبر ہوجاتی ہے، سبھی بھاگنے پر اتارو ہو جاتے ہیں۔ خوب ہلچل مچ رہی ہے۔

گورنر : (وِچار کرکے) یہ ہلچل برا ہے۔

(قیدیوں کو کسرت کرتے دیکھتا ہوا)

وہاں تو سب کے سب بڑا شانت معلوم ہوتے ہیں۔

وڈر : اس آئیرش مین اوکلیری نے آج دروازے پر دھکا دینا شروع کیا۔ بالکل ذرا سی بات ان میں کھل بل ڈال دینے کو کافی ہے۔ وہ کبھی کبھی سب بے زبان جانوروں سے ہو جاتے ہیں۔

داروغہ : گھوڑوں میں بادل گرجنے کے پہلے یہ بات میں نے دیکھی ہے۔ سواروں کی قطاروں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے تھے۔

(جیل کا پادری آتا ہے۔ بال کالے ہیں، ویراگیہ کا بھاؤ ہے، گرجے کے کپڑے پہنے ہیں۔ چہرہ بہت گمبھیر، ہونٹ کچھ جکڑے ہوئے۔ دھیرے سے سبھیہ بھاشا (مہذب زبان) میں بات کرتا ہے)

داروغہ : (آرا دکھا کر) اسے دیکھا تم نے، ملر؟

چیپ لین :کام کی چیز معلوم ہوتی ہے۔

داروغہ : عجائب گھر میں بھیجنے لائق ہے۔

(الماری کے پاس جاکر اسے کھولتا ہے اور اس میں پرانی رسیوں کے ٹکڑے، کیلیں اور دھاتوں کے بنے ہوئے اوزار نظر آتے ہیں۔ ان میں کاغذ کے پرچے بندھے ہوئے ہیں)

اچھا، دھنیہ واد مسٹر ڈڈر، تم جاسکتے ہو۔

وڈر : (سلام کرکے) جو حکم۔

(چلا جاتا ہے)

داروغہ : کیوں مسٹر ملر .... دو تین دن میں یہ کیا ہوگیا ہے؟ سارے جیل کی ہوا بگڑی ہوئی ہے۔

چیپ لین :مجھے تو کچھ نہیں معلوم۔

داروغہ : خیر، جانے دو۔ کل یہیں بھوجن کیجیے نہ؟

چیپ لین: بڑا دن ہے، اَنیک دھنےّ واد (بہت بہت شکریہ)۔

داروغہ : آدمیوں کی ہلچل مجھے پریشان کردیتی ہے۔

(آرے کو دیکھتے ہوئے)

اس شیطان کو بھی سزا دینی پڑے گی۔ جو بھگانے کی کوشش کرتا ہے اس پر سختی کرنے کا جی نہیں چاہتا۔

(آرے کو جیب میں رکھ لیتا ہے، اور الماری میں بھی تالا بند کرتا ہے)

چیپ لین: بعض بعض بات کے ہٹھیلے اور شریر ہوتے ہیں۔ بنا سختی کے کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

داروغہ : پھر بھی تو کوئی نتیجہ نہیں۔ گولف کے لیے زمین بہت کڑی ہے، کیوں؟

(وڈر پھر بھیتر آتا ہے)

وڈر : ایک آدمی آپ سے ملنا چاہتے ہیں، مہاشیہ! میں نے ان سے کہا ایسا قاعدہ نہیں ہے۔

داروغہ : کیا چاہتا ہے؟

وڈر : کہیے تو وداع کردوں۔

داروغہ : (مجبوری سے) نہیں، نہیں، بلاؤ۔ تم بیٹھو۔ ملر۔

(وڈر کسی کو آنے کے لیے اشارہ کرتا ہے، اور اس کے بھیتر آتے ہی وہ چلا جاتا ہے۔ ملنے والا کوکسن ہے، وہ گھٹنے تک موٹا اوور کوٹ پہنے ہے۔ ہاتھ میں اونی دستانے ہیں۔ اونچی ٹوپی لیے ہوئے ہے)

کوکسن : مجھے آپ کو کشٹ دینے کا کھید ہے۔ لیکن مجھے ایک یوَوک کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔

داروغہ : یہاں تو بہت سے یوَوک ہیں۔

کوکسن : فالڈر نام ہے۔ جعل سازی میں

(اپنے نام کا کارڈ داروغہ کو دے کر)

جیمس اینڈ والٹرہاؤ کا کاریہ آلیہ وکالت کے لیے مشہور ہے۔

داروغہ : (مسکراہٹ کے ساتھ کارڈ لیتے ہوئے) آپ کس لیے مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟

کوکسن : (آکسمات قیدیوں کی قواعد دیکھ کر) کیسا دِرشیہ ہے۔

داروغہ : ہاں، ہمارے یہاں سے اچھی طرح دکھائی دیتا ہے۔ میرے دفتر کی مرمت ہو رہی ہے۔

(ٹیبل کے پاس بیٹھ کر)

ہاں، کہیے۔

کوکسن : (مانوکشٹ کے ساتھ اپنی دِرشٹی کو قیدیوں کی طرف پھیر کر) میں آپ سے دو ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ادھِک دیر لگے گی۔

(دھیرے سے)

بات یہ ہے کہ میں قاعدے سے تو یہاں نہیں آسکتا۔ پرنتو اس کی بہن میرے پاس آئی تھی۔ باپ ماں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ مجھ سے بولی میرے پتی تو مجھے اس سے ملنے جانے نہیں دیتے۔ کہتے ہیں اس نے کُل میں کلنک لگایا ہے۔ دوسری بہن بالکل چلنے پھرنے سے لاچار ہے۔ اس نے مجھ سے آنے کے لیے کہا۔ مجھے بھی اس یووَک سے پریم ہے۔ میرا ہی ماتحت تھا۔ میں بھی اسی گرجے میں جایا کرتا ہوں۔ اس لیے میں انکار نہ کرسکا۔

داروغہ : لیکن کھید ہے، اسے کسی سے ملنے کا حکم نہیں ہے۔ وہ یہاں کیوَل ایک ماس (ماہ) کی کال کوٹھری کے لیے آیا ہے۔

کوکسن : میں اس سے اس سَمے ایک بار ملا تھا جب وہ حوالات میں بند تھا اور اس کا معاملہ چل رہا تھا۔ بے چارے کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔

داروغہ : (کچھ پرسن ہو کر) مِلر ذرا گھنٹی تو بجاؤ۔

(کوکسن سے)

کیا آپ سننا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

چیپ لین: (گھنٹی بجا کر) معلوم ہوتا ہے کہ آپ جیل خانے میں بہت کم جاتے ہیں۔

کوکسن : ہاں، لیکن دیکھ کر دکھ ہوتا ہے، وہ ابھی بالکل یووَک ہے۔ میں نے اس سے کہا ...... "دھیرج رکھو (صبر کرو)!" ہاں، یہی کہا تھا "دھیرج"۔ اس نے جواب دیا۔ "ایک دن اپنے کو کمرے میں بند کر کے میری ہی بھانتی سوچیے کلپیے تو معلوم ہو۔ باہر کا ایک دن یہاں کے ایک برس کے سامان ہے۔ میں کیا کروں؟" اس نے پھر کہا، "میں کوشش کرتا ہوں، مسٹر کوکسن، پرنتو اپنی عادت سے لاچار ہوں۔" پھر ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر وہ رونے لگا۔ میں نے دیکھا، انگلیوں کے بیچ میں سے ہوکر آنسو ٹپک رہے تھے۔ میں تو تڑپ اٹھا۔

چیپ لین: وہی یووَک ہے نہ جس کی آنکھیں کچھ عجیب طرح کی ہے۔ چرچ آف انگلینڈ کا نہیں معلوم ہوتا۔

کوکسن : نہیں۔

چیپ لین: جانتا ہوں۔

داروغہ : (وڈر سے جو بھیتر آیا ہے) ڈاکٹر صاحب سے کہو کہ کرپا کر کے ایک منٹ کے لیے مجھ سے آکر مل لیں۔

(وڈر سلام کر کے چلا جاتا ہے)

اس کی شادی تو نہیں ہوئی ہے۔

کوکسن : نہیں۔

(گُپت بھاؤ سے)

لیکن ایک عورت ہے، جسے وہ بہت چاہتا ہے، ٹھیک ویشیا (طوائف) نہیں ہے۔ بڑی کرونٹر (درد بھری) کہانی ہے۔

چیپ لین: اگر دنیا میں شراب اور عورت نہ ہوتی، تو جیل خانے ہی نہ ہوتے۔

کوکسن : (چشمے کے اوپر سے چیپ لین کو دیکھتا ہوا) ہاں، لیکن میں وِشیش کر (خاص کر) وہی بات آپ سے کہنے آیا ہوں۔ یہ چنتا اسے مارے ڈالتی ہے۔

داروغہ : اچھا!

کوکسن : بات یہ ہے کہ اس عورت کا پتی بڑا ہی بدمعاش ہے اور وہ اسے چھوڑ بیٹھی ہے۔ وہ اس یووَک کے ساتھ ہی بھاگ جانے کا ارادہ کرتی ہے۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ لیکن میں نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ جب مقدمہ ختم ہوگیا، تو اس نے کہا .... کہ الگ رہ کر اپنا پیٹ چلاؤں گی اور جب تک وہ سزا کاٹ کر باہر نہ آئے، اس کے نام پر بیٹھی رہوں گی۔ اس کو اس بات سے بڑی بھاری شانتی ملی تھی۔ لیکن ایک مہینے بعد وہ مجھ کو ملی۔ مجھ سے اس سے جان پہچان نہیں ہے پر بولی — ''اپنی بات تو دور ہے، میں اپنے بچوں کا پالن نہیں کرسکتی۔ میرے کوئی مِتر نہیں ہے۔ میں زیادہ کسی سے مِل جُل بھی نہیں سکتی۔ اس سے میرے پتی کو میرا پتہ لگ جانے کا ڈر ہے۔ میں بالکل دبلی ہوگئی ہوں۔'' دراصل وہ دبلی ہوگئی ہے۔ ''اب شاید مجھے کسی کارخانے میں جانا پڑے گا۔'' یہ بڑی دکھ بھری کہانی ہے۔ میں نے کہا، ''نہیں، کہیں نہ جانا پڑے گا۔ میرے گھر پر میری اِستری، بچے ہیں۔ یدی انھیں بھوجن ملے گا تو تم کو بھی کیوں نہیں مل سکتا؟'' دراصل وہ بڑی نیک عورت ہے۔ اس نے جواب دیا، ''سچ؟ لیکن میں آپ سے یہ نہیں کہہ سکتی۔ اس سے تو اچھا ہے، کہ میں اپنے پتی کے پاس لوٹ جاؤں۔'' یدھپی میں جانتا ہوں کہ اس کا پتی ایک شرابی تھا پشو کے سامان اتیاچاری (جانوروں کی طرح ظالم) آدمی ہے پھر بھی میں نے اسے پتی کے پاس جانے کو منع نہیں کیا۔

چیپ لین: آپ کیسے کرسکتے تھے؟

کوکسن : ہاں، لیکن اس کے لیے مجھے دکھ ہے۔ یووَک کو ابھی تین سال سزا بھگتنی ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ کچھ آرام سے رہے۔

چیپلین : (کچھ چڑھ کر) قانون آپ کے ساتھ بالکل سہمت (متفق) نہیں۔

کوکسن : وہ بالکل اکیلا ہے، مجھے ڈر ہے وہ پاگل نہ ہوجائے۔ بھلا ایسا کون چاہتا ہوگا؟ مجھے جب اس نے دیکھا تو رونے لگا، مجھ سے کسی کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔

چیپ لین: یہ بہت ہی کم دیکھا گیا ہے کہ قیدی کسی کو دیکھ کر رونے لگے۔

کوکسن : (اس کی طرف تاکتا ہوا یکایک جامے سے باہر ہوکر) میرے گھر کتے بھی ہیں۔

چیپ لین: اچھا!

کوکسن : ہاں، اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں کبھی انھیں ہفتوں تک اکیلے بند نہیں رکھ سکتا۔ چاہے وہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔

چیپ لین: مگر اپرادھی تو کتے نہیں ہیں۔ ان میں دھرم اُدھرم کا گیان ہوتا ہے۔

کوکسن : لیکن اس کو سمجھانے کا یہ ڈھنگ نہیں ہے۔

چیپ لین: کھید (افسوس) ہے ہم آپ سے ایک مت نہیں ہوسکتے۔

کوکسن : کتوں میں بھی یہی بات ہے، آپ ان سے دَیا کا ویوہار کریں گے تو وہ آپ کے لیے سب کچھ کریں گے۔ مگر ان کو اکیلے بند کر رکھیے۔ آپ دیکھیں گے وہ جھلا اٹھیں گے۔

چیپ لین: مگر اتنا آپ ضرور سویکار کریں گے، جو آپ سے زیادہ انوبھو رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ قیدیوں سے کس طرح ویوہار کیا جائے۔

کوکسن : (ہٹھ کرکے) میں اس بے چارے یوَوک کو جانتا ہوں۔ میں اسے برسوں سے دیکھتا آرہا ہوں۔ وہ کچھ دل کا کمزور ہے۔ اس کا باپ بھی کشیہ سے مرا تھا۔ میں کیول اس کے بھوِشیہ (مستقبل) کی بات سوچ رہاہوں۔ اگر اس کو کال کوٹھری میں رکھا جائے گا جہاں کتا، بلی تک اس کے ساتھی نہیں ہیں، تو اس کے سوَاستھ کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ میں نے اس سے پوچھاتھا کہ ''تمھیں کیا کشٹ ہے؟'' اس نے جواب دیا، ''یہ میں آپ سے ٹھیک بیان نہیں کرسکتا، مسٹر کوکسن، لیکن کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ اپنا سر دیوار پر پٹک دوں۔'' کتنی بھیانک (خوفزدہ) بات ہے۔

(اس کی بات کے بیچ میں ہی ڈاکٹر بھیتر آتے ہیں۔ ان کا قد مجھولا ہے، خوبصورت بھی کہا جاسکتا ہے، آنکھیں تیز ہیں، کھڑکی پر جھک کر کھڑے ہوتے ہیں)

داروغہ : یہ مہاشیہ کہہ رہے ہیں کہ ایکانت واس سے اُچّ شرینی (اعلیٰ درجہ) کے نمبر 3007 وہی دبلا سا یووَک (نوجوان) .... فالڈر کی دشا (حالت) بگڑ رہی ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے ڈاکٹر کلیمنٹس؟

ڈاکٹر : ہاں، وہ ضرور اُوب گیا ہے۔ پرنتو اس کے سواستھ میں تو کوئی خرابی نہیں آئی ہے۔ کیول ایک مہینہ تو ہے۔

کوکسن : لیکن یہاں آنے کے پہلے تو اسے ہفتوں رہنا پڑا تھا۔

ڈاکٹر : یہ تو جانی بوجھی بات ہے۔ یہاں اس کا وزن کچھ نہیں گھٹا ہے۔

کوکسن : لیکن میرا مطلب اس کے دماغ سے ہے۔

ڈاکٹر : اس کا دماغ بھی درست ہے۔ کچھ گھبرایا سا ضرور رہتا ہے۔ پرنتو اور کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں اس کے وِشے میں ساودھان (ہوشیار) ہوں۔

کوکسن : (لاجواب ہوکر) مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی۔

چیپ لین: (سجّنتا کے ساتھ) یہی ایک ایسا وقت ہے کہ ہم اس کے دل پر کچھ اثر ڈال سکتے ہیں۔ میں اپنے نج کی درشٹی (ذاتی نظریہ) سے کہتا ہوں۔

کوکسن : (داروغہ کی طرف بھونچکّے پن سے دیکھ کر) میں آپ سے شکایت نہیں کرنا چاہتا، پرنتو میرے خیال میں یہ اچھی بات نہیں۔

داروغہ : میں خود جاکر آج اسے دیکھوں گا۔

کوکسن : اس لیے میں آپ کو دھنیہ واد دیتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ روز دیکھتے رہنے سے شاید آپ کو کچھ پتا نہ لگے۔

داروغہ : (کچھ تیکھے پن سے) اگر اس کے سواستھ میں کچھ بھی خرابی معلوم ہوئی تو معاملہ فوراً آگے بھیج دیا جائے گا، اس کا کافی پربندھ (انتظام) ہے۔

(وہ اٹھتا ہے)

کوکسن : (اپنی ہی دُھن میں) یہ بات اوشیہ ہے کہ جو بات آنکھ سے نہیں دیکھی جاتی اس کے لیے کشٹ نہیں ہوتا۔ پرنتو میں ادھر سے نشچنت (اطمینان) ہو جانا چاہتا ہوں۔

داروغہ : آپ اسے ہمارے اوپر چھوڑ دیجیے۔

کوکسن : (نمر اور وِنیت بھاؤ سے) شاید آپ میرا آشیہ (اشارہ) سمجھ گئے ہوں۔ میں سیدھا سادا آدمی ہوں۔ افسر کے وِرُدّھ (خلاف) میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

(چیپ لین کی طرف جھک کر)

برا نہ مانیے گا۔ گُڈ مارننگ۔

(جب وہ چلا جاتا ہے، تب تینوں کرم چاری ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھتے۔ لیکن ان کے چہرے پر ایک وِچتر بھاؤ چھا جاتا ہے)

چیپ لین: ہمارے اَن مِتر کا خیال ہے کہ جیل اسپتال ہے۔

کوکسن : (اکسمات لوٹ کر بڑے ہی وِنیت بھاو سے) ایک بات اور ہے، وہ عورت ...... میرے خیال میں آپ سے یہ کہنا اُچت نہ ہو، اگر آوے تو اسے اس سے ملا دیجیے گا۔ اس سے دونوں نہال ہوجائیں گے۔ وہ اسی کا دھیان کررہا ہوگا۔ مانا وہ اس کی بیوی نہیں ہے، لیکن کسی بات کا کھٹکا نہیں ہے۔ بے چارے دونوں بڑے ہی دکھی ہیں۔ آپ کوئی خاص رعایت نہیں کرسکتے؟

داروغہ : (اکتا کر) مجھے سچ مچ ہی دکھ ہے کہ میں کوئی خاص رعایت نہیں کرسکتا۔ وہ جب تک معمولی جیل خانے میں نہ جائے، تب تک وہ کسی سے نہیں مل سکتا۔

کوکسن : ٹھیک ہے

(براش سَور سے (مایوسی کی آواز میں))

آپ کو تکلیف دی، معاف کیجیے۔

(پھر باہر چلا جاتا ہے)

چیپ لین: (کندھوں کو ہلا کر) بڑا سیدھا آدمی ہے بے چارا۔ چلو کلیمنٹس کھانا کھالو۔

(وہ اور ڈاکٹر باتیں کرتے جاتے ہیں)

(داروغہ ایک لمبی سانس لے کر ٹیبل کے پاس کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور قلم اٹھا لیتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

درشیہ دوسرا

[جیل خانے کی پہلی منزل کے دالان کا حصّہ۔ دیواریں پھیکے ہرے رنگ سے گہرے رنگ کی ایک دھاری تک رنگی ہوئی ہے جو مُنشیہ کے کندھے کی اونچائی تک ہوگی۔ اس کے اوپر سفیدی کی ہوئی ہے۔ زمین کالے پتھروں کی بنی ہوئی ہے۔ کنارے پر کی ایک کھڑکی سے روشنی چھن کر آرہی ہے۔ چار کوٹھریوں کے دروازے نظر آرہے ہیں۔ آنکھ کی اونچائی پر ہر ایک کوٹھری کے دروازے میں ایک چھوٹا جھروکا ہے جس پر ایک گول ڈھکنا لگا ہے۔ اس کو اوپر اٹھانے سے کوٹھری کا بھیتری دِرشیہ دیکھائی دیتا ہے۔ کوٹھری کے پاس ہی دیوار پر ایک چھوٹا چوکور تختہ لگا ہے جس پر قیدی کا نام، نمبر اور حال لکھا ہے۔

اوپر دو منزلے اور سہ منزلے کے دالانوں کے لوہے کے چھجے دکھائی دے رہے ہیں۔

وارڈر ایک کوٹھری سے باہر نکل رہا ہے۔ اس کی داڑھی ہے اور نیلی وردی پہنے ہوئے ہے۔ وردی پر ایک گردپوش ہے، اس میں چابیاں لٹک رہی ہیں۔]

جمعدار : (دروازے سے کوٹھری کے اندر بولتے ہوئے) جب یہ کر لوگے تو میں تمھیں کچھ تھوڑا سا کام اور دوں گا۔

اوکلیری: (نے پتھیہ میں آئیرش سُور میں) ٹھیک ہے، حضور!

جمعدار : (دوستانہ ڈھنگ سے) آخر بیٹھ کر کیا کروگے؟ کچھ نہ کچھ کرنا ہی اچھا ہے۔

اوکلیری: یہی تو میں سوچتا ہوں۔

(کوٹھریوں کے بند ہونے اور تالا پڑنے کا شبد سنائی دیتا ہے۔ پھر کسی کے پیروں کی آواز سنائی دیتی ہے)

جمعدار : (گلا کچھ بدل کر جلدی سے) دیکھو، اچھی طرح کام کرو۔

(کوٹھری کا دروازہ بند کرتا ہے اور تن کر کھڑا ہوتا ہے۔ داروغہ آتا ہے، پیچھے وڈر ہے)

داروغہ : کوئی نئی بات؟

جمعدار : (سلام کرکے) ک 3007۔

(ایک کوٹھری کی طرف اشارہ کرکے)

کام میں پیچھے ہے، اس کو آج نمبر نہیں مل سکتا۔

(داروغہ سر ہلاتا ہے اور آخری کوٹھری کے پاس جاتا ہے۔ جمعدار چلا جاتا ہے)

داروغہ : انھیں مہاشیہ نے آری بنائی ہے نہ؟

(جیب میں سے آری نکالتا ہے، وڈر کوٹھری کا دروازہ کھولتا ہے، قیدی سر پر ٹوپی دیے بچھونا پر سیدھا لیٹا نظر آتا ہے۔ وہ چونک پڑتا ہے اور کوٹھری کے بیچ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ دبلا آدمی ہے، عمر چھپّن برس کی، کان چمگادڑ کے سے، ڈراونی گھورتی ہوئی اور کٹھور (سخت) آنکھیں ہیں)

وڈر : ٹوپی اتار دو۔

(لونی ٹوپی اتارتا ہے)

باہر آؤ۔

(لونی دروازے کے پاس آتا ہے)

داروغہ : (اسے دالان میں نکل آنے کا اشارہ کرکے جیب میں سے آری نکال کر اسے دکھاتے ہوئے اس ڈھنگ سے بولتا ہے جیسے کوئی افسر سپاہی سے بات کررہا ہو)
اس کے بارے میں کچھ کہنا ہے؟ بولو۔

(مونی چپ رہتا ہے پھر پوچھنے پر بولتا ہے)

مونی : وقت کاٹ رہا تھا۔

داروغہ : (کوٹھری کی طرف اشارہ کرکے) کام کم ہے، کیوں؟

مونی : اس میں من نہیں لگتا!

داروغہ : (آری کو کھٹکھٹا کر) تو اس سے اچھا ڈھنگ سوچنا چاہیے تھا۔

مونی : (منہ لٹکا کر) اور کون سا ڈھنگ تھا؟ جب تک میں یہاں سے نکل نہ جاؤں، تب تک مجھے کسی نہ کسی کام میں اپنا وقت کاٹنا پڑے گا۔ اس عمر میں اور میرے لیے رکھا ہی کیا ہے؟

(جیوں جیوں زبان ہلاتی ہے وہ نرم ہوتا جاتا ہے)

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اس معیاد کے بعد دو ہی ایک سال میں مجھے پھر لوٹ آنا پڑے گا۔ میں باہر نکل کر اپنی بے عزتی نہ کراؤں گا۔ جیل کو قاعدے سے درست رکھنے میں آپ کو گرو (فخر) ہے۔ مجھے بھی اپنی عزت پیاری ہے۔

(یہ دیکھ کر کہ داروغہ اس کی باتوں کو دھیان سے سن رہا ہے وہ آری کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے)

کچھ تھوڑا یہ کام بھی کرتا رہوں تو کسی کا کیا بگڑتا ہے؟ پانچ ہفتوں سے میں اسے بنا رہا تھا۔ شاید برا تو نہیں بنا۔ اب شاید کال کوٹھری ملے گی۔ یا سات دن صرف روٹی اور پانی۔ آپ کے بس کی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں قاعدے سے آپ بھی لاچار ہیں۔

داروغہ : اچھا، دیکھو مونی اگر میں اس بار تمھیں معاف کردوں تو کیا تم مجھ سے وعدہ

کر سکتے ہو کہ آگے تم کبھی ایسا نہ کروگے؟ سوچو۔

(وہ کمرے میں گھستا ہے اور اس کے سرے تک چلا جاتا ہے۔ پھر اسٹول پر چڑھ کر کھڑکی کی سلاخوں کو آزماتا ہے)

(لوٹ کر)

کیا کہتے ہو؟

مونی : (جو سوچ رہا تھا) ابھی مجھے چھ ہفتے اور یہاں اکیلے رہنا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ میں بنا کچھ کیے چپ چاپ رہوں۔ کوئی چیز ضرور چاہیے جس میں میرا من لگے۔ آپ کی بڑی دیا ہے۔ لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔ ایک بھلے آدمی کو دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔

(کوٹھری کی طرف دیکھ کر)

اگر چار گھنٹے ڈٹ کر اور ملتے تو میں اسے پورا کرلیتا۔

داروغہ : تو اس سے ہوتا کیا؟ پھر پکڑ لیے جاتے۔ یہاں لائے جاتے اور سزا ملتی۔ پانچ ہفتے کی سخت محنت کرنے پر بھی کوٹھری میں بند رہنا پڑتا۔ تمھاری کھڑکی پر ایک گراد لگا دی جاتی۔ سوچو مونی کیا یہ کام اس لائق ہے؟

مونی : (کچھ ڈراونے بھاؤ سے) ہاں ہے۔

داروغہ : (ہاتھوں کو بھنوؤں سے کھجاتے ہوئے) اچھا، دو دن کوٹھری اور صرف روٹی اور پانی۔

مونی : دھنیہ واد (شکریہ)!

(وہ جانور کی بھانتی گھومتا ہے اور اپنے کمرے میں گھس جاتا ہے۔ داروغہ اس کی طرف دیکھتا رہتا ہے، اور سر ہلاتا ہے۔ وڈر کوٹھری کو بند کرکے تالا ڈالتا ہے)

داروغہ : کلیپٹن کی کوٹھری کھولو۔

(وڈر کلیپٹن کی کوٹھری کھولتا ہے، کلیپٹن ٹھیک دروازے کے پاس ایک اسٹول

پر بیٹھا ہوا پاجامہ سی رہا ہے۔ وہ ناٹا، موٹا اور ادھیڑ ہے۔ سر مڑا ہوا۔ دھندھلے چشمے کے پیچھے چھوٹی اور کالی آنکھیں۔ مانو بجھ رہی ہوں۔ وہ اٹھ کر دروازے میں چپ چاپ کھڑا ہو جاتا ہے اور آنے والوں کو گھورتا ہے)

داروغہ : (اس کو باہر جانے کا اشارہ کر) ذرا ایک منٹ کے لیے باہر آؤ، کلپٹن!

(کلپٹن ایک ڈراونی خاموشی کے ساتھ باہر آتا ہے، سوئی ڈورا اس کے ہاتھ میں ہے۔ داروغہ وڈر سے اشارہ کرتا ہے، وہ جانچ کرنے کے لیے کوٹھری کے بھتر جاتا ہے)

داروغہ : تمھاری آنکھیں کیسی ہیں؟

کلپٹن : مجھے ان کی کچھ شکایت نہیں کرنی ہے۔ یہاں سورج کے کبھی درشن نہیں ہوتے۔

(چاروں کی طرف قدم اٹھاکر سر بڑھا دیتا ہے)

میں سوچتا ہوں کہ آپ میرے اس دوسرے کمرے کے مہاشیہ سے کچھ کہہ دیں کہ وہ ذرا کچھ چپ رہا کریں۔

داروغہ : کیوں، کیا بات ہے؟ میں چغلی نہیں سننا چاہتا، کلپٹن۔

کلپٹن : میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔ مجھے تو اس کے مارے نیند تک نہیں آتی۔

(اُپیکشا سے)

شاید کوئی اُچّ شرینی کا ہوگا۔ اسے ہمارے ساتھ نہیں رکھنا چاہیے۔

داروغہ : (شانت سُور سے) ٹھیک ہے، کلپٹن۔ جب کوئی کوٹھری خالی ہوگی تب وہ ہٹا دیا جائے گا۔

کلپٹن : سویرے وہ دروازے پر دھما دھم شبد کرتا ہے، مانو کوئی جنگلی جانور ہو۔ مجھے برداشت نہیں ہوتا۔ میری نیند کھل جاتی ہے، شام کو بھی یہی حال ہوتا ہے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ آپ ہی سوچ دیکھیے۔ نیند کے سوا یہاں اور ہے کیا؟ وہ مجھے پیٹ بھر ملنی چاہیے۔

(وڈر کوٹھری کے باہر آتا ہے۔ جیسے ہی وہ آتا ہے کلپٹن چوری کی طرح

جھٹ سے اپنی کوٹھری میں گھس جاتا ہے)

وڈر : سب ٹھیک ہے، حضور!

(داروغہ سر ہلاتا ہے، وڈر دروازے کو بند کر تالا لگاتا ہے)

داروغہ : وہ کون ہے جو سویرے اپنے دروازے پر دھکا مار رہا تھا؟

وڈر : (اوکلیری کی کوٹھری کے پاس جاکر) یہ ہے، صاحب۔

(وہ ڈھکنا اٹھا کر جھرو کے میں سے بھیتر دیکھتا ہے)

داروغہ : کھولو۔

(وڈر دروازہ بالکل کھول دیتا ہے، اوکلیری دروازے کے پاس ٹیبل کے سامنے کان لگائے بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اچھل کر ٹھیک دوار پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا چہرہ چوڑا ہے، عمر ادھیڑ ہے، منہ پتلا، چوڑی اور گالوں کی اونچی ہڈیوں کے نیچے گڈھے ہوگئے ہیں)

داروغہ : کیا مذاق ہے، اوکلیری؟

اوکلیری : مذاق، حضور! میں نے تو بہت دنوں سے اسے نہیں دیکھا۔

داروغہ : اپنے دروازے پر دھکے لگانا!

اوکلیری : او! وہ!

داروغہ : یہ زنانوں کا سا کام ہے۔

اوکلیری : اور دو مہینے سے ہو کیا رہا ہے؟

داروغہ : کوئی شکایت ہے؟

اوکلیری : نہیں، حضور۔

داروغہ : تم پرانے آدمی ہو، تمھیں سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے۔

اوکلیری : یہ سب تو سن چکا ہوں۔

داروغہ : تمھارے بعد والے کمرے میں ایک لونڈا ہے، وہ گھبرا جائے گا۔

اوکلیری : کبھی کبھی سنک سوار ہو جاتی ہے،، حضور۔ میں کیا کروں؟ ہمیشہ من ٹھکانے

نہیں رہتا۔

داروغہ : کام تو پسند ہے نہ؟

اوکلیری : (ایک چٹائی اٹھا کر جو وہ بنا رہا تھا) یہ کام مجھے دیا گیا ہے۔ میرے چاہے کوئی پران ہی لے لے، پر یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ ایسا سڑیل کام! ایک چوہا بھی اسے بنا سکتا ہے۔

(منہ بنا کر)

بس، یہی مجھ سے نہیں سہا جاتا۔ یہی سناٹا! ذرا سی کوئی بھنک کام میں آئے تو جی ہلکا ہو جاتا ہے۔

داروغہ : تم باہر کسی دوکان میں ہی ہوتے، تو کیا باتیں کرنے پاتے؟

اوکلیری: سنسار (دنیا) کی بات چیت تو سنتا۔

داروغہ : (مسکرا کر) اچھا، اب یہ باتیں بند ہونی چاہیے۔

اوکلیری: اب زبان نہ کھولوں گا، حضور۔

داروغہ : (گھوم کر) سلام!

اوکلیری: سلام، حضور۔

(وہ کوٹھری میں جاتا ہے، داروغہ بند کرتا ہے)

داروغہ : (چال چلن کی تختی کو پڑھ کر) اس پاجی سے کچھ کہنے کو جی نہیں چاہتا۔

وڈر : ہاں، صاحب، محبتی آدمی ہے۔

داروغہ : (دالان سے نکلنے کے راستے کی طرف اشارہ کرکے) وڈر، جاکر ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔

(وڈر ادھر چلا جاتا ہے)

(داروغہ فالڈر کی کوٹھری کی طرف جاتا ہے۔ وہ ہاتھ اٹھا کر جھروکے کے ڈھکنے کو کھولنا چاہتا ہے کہ اچانک ہی سر ہلا کر ہاتھ نیچا کر لیتا ہے۔ پھر چال چلن کی تختی پڑھ کر وہ دروازے کو کھولتا ہے۔ فالڈر جو دروازے کے سہارے ہی کھڑا ہوا تھا، گرتے گرتے سنبھلتا ہے)

داروغہ : (باہر آنے کا اشارہ کر) کہو، کیا اب بھی تم شانت نہیں ہوسکے، فالڈر؟

فالڈر : (ہانپتا ہوا) ہاں، صاحب!

داروغہ : میرا مطلب یہ ہے کہ اپنے سر کو دیوار پر پٹکنے سے کچھ نہ ہوگا۔

فالڈر : جی نہیں۔

داروغہ : پھر ایسا مت کیا کرو۔

فالڈر : کوشش کروں گا، حضور۔

داروغہ : کیا تمھیں نیند نہیں آتی؟

فالڈر : بہت تھوڑی۔ دو بجے اور اٹھنے کے سَمے کے بیچ میں دل بہت گھبراتا ہے۔

داروغہ : کیوں؟

فالڈر : (اس کے ہونٹ پھیل جاتے ہیں، جیسے مسکراتا ہو) یہ نہیں جانتا۔ میں کچے دل کا آدمی ہوں۔

(اچانک واچال ہوکر)

اس سَمے سبھی باتیں مجھے بھیانک معلوم ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ شاید میں یہاں سے کبھی باہر نہیں نکلوں گا۔

داروغہ : دوست یہ وہم ہے۔ اپنے کو سنبھالو۔

فالڈر : (اچانک جھنجھلا کر) ہاں، کرنا ہی پڑے گا۔

داروغہ : اپنے اور ساتھیوں کو دیکھو۔

فالڈر : ان کو عادت ہوگئی ہے۔ جی ہاں، شاید میں بھی کچھ دنوں میں اُنھیں جیسا ہوجاؤں گا۔

داروغہ : (کچھ دُکھت ہوکر) خیر، یہ تم جانو۔ اچھا، اب کام میں اپنا من لگانے کی کوشش کرو۔ تم ابھی بالکل جوان ہو۔ آدمی جیسا چاہے بن سکتا ہے۔

فالڈر : (اُتشکتا سے) جی ہاں۔

داروغہ : اپنے من کو وَش (قابو) میں رکھو۔ کچھ پڑھتے ہو؟

فالڈر : (سر جھکا کر) میری سمجھ میں کچھ آتا ہی نہیں۔ میں جانتا ہوں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ پھر بھی باہر کیا ہو رہا ہے، یہ جاننے کی اِکشا ہوتی ہے۔

داروغہ : کیا کوئی گھریلو معاملہ ہے؟

فالڈر : جی ہاں۔

داروغہ : ان باتوں کو تمھیں نہیں سوچنا چاہیے۔

فالڈر : (کوٹھری کی طرف دیکھ کر) یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔

(وڈر اور ڈاکٹر کو آتے دیکھ کر بالکل چپ اور اِستھر (ساکت) ہو جاتا ہے۔ داروغہ اسے کوٹھری میں جانے کا اشارہ کرتا ہے)

فالڈر : (جلدی سے دھیمے سُر میں) میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے، صاحب۔

(کوٹھری کے بھیتر جاتا ہے)

داروغہ : (ڈاکٹر سے) جاؤ اور اسے ذرا دیکھ آؤ، کلیمنٹس۔

(ڈاکٹر کے بھیتر جاتے ہی داروغہ دروازے کو بھیڑ دیتا ہے، پھر کھڑکی کی طرف جاتا ہے)

وڈر : (ان کے پیچھے پیچھے چل کر) بڑے دکھ کی بات ہے کہ آپ کو ان سبھوں کے پیچھے اتنا کشٹ اٹھانا پڑتا ہے۔ مگر سب آدمی سُکھی ہیں۔

داروغہ : کیا تم ایسا سوچتے ہو؟

وڈر : ہاں، صاحب، کیول 'بڑے دن' کے کارن سب ذرا بے چین ہو اٹھتے ہیں!

داروغہ : (اپنے ہی آپ) عجیب بات ہے۔

وڈر : کیا کہا، حضور؟

داروغہ : بڑا دن۔

(کھڑکی کی طرف منہ پھیرتا ہے۔ وڈر ان کی طرف بڑی چنتا اور دیا کی درشٹی سے دیکھتا ہے)

وڈر : (یکایک) کہیے تو اب کی کچھ دھوم دھام زیادہ کی جائے یا آپ چاہیں تو ہالی

(کرسمس میں یوروپ میں ہالی کے پودوں سے سجاوٹ کی جاتی ہے۔ اسے شُبھ سمجھا جاتا ہے) کے اور پودے لگا دیے جائیں۔

داروغہ : کوئی ضرورت نہیں۔

(ڈاکٹر فالڈر کے کمرے سے باہر آتا ہے، داروغہ اسے اشارہ سے بلاتا ہے)

داروغہ : کہیے۔

ڈاکٹر : میں تو کوئی خرابی نہیں پاتا ہوں۔ ہاں، کچھ گھبرایا ضرور ہے۔

داروغہ : کیا اس کی حالت کی اطلاع دینی چاہیے؟ سچ کہو، ڈاکٹر۔

ڈاکٹر : بات تو یہ ہے، اسے اس پرکار یکانت میں رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ پرنتو یہ بات تو میں بہتوں کے لیے کہہ سکتا ہوں۔

داروغہ : آپ کا مطلب ہے کہ آپ کو اوروں کے لیے بھی سفارش کرنی پڑے گی۔

ڈاکٹر : کم سے کم ایک درجن کے لیے۔ کیول ذرا گھبراہٹ ہے اور کوئی بات اَسپشٹ نہیں ہے۔ یہی دیکھو نہ۔

(اوکلیری کی کوٹھری کی طرف اشارہ کرکے)

اس کی بھی حالت یہی ہے۔ اگر میں لکشنوں کو چھوڑ دوں تو کچھ بھی کر ہی نہیں سکتا۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ میں کوئی خاص رعایت نہیں کرسکتا۔ وزن میں کچھ گھٹا نہیں ہے، آنکھیں ٹھیک ہیں، نبض بھی ٹھیک ہے۔ باتیں بالکل ہوش کی کرتا ہے۔ اور اب ایک ہفتہ تو رہ ہی گیا ہے۔

داروغہ : اُنماد کا روگ تو نہیں معلوم ہوتا؟

ڈاکٹر : (سر ہلا کر) یدی آپ کہیں تو میں اس کے بارے میں رپورٹ پیش کرسکتا ہوں۔ لیکن پھر مجھے اوروں کے لیے بھی رپورٹ پیش کرنی پڑے گی۔

داروغہ : اچھا!

(فالڈر کی کوٹھری کی طرف دیکھتے ہوئے)

اس بے چارے کو ابھی یہیں رہنا ہوگا۔

(کہنے کے ساتھ کچھ ان منا سا ہو کر وڈر کی طرف دیکھتا ہے)

وڈر : آپ کچھ کہہ رہے ہیں، حضور؟

(جواب کے بدلے داروغہ اس کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ پھر پیچھے پھر کر چلنے لگتا ہے۔ کسی دھاتو کی چیز پر کچھ ٹھوکنے کا شبد سنائی دیتا ہے)

داروغہ : (ٹھہر کر) کیا ہے، مسٹر وڈر؟

وڈر : اپنے دروازے کو پیٹ رہا ہے، صاحب۔ ابھی شانت ہوتا نہیں جان پڑتا۔

(وہ جلدی سے داروغہ کی بغل سے ہو کر چلا جاتا ہے، داروغہ بھی دھیرے دھیرے اسی طرف جاتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

درشیہ تیسرا

[فالڈر کی کوٹھری۔ دیواروں پر سفیدی ہے، کمرہ تیرہ فٹ چوڑا، سات فٹ لمبا ہے۔ اونچائی نو فٹ ہے۔ چھت گول ہے۔ زمین چمکیلی، کالی اینٹوں کی بنی ہے۔ جنگلے دار کھڑکی ہے جس کے اوپر ہوادان ہے۔ کھڑکی سامنے کی دیوار کے بیچوں بیچ بنی ہے۔ اس کے سامنے کی دیوار میں چھوٹا سا دروازہ ہے۔ ایک کونے میں چادر اور بچھاون لپیٹا ہوا رکھا ہے (دو کمبل، دو چادریں اور ایک غلاف)۔ ٹھیک اس کے اوپر چوتھائی گول لکڑی کا تاک ہے، جس پر بائبل اور کئی دھرم گرنتھ (مذہبی کتاب) تلے اوپر مینار کی طرح رکھے ہیں۔ بالوں کا کالا برش، دانتوں کا برش، اور ایک چھوٹا سا صابن بھی رکھا ہے۔ دوسرے کونے میں لکڑی کی ایک کھاٹ کھڑی رکھی ہے۔ کھڑکی کے نیچے ایک اندھیرا ہوادان ہے اور ایک دروازے کے اوپر بھی ہے۔ فالڈر کا کام

(ایک قمیض پر اسے بٹن کے کاج بنانے کو دیا گیا ہے) ایک کھونٹی پر ٹنگا ہوا ہے۔ اس کے نیچے ایک لکڑی کی میز پر اُپنیاس (ناول) "لو نادون" کھلا ہوا رکھا ہے۔ کونے میں دروازے کے پاس کچھ نیچے ایک وَرگ فٹ (مربع فٹ) کا موٹا کانچ کا پردہ ہے جو دیوار میں لگی ہوئی گیس کی نالی کے دوار (دروازہ) کو ڈھکے ہوئے ہے۔ ایک لکڑی کا اسٹول بھی رکھا ہے۔ اس کے نیچے جوتے رکھے ہیں۔ کھڑکی کے نیچے تین چمکدار ٹین کے ڈبے جڑے ہوئے ہیں۔

دن شیگھر تا سے ڈھل رہا ہے۔ فالڈر موزہ پہنے ہوئے دروازے سے سر لگا کر (مانو کچھ سن رہا ہو) چپ چاپ کھڑا ہے۔ وہ دروازے کے کچھ اور پاس بڑھتا ہے، پیروں میں موزہ رہنے کے کارن (کی وجہ) شبد نہیں ہوتا۔ وہ دروازے سے سٹ کر کھڑا ہوتا ہے۔ وہ خوب کوشش کرتا ہے کہ باہر کی کوئی بات اسے سنائی دے جائے۔ اچانک وہ اچھل کر سانس بند کرکے کھڑا ہوتا ہے مانو کسی کی آہٹ پائی ہو۔ پھر ایک لمبی سانس لے کر وہ اپنے کام (قمیض) کی طرف بڑھتا ہے اور سر نیچا کرکے اسے دیکھتا ہے۔ سوئی لے کر دو ایک ٹانکے لگاتا ہے۔ اس کی مدُرا سے پرکٹ (رخ سے ظاہر) ہوتا ہے کہ وہ رنج میں اتنا ڈوبا ہے کہ ہر ایک ٹانکا مانو اس میں اسکھرتی کا سنچار کررہا ہے۔ پھر یکایک کام چھوڑ کر وہ اس طرح کوٹھری میں ٹہلنے لگتا ہے جیسے پنجڑے میں جانور۔ وہ پھر دروازے کے پاس کھڑا ہوتا ہے، کچھ سنتا ہے، پھر ہتھیلی کو پھیلا کر دروازے پر رکھتا ہے، اور ماتھے کو دروازے سے ٹیک لیتا ہے۔ وہاں سے مڑ کر دھیرے دھیرے انگلی کو دیوار کی اونچی رنگین لکیر پر پھیرتا ہوا وہ کھڑکی کے پاس آتا ہے۔ وہاں آکر ٹھہرتا ہے، اور ٹین کے ڈبے کا ایک ڈھکنا اٹھا کر دیکھتا ہے مانو اپنے ہی چہرے کا ایک ساتھی بنانا چاہتا ہو۔ بہت کچھ اندھیرا ہوگیا ہے۔ اچانک اس کے ہاتھ سے ٹین کا ڈھکن جھن جھن شبد کے ساتھ گر پڑتا ہے۔ سناٹے میں اس آواز سے وہ کچھ چونک اٹھتا ہے۔ وہ اس قمیض کی طرف ایک نظر سے دیکھتا رہتا ہے جو دیوار پر لٹکی ہوئی

ہے، اور اندھیرے میں کچھ سفیدی دکھائی دیتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے مانو کوئی چیز یا کسی آدمی کو دیکھ رہا ہو۔ کھٹ سے ایک آواز ہوتی ہے، کمرے کے اندر کی گیس کی بتی جو شیشے کے آئینے میں ہے جل اٹھتی ہے۔ کمرے میں خوب اجالا ہونے لگتا ہے، فالڈر ہانپتا ہوا نظر آتا ہے۔ اچانک دور پر کوئی شبد ہوتا ہے مانو دھیرے دھیرے کسی دھاتو پر کوئی چیز ٹھوکی جارہی ہو۔ فالڈر پیچھے کھسکتا ہے، اس سے یہ اچانک آنے والا شور نہیں سنا جاتا۔ پرنتو آواز بڑھتی جاتی ہے مانو کوئی بڑا ٹھیلہ کوٹھری کی طرف آرہا ہو۔ فالڈر مانو اس آواز سے سمّوہت ہوتا جاتا ہے، وہ یکایک انچ دروازے کی طرف کھسکتا ہے، دھم دھم کی آواز کوٹھریوں کو پار کرتی ہوئی اور بھی پاس آتی جاتی ہے۔ فالڈر ہاتھ ہلانے لگتا ہے مانو اس کی آتما اس شبد سے مل گئی ہو۔ پھر وہ آواز مانو کمرے کے بھیتر گھس آتی ہے۔ اکسمات وہ بندھی ہوئی مٹھی اٹھاتا ہے۔ زور زور سے ہانپتا ہوا وہ دروازے پر گر پڑتا ہے اور اسے پیٹنے لگتا ہے]

(پردہ گرتا ہے)

انک 4

درشیہ پہلا

[دو سال گزر گئے ہیں۔ کوکسن کا وہی کمرہ۔ مارچ کا مہینہ ہے۔ دس بجنے کو دس منٹ باقی ہیں۔ دروازے سب اچھی طرح کھلے ہیں۔ سوئیڈِل آفس کو ٹھیک کر رہا ہے۔ اس کی اب چھوٹی چھوٹی مونچھ نکل آئی ہے۔ وہ کوکسن کے ٹیبل کو جھاڑ پونچھ رہا ہے۔ پھر ایک ڈھکّن دار سنگار میز کے پاس جاتا ہے اور ڈھکن کو کھول کر شیشے میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے۔ ٹھیک اس سَمے رُتھ ہنی وِل باہر کے دفتر کے بھیتر سے ہوکر آتی ہے اور دروازے کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس کے چہرے پر آنند کے بھاؤ جھلک رہے ہیں۔]

سوئیڈِل : (اس کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے ڈھکن چھوٹ کر دھم سے گر پڑتا ہے) اچھا، آپ ہیں!

رُتھ : ہاں!

سوئیڈِل : ابھی تو یہاں کیول میں ہی ہوں، وہ صبح ہی صبح آکر اپنا وقت خراب نہیں کرتے۔ اُف! قریب دو سال بعد آپ سے ملاقات ہوئی۔

(کچھ ہچک کر)

آپ کیا کرتی تھیں؟

رُتھ : (زبردستی ہنس کر) جی رہی تھی۔

سوئیڈِل : (دُکھت ہوکر) اگر آپ ان سے ....

(کوکسن کی کرسی کی طرف اشارہ کرکے)

ملنا چاہتی ہیں تو ذرا بیٹھیے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔ ان کو کبھی دیر نہیں ہوئی۔

(سنکوچ کے ساتھ)

میں خیال کرتا ہوں وہ دیہات سے واپس آئے ہوں گے۔ ان کی معیاد تو تین مہینے ہوئے پوری ہوگئی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔

(رتھ سر ہلا کر سویکار کرتی ہے)

مجھے ان کے لیے بہت دکھ ہے۔ میرے خیال سے مالک نے ان کے ساتھ انیائے کیا۔

رُتھ : ہاں، انیائے تو کیا۔

سوئیڈِل : ان کو چاہیے تھا کہ اُنھیں اُس بار معاف کردیتے۔ اور جج کو بھی چاہیے تھا کہ اُنھیں چھوڑ دیتے۔ وہ آدمی کا سوبھاؤ کیا جانیں۔ ہم لوگ ان سے کہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔

(رتھ کنکھیوں سے دیکھ کر مسکراتی ہے)

سوئیڈِل : یہ ہمارے کندھوں پر پتھروں کی گاڑی لاد دیتے ہیں، ہمیں مٹیا میٹ کردیتے ہیں اور پھر یدی ہم اٹھ نہ سکیں تو ہمیں کو برا کہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو خوب جانتا ہوں۔ میں نے اس تھوڑی سی عمر میں ایسی باتیں بہت دیکھی ہیں۔

(اس طرح سر ہلا کر مانو بُدھی اسی کے حصے میں پڑی ہے)

یہی دیکھو نہ اس دن مالک ....

(کوکسن باہر کے دفتر سے بھیتر آتا ہے۔ پوروی ہوا نے کچھ تازہ کردیا ہے۔ ہاں، بال کچھ اور سفید ہوگئے ہیں)

کوکسن : (کوٹ اور دستانوں کو کھولتے ہوئے) اچھا، تم ہو۔

(سوئیڈِل کو باہر جانے کا اشارہ کرکے دروازہ بند کرتے ہوئے)

بالکل بھول گیا۔ دو برس بعد تمھیں دیکھا، مجھ سے ملنے آئی ہو؟ اچھا میں تمھیں کچھ سمے دے سکتا ہوں۔ بیٹھ جاؤ، گھر پر سب کُشل (خیریت) تو ہے؟

رُتھ : میں اب وہاں نہیں رہتی۔

کوکسن : (ترچھی نظر سے اس کی طرف دیکھ کر) میں آشا (امید) کرتا ہوں گھر کی اَوَستھا (حالت) پہلے سے اچھی ہوگی۔

رُتھ : اتنے بکھیڑے کے بعد میں ہنی ول کے ساتھ نہ رہ سکی۔

کوکسن : تم کوئی پاگل پن کر بیٹھی؟ مجھے یہ سن کر دُکھ ہوگا۔

رُتھ : میں نے بچوں کو اپنے پاس رکھا ہے۔

کوکسن : (اسے چنتا ہونے لگتی ہے کہ باتیں ویسی آشاجنک (پرامید) نہیں ہے، جیسا اس نے خیال کیا تھا) خیر، مجھے تم سے مل کر بڑی پرسنتا (مسرت) ہوئی۔ رہائی کے بعد تو تم سے شاید فالڈر سے ملاقات نہیں ہوئی ہوگی۔

رُتھ : نہیں، کل اکسمات ان سے بھینٹ ہوگئی۔

کوکسن : اچھی طرح ہے نہ؟

رُتھ : (اکسمات جھلا کر) انھیں کچھ کام نہیں مل رہا ہے۔ ان کی حالت بری ہورہی ہے۔ ہڈی ہڈی نکل آئی ہے۔

کوکسن : (سچی سہانُبھوتی (ہمدردی) سے) سچ! مجھے یہ سن کر بہت رنج ہوا۔

(اپنے کو سنبھال کر)

اس کو رہا کرنے کے بعد کیا ان لوگوں نے کوئی کام نہیں تلاش کردیا؟

رُتھ : وہ کیوَل تین ہفتے وہاں کام کرپائے تھے۔ پر اسے چھوڑنا پڑا۔

کوکسن : میری سمجھ میں نہیں آتا تمھاری کیا مدد کروں۔ کسی کو صاف جواب دیتے مجھے برا لگتا ہے۔

رُتھ : مجھ سے اس کی یہ دَشا نہیں دیکھی جاتی۔

کوکسن : (اس کی پیاری صورت کی طرف دیکھتا ہے) مجھے معلوم ہے اس کے رشتے دار اسے آشریہ (سہارا) نہ دیں گے۔ شاید تم اس برے وقت میں اس کی کچھ مدد کرسکو۔

رُتھ : اب نہیں کر سکتی۔ پہلے کر سکتی تھی۔ اب نہیں کر سکتی۔

کوکسن : میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا کہہ رہی ہو۔

رُتھ : (ابھیمان سے) میں اس سے پھر ملی تھی۔ اب کوئی آشا نہیں۔

کوکسن : (اس کی طرف غور سے دیکھ کر کچھ گھبرایا ہوا) میں بال بچوں والا آدمی ہوں۔ میں ایسی کوئی خراب بات نہیں سننا چاہتا۔ مجھے معاف کرو۔ ابھی مجھے بہت کام کرنا ہے۔

رُتھ : میں اپنے گھر والوں کے پاس گاؤں میں بہت دن پہلے چلی گئی ہوتی، لیکن ہنی وِل سے شادی کرنے کے کارن وہ مجھے کبھی معاف نہ کریں گے۔ میں چالاک تو کبھی نہیں تھی صاحب، لیکن مجھ میں غرور اوشیہ ہے۔ میں بہت چھوٹی تھی جب میں نے اس سے شادی کی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ اس سے بڑھ کر کوئی ہوگا ہی نہیں۔ وہ اکثر ہمارے کھیتوں میں آیا کرتا تھا۔

کوکسن : (دکھ سے) میں نے تو سمجھا تھا کہ مجھ سے ملنے کے بعد اس نے تم سے اچھا وَیوہار کیا ہوگا۔

رُتھ : وہ مجھے اور بھی ستانے لگا۔ وہ مجھے اپنے قابو میں تو نہ لا سکا لیکن میرا سَواستھیہ (صحت) خراب ہوگیا۔ پھر اس نے بچوں کو مارنا شروع کیا۔ میں نہیں برداشت کر سکی۔ اب اگر وہ مر رہا ہو، تو میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔

کوکسن : (کھڑا ہوکر اس طرح کنّی کاٹتا ہے، مانو اگنی پرواہ سے بچ رہا ہو) ہمیں اتنا آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیے .... کیوں؟

رُتھ : (کرودھ (غصہ) سے) جو آدمی ایسا کمینہ برتاؤ ....

(سناٹا چھا جاتا ہے)

کوکسن : (سوبھاؤ کے وِرُدّھ انورکت ہوکر) ہاں، تو پھر تم نے کیا کیا؟

رُتھ : (سہم کر) پہلی بار اسے چھوڑ کر جو کرتی تھی وہی کام پھر شروع کیا۔ قمیضوں

کی سلائی سستی بیچنی پڑتی تھی۔ یہی ایک کام میں کر سکتی تھی۔ پرنتوں کسی ہفتے میں سات آٹھ روپے سے زیادہ نہ کما سکی۔ اپنا سوت ہوتا تھا اور دن بھر کام کرنا پڑتا تھا۔ رات کو بارہ بجے کے پہلے کبھی نہیں سوتی تھی۔ نو مہینے تک میں یہ کرتی رہی۔

(کرودھ سے)

لیکن میں اس طرح کام نہیں کر سکتی تھی۔ مر جانا اچھا ہے۔

کوکسن : چپ رہو، ایسی باتیں مت کرو۔

رُتھ : بچوں کو بھی بھوکوں مرنا پڑتا تھا۔ اتنے آرام سے رہنے کے بعد میں ان کی طرف بے پرواہ ہوگئی۔ میں بہت تھک جاتی تھی۔

(چپ ہوجاتی ہے)

کوکسن : (اُتکنٹھا سے) پھر کیا ہوا؟

رتھ : (ہنس کر) دکان کے مالک نے میرے اوپر دیا کی۔ ابھی تک ان کی دیا بنی ہوئی ہے۔

کوکسن : اف! میں نے ایسی بات کبھی نہیں سنی۔

رُتھ : (اُداسین بھاؤ سے) ان کا ویوہار میرے ساتھ اچھا ہے، لیکن اب وہ سب ختم ہوگیا۔

(اس کے ہونٹ اچانک کانپنے لگتے ہیں۔ الٹی ہتھیلی سے وہ ہونٹوں کو چھپا لیتی ہے)

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ پھر ان سے کبھی میری ملاقات ہوگی۔ اچانک ہی مجھ سے کل 'ہرد باغ' میں ملاقات ہوگئی۔ ہم دونوں وہاں بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ اس نے اپنی سب رام کہانی مجھے سنا دی۔ اُف! کوکسن صاحب، آپ اسے پھر اپنے یہاں لے لیجیے۔

کوکسن : (وِیگر ہوکر) تو تم دونوں نے اپنی روزی کھو دی۔ کتنی بھیشن سمسیا (مسئلہ)

ہے۔

رُتھ : اگر وہ یہاں آجاتے تو یہاں تو ان کے وِشے میں کوئی پوچھ تاچھ نہ ہوتی۔

کوکسن : ہم کوئی کام نہیں کر سکتے جس سے کاریالیہ (دفتر) کی بدنامی ہو۔

رُتھ : میرے لیے اور کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

کوکسن : میں مالکوں سے کہوں گا، لیکن میں نہیں خیال کرتا کہ وہ اسے لے لیں گے۔ بات ایسی ہی آپڑی ہے۔

رُتھ : وہ میرے ساتھ آئے ہیں، ادھر سڑک پر بیٹھے ہیں۔

(کھڑکی کی طرف دکھاتی ہے)

کوکسن : (شان دکھا کر) اسے نہیں آنا چاہیے جب تک کہ اسے بلایا نہ جائے۔

(اس کے مُکھ کی طرف دیکھ کر نُمر سور سے)

ہمارے یہاں ایک جگہ خالی ہے، لیکن میں وعدہ نہیں کر سکتا۔

رُتھ : آپ اسے پُران دان دیں گے۔

کوکسن : مجھ سے جہاں تک ہوگا میں کوشش کروں گا لیکن نشچے نہیں کہہ سکتا۔ اچھا، اس سے کہہ دو وہ یہاں نہ آئے جب تک میں اوستھا کو وچار نہ لوں۔ اپنا پتا بتا جاؤ۔

(اس کے پتے کو دہرا کر)

83، مَرلِنگ اسٹریٹ۔

(بلاٹنگ کاغذ پر لکھ لیتا ہے)

اچھا، سلام۔

رُتھ : دھنیہ واد!

(وہ دروازے کے پاس جاکر کچھ کہنے کے لیے رُکتی ہے۔ پرنتو پھر چلی جاتی ہے)

کوکسن : (سر اور کپال کا پسینہ ایک بڑے سفید رومال سے پوچھ کر) اف، کیا بری گت ہے۔

(کاغذوں کی طرف دیکھ کر گھنٹی بجاتا ہے۔ سوئیڈِل آتا ہے)

کوکسن : کیا وہ جوان رچرڈ آج کلرک کی جگہ کے لیے آئے گا؟

سوئیڈِل : جی ہاں!

کوکسن : اچھا اسے ٹال دینا۔ میں ابھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔

سوئیڈِل : اس سے کیا کہوں، حضور؟

کوکسن : (جھجک کر) کوئی بہانہ سوچ لو۔ بُدھی (عقل) سے کام لو۔ ہاں، اسے ایک دم بھگا مت دینا۔

سوئیڈِل : کیا اس سے کہہ دوں کہ آپ کی طبیعت خراب ہے؟

کوکسن : نہیں، جھوٹ مت بولو۔ کہہ دینا کہ میں آج آیا نہیں ہوں۔

سوئیڈِل : اچھا، صاحب، تو میں اسے ابھی گھماتا رہوں۔

کوکسن : ہاں! اور دیکھو تو فالڈر کو تو بھولے نہیں ہو، نہ؟ شاید وہ مجھ سے ملنے آوے۔ دیکھو اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا جیسا اس کی دشا میں تم خود چاہتے ہو۔

کوکسن : ٹھیک، گرے ہوئے کو ٹھوکر نہیں مارنا چاہیے۔ فائدہ ہی کیا؟ اسے ہاتھ کا سہارا دے دو۔ یہ ایک ایسا سِدّھانت ہے جسے جیون میں کبھی نہ بھولنا چاہیے۔ یہی پکّی نیتی ہے۔

سوئیڈِل : آپ کو آشا ہے کہ مالک لوگ انھیں لے لیں گے۔

کوکسن : یہ ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔

(باہر کے دفتر میں کسی کے پیروں کی آہٹ پا کر)

کون ہے؟

سوئیڈِل : (دروازے کے پاس جاکر دیکھتا ہے) فالڈر آئے ہیں۔

کوکسن : (چلا کر) اف! یہ اس کی بڑی بے وقوفی ہے۔ اسے پھر آنے کو کہو۔ میں نہیں چاہتا ....

(فالڈر کے بھیتر آتے ہی وہ چپ ہو جاتا ہے۔ اس کا چہرہ پیلا اور مرجھایا ہوا ہے۔ عمر بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ آنکھیں اِستھر ہو رہی ہیں۔ کپڑے پرانے اور پھٹے ہیں)

(سوئیڈل خوشی کے ساتھ ابھیوادن کر کے چلا جاتا ہے)

کوکسن : تمھیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مگر تم کچھ پہلے آگئے۔

(للو چپّو کرتے ہوئے)

آؤ، ہاتھ ملاؤ۔ وہ تو خوب دوڑ دھوپ کر رہی ہے۔

(پسینہ پوچھ کر)

اس کا قصور نہیں ہے، بے چاری بہت چِنتِت (فکر مند) ہے۔

(فالڈر سنکوچ کے ساتھ کوکسن سے ہاتھ ملاتا ہے اور مالکوں کے کمرے کی طرف دیکھتا ہے)

کوکسن : نہیں، ابھی وہ نہیں آئے ہیں، بیٹھ جاؤ۔

(فالڈر کوکسن کی میز کے کنارے ایک کرسی پر بیٹھتا ہے اور اپنی ٹوپی میز پر رکھتا ہے)

اچھا، اب اپنا کچھ حال بتلاؤ۔

(چشمے کے اوپر سے اس کو دیکھتے ہوئے)

طبیعت کیسی ہے؟

فالڈر : جیتا ہوں۔

کوکسن : (کسی اور دھیان میں پڑے ہوئے) یہ سن کر مجھے خوشی ہے۔ ہاں، اس کے بارے میں دیکھو، میں کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا جو دیکھنے میں بھدی ہو۔ یہ میری عادت ہے۔ میں سیدھا آدمی ہوں۔ میں سب باتیں صاف صاف کرنا ہی پسند کرتا ہوں۔ میں نے، لیکن تمھارے مِتر سے وعدہ کیا ہے کہ مالکوں سے تمھارے بارے میں کہوں گا۔ تم جانتے ہو میں اپنی زبان کا پکا ہوں۔

فالڈر : بس میں ایک موقعہ اور چاہتا ہوں، مسٹر کوکسن۔ میں نے جو کام کیا تھا اس کا ہزار گنا دنڈ بھوگ چکا۔ ہاں صاحب، ہزار گنا زیادہ۔ میرے دل سے پوچھیے۔ لوگ کہتے ہیں میرا وزن بڑھ گیا ہے۔ لیکن اس ....

(سر پر ہاتھ رکھ کر)

چیز کو انھوں نے نہیں تولا۔ کل تک بھی میں سوچتا تھا یہ شاید یہاں ....

(دل پر ہاتھ رکھ کر)

اب کچھ نہیں ہے۔

کوکِسن : (چنتِت بھاؤ سے) تمھیں دل کی بیماری تو نہیں ہوئی ہے؟

فالڈر : ان کے خیال میں میرا سواستھ بہت اچھا ہے۔

کوکسن : لیکن انھوں نے تمھارے لیے کوئی جگہ تو تلاش کردی تھی نہ؟

فالڈر : کردی تھی، بہت اچھے لوگ تھے۔ سب جانتے ہوئے بھی مجھ سے خوش تھے۔ میں نے سوچا تھا مزے سے دن کٹ جائیں گے۔ لیکن ایک دن اور کلرکوں کے کان میں بھنک پڑ گئی۔ .... وہ مجھ سے .... پھر میں وہاں نہ رہ سکا، مسٹر کوکسن! بہت مشکل تھا۔

کوکسن : دل کو سنبھالو بھائی، گھبراؤ مت۔

فالڈر : اس کے بعد ایک جگہ اور مجھے مل گئی تھی، پر چلی نہیں۔

کوکسن : کیوں؟

فالڈر : آپ سے جھوٹ بول کر کچھ فائدہ نہیں ہے، مسٹر کوکسن! بات یہ ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کسی چیز نے چاروں طرف سے جکڑ رکھا ہے جس میں پھنسا پڑا ہوا ہوں۔ ٹھیک جیسے میں کسی جال میں پھانس لیا گیا ہوں۔ تاڑ سے گرتا ہوں تو ببول پر اٹکتا ہوں۔ بنا پرشنسا پتر کے کوئی کام نہیں دیتا تھا۔ اس وِشے میں مجھے جو کچھ نہ کرنا چاہیے تھا وہ میں نے کیا۔

اور اُپاے (طریقہ) ہی کیا تھا؟ پرنتو مجھے ڈر لگا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ بس، اسی لیے چھوڑ دیا۔ اب بھی مجھے ڈر لگا رہتا ہے۔

(سر نیچا کر ٹیبل کے سہارے ہراش ہو کر جھک جاتا ہے)

کوکسن : تمھاری حالت پر مجھے بہت رنج ہے۔ وِشواس (یقین) مانو۔ کیا تمھاری بہن تمھارے لیے کچھ نہ کرے گی؟

فالڈر : ایک کو تپے دِق کی بیماری ہے اور دوسری ....

کوکسن : ہاں، مجھے یاد ہے، تم نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کے پتی تم سے بہت خوش نہیں ہیں۔

فالڈر : میں جب وہاں گیا تب وہ کھانا کھا رہے تھے۔ میری بہن مجھے چوم لینا چاہتی تھی۔ مگر اس نے اس کی طرف گھور کر دیکھا .... پھر مجھ سے کہا— ”تم کیوں آئے ہو؟“ میں نے اپنے سب ابھیمانوں کو دبا کر کہا — ”کیا تم مجھ سے ہاتھ نہیں ملاؤ گے، جیم؟ ......“ اس نے کہا— ”دیکھو جی، جو کچھ ہوا وہ ہوا۔ میں تم سے نپٹارا کر لینا چاہتا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ تم آؤ گے، اور میں نے پہلے ہی نشچے (فیصلہ) کر لیا ہے۔ میں تمھیں 25 گنّی دیتا ہوں۔ تم کینیڈا چلے جاؤ۔“ میں نے کہا، ٹھیک ہے، سب گلا چھڑا رہے ہو۔ دھنیہ واد مجھے ضرورت نہیں ہے، 25 گنّی اپنے پاس رکھو۔ جس دَشا (حالت) میں میں رہ چکا ہوں، اس دَشا میں رہنے کے بعد پھر کہاں کی دوستی؟

کوکسن : میں سمجھ گیا۔ اچھا، یدی میں تمھیں 25 گنّی دوں تو تم لوگے۔ بھائی؟

(فالڈر کو اپنی طرف مسکراتے دیکھ کر جھینپتا ہے)

برا ماننے کی بات نہیں۔ میرا ارادہ برا نہ تھا۔

فالڈر : تو یہاں مجھے نوکری نہ ملے گی؟

کوکسن : نہیں، نہیں، تم میرا مطلب نہیں سمجھ رہے ہو —

فالڈر : میں نے اس ہفتے میں رات باغیچے میں سو کر کاٹی ہے۔ کویوں (شعراء) کی اُشا

کا وہاں کہیں پتا بھی نہیں۔ لیکن کل اس سے مل کر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں آج کچھ اور ہی ہوگیا ہوں۔ میرے جنون میں جو سُکھ یا شانتی ہے یہ کیوَل اس کے پریم میں ہے۔ وہ میرے لیے پوِتر ہے۔ پھر بھی اس نے میرا سَروناش کردیا۔ کتنی عجیب بات ہے۔

کوکسن : ہم سب کو ہی تمھارے لیے دکھ ہے۔

فالڈر : ہاں، یہاں تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اَتینت دُکھ ہے۔

(شلیش کے ساتھ)

لیکن چور، ڈاکوؤں کے ساتھ ملنا آپ کی شان کے خلاف ہے۔

کوکسن : چھی فالڈر، کیوں اپنے کو گالی دیتے ہو؟ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس پر پردہ ڈال دو۔

فالڈر : پردہ ڈال دینا معمولی بات ہے، اگر آپ کے پاس کافی دھن ہو۔ میری طرح ٹوٹ جائیں تو معلوم ہو۔ مثل ہے — ''جو جیسا کرتا ہے پھل پاتا ہے۔'' مجھے تو کچھ زیادہ مل گیا۔

کوکسن : (چشمے کے اوپر سے اس کی طرف ترچھی نظر سے دیکھ کر) تم سامیہ وادی تو نہیں بن گئے ہو؟

(فالڈر اکسمت (اچانک) چپ ہو جاتا ہے مانو پچھلی باتیں سوچ رہا ہے۔ کچھ عجیب طرح سے ہنستا ہے)

کوکسن : وِشواس (یقین) مانو، سب لوگ دل سے تمھاری بھلائی چاہتے ہیں۔ تمھارا نقصان کرنا کوئی نہیں چاہتا۔

فالڈر : آپ بہت ٹھیک کہتے ہیں، کوکسن۔ ہمارا دشمن تو کوئی نہیں ہے۔ پھر بھی جان کے گاہک سب ہیں۔

(چاروں طرف دیکھنے لگتا ہے، مانو کوئی اسے پھنسا رہا ہو)

یہ مجھے کچلے ڈالتا ہے۔

(مانو اپنے کو بھول کر)

جان ہی لے کر چھوڑوگے۔

کوکسن : (بہت بے چین ہوکر) یہ سب کچھ نہیں ہے۔ سب اپنے آپ ٹھیک ہوجائے گا۔ میں برابر تمھارے لیے پرارتھنا کرتا تھا۔ تم نشچنت (اطمینان) رہو۔ میں ہوشیاری سے کام لوں گا اور جب وہ ذرا موج میں ہوں گے، تب یہ ذکر چھیڑوں گا۔

(ٹھیک اسی سمے جیمس اور والٹرہاؤ آتے ہیں)

کوکسن : (گھبرا کر، پرنتو ساتھ ہی انھیں اطمینان دلانے کے لیے) آج تو آپ لوگ بہت جلد آگئے۔ میں ذرا ان سے باتیں کررہا تھا — آپ انھیں بھولے نہ ہوں گے؟

جیمس : (تیور گمبھیر بھاؤ سے دیکھ کر) بالکل نہیں۔ کیسے ہو فالڈر؟

والٹر : (ڈرتا ہوا اپنا ہاتھ پھیلا کر) تمھیں دیکھ کر بہت خوش ہوا، فالڈر۔

فالڈر : (اپنے کو سنبھال کر والٹر سے ہاتھ ملاتے ہوئے) آپ کو دھنیہ واد دیتا ہوں۔

کوکسن : آپ سے ایک بات کرنی ہے، مسٹر جیمس۔

(کلرک کے کمرے کی طرف فالڈر کو اشارہ کرکے)

تم ذرا وہاں جاکر بیٹھ جاؤ۔ میرا جونیئر آج نہیں آئے گا۔ اس کی اِستری سے بچہ ہوا ہے۔

(فالڈر ہچکچاتا ہوا کلرک کے کمرے میں جاتا ہے)

کوکسن : (گوپنی بھاؤ سے) میں آپ سے اسی کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔ اپنی بھول پر بہت لجّت (شرمندہ) ہے۔ لیکن لوگ اس پر شبہہ کرتے ہیں۔ اور اس کا چہرہ بھی آج اترا ہوا ہے۔ بھوجن کے لالے پڑے ہیں۔ بھوجن کے بنا کوئی کیسے رہ سکتا ہے؟

جیمس : اچھا بھوجن بھی نہیں ملتا؟

کوکسن : ہاں، میں آپ سے یہی پوچھنا چاہتا تھا، اب تو اس کو کافی سبق مل گیا ہے اور ہمیں ایک کلرک کی ضرورت بھی ہے، فالڈر ہم لوگوں کے لیے کوئی نیا آدمی نہیں ہے۔ ایک یوۡک نے درخواست تو بھیجی ہے، لیکن میں اسے ٹال رہا ہوں۔

جیمس : کیا جیل کے آسامی کو آفس میں رکھو گے، کوکسن؟ مجھے تو اچھا نہیں لگتا۔

والٹر : وکیل کی وہ بات میں کبھی نہ بھولوں گا۔ "نیاے کی چکّی کے چلتے ہوئے پاٹ"۔

جیمس : اس معاملے میں میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جسے کوئی برا کہہ سکے۔ جیل سے نکل کر اب تک کیا کرتا رہا؟

کوکسن : ایکادھ جگہ نوکری ملی تھی، مگر وہاں ٹک نہیں سکا۔ وہ بہت شکّی ہے — سوابھاوِک بات ہے — اسے معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس کے پیچھے پڑی ہے۔

جیمس : یہ اور خراب بات ہے، میں اسے پسند نہیں کرتا۔ کبھی نہیں کیا۔ دربل چرتر تو مانو اس کے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔

والٹر : ہمیں ایک بار اسے سہارا تو دینا ہی چاہیے۔

جیمس : اس نے اپنے ہی ہاتھوں تو اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری۔

والٹر : اس زمانے میں پوری ذمہ داری کا سدّھانت (اصول) ماننے یوگیہ (لائق) نہیں۔

جیمس : (گمبھیرتا سے) پھر بھی تمھارا کلیان اسی میں ہے کہ اسے مانتے رہو۔

والٹر : ہاں، اپنے لیے، دوسروں کے لیے نہیں۔

جیمس : خیر، میں سختی نہیں کرنا چاہتا۔

کوکسن : مجھے خوشی ہے کہ آپ ایسا کہتے ہیں۔

(ہاتھ پھیلا کر)

وہ اپنے چاروں طرف کچھ دیکھتا رہتا ہے۔ یہ دُربلتا کا چنھہ (کمزوری کی نشانی) ہے۔

جیمس : اس عورت کا کیا ہوا جس سے اس کا کچھ سمبندھ تھا؟ ٹھیک ویسی ہی ایک عورت کو باہر ابھی دیکھا ہے۔

کوکسن : وہ، وہ ……… آپ سے کہہ دینا ہی ٹھیک ہے، وہ اس سے مل چکا ہے۔

جیمس : کیا وہ اپنے پتی کے ساتھ رہتی ہے؟

کوکسن : نہیں۔

جیمس : شاید فالڈر اس کے ساتھ رہتا ہوگا۔

کوکسن : (بنتی ہوئی بات کو بنائے رکھنے کی پربل چیشٹا کرکے) یہ مجھے نہیں معلوم۔ مجھ سے اس سے کیا مطلب؟

جیمس : لیکن اگر ہم اسے نوکر رکھیں گے، تو ہمیں اس سے ضرور مطلب ہے۔

کوکسن : (انچھا سے) شاید آپ سے کہنا ہی ٹھیک ہے۔ وہ آج یہاں آئی تھی۔

جیمس : میں نے بھی یہی سوچا تھا۔

(والٹر سے)

نہیں، بیٹا، ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ سراسر بدنامی ہے۔

کوکسن : دونوں باتوں کے مل جانے سے معاملہ بے ڈھب ہوگیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔

والٹر : میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں اس کی نجی باتوں سے کیا سروکار ہے۔

جیمس : نہیں، نہیں۔ یہاں آنے کے پہلے، اسے اس عورت کو چھوڑنا پڑے گا۔

والٹر : غریب بے چارہ!

کوکسن : آپ اس سے ملیں گے؟

(جیمس کو سر ہلاتے دیکھ کر)

شاید میں اسے سمجھا سکوں۔

جیمس : (گمبھیر بھاؤ سے) میں سمجھا لوں گا، تمھیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

والٹر : (کوکسن جب فالڈر کو بلاتا ہے اس سَمے دھیمے سُور میں جیمس سے) اس کی ساری زندگی اب آپ کے ہاتھ میں ہے، پتا جی۔

(فالڈر آتا ہے، اس نے اپنے کو سنبھال لیا ہے، بے دھڑک آکر کھڑا ہوتا ہے)

جیمس : دیکھو فالڈر، والٹر اور میں چاہتا ہوں کہ تمھیں پھر ایک بار موقعہ دوں۔ لیکن میں دو باتیں تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہاں ستائے ہوئے کی بھانتی آنا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ تمھارے ساتھ انیائے کیا گیا ہے، تو اسے بھول جانا پڑے گا۔ آگ میں کود کر یہ نہیں ہو سکتا کہ آنچ نہ لگے۔ سماج یدی اپنی رَکشا نہ کرے گا، تو اس کی کوئی پرواہ نہ کرے گا۔ سمجھتے ہو؟

فالڈر : جی ہاں، لیکن کیا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں؟

جیمس : کہو۔

فالڈر : میں نے جیل میں ان باتوں پر بہت وِچار کیا ہے۔

کوکسن : (اُتساہ دیتے ہوئے) ہاں، اُوشیہ کیا ہوگا۔

فالڈر : وہاں سب طرح کے آدمی تھے۔ مجھے معلوم ہوا، یدی پہلی بار میرے ساتھ نرمی کی گئی ہوتی اور جیل میں رکھنے کے بدلے کسی ایسے آدمی کے ماتحت رکھا جاتا جو ہماری کچھ دیکھ بھال کرتا، تو وہاں جتنے قیدی ہیں ان کی ایک چوتھائی بھی نہ رہتے۔

جیمس : (سرہلا کر) مجھے اس میں بہت سندیہہ ہے، فالڈر۔

فالڈر : (کچھ ایرشیا کے بھاؤ سے) ٹھیک ہے صاحب، لیکن میرا یہ انوبھو (تجربہ) ہے۔

جیمس : بھائی، تمھیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ تم نے شروع کیا تھا۔

فالڈر : لیکن میری منشا برائی کی نہیں تھی۔

جیمس : شاید نہ ہو، لیکن تم نے کی ضرور۔

فالڈر : (بیتے ہوئے کشٹو (تکلیفوں) کی بات سوچ کر) اس نے مجھے کچل ڈالا، صاحب!

(سیدھا کھڑا ہوکر)

میں کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہوں۔

جیمس : اس سے تو ہمارے من میں شنکا (شک) ہوتی ہے، فالڈر۔

کوکسن : آپ سمجھتے نہیں، مسٹر جیمس، اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔

فالڈر : (تیور شوک سے اُدھت ہوکر) نہیں، میرا مطلب یہی ہے کہ مسٹر کوکسن..........

جیمس : خیر، ان سب باتوں کو چھوڑو، فالڈر، اب آگے کی طرف دیکھو۔

فالڈر : (تیورتا کے ساتھ) ہاں، صاحب، لیکن آپ سمجھ نہیں سکتے کہ جیل کیا چیز ہے۔

(اپنی چھاتی کو پکڑ کر)

بس، یہاں اس کی چوٹ پڑتی ہے۔

کوکسن : (جیمس کے کان میں) میں نے آپ سے کہا تھا کہ اسے اچھے بھوجن کی ضرورت ہے۔

والٹر : مت گھبراؤ مِتر، یہ سب شانت ہو جائے گا۔ سَمے تم پر دیا کرے گا۔

فالڈر : (کچھ منہ سکوڑ کر) مجھے بھی ایسی آشا ہے۔

جیمس : (بڑی نمرتا سے) خیر، دیکھو بھائی، تمھیں جو کچھ کرنا ہے، وہ یہ کہ بیتی ہوئی باتوں پر پردہ ڈالو اور اپنی اچھی ساکھ جماؤ۔ اب رہی دوسری بات، وہ یہ ہے کہ جس عورت کے ساتھ تمھارا سمبندھ تھا، تمھیں وَچن دینا پڑے گا کہ آگے اس کے ساتھ تمھارا کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ اگر تم اس طرح کا سمبندھ رکھ کر اپنا جیون سدھار شروع کروگے، تو تم کبھی اپنی نیت ٹھیک نہیں رکھ سکتے۔

فالڈر : (ہر ایک کے منہ کی طرف دکھی آنکھوں سے دیکھ کر) لیکن صاحب ...... اس بھروسے پر تو میں نے یہ سب دکھ جھیلے ہیں۔ اور بھی ....کل رات کو ہی مجھ سے اس کی ملاقات ہوئی ہے۔

(یہ اور اس کے پیچھے کی باتیں سن کر کوکسن کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے)

جیمس : یہ بہت دکھ کی بات ہے، فالڈر۔ تم سمجھ سکتے ہو میرے جیسے کاریالیہ کے لیے یہ اسمبھو ہے کہ وہ اپنی آنکھیں سب طرف سے بند کرلے۔ اپنی نیت ٹھیک کرنے کا یہ پرمان دے دو، بس میں تمھیں اپنے یہاں رکھ لوں گا، نہیں تو میں لاچار ہوں۔

فالڈر : (جیمس کی طرف اِستھر دِرشٹی سے دیکھتے ہوئے اچانک کچھ دِڑھ ہوکر) نہیں، میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ اَسمبھو ہے۔ میرے لیے اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے، صاحب۔ اور اس کے لیے بھی میں ہی سب کچھ ہوں۔

جیمس : مجھے اس کے لیے دکھ ہے، فالڈر۔ لیکن میں اپنا وچار بدل نہیں سکتا۔ تم دونوں کے لیے آگے چل کر اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ اس سمبندھ میں بھلائی کبھی نہیں ہوسکتی۔ یہی تمھارے سب دکھوں کا کارن تھا۔

فالڈر : لیکن، صاحب، اس کا تو یہ مطلب ہے کہ میں نے وہ سارے دکھ ویرتھ ہی جھیلے، کسی کام کا نہیں رہا۔ میرا سواستھ بالکل چوپٹ ہوگیا۔ یہ سب میں نے اس کے لیے ہی کیا تھا۔

جیمس : اچھا سنو، اگر دراصل وہ اچھی عورت ہے، تو خود ہی سمجھ جائے گی۔ وہ کبھی تمھاری دُرگتی نہ کرائے گی۔ ہاں، اگر اس کے ساتھ وِواہ (شادی) ہونے کی آشا ہوتی، تو دوسری بات تھی۔

فالڈر : یہ میرا قصور نہیں ہے، صاحب، کہ وہ اپنے پتی سے چھٹکارا نہیں پاسکی۔ اگر اس کا وَش ہوتا تو وہ ضرور ایسا کرتی۔ یہی ساری وِپتّی کا مول کارَن (پریشانی کی بنیادی وجہ) ہے۔

(اکسمات والٹر کی طرف دیکھ کر)

اگر کوئی اس کی مدد کر سکتا۔ اب کیول دھن کی ضرورت ہے۔

کوکسن : (والٹر ہچک کر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ بیچ میں بات کاٹ کر) میری سمجھ میں ابھی اس کی چرچا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب دور کی بات ہے۔

فالڈر : (والٹر کی طرف کاتر بھاؤ سے) اس نے تب سے اس پر اور بھی اتیاچار کیا ہوگا۔ وہ ثابت کر سکتی ہے، کہ اس نے اسے چھوڑنے پر مجبور کیا۔

والٹر : میں تمھاری سب طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں، فالڈر، اگر اپنے بس کی بات ہو۔

فالڈر : آپ کی مجھ پر بڑی کرپا ہے۔

(وہ کھڑکی کے پاس جاکر نیچے سڑک کی طرف دیکھتا ہے)

کوکسن : (جلدی سے) میری باتوں پر نہ جائیے مسٹر والٹر۔ اس کے وِشیش کارن ہیں۔

فالڈر : (کھڑکی کے پاس سے) وہ نیچے کھڑی ہے، بلاؤں؟ یہیں سے بلا سکتا ہوں۔

(والٹر ہچکتا ہے، اور کوکسن تتھا جیمس کی طرف دیکھتا ہے)

جیمس : (سر ہلا کر) ہاں، بلاؤ۔

(فالڈر کھڑکی سے اشارہ کرتا ہے)

کوکسن : (گھبرا کر جیمس اور والٹر سے دھیمی آواز میں) نہیں، مسٹر جیمس، جب یہ جیل میں تھا تب اسے جس طرح رہنا چاہیے تھا، ویسے وہ رہ نہ سکی۔ اس نے موقعہ کھو دیا۔ ہم قانون کو دھوکہ دینے کی صلاح نہیں کر سکتے۔

(فالڈر کھڑکی کے پاس سے چلا آتا ہے۔ تینوں آدمی چپ چاپ گمبھیر بھاؤ سے اس کی طرف دیکھتے ہیں)

فالڈر : (ان کے بھاؤں میں پریورتن (تبدیلی) دیکھ کر سشنک نیتروں سے ہر ایک کی طرف دیکھتے ہوئے)

ہمارا اور اس کا سمبندھ ابھی تک پوِتر ہے، صاحب! جو کچھ میں عدالت میں

کہا تھا وہ بالکل سچ ہے۔ کل رات کو ہم تھوڑی دیر تک باغیچے میں کیول بیٹھے ہی تھے۔

(سوئیڈل باہر کے کمرے میں آتا ہے)

کوکسن : کیا ہے؟

سوئیڈل: شری متی ہنی وِل۔

(سب چپ رہتے ہیں)

جیمس : بلاؤ۔

(رتھ دھیرے دھیرے بھیتر آتی ہے، اور فالڈر کے پاس ایک کنارے استھر بھاؤ سے کھڑی ہو جاتی ہے۔ باقی تینوں آدمی دوسری طرف کھڑے ہیں۔ کوئی بولتا نہیں۔ کوکسن اپنی میز کے پاس جاکر کاغذوں کو دیکھنے کے لیے جھک جاتا ہے مانو اوستھا ایسی ہی آگئی ہے کہ وہ اپنی پرانی جگہ پر آبیٹھنے کے لیے مجبور ہے)

جیمس : (تیز آواز سے) دروازہ بند کردو۔

(سوئیڈل دروازہ بند کرتا ہے)

ہم نے تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ اس معاملے میں کچھ باتیں طے کرنی ضروری ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم فالڈر سے ابھی حال میں ہی پھر ملی ہو۔

رتھ : جی ہاں، کل ہی۔

جیمس : اس نے اپنے بارے میں سب باتیں ہم سے کہہ دی ہیں، اور ہمیں ان کے لیے بہت رنج ہے۔ میں نے اسے اپنے یہاں کام دینے کا وعدہ کیا ہے اس شرط پر کہ وہ پھر سے نئی زندگی شروع کرے۔

(رتھ کی طرف غور سے دیکھ کر)

اس میں کیول ذرا ہمت کی ضرورت ہے۔

(رتھ اپنے ہاتھوں کو ملتی ہوئی فالڈر کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ مانو اسے

ڈِپتی کا آبھاش ہو گیا ہے)

فالڈر : والٹر صاحب نے ہمارے اوپر دَیا کر کے کہا ہے کہ وہ تمھاری وِواہ وچّھید کرادیں گے۔

(رتھ چونک کر جیمس اور والٹر کی طرف دیکھتی ہے)

جیمس : یہ تو بہت کٹھن ہے، فالڈر۔

فالڈر : لیکن صاحب ....۔

جیمس : (گمبھیر ہوکر) دیکھو شری متی ہنی وِل، تمھیں ان سے پریم ہے؟

رُتھ : ہاں، صاحب، میں ان سے پریم کرتی ہوں۔

(فالڈر کی طرف دُکھت نیتروں سے دیکھتی ہے)

جیمس : تب تم اس کے راستے کا کانٹا نہیں بنوگی — کیوں؟

رُتھ : (کمپت کنٹھ سے) میں ان کی سیوا کر سکتی ہوں۔

جیمس : سب سے اچھی سیوا جو تم کر سکتی ہو، وہ یہ ہے کہ تم اسے چھوڑ دو۔

فالڈر : نہیں، کوئی مجھے تم سے الگ نہیں کر سکتا، رتھ۔ تم وِواہ وچّھید کرا سکتی ہو۔ ہم میں تم میں اور کوئی بات تو نہیں ہوئی ہے۔ بولو۔

رُتھ : (اس کی طرف نہ دیکھ کر اداسی کے ساتھ سر ہلا کر) نہیں۔

فالڈر : حضور، جب تک معاملہ صاف نہ ہو جائے گا ہم ایک دوسرے سے الگ رہیں گے۔ ہم یہ وَچن دیتے ہیں۔ کیوَل آپ ہماری مدد کریں۔

جیمس : (رُتھ سے) تم سب باتیں سمجھ رہی ہو نہ؟ میرا مطلب بھی تم سمجھتی ہو۔

رُتھ : (بہت دھیرے سے) ہاں۔

کوکسن : (آپ ہی آپ) عورت سمجھدار ہے۔

جیمس : یہ اَوَستھا بھینکر ہے۔

رُتھ : کیا مجھے اس کو چھوڑنا ہی پڑے گا، صاحب؟

جیمس : (انچھا سے اس کی طرف دیکھ کر) میں تمھارے اوپر چھوڑتا ہوں۔ دیوی اس کا

بھوشیہ تمھارے ہی ہاتھ میں ہے۔

رُتھ : (بیاکل ہوکر) میں اس کی بھلائی کے لیے سب کر سکتی ہوں۔

جیمس : (کچھ خوشی سے) یہی تو چاہیے۔ یہی تو چاہیے۔

فالڈر : میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کیا سچ مچ تم مجھے چھوڑ دوگی؟ کوئی اور بات ہے۔

(جیمس کی طرف ایک قدم بڑھاکر)

میں ایشور کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ابھی ہم دونوں کا سمبندھ بالکل پوِتر ہے۔

جیمس : میں تم پر وِشواس کرتا ہوں، فالڈر۔ تم بھی اس کی طرح ہمت باندھو۔

فالڈر : ابھی ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ تمھاری مدد کریں گے۔

(رُتھ کی طرف تاکتا ہے جو مورتی کی بھانتی کھڑی ہے۔ جیوں جیوں اسے سمسّیا کا گیان ہوتا ہے اس کے منہ اور ہاتھ کانپنے لگتے ہیں)

یہ کیا بات ہے؟ آپ نے تو ....

والٹر : پتا جی؟

جیمس : (جلدی سے) مت گھبراؤ، مت گھبراؤ، فالڈر۔ میں تمھیں کام دیتا ہوں۔ کیول مجھے جاننے مت دینا کہ تم کیا کررہے ہو — بس۔

فالڈر : (مانو سنا ہی نہیں) رُتھ۔

(رُتھ اس کی طرف دیکھتی ہے، فالڈر اپنے ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیتا ہے۔ سناٹا چھا جاتا ہے)

کوکسن : (اچانک) باہر کمرے میں کوئی آیا ہے۔

(رتھ سے)

تم ذرا بھیتر جاؤ، دو چار منٹ اکیلے رہنے سے تمھیں آرام ملے گا۔

(کلرک کی کمرے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور باہر کی طرف جانے لگتا ہے۔

فالڈر چپ کھڑا رہتا ہے۔ رُتھ ڈرتے ڈرتے اپنا ہاتھ بڑھاتی ہے۔ اس کے اَسپرش (لمس) سے فالڈر سہر کر پیچھے کی طرف ہٹتا ہے۔ وہ دُکھیت ہوکر کلرک کے کمرے کی طرف جاتی ہے۔ اچانک چونک کر وہ بھی پیچھے ہولیتا ہے اور دروازے کے بھیتر جاکر اس کا کندھا پکڑتا ہے۔ کوکسن دوروازہ بند کرتا ہے)

جیمس : (باہر کے کمرے کی طرف انگلی دکھاکر) کوئی بھی ہو ابھی بھگا دو۔

سوئیڈِل : (دروازہ کھول کر سہمی ہوئی آواز سے) سارجنٹ وِسٹر، خفیہ پولیس۔

(ڈنٹلٹو کمرے میں آکر دروازہ بند کرلیتا ہے)

وِسٹر : آپ کو تکلیف دی، معاف کیجیے۔ ڈھائی سال پہلے آپ کے یہاں ایک کلرک تھا جس کو میں نے اسی کمرے میں گرفتار کیا تھا۔

جیمس : ہاں، تو کیا ہوا؟

وِسٹر : میں نے سوچا کہ شاید آپ کو اس کا پتہ معلوم ہو۔

(سنکوچ وَش کوئی جواب نہیں دیتا ہے)

کوکسن : (ہنس کر بات بناتے ہوئے) یہ بتلانا ہمارا کام نہیں کہ وہ کہاں ہے — بتلایئے!

جیمس : آپ کو اس کا کیا کام ہے؟

وِسٹر : اس نے ادھر حاضری نہیں بولی ہے۔

والٹر : کیا ابھی تک پولیس سے اس کا پنڈ نہیں چھوٹا ہے؟

وسٹر : ہاں، ہمیں اس کا پتہ معلوم ہونا ضروری ہے۔ خیر، یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جھوٹے پرشنسا پتر دکھا کر اس نے ایک نوکری کرلی تھی۔ دونوں باتیں ساتھ ساتھ آپڑیں۔ اب ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔

(پھر سب چپ ہوجاتے ہیں۔ والٹر اور کوکسن کنکھیوں سے جیمس کی طرف دیکھتے ہیں جو کھڑا ڈنٹلٹو کی طرف استھیر دِرشٹی سے دیکھتا رہتا ہے)

کوکسن : (کچھ تیز ہوکر) ابھی ہم بہت ویست (مشغول) ہیں اور کسی وقت آیئے تب

شاید ہم بتلا سکیں۔

جیمس : (دڑھتا سے) میں نیتی کا سیوک ہوں۔ لیکن کسی کی مخبری کرنا مجھے پسند نہیں۔ مجھ سے ایسا کام نہیں ہوسکتا۔ اگر تمھیں اسے گرفتار کرنا ہے تو بنا ہماری مدد کے کرسکتے ہو۔

(باتیں کرتے کرتے اس کی آنکھ فالڈر کی ٹوپی پر پڑتی ہے جو ٹیبل پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ منہ سکوڑتا ہے)

وسٹر : (اس کے بھاؤ کے پریورتن کو دیکھ کر شانت سور میں) بہت اچھا، صاحب۔ لیکن میں آپ کو ہوشیار کردیتا ہوں کہ اس کو آشرے (سہارا) دینا ......

جیمس : میں کسی کو آشرے نہیں دیتا۔ لیکن آپ آگے کبھی آکر مجھ سے ایسے پرشن نہ کیجیے گا جن کا جواب دینے کے لیے ہم مجبور نہیں ہیں۔

وسٹر : خیر صاحب، اب آگے میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گا۔

کوکسن : مجھے دراصل افسوس ہے کہ میں آپ کو کوئی خبر نہیں دے سکتا۔ خیر، آپ تو سمجھتے ہی ہیں۔ اچھا، سلام!

(وسٹر جانے کے لیے مڑتا ہے، لیکن باہر کی طرف نہ جاکر کلرک کے کمرے کی طرف بڑھتا ہے)

کوکسن : وہ نہیں — وہ نہیں، دوسرا دروازہ۔

(وسٹر کلرک کے کمرے کا دروازہ کھولتا ہے، رُتھ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے، "مان جاؤ" — فالڈر کہتا ہے، "نہیں، میں نہیں مان سکتا۔" تھوڑی دیر سناٹا رہتا ہے۔ اچانک رُتھ ڈر کر چلا اٹھتی ہے۔ "یہ کون ہے؟" وسٹر بھیتر گھس جاتا ہے۔ تینوں آدمی دروازے کی طرف ہکّے بکّے ہوکر دیکھتے ہیں)

وسٹر : (بھیتر سے) تم ہٹ جاؤ۔

(وہ جلدی سے فالڈر کا ہاتھ پکڑ کر باہر آتا ہے۔ فالڈر کا چہرہ بالکل سفید ہوگیا ہے، وہ تینوں آدمیوں کی طرف دیکھتا ہے)

والٹر :   ایشور کے لیے اس بار چھوڑ دو۔

وسٹر :   میں اپنے اوپر یہ ذمہ داری نہیں لے سکتا، صاحب۔

فالڈر :   (ایک وِچتر نراش پورن ہنسی کے ساتھ) اچھی بات ہے!

(رتھ کی طرف ایک درشٹی ڈال کر وہ سر اٹھاتا ہے، اور باہر کے آفس سے نکل جاتا ہے۔ وِسٹر اس کے ساتھ پرایہہ گھسٹتا ہوا جاتا ہے)

والٹر :   (وَیتھت ہو کر) بس، اب کہیں کا نہیں رہا۔ برابر یہی بلا سر پر سوار رہے گی۔

(سوئیڈل باہر کے کمرے سے تاکتا ہوا نظر آتا ہے۔ سیڑھی سے نیچے اترنے کی آواز آتی ہے۔ اچانک دوار پر وسٹر کی دھیمی آواز "یاخدا" سنائی دیتی ہے)

جیمس :   یہ کیا ہوا؟

(سوئیڈل جھپٹ کر آگے بڑھتا ہے، دروازہ بھی بند ہوجاتا ہے۔ پورا سناٹا چھا جاتا ہے)

والٹر :   (بھیتر کے کمرے کی طرف بڑھ کر) ارے! یہ عورت بے ہوش ہو رہی ہے۔

(وہ اور کوکسن بے ہوش ہوتی ہوئی رُتھ کو اٹھا کر کلرک کے کمرے کے دروازے سے باہر لاتے ہیں)

کوکسن :   (گھبرا کر) شانت ہو، شانت ہو، مت گھبراؤ۔

والٹر :   تمھارے پاس برانڈی نہیں ہے؟

کوکسن :   میرے پاس شیری ہے۔

والٹر :   اچھا، لے آؤ جلدی۔

(جیمس ایک کرسی کھینچ لاتا ہے، والٹر رُتھ کو اس پر لٹا دیتا ہے)

کوکسن :   (شیری کی بوتل لاکر) یہ لیجیے، بہت تیز اچھی شیری ہے۔

(وے اس کے ہونٹو کے بھیتر شیری ڈالنے کی چیشٹا کرتے ہیں۔ پیروں کی آہٹ پاکر ٹھہر جاتے ہیں۔ باہر کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور اسی کمرے میں وسٹر اور سوئیڈل کوئی چیز لاد کر لاتے ہیں)

جیمس : (تیزی سے بڑھ کر) یہ کیا ہے؟

(وے اس بوجھ کو نظروں سے باہر دفتر میں اتارتے ہیں۔ رُتھ کے سوا سب جاکر اس کے چاروں طرف کھڑے ہوجاتے ہیں اور دبی زبان سے باتیں کرتے ہیں)

وسٹر : کود پڑا — گردن ٹوٹ گئی۔

والٹر : ہا ایشور!

وسٹر : یہ سوچنا پاگل پن تھا کہ مجھے جھانسا دے کر نکل جائے گا۔ دو چار مہینے کے سوا اور تو کچھ ہوتا ہی نہیں۔

والٹر : (نراشا سے) بس، اتنا ہی۔

جیمس : اف! جان ہی پر کھیل گیا۔

(اچانک بڑے ہی وِیتھت کنٹھ سے)

جلدی جاؤ۔ ایک ڈاکٹر بلا لاؤ۔

(سوئیڈِل دوڑتا ہے)

ایک ڈول بھی لانا۔

(وسٹر چلا جاتا ہے۔ رُتھ کے چہرے پر بھئے اور کاترتا کا بھاؤ بڑھتا جاتا ہے مانو کسی کی بات سننے کی ہمت اس میں نہ ہو۔ پھر دھیرے دھیرے اٹھ کر ان کی طرف بڑھتی ہے)

والٹر : (اچانک اس کی طرف دیکھ کر) ہٹو۔

(تینوں آدمی راستہ چھوڑ کر پیچھے ہٹتے ہیں۔ رُتھ گھٹنوں کے بل دیہہ (جسم) کے پاس گر پڑتی ہے)

رُتھ : (دھیمی آواز سے) یہ کیا؟ اس کی سانس بند ہو رہی ہے۔

(لاش سے لپٹ کر)

میرے پریتم! میرے سہاگ!

(باہر کے کمرے کے دروازے پر لوگ کھڑے نظر آتے ہیں)

رُتھ : (اُمنت کی بھانتی کھڑی ہوکر) نہیں، نہیں، وہ مر گئے۔ مت چھوؤ۔

(سب لوگ ہٹ جاتے ہیں)

کوکسن : (چپکے سے بڑھ کر بیٹھے ہوئے کنٹھ (گلا) سے) ہائے دُکھیا! تم پر اتنی وِپتی!

(اپنے پیچھے پیروں کی آہٹ سن کر رُتھ کوکسن کی طرف دیکھتی ہے)

کوکسن : اب اسے کوئی نہیں چھو سکتا اور نہ کبھی چھو سکے گا۔ وہ اب ایشور کے شانتی بھون میں سُرکشِت ہے۔

(رتھ پتھر کی بھانتی نشچل ہوکر دروازے کے پاس کھڑے ہوئے کوکسن کی طرف دیکھتی ہے۔ کوکسن جھک کر وینمت بھاؤ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے جیسے کوئی کسی بھولے بھٹکے کو پتھ (راستہ) بتانے کے لیے پکڑتا ہو)

(پردہ گرتا ہے)

ہڑتال

ناٹک کے کردار

جان اینتھونی	:	ٹنارتھ کے ٹین کے کارخانے کا پردھان
ایڈگار اینتھونی	:	اس کا بیٹا
فریڈرک وائلڈر ولیم اسکینٹل بری اولیور وینکلین	:	بورڈ کا ڈائریکٹر
ہنری ٹینچ	:	منتری
فرانس انڈرووڈ	:	منیجر
سائمن ہارنس	:	ٹریڈ یونین کا ایک ادھیکاری.
ڈیوڈ رابرٹ جیمس گرین جان بلجین ہنری ٹامس جارج راؤس	:	مزدروں کی کمیٹی
ہنری راؤس لوئس جاگو ایونس ایک لوہار ڈیوس لال بالا والا یُووک براؤن	:	کارخانے کے مزدور

فراسٹ	:	جان اینتھونی کا خانساماں
اے نڈ	:	فرانسس انڈروڈ کی استری، جان اینتھونی کی بیٹی
اینی رابرٹ	:	ڈیوڈ رابرٹ کی بی بی
میز ٹامس	:	ہنری ٹامس کی بیٹی
مسز راؤس	:	جارج اور ہنری راؤس کی ماں
مسز بلجین	:	جارج بلجین کی بی بی
مسز یو	:	ایک مزدور کی بی بی
		انڈروڈ پریوار کی ایک سیویکا
جان	:	میز کا چھوٹا بھائی
		مزدوروں کا ایک سموہ

پہلا باب

مینجر کے گھر کا بھوجنالیہ

دوسرا باب

پہلا منظر

رابرٹ کے گھر کا باورچی خانہ

دوسرا منظر

کارخانے کے باہر کا درشیہ (منظر)

تیسرا باب

مینجر کے گھر کا دیوان خانہ

گھٹنا ساتویں فروری کو تیسرے پہر بارہ اور چھ بجے کے بیچ شروع ہوتی ہے۔

پہلا باب

منظر 1

[دوپہر کا سمے (وقت) ہے انڈرؤڈ کے بھوجنالیہ (باورچی خانہ) میں تیز آگ لگ رہی ہے۔ آتش دان کے ایک طرف دوہرے دروازے ہیں جو بیٹھک میں جاتے ہیں۔ دوسری طرف ایک دروازہ ہے جو بڑے کمرے میں جاتا ہے۔ کمرے کے بیچ میں ایک لمبی کھانے کی میز رکھی ہے۔ اس پر کوئی میز پوش نہیں ہے۔ وہ لکھنے کی میز بنالی گئی ہے۔ اس کے سرے پر سبھاپتی (صدر مجلس) کے استھان پر جان اینتھونی بیٹھا ہوا ہے۔ وہ ایک بوڑھا بڑے ڈیل ڈول کا آدمی ہے۔ داڑھی مونچھ مڑی ہوئی رنگ لال، گھنے سفید بال اور گھنی کالی بھویں، چال ڈھال سے وہ سست اور کمزور معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کی آنکھیں بہت تیز ہیں۔ اس کے پاس ایک پانی کا گلاس رکھا ہوا ہے، اس کی داہنی طرف اس کا بیٹا ایڈگار بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے، اس کی عمر تیس سال کی ہوگی۔ صورت سے اتساہی (حوصلہ مند) معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد وینکلین جھکا ہوا دستاویزوں کو دیکھ رہا ہے، اس کی بھویں ابھری ہوئی ہیں اور بال کھچڑی ہوگئے ہیں۔ ٹینچ جو منتری ہے کھڑا اسے مدد دے رہا ہے، وہ چھوٹے قد کا دبلا اور کچھ غریب آدمی ہے۔ وہ گل مونچھے رکھے ہوئے ہیں۔ وینکلین کی داہنی طرف منیجر انڈرؤڈ بیٹھا ہے، وہ شانت منوشیہ ہے جس کے جبڑے کی ہڈی لمبی اور گٹھی ہوئی ہے اور آنکھیں استھر ہیں آتش دان کے پیچھے اسکینٹل بری بیٹھا ہوا ہے جو بھاری بھرکم ببلا سست آدمی ہے اس کے بال سفید ہیں اور کچھ گنجا ہے، اس کے اور سبھاپتی (صدر مجلس) کے بیچ میں دو خالی کرسیاں ہیں]

وائلڈر: (وہ دبلا مردہ اور چڑچڑا آدمی ہے اس کی سفید مونچھیں جھکی ہوئی ہیں آگ کے سامنے

کھڑا ہے) اس آگ کے مارے ناک میں دم ہے، کیوں ٹینچ، یہاں کوئی پردہ ہوگا؟

اسکنیٹل بری: جنگلا

ٹینچ: ہاں اوشیہ (یقیناً) مسٹر وائلڈر

(وہ انڈرووڈ کی طرف دیکھتا ہے)

شاید مینجر: شاید مسٹر انڈرووڈ

اسکنیٹل بری: انڈرووڈ یہ تمہارے آتش دان۔

انڈرووڈ: (کاغذوں کو دیکھتے دیکھتے چونک کر) پردہ؟ شاید! مجھے کھید (افسوس) ہے (وہ کچھ مسکراکر دوار کی اُور جاتا ہے) ہم تو آج کل یہاں یہ شکایت کم سنتے ہیں کہ آگ بہت تیز ہے (وہ اس طرح دھیرے دھیرے اور چبا چباکر بولتا ہے جیسے منہ میں پائپ لیے ہوئے)

وائلڈر : (دکھی ہوکر) تمھارا مطلب مجوروں سے ہے اچھا!

(انڈرووڈ چلا جاتا ہے)

اسکنیٹل بری: بڑے دکھی ہیں بے چارے۔

وائلڈر: یہ انھیں کا دوش (قصور) ہے اسکنیٹل بری!

ایڈگار: (اپنا اخبار اوپر اٹھاکر) اس اخبار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بہت تکلیف ہے۔

وائلڈر: اجی وہ ردی اخبار ہے۔ اسے وینکلین کو دے دو اس کے اودار (آزاد) وِچاروں (خیالوں) سے میل کھاتا ہے۔ یہ سب ہمیں شاید دانو (خبیث) کہتے ہوں گے اس ردی اخبار کے ایڈیٹر کو گولی مار دینی چاہیے۔

ایڈگار: (پڑھتا ہے) اگر ان سبھیہ پرشوں (مہذب انسانوں) کا بورڈ، جو لندن میں آرام کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ٹارتھ کے ٹین کے کارخانے کو چلاتے ہیں، اتنی دَیا (مہربانی) کرے کہ یہاں آکر اس ہڑتال میں مزدوروں کی دُور دشا (بری حالت) کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

وائلڈر: اب تو ہم آگئے ہیں۔

ایڈگار: (پڑھتا ہوا) تو ہمیں وشواس نہیں ہوتا ہے کہ ان شان ہردیے (پتھر دل) بھی دَرویت (سیالی) نہ ہوجائیں

(وینکلین اس کے ہاتھ سے پتر لے لیتا ہے)

وائلڈر: بدمعاش، میں اس آدمی کو اس سمے سے جانتا ہوں جب اس کے پاس جھنجھی کوڑی بھی نہ تھی۔ شیطان نے ان لوگوں کو دھمکا دھمکاکر خوب دھن جوڑ لیا ہے، جن کے وچار اس کے وچاروں سے نہیں ملتے۔

(اینتھونی کچھ کہتا ہے، جو سنائی نہیں پڑتا)

وائلڈر: تمہارے پتاجی (ابا حضور) کیا کرتے ہیں؟

ایڈگار: وہ کہتے ہیں۔ "پتیلی اور برتن"۔

وائلڈر: اچھا

(وہ اسکنیٹل بری کے بغل میں بیٹھ جاتا ہے)

اسکنیٹل بری: (منہ سے ہوا نکال کر) اگر جنگلا نہ آئے گا تو میں ابل جاؤں گا

(انڈرووڈ اور اے نڈ ایک جنگلا لے کر آتے ہیں اور آگ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اے نڈ کا قد لمبا چہرہ دیڑھ (مستحکم) اور چھوٹا اور اوستھا 28 سال ہے)

اے نڈ: اسے اور پاس رکھو، فرینک، اس سے کام چل جائے گا، مسٹر وائلڈر؟ اس سے بڑا ہمارے پاس نہیں ہے۔

وائلڈر: بہت اچھی طرح، دھنیہ واد۔

اسکنیٹل بری: (آنند سے سانس لے کر گھومتا ہوا) آپ نے بڑی دَیا کی، دیوی جی۔

اے نِڈ: پتا جی آپ کو کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ (اینتھونی سر ہلاتا ہے) تمہیں کچھ چاہیے، ایڈگار؟

ایڈگار: ہاں، مجھے ایک "جے" نب دے دو۔

اے نِڈ: وہ مسٹر اسکنیٹل بری کے پاس رکھی ہوئی ہے۔

اسکنیٹل بری: (نبوں کی ایک چھوٹی سی ڈبیا اٹھاکر) اچھا! تمہارے بھائی صاحب "جے" نب

سے لکھتے ہیں۔ منیجر صاحب کس نب سے لکھتے ہیں؟

(وشیش نمرتا سے)

تمہارے پتا کس چیز سے لکھتے ہیں مسیز انڈرووڈ؟

انڈرووڈ: پَر کی قلم سے۔

اسکنیٹل بری: بطخ کا پر بھی کتنی اچھی چیز ہے

(وہ پر کی قلموں کو دکھاتا ہے)

انڈرووڈ: (رکھائی سے) دھنیہ واد، ایک مجھے دے دیجیے

(وہ ایک قلم لیتا ہے)

کھانے میں کیا دیر ہے، اے نڈ؟

اے نڈ: (دوہرے دروازے پر رکتی ہے) ہم یہاں دیوان خانے میں کھانا کھائیں گے۔ اس لیے کمرے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔

(وینکلین اور وائلڈر سر جھکاتے ہیں اور وہ چلی جاتی ہے)

اسکنیٹل بری: (یکایک چونک کر) اچھا کھانا، وہ ہوٹل، بھینکر! کل رات کو تم نے بھنی ہوئی چیز کھائی تھی؟

وائلڈر: ساڑھے بارہ بج گئے۔ کیوں ٹینچ تم جلسے کی کارروائی نہیں پڑھوگے؟

ٹینچ: (رضامندی کے لیے سبھاپتی کی اُور دیکھ کر ایک سُور (لے) میں تیزی سے بڑھتا ہے) بورڈ کے ایک جلسے کی کارروائی جو 31/ جنوری کو کمپنی کے دفتر نمبر 512 کینن اسٹریٹ میں ہوا۔ اُپستھیت مسٹر اینتھونی، سبھاپتی مسٹر وائلڈر، ویلیم اسکینٹل بری، اولیور وینکلین اور ایڈگار اینتھونی، منیجر کے وہ پتر پڑھے گئے جو اس نے 20, 23, 25 اور 28/ جنوری کو کمپنی کے کارخانوں کی ہڑتال کے وِشے (متعلق) میں لکھے گئے تھے۔ وہ پتر پڑھے گئے جو منیجر کو 21, 24, 26, اور 29/ جنوری کو لکھے گئے۔ سنٹرل یونین کے پرتی ندھی مسٹر سائمن ہارنس کا پتر پڑھا گیا جس میں انھوں نے بورڈ سے بات چیت کرنے کی انومتی مانگی تھی۔ مزدوروں کی کمیٹی کا پتر پڑھا گیا جس پر ڈیوِیڈ راوٹ، جیسم گرین،

جان بلجین، ہنری ٹامس، جارج راؤس کے دستخط تھے۔ جس میں انھوں نے بورڈ سے بات چیت کرنا چاہی تھی۔ یہ نشچے ہوا کہ ساتویں فروری کو منیجر کے مکان پر بورڈ کی ایک وِشیش (خاص) بیٹھک ہو جائے جس میں مسٹر سائمن ہارنس اور مزدوروں کی کمیٹی سے اسی جگہ اس معاملے پر بات چیت کی جائے۔ 12 بیج نامے منظور ہوئے، نو سرٹیفکیٹ اور ایک بقایا کے سرٹیفکیٹ پر دستخط کیے اور مہر لگائی

(وہ رجسٹر کو سبھاپتی کی اُور بڑھا دیتا ہے)

اینتھونی : (لمبی سانس لے کر) اگر آپ اُچیت سمجھیں تو اس پر دستخط کر دیں۔

(قلم کو موشیکل سے گھما کر ہستاکھر (دستخط) کر دیتا ہے)

وینکلین : کیوں ٹینچ، یونین کی یہ کیا چال ہے؟ مزدوروں سے تو ان کا میل نہیں ہوا۔ ہارنس کس لیے ملنا چاہتا ہے؟

ٹینچ : اسے آشا ہے کہ ہم میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے گا؟ وہ آج شام کو مزدوروں سے کچھ بات چیت کرے گا۔

وائلڈر : ہارنس! ٹھیک! وہ ایک ہی گھٹا ہوا، کائیاں آدمی ہے میں ان پر وشواس نہیں کرتا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے نرمی کرنے میں بھول کی۔ مزدور لوگ یہاں کب تک آجائیں گے۔ انڈرووڈ آتے ہی ہوں گے۔

انڈرووڈ : اچھی بات ہے، اگر ہم تیار نہیں ہیں تو انھیں رکنا پڑے گا، اگر تھوڑی دیر تک اپنی ایڑیاں ٹھنڈی کر لیں تو انھیں کوئی ہانی نہ ہوگی۔

اسکنیٹل بری : (آہستہ سے) بے چارے غریب ہیں، برف گر رہی ہے کیا موسم ہے۔

انڈرووڈ : (اپنے مطلب سے رک رک کر) اس گھر سے زیادہ گرم جگہ ان جاڑوں مین انھیں نہ ملی ہوگی۔

وائلڈر : خیر مجھے آشا ہے، ہم اس معاملے کو اتنی جلد طے کر لیں گے کہ مجھے ساڑھے چھ کی گاڑی مل جائے، میں کل اپنی بیوی کو اسپین لے جا رہا ہوں

(گپ شپ کرنے کے وچار سے)

میرے باپ کے کارخانے میں بھی 69 میں ہڑتال ہوئی تھی، ٹھیک یہی فروری کا مہینہ تھا، مزدور لوگ انھیں گولی مار دینا چاہتے تھے۔

وینکلین : اچھا! اس جیور کچھا (جان کی حفاظت) کے دنوں میں جن مہینوں میں چڑیاں انڈے دیتی ہیں، ان میں شکار کھیلنا منع ہے۔

وائلڈر : مالکوں کے لیے جیو رکچھا کے دن تھے وہ جیب میں پستول رکھ کر دفتر جایا کرتے تھے۔

اسکنیٹل بری : (کچھ ڈر کر) سچ؟

وائلڈر : (بات چیت کا انت کرنے کے لیے) نتیجہ یہ ہوا کہ انھں نے ایک مزدور کے پیر میں گولی مار دی۔

اسکنیٹل بری : (بے اختیار جانگھ کو اُسپرش کرکے) سچ! ایشور بچائے۔

اینتھونی : (ایجنڈا کو اوپر اٹھاکر) ہمیں یہ وچار کرنا ہے کہ اس ہڑتال کے سمبندھ (بارے) میں بورڈ کا کیا نشچے ہوگا

(سب چپ ہوجاتے ہیں)

وائلڈر : یہ ستیاناشی ترکھی (مثلث) لڑائی ہے۔ یونین، مزدور اور ہم۔

وینکلین: یونین سے ہمیں کوئی مطلب نہیں۔

وائلڈر : میرا تو یہ انوبھو ہے کہ یونین ہمیشہ بیچ میں کود پڑتا ہے۔ اس کا برا ہو۔ اگر یونین مزدوروں کی سہایتا سے منھ موڑنا چاہتی ہے اور ویسا کر بھی رہا ہے تو پھر اس نے کیوں ان آدمیوں کو ہڑتال کرنے ہی دیا؟

ایڈگار : ایسے ایک درجن اوسر آچکے۔

وائلڈر : لیکن میں اسے کبھی سمجھ نہیں سکا۔ یہ میری سمجھ سے باہر ہے، وہ کہتے ہیں کہ انجینئروں اور بھٹی والوں کی مانگ بہت زیادہ ہے۔ بات ٹھیک ہے، لیکن یہ اس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ یونین ان کی سہایتا سے منھ موڑے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

انڈرووڈ : ہارپر اور ٹائن ویل کے کارخانوں میں ہڑتال ہونے کا ڈر۔

وائلڈر : (وجے گرو سے) اچھا۔ تو دوسری ہڑتالوں سے ڈرتے ہیں، بس اب بات سمجھ میں آگئی، لیکن ہمیں پہلے یہ کیوں نہ بتلایا گیا؟

انڈرووڈ : بتلایا گیا تھا۔

ٹینچ : آپ اس دن بورڈ میں نہ آئے تھے۔

اسکینٹل بری : مزدور لوگ سمجھ گئے کہ اگر یونین نے ہاتھ کھینچ لیا تو پھر ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہ پاگل پن ہے۔

انڈرووڈ : یہ رابرٹ کی کرتوت ہے۔

وائلڈر : یہ ہمارا سوبھاگیہ ہے کہ مزدوروں کو رابرٹ جیسا کٹر اُپدروی (فسادی) نیتا مل گیا

(سب چپ ہو جاتے ہیں)

وینکلین : اینتھونی کو دیکھ کر) اب۔

وائلڈر : (چڑچڑاتا ہوا بول اٹھتا ہے) پوری آفت ہے ہم لوگ جس استھیتی میں پڑ گئے ہیں میں اسے نہیں پسند کرتا۔ میں بہت دنوں سے یہی کہتا آرہا ہوں

(وینکلین کو دیکھ کر)

جب وینکلین اور میں کرسمس کے پہلے یہاں آئے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مزدور لوگ راہ پر آجائیں گے تمہارا بھی تو یہی وچار تھا انڈرووڈ۔

انڈرووڈ : ہاں۔

وائلڈر : لیکن وہ راہ پر نہیں آئے اور ہماری دشا دن بدن بگڑتی جاتی ہے۔ ہمارے گراہک ٹوٹتے جاتے ہیں، حصوں کا در گھٹتا جاتا ہے۔

اسکینٹل بری : (سر ہلاکر) ہاں ہاں۔

وینکلین : کیوں ٹینچ پچاس ہزار سے اوپر

اسکینٹل بری : (دکھ سے) یہ بات ہے؟

وائلڈر : اس گھاٹے کا پورا ہونا کٹھن ہے۔

ٹینچ : اور کیا۔

وائلڈر : کسے معلوم تھا کہ مزدور لوگ اس طرح اڑے رہیں گے کسی نے منھ تک نہیں کھولا۔

(ٹینچ کو کرودھ سے دیکھتا ہے)

اسکنیٹل بری : (سر ہلا کر) میں لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ بھاگتا ہوں اور ہمیشہ بھاگوں گا۔

اینتھونی : ہم ان کے پیروں نہیں پڑ سکتے۔

(سب ان کی طرف تاکنے لگتے ہیں)

وائلڈر : پیروں کو پڑنا چاہتا ہے؟

(اینتھونی اس کی طرف تاکتا ہے)

میں سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہتا ہوں، جب مزدوروں نے رابرٹ کو دسمبر میں بورڈ کے پاس بھیجا تھا تب اوسر تھا ہمیں اس کو ملالینا چاہیے تھا۔ اس کے بدلے سبھا پتی (صدر مجلس) نے۔

(اینتھونی کے سامنے آنکھیں نیچی کرکے)

ہم نے اسے جھڑک دیا، اگر اس وقت ذرا چتورائی سے کام لیتے تو سب ہمارے پنجے میں آجاتے۔

اینتھونی : سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔

وائلڈر : یہی تو بات ہے، یہ ہڑتال اکتوبر سے اب تک چلی آرہی ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں، شاید چھ مہینے اور چلے۔ تب تک تو ہم چوپٹ ہی ہوجائیں گے۔ اگر آنسو پونچھنے کی کوئی بات ہے تو یہی کہ مزدور لوگ اور بھی چوپٹ ہوجائیں گے۔

ایڈگار : (انڈرووڈ سے) کیوں فرینک، آج کل ان کی اصلی حالت کیا ہے؟

انڈرووڈ : (اداسین بھاؤ سے) بہت خراب۔

وائلڈر : لیکن یہ کون سمجھ سکتا تھا کہ وہ اتنے دنوں تک بنا سہایتا کے ڈٹے رہیں گے۔

انڈرووڈ : جو انھیں جانتے ہیں وہ سمجھے ہوئے تھے۔

وائلڈر : میں ہاتھ مار کر کہتا ہوں کہ یہاں انھیں کوئی نہیں جانتا؟ اچھا ٹین کا کیا رنگ ہے؟ دن دن تیز ہوتا جاتا ہے۔ جب ہمارا کارخانہ چلنے بھی لگے گا تو ہمیں بازار بھاؤ کے اوپر چکائے ہوئے مال کو لینا پڑے گا۔

وینکلین : اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، سبھا پتی مہودیے؟

اینتھونی : لاچاری سے۔

وائلڈر : ایشور جانے کب تک ہم نفع نہ دے سکیں گے۔

اسکنیٹل بری : (زور دے کر) ہمیں حصے داروں کا خیال رکھنا چاہیے

(سبھاپتی کی اُور پھر کر)

سبھا پتی مہودے ہمیں حصے داروں کا خیال رکھنا چاہیے

(اینتھونی منہ میں کچھ کہتا ہے)

اسکنیٹل بری : آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

ٹینچ : سبھاپتی کہتے ہیں کہ انھیں آپ کا خیال ہے۔

اسکنیٹل بری : (پھر سیتھیل ہوکر) کاٹے کھاتا ہے۔

وائلڈر : اب وہ دل لگی کی بات نہیں ہے سبھا پتی مہودے (جناب صدر مجلس) کو نفع کی چنتا نہ ہو، لیکن میں برسوں تک نفع کو تیلانجلی (فاتحہ) نہیں دے سکتا۔ ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کمپنی کے دھن کو ٹیامیٹ کرتے رہیں۔

ایڈگار : (کچھ لجیت ہوکر) میرا وچار ہے کہ ہمیں مزدوروں کی دَشا کا ادِھک دھیان رکھنا چاہیے۔

(اینتھونی کے سوا سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے اشارے کرنے لگتے ہیں)

اسکنیٹل بری : (لمبی سانس لے کر) میتر پر ہمیں یہاں اپنے نجی منوبھاؤں (ذاتی جذبوں) کا وچار نہ کرنا چاہیے اس سے کام نہ چلے گا۔

ایڈگار : (وینگ سے) میں اپنے لوگوں کے منوبھاؤں کا وچار نہیں کر رہا ہوں، مزدوروں کے بھاؤں کا وچار کر رہا ہوں۔

وائلڈر : اس کا جواب تو یہی ہے کہ ہم بھی روزگاری آدمی ہیں پروپکار کرنے نہیں

بیٹھے ہیں۔

وینکلین : اسی کا تو رونا ہے۔

ایڈگار : مزدوروں کی یہ سب دور دشا دیکھ کر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس معاملے کو اتنا بڑھائیں۔ یہ...... یہ نردیتا ہے۔

(کسی کی زبان نہیں کھلتی، مانو ایڈگار نے کوئی ایسی چیز کھول کر سامنے رکھ دی ہے جس کا موجود ہونا کوئی بھلا آدمی سویکار نہیں کر سکتا)

وینکلین : (وینگ ئے (طنزیہ) ہنسی کے ساتھ) یہ. تو اوچت نہیں ہے کہ ہم اپنی نیتی (اصول) کی بنیاد دَیا جیسی شوق کی باتوں پر رکھیں۔

ایڈگار : مجھے ایسے معاملوں سے گھرنا ہے۔

ایتھونی : ہم نے تو راڑ نہیں مول لیا تھا۔

ایڈگار : اتنا تو میں بھی جانتا ہوں صاحب، لیکن ہم لوگ اب بہت دور بڑھے جا رہے ہیں۔

ایتھونی : ہرگز نہیں،

(سب ایک دوسرے کا منہ تاکتے ہیں)

وینکلین : سبھاپتی مہودے (جناب صدر مجلس) شوق کی بات الگ ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم کر کیا رہے ہیں۔

ایتھونی : مزدوروں سے ایک بار دبے تو پھر ہمیشہ دبتے رہنا پڑے گا۔ کبھی اس کا انت نہ ہوگا۔

وینکلین : میں اسے مانتا ہوں۔ لیکن (ایتھونی سر ہلاتا ہے) لیکن آپ اسے اٹل سدھانت (سخت وصول) کا وشے بنا رہے ہیں۔

(ایتھونی سر ہلا کر سیوکار کرتا ہے)

مگر مہودئے (جناب) پھر وہی شوق کی بات آگئی ہم یہاں سدھانتوں کی رکچھا کرنے نہیں بیٹھے ہیں حصوں کا مولیہ گھٹ گیا ہے۔

وائلڈر : اور اب کی نفع بانٹنے کے سمے تک آدھا ہی رہ جائے گا۔

اسکنیٹل بری : (گھبرا کر) اجی نہیں، ایسی بری دشا کیا ہو گی۔

وائلڈر : (دھمکا کر) وہ تو آگے ہی آئے گی

(اینتھونی کی بات سننے کے لیے آگے کو جھک کر)

میں کچھ سن نہیں سکا۔

ایڈگار : (تیزی سے) پتا جی کہتے ہیں جو کچھ کرنا چاہیے وہ کرو اور دوسرے جھگڑوں میں نہ پڑو۔

وائلڈر : چھی۔

اسکنیٹل بری : (ہاتھ اوپر اٹھا کر) سبھا پتی ویراگی ہیں میں ہمیشہ کہتا آتا ہوں کہ سبھا پتی ویراگی ہیں۔

وائلڈر : ہماری تو لٹیا ہی ڈوب جائے گی۔

وینکلین : (مدھر سور (میٹھی آواز) میں) سبھا پتی مہودے کیا آپ سچ مچ کیول ایک سدھانت کے لیے، اپنے جہاز کو ڈوبا دو گے؟

اینتھونی : وہ ڈوبے گا نہیں۔

اسکنیٹل بری : (گھبرا کر) جب تک میں بورڈ میں ہوں تب تک تو مجھے آشا ہے نہ ڈوبے گا۔

اینتھونی : (آنکھیں مار کر) ذرا سمجھ بوجھ کر اسکنیٹل بری۔

اسکنیٹل بری : کیا آدمی ہے۔

اینتھونی : میں نے انھیں ہمیشہ للکارا ہے اور کبھی نیچا نہیں دیکھا۔

وینکلین : ہمارا اور آپ کا سِدھانت ایک ہے مہودے، لیکن ہم سب لوہے کے نہیں بنے ہیں۔

اینتھونی : ہمیں کیول اٹل رہنا چاہیے۔

وائلڈر : (اٹھ کر آگ کے پاس جاتا ہے) اور جتنی جلد ہو سکے تباہ ہو جانا چاہیے۔

اینتھونی : تباہ ہو جانا دب جانے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

وائلڈر : (چڑ کر) یہ آپ کو اچھا لگتا ہو گا لیکن مجھے تو نہیں اچھا لگتا۔ اور جہاں تک

میں سمجھتا ہوں اور کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا

(اینتھونی اس کے مکھ کی اُور تاکتا ہے۔ سب چپ ہو جاتے ہیں)

ایڈگار : ہڑتال جاری رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مزدوروں کے بال بچے بھوکوں مر جائیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ہم اس بات کو کیسے بھول سکتے ہیں۔

(وائلڈر یکایک آگ کی اور منھ پھیر لیتا ہے اور اسکنیٹل بری اس خیال کو دور رکھنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے)

وینکلین : پھر وہی دَیا اور دھرم کی بات آگئی۔

ایڈگار : کیا آپ کا خیال ہے کہ ویپاریوں کے لیے سجنتا (شرافت) کا نام لینا ہی پاپ ہے؟

وائلڈر : مزدوروں کے لیے مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہے جتنا دوسروں کو ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے پاؤں میں کلہاڑی ماریں تو یہ ہمارا دوش نہیں ہے۔ ہمارے لیے اپنی اور حصے داروں کی چنتا کافی ہے۔

ایڈگار : (چڑ کر) اگر حصے داروں کو ایک یا دو بار نفع نہ ملے تو وہ مر نہ جائیں گے۔ یہ تو ایسا کارن (سبب) نہیں کہ ہم لوگ اپنی ہار مان لیں۔

اسکنیٹل بری : (بہت گھبرا کر) بھائی جان، تم تو ایسی باتیں کرتے ہو مانو منافع کوئی چیز ہی نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔

وائلڈر : اس معاملے میں کیول ایک بات سوچنے کی ہے، ہم اس ہڑتال کے ہاتھوں تباہ نہیں ہونا چاہتے۔

اینتھونی : ہم قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے۔

اسنکنیٹل بری : (نراشا کا سنکیت کر کے) ذرا آپ کی صورت دیکھیے۔

اینتھونی اپنی کرسی پر ٹک کر بیٹھ رہا ہے سب لوگ اس کی اُور دیکھتے ہیں)

وائلڈر : (اپنی جگہ پر لوٹ کر) اگر سبھاپتی کی یہی رائے ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم لوگ یہاں آئے کیا کرنے۔

اینتھونی : مزدوروں سے یہ کہنے کے لیے کہ ہم سے کوئی آشا مت رکھو۔

(دڑھتا (استقامت) سے)

جب تک ان سے سیدھی سادی بھاشا میں یہ نہ کہہ دیا جائے گا انھیں اس کا وشواس نہ آئے گا۔

وائلڈر : ٹھیک! مجھے بالکل آشچریہ نہ ہوگا اگر اس پاجی رابرٹ نے یہی بات کرنے کے لیے ہمیں یہاں بلایا ہو، کپٹی (مکار) آدمیوں سے مجھے چڑ ہے۔

ایڈگار : (کرودھ سے) ہم نے اس کے اَوِشکار کا کچھ بھی مولیہ نہیں دیا۔ میں جبھی سے یہ کہتا چلا آتا ہے۔

وائلڈر : ہم نے اسے 500 اسی وقت دیے اور دو سال بعد 200 بونس دیا کیا اتنی رقم کافی نہیں؟ وہ اور کیا چاہتا ہے؟

ٹینچ : (اسنتوش صبری) کے بھاؤ سے) کمپنی نے اس کے اَوِشکار سے ایک لاکھ پیدا کیا اور اس کے ہتھے چڑھے کل 700۔ اسی طرح اس کے دن کٹ رہے ہیں۔

وائلڈر : وہ تو آگ لگانے والا آدمی ہے مجھے ان پنچایتوں سے گھرنا ہے لیکن اب ہارنس یہاں آگیا ہے اور ہمیں چاہیے کہ اس کی معرفت سارے جھگڑے طے کرلیں۔

اینتھونی : نہیں

(سب کے سب پھر اس کی اُور دیکھتے ہیں)

انڈرووڈ : رابرٹ مزدوروں کو اس پر راضی نہ ہونے دے گا۔

اسکینٹل بری : خونی آدمی ہے، خونی۔

وائلڈر : (اینتھونی کی اُور دیکھ کر) اور وہ اکیلا ہی نہیں ہے

(فراسٹ بڑے کمرے میں اندر آتا ہے)

فراسٹ : (اینتھونی سے) یونین کے مسٹر ہارنس آئے ہوئے ہیں، مزدور لوگ بھی آگئے ہیں۔

(اینتھونی سر ہلاتا ہے، انڈرووڈ جاتا ہے اور ہارنس کو لے کر لوٹتا ہے، ہارنس داڑھی مونچھ مڑائے ہوئے ہے اس کا رنگ پیلا ہے، گال پچکے ہوئے، آنکھیں

تیز اور ٹھنڈی گول۔ فراسٹ چلا جاتا ہے)

انڈرووڈ : (ٹیبل کی کرسی کی طرف اشارہ کرکے) وہاں سبھا پتی کے بغل میں بیٹھ جاؤ مسٹر ہارنس۔

(ہارنس کے آتے ہی بورڈ کے لوگ ایک دوسرے کے پاس آجاتے ہیں اور اس کی طرف دیکھتے ہیں جیسے مویشی کسی کتے کو دیکھے)

ہارنس : (سب کو غور سے دیکھ کر اور سر جھکاکر) دھنیہ واد۔

(وہ بیٹھ جاتا ہے۔ ناک سے بولتا ہے)

مہاشے گن (محترم حضرات) مجھے آشا ہے کہ آج ہم لوگ اس معاملے کو طے کریں گے۔

وائلڈر : یہ تو اس بات پر منحصر ہے کہ تم کیسے طے کرنا چاہتے ہو، آدمیوں کو اندر کیوں نہیں بلا لیتے؟

ہارنس : (چتورائی سے) مزدور لوگ آپ لوگوں سے کہیں زیادہ نیائے پر ہیں۔ ہمارے سامنے اب یہ پرشن ہے کہ ہمیں ان لوگوں کی پھر مدد کرنی چاہیے یا نہیں۔

(وہی اینتھونی کے سوا اور کسی سے نہیں بولتا۔ اس کا رخ اینتھونی کی طرف ہے)

اینتھونی : تمہارا جی چاہے تم ان کی مدد کرو ہم خود مزدور رکھ لیں گے اور تم سے کوئی سروکار نہ رکھیں گے۔

ہارنس : یہ نہیں ہوسکتا، مسٹر اینتھونی، آپ کو بغیر پنچایت کی مدد کے مزدور نہ ملیں گے اور آپ اسے جانتے ہیں۔

اینتھونی : یہی دیکھنا ہے۔

ہارنس : میں آپ سے صفائی کے ساتھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہم آپ کے مزدوروں کی مدد سے اس لیے ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہوتے کہ ان کی کچھ مانگیں بازار در سے بڑھی ہوئی ہیں۔ مجھے آشا ہے کہ آج ہم لوگ ان سے وہ شرطیں اٹھوا لیں گے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو میں آپ لوگوں سے صاف کہتا ہوں کہ ہم پھر ان کی مدد کرنے لگیں گے۔ اس لیے میں چاہتا

ہوں کہ آج ہم لوگ کچھ نہ کچھ طے کر کے ہی اٹھیں۔ کیا ہم لوگ اس پرانے ڈھنگ کی کھینچاتانی کا انت نہیں کرسکتے۔ اس سے آپ لوگوں کو کیا مل رہا ہے؟ آپ لوگ یہ کیوں نہیں مانتے کہ یہ بے چارے آپ ہی لوگوں جیسے منوشیہ ہیں اور اسی طرح اپنا بھلا چاہتے ہیں جیسے آپ لوگ اپنا بھلا چاہتے ہیں۔

(کٹوسور (تلخ لے) میں)

آپ کی موٹر گاڑیاں اور شام پین اور لمبی لمبی دعوتیں۔

ینتھونی: اگر مزدور لوگ کام پر آجائیں تو ہم ان کے ساتھ کچھ رعایت کردیں گے۔

ہارنس: (وینگ سے) آپ لوگوں کی بھی یہی رائے ہے صاحب! آپ آپ آپ؟

(ڈائریکٹر لوگ جواب نہیں دیتے)

خیر، میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس دھڑنی میں رتیوں کا گھمنڈ اور روش (غصہ) بھرا ہوا ہے۔ جس کا میرے خیال میں اب زمانہ نہیں رہا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے میں غلطی پر تھا۔

اینتھونی: یہ وہی دھڑنی ہے جس میں مزدور لوگ باتیں کرتے ہین۔ اب تو یہ دیکھنا ہے کہ کون زیادہ دنوں تک اڑ سکتا ہے۔ وہ لوگ ہمارے بنا، یا ہم لوگ ان کے بنا۔

ہارنس: مجھے آشچریہ (تعجب) ہے کہ آپ لوگ بیاپاری ہوکر بھی شکتی کے اس طرح برباد ہونے پر لجّیت نہیں ہوتے۔ اس کا نتیجہ جو کچھ ہوگا وہ آپ سے چھپا نہیں ہے۔

اینتھونی: کیا ہوگا؟

ہارنس: سمجھوتہ۔ یہی برابر ہوتا ہے۔

اسکینڈل بری: آپ مزدوروں کو یہ نہیں سمجھا سکتے کہ ہمارا اور ان کا ایک ہی سوارتھ ہے؟

ہارنس: (گھوم کر وینگ (طنز) سے) اگر یہ بات ٹھیک ہوتی تو میں انھیں سمجھا سکتا تھا۔

وائلڈر : دیکھو ہارنس، تم بودھیمان ہو اور سامیہ وادیوں (اشتمالیت) کے ان گورکھ دھندوں کو نہیں مانتے جن کی آج کل دھوم مچی ہوئی ہے ان کے اور ہمارے دل میں ذرا بھی انتر نہیں ہے۔

ہارنس : میں آپ سے ایک بہت سیدھا سادا چھوٹا سا پرشن کرتا ہوں۔ آپ مزدوروں کو اس سے ایک کوڑی بھی زیادہ دیں گے جتنا آپ کو لاچار ہوکر دینا پڑے گا۔

(وائلڈر چپ رہتا ہے)

وینکلین : (اسی سُور (آواز) میں) میرا تُچھ (معمولی) وچار تو یہ ہے کہ آدمیوں کو اتنی ہی مزدوری دینا جتنا ضروری ہو۔ وانجیہ (کامرس) کا ک ھ گ ہے۔

ہارنس : (وینگ (طنز) سے) ہاں معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ وہ وانجیہ (کامرس) کا ک ھ گ ہے اور یہی وانجیہ (کامرس) کا ک ھ گ آپ کے ہیت (بھلائی) کو مزدوروں کے ہیت (بھلائی) سے الگ کیے ہوئے ہے۔

اسکنیٹل بری : (دھیرے سے) ہمیں کچھ نشچے کرلینا چاہیے۔

ہارنس : (رکھائی سے) تو یہ طے ہوگیا کہ بورڈ مزدوروں کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرے گا؟

(وینکلین اور وائلڈر کچھ بولنے کے لیے آگے جھکتے ہیں پر رک جاتے ہیں)

اینتھونی : (سر ہلاکر) ہاں۔ (وینکلین اور وائلڈر پھر آگے کو جھکتے ہیں اور اسکنیٹل بری یکایک عرم اٹھتا ہے)

ہارنس : شاید آپ کچھ کہنے جارہے تھے؟

(لیکن اسکنیٹل بری کچھ نہیں بولتا)

ایڈگار : (یکایک سر اٹھاکر) ہمیں مزدوروں کی اس دَشا پر بہت کھید ہے۔

ہارنس : (بے پرواہی سے) مزدوروں کو آپ کی دَیا کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب وہ کیول نیاے چاہتے ہیں۔

اینتھونی : تو انھیں نیائی (انصاف پسند) بناؤ۔

ہارنس : نیائی کی جگہ دین (مفلس) کہیے۔ مسٹر اینتھونی، مگر وہ کیوں دین (مفلس) بنے؟ یہ سنجوگ (اتفاق) کی بات ہے کہ ان کے پاس دھن (مال) نہیں ہے نہیں تو آپ لوگوں ہی جیسے منوشیہ وہ لوگ بھی ہیں۔

اینتھونی : ڈھونگ ہے۔

ہارنس : خیر، پانچ سال امریکہ رہ چکا ہوں، اس سے آدمی کے وچاروں پر اثر پڑتا ہی ہے۔

اسکنیٹل بری : (مانو (گویا) اپنی ادھوری غراہٹ کی اثر نکالنے کے لیے) مزدوروں کو بھیتر بلاکر سننا چاہیے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

(اینتھونی سر ہلاتا ہے اور انڈروڈ اکہرے دروازے سے باہر جاتا ہے)

ہارنس : (بے پرواہی سے) آج شام کو میری ان لوگوں سے بات چیت ہوگی اس لیے میں آپ سے عرض کروں گا کہ جب تک وہ پوری نہ ہوجائے آپ لوگ کوئی توڑ نہ کریں گے۔

(اینتھونی پھر سر ہلاتا ہے اور اپنا گلاس اٹھاکر پیتا ہے۔ انڈروڈ پھر اندر آتا ہے اس کے پیچھے پیچھے رابرٹ، گرین، بلجین، ٹامس اور راؤس آتے ہیں وہ ہاتھ میں ہاتھ ملاکر ایک قطار میں چپ چاپ کھڑے ہوجاتے ہیں۔ رابرٹ دبلا اوسط قد کا آدمی ہے، اس کی پیٹھ کچھ جھکی ہوئی ہے، اس کی خشخشی بھوری داڑھی ہے، گال کی ہڈیاں اونچی، گال پچکے ہوئے، آنکھیں تیز اور چھوٹی۔ وہ ایک پرانا چربی کے داغوں سے بھرا ہوا نیلے سرخ کا کوٹ پہنے ہوئے ہے۔ اس کے ہاتھ میں پرانی ٹوپی ہے، وہ سبھاپتی کے سمیپ ہوکر کھڑا ہوتا ہے اس کے بعد گرین ہے اس کا چہرہ مرجھایا ہوا اور مڑا ہوا ہے۔ چھوٹی سفید بکریوں کی سی داڑھی ہے اور نیچے جھکی ہوئی مونچھیں شانت اور نشکپٹ (مخلص) آنکھوں کے اوپر لوہے کی عینک لگائے ہوئے ہے۔ وہ ایک اوورکوٹ پہنے ہے، جو پرانا ہونے سے ہرا ہوگیا ہے۔ کپڑے کا کالر ہے اس کے بعد بلجین ہے جو ایک لمبا مضبوط کلے کا آدمی ہے وہ ایک لال مفلر پہنے ہوئے

ہے اور اپنی ٹوپی کو اس ہاتھ سے اس ہاتھ بدلتا رہتا ہے۔ اس کے بغل میں ٹامس ہے وہ بوڑھا آدمی ہے جس کی مونچھیں پکی ہوئی ہیں داڑھی گھنی اور چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی ہیں اس کے داہنے طرف راؤس ہے وہ پانچوں سے چھوٹا ہے اور سیاہی سا دکھتا ہے اس کی آنکھیں چمکدار ہیں۔)

انڈرووڈ : (اشارہ کرکے) رابرٹ دیوار سے ملی ہوئی وہ کرسیاں ہیں انھیں کھینچ لواور بیٹھو۔

رابرٹ : دھنیہ واد مسٹر انڈرووڈ ہم بورڈ کے سامنے کھڑے ہی رہیں گے

(وہ کڑی آواز میں باتیں کرتا ہے اور اس کا اُچارن ویدیشیوں جیسا ہے)

کیسا مزاج ہے مسٹر ہارنس؟ آج شام تک تو آشا نہ تھی کہ آپ سے بھینٹ ہوگی۔

ہارنس : (دڑھتا سے) تو ہم پھر ملیں گے رابرٹ۔

رابرٹ : بڑے آنند کی بات ہے ہمارا کچھ سندیشا ہے اسے آپ اپنی سبھا تک پہنچا دیجیے گا۔

اینتھونی : یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟

رابرٹ : (تیوِر سور (تیز آواز) میں) ذرا پھر کہیے، میں چیئرمین کی بات نہیں سن پایا۔

ٹینچ : (سبھاپتی کی کرسی کے پیچھے سے) سبھاپتی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آدمیوں کو کیا کہنا ہے۔

رابرٹ : ہم یہاں یہ سننے کے لیے آئے ہیں کہ بورڈ کو کیا کرنا ہے، پہلے بورڈ کو بولنا چاہیے۔

اینتھونی : بورڈ کو کچھ نہیں کہنا ہے۔

رابرٹ : (مزدوروں کی پنکتی (قطار) کی اُور دیکھ کر) ایسی دشا میں ہم ڈائریکٹروں کا سمے نشٹ نہیں کرنا چاہتے، ہمیں اس قیمتی غالیچے سے اپنے پیر اٹھا لینے چاہیے۔

(وہ گھومتا ہے اور مزدور بھی دھیرے دھیرے چلتے ہیں مانو سموہیت (فریفتہ) ہوگئے ہوں)

وینکلین : (گرمی سے) سنو رابرٹ تم نے ہمیں اس جاڑے پالے میں اتنا ہی کہنے کے

لیے تو نہیں بلایا ہم نے کتنا لمبا سفر کیا ہے۔

ٹامس : (جو ویلس کا رہنا والا ہے) نہیں صاحب اور میں یہ کہتا ہوں۔

رابرٹ : (تیور کنٹھ سے) ہاں ہاں ٹامس بولو کیا کہتے ہو؟ ڈائریکٹروں سے باتیں کرنے کے لیے تم مجھ سے کہیں اچھے ہو۔

(ٹامس چپ ہو جاتا ہے)

ٹینچ : سبھاپتی کہتے ہیں کہ مزدوروں ہی نے اس بیٹھک کے لیے کہا تھا اس لیے بورڈ سننا چاہتا ہے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

رابرٹ : اگر میں ان کی دکھ کہانی کہنے لگوں تو آج پوری نہ ہوگی اور آپ میں سے کچھ لوگ پچھتائیں گے کہ لندن کے محل چھوڑ کر نہ آتے تو اچھا ہوتا۔

ہارنس : تمہارا مطلب کیا ہے جی؟ بے مطلب کی باتیں نہ کرو۔

رابرٹ : آج مطلب کی بات چاہتے ہیں مسٹر ہارنس تو آج اس بیٹھک کے پہلے ذرا یہاں کی سیر کیجیے (وہ مزدوروں کی اور دیکھتا ہے ان میں سے کوئی نہیں بولتا) تو تمھیں بہت اچھے اچھے دِرشیہ دکھائی دیں گے۔

ہارنس : بہت اچھا دوست، مگر دیکھو ٹال مت دینا۔

رابرٹ : (مزدوروں سے) ہم لوگ مسٹر ہارنس کو ٹالیں گے نہیں، بھوجن کے ساتھ تھوڑی شام پین بھی لی جائے گی۔ آپ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔

ہارنس : اچھا، اب کچھ کام کرنا چاہیے۔

ٹامس : یہ سمجھ لیجیے کہ ہم جو کچھ مانگتے ہیں وہ سیدھا سادا نیاے ہے۔

رابرٹ : (زہریلے آواز میں) لندن سے نیاے؟ کیا بکتے ہو ہنری ٹامس! پاگل تو نہیں ہوگئے ہو؟ (ٹامس چپ ہے) ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم کیا ہیں۔ مربھوکے کتے جنھیں کبھی سنتوش ہی نہیں ہوتا۔ سبھاپتی نے مجھ سے لندن میں کیا کہا تھا؟ ''تم جانتے ہی نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم مُورکھ گنوار آدمی ہو، اور ان آدمیوں کے وشئے (بارے) میں کچھ نہیں جانتے جن کے پکچھ (حمایت) میں تم کھڑے ہو۔

ایڈگار : آپ تو وِشے (موضوع) سے دور چلے جا رہے ہیں۔

اینتھونی : (ہاتھ اٹھاکر) رابرٹ، مالک ایک ہی ہو سکتا ہے۔

رابرٹ : تو پھر ہم ہی مالک ہوں گے۔

(سب چپ ہو جاتے ہیں اینتھونی اور رابرٹ ایک دوسرے سے آنکھیں ملاتے ہیں)

انڈرؤڈ : راپرٹ، اگر تمھیں ڈائریکٹروں سے کچھ نہیں کہنا ہے تو گرین یا ٹامس کو مزدوروں کی طرف سے کیوں نہیں بولنے دیتے۔

(گرین اور ٹامس چنتت بھاؤ (فکر کے آثار) سے رابرٹ کو ایک دوسرے کو اور دوسرے آدمیوں کو دیکھتے ہیں)

گرین : (جو انگریز ہے) مہاشیوں اگر آپ لوگوں نے میری بات مانی ہوتی۔

ٹامس : مجھے جو کچھ کہنا ہے وہی سب کو کہنا ہے۔

رابرٹ : تمھیں جو کچھ کہنا ہو کہو، ہنری ٹامس۔

اسکینٹل بری : (تیور آتمیک اشانتی کے بھاؤ سے) یہ بے چارے اپنی آتما کی رکچھا (حفاظت) بھی نہیں کر سکتے۔

رابرٹ : اور کیا؟ آتما کے سوا ان کے پاس اور ہے ہی کیا؟ کیوں کہ دیہہ (جسم) کا تو آپ لوگوں نے اڈّھار (نجات) کر دیا۔ مسٹر اسکینٹل بری۔

(چبھتی ہوئی آواز میں، مانو مسٹر کا شبد نکالنا ہی آپتی ہے۔ مزدوروں سے)

کیوں تم لوگ بولتے ہو یا میں ہی تمھاری طرف سے بولوں؟

راؤس : (چونک کر) رابرٹ، یا تو تمھیں بولو یا دوسروں کو ہی بولنے دو۔

رابرٹ : (وینگ (طنز) کے بھاؤ سے) دھنیہ واد جارج راؤس

(اینتھونی کی طرف رخ کرکے)

سبھاپتی اور ڈائریکٹروں کے بورڈ نے ہماری وپتی کتھا سننے کے لیے لندن سے یہاں آکر ہمارا سمان کیا ہے۔ یہ اوچیت نہیں ہے کہ ہم انھیں اور دیر یہاں انتظار میں رکھیں۔

وائلڈر : اس کے لیے ایشور کو دھنیہ واد۔

رابرٹ : ہماری کتھا (کہانی) سن لینے کے بعد آپ ایشور کو دھنیہ واد نہ دیں گے۔ مسٹر وائلڈر، چاہے آپ کتنے ہی بڑے دھرماتما ہوں سمجھو ہے آپ کے لندن ایشور کے پاس مزدوروں کی باتیں سننے کے لیے سمے نہ ہو۔ میں نے سنا ہے کہ وہ ایشور بڑا دھنوان ہے لیکن یدی وہ میری بات سنے تو اسے اس سے کہیں زیادہ گیان ہوگا جتنا کینسنگٹن (لندن میں امیروں کا ایک محلّہ) میں ہو سکتا ہے۔

ہارنس : دیکھو رابرٹ، جس طرح تم اپنے ایشور کو پوجیہ سمجھتے ہو، ویسے ہی دوسرے آدمیوں کے ایشور کو بھی سمجھو۔

رابرٹ : یہ ٹھیک ہے صاحب ہمار یہاں دوسرا ہی ایشور ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ مسٹر وائلڈ کے ایشور سے بھِنّ (مختلف) ہے ہنری ٹامس سے پوچھو وہ بتلائیں گے کہ ان کا اور وائلڈر کا ایشور ایک ہے یا دو۔

(ٹامس اپنا ہاتھ اٹھاتا ہے اور سر اونچا کرلیتا ہے جیسے کوئی بھویش وانی (پیش گوئی) کر رہا ہو)

وینکلین : رابرٹ، ایشور کے لیے مُول وِشے (اصل موضوع) پر ہی رہو۔

رابرٹ : میرے وچار میں تو یہی مول وشے ہے مسٹر وینکلین۔ اگر آپ دھن کے ایشور کو شرم (محنت) کی گلیوں لے جائیں اور اس کا دھیان رکھیں کہ وہ کیا کیا دیکھتا ہے تو میں آپ کی سجّنتا کا قائل ہوجاؤں گا، حالانکہ آپ رڈیکل (سوتنز تاوادی) ہیں۔

اینتھونی : میری بات سنو رابرٹ (رابرٹ چپ ہوجاتا ہے) تم یہاں آدمیوں کی طرف سے بولنے آئے ہو جیسے میں بورڈ کی طرف سے بولنے آیا ہوں۔

(وہ دھیرے دھیرے ادھر ادھر تاکتا ہے، وائلڈر، وینکلین اور اسکنیٹل بری وِرودھ کے بھاؤ پرکٹ کرتے ہیں ایڈگار زمین کی طرف تاکتا ہے، ہارنس کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ آجاتی ہے)

اب بولو تم کیا کہتے ہو؟

رابرٹ : جی ہاں ٹھیک ہے۔

(اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے اس میں وہ اور اینتھونی ایک دوسرے پر آنکھیں جمائے رہتے ہیں۔ مزدور لوگ اور ڈائریکٹر بھین بھین (مختلف مختلف) ریتی سے اپنے چھپتے ہوئے اُدویگ (بے قراری) پرکٹ کرتے ہیں۔ مانو وہ ایسی باتیں سن رہے ہیں جو وہ خود نہ کہتے)

مزدور لندن تک جانے کی سامرتھ (طاقت) نہیں رکھتے اور انھیں وشواس نہیں ہے کہ وہ جو کچھ لکھ کر دیں گے اسے آپ لوگ مانیں گے۔ پتر ویوہار (خط و کتابت) کا حال بھی انھیں معلوم ہے۔

(وہ انڈرووڈ اور ٹینچ کو گھوم کر دیکھتا ہے)

اور ڈائریکٹروں کی بیٹھکوں کا حال بھی ان سے چھپتا نہیں ہے۔ منیجر کیفیت طلب کرو، منیجر سے پوچھا جائے کہ مزدوروں کی حالت کیا ہے۔ کیا ہم انھیں اور کچھ دبا سکتے ہیں؟

انڈرووڈ : (دھیمی آواز سے) کمر کے نیچے وار مت کرو، رابرٹ۔

رابرٹ : یہ کیا کمر کے نیچے ہے مسٹر انڈرووڈ؟ مزدوروں سے پوچھو جب میں لندن گیا تھا تو میں نے سب حال صاف صاف کہہ دیا تھا۔ پر اس کا پھل کیا ہوا؟ مجھ سے کہہ دیا گیا کہ تم خود نہیں جانتے کیا کہتے ہو، مجھ میں یہ سامرتھ (طاقت) نہیں ہے کہ وہی بات سننے کے لیے پھر لندن جاؤں۔

اینتھونی : تمھیں آدمیوں کے وِشے میں کیا کہنا ہے؟

رابرٹ : پہلے مجھے ان کی دَشا بتلانی ہے۔ آپ لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ منیجر سے پوچھیں۔ اب آپ انھیں اور نہیں دبا سکتے۔ ہم میں سے ہر ایک بھوکوں مر رہا ہے۔

(مزدور لوگ چکیت (حیران) ہو ہوکر ایک دوسرے کے کان میں کچھ کہنے لگتے ہیں۔ رابرٹ چاروں طرف دیکھتا ہے)

آپ کو آشچریہ ہوگا کہ میں یہ کیوں کہہ رہا ہوں؟ ہم سبھی کا برا حال ہے۔

ادھر کئی ہفتوں سے ہماری جو دَشا ہے اس سے ہین (حقیر) اب ہو ہی نہیں سکتی۔ آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ کچھ دن اور اڑے رہنے سے آپ ہمیں کام کرنے پر مجبور کردیں گے۔ اس کے پہلے ہم لوگ پران دے دیں گے مزدوروں نے آپ لوگوں کو یہ انتم سُوچنا دینے کو بلایا ہے کہ آپ لوگ ان کی مانگیں سویکار کرتے ہیں یا نہیں؟ میں منتری کے ہاتھ میں کاغذ کا تاؤ دے رہا ہوں۔

(ٹینچ کچھ گھبراجاتا ہے)

یہ وہی نہ مسٹر ٹینچ؟ یہ تو بہت بڑا نہیں ہے۔

ٹینچ : (سر ہلاکر) ہاں۔

رابرٹ : اس کاغذ پر ایک واکیہ (جملہ) بھی ایسا نہیں ہے جسے ہم چھوڑ سکیں۔

(آدمیوں میں کچھ ہلچل ہوتی ہے رابرٹ چمک کر ان کی طرف دیکھتا ہے)

آپ لوگ اسے مانتے ہیں نہ؟

(مزدور لوگ انچھا (بے دلی) سے سیویکار کرتے ہیں۔ اینتھونی ٹینچ سے کاغذ لے کر پڑھتا ہے)

ایک واکیہ (جملہ) بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی مانگ ایسی نہیں ہے جو اُنوچت کہی جاسکے ہم نے کوئی بات ایسی نہیں مانگی ہے جس کا ہمیں حق نہ ہو۔ میں نے لندن میں جو کچھ کہا تھا وہی اب پھر کہتا ہوں۔ اس کاغذ پر کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے مانگنے یا دینے میں کسی شریف آدمی کو سنکوچ (تامل) ہو۔

(کچھ سوچنے لگتا ہے)

اینتھونی : اس کاغذ پر ایک مانگ بھی ایسی نہیں ہے جو ہم لوگ پوری کرسکیں۔

(ان شبدوں کے بعد جو ہلچل مچ جاتی ہے، اس میں رابرٹ ڈائریکٹروں کو دھیان سے دیکھتا ہے اور اینتھونی مزدوروں کو۔ وائلڈر یکایک اٹھ جاتا ہے اور آگ کی طرف جاتا ہے)

رابرٹ : یہ آپ دل سے کہتے ہیں۔

اینتھونی : ہاں۔

(وائلڈر آگ کے پاس کھڑا اسپسٹ روپ (واضح طریقے) سے گھر نا کا بھاؤ دکھاتا ہے)

رابرٹ : (گہری نگاہ سے پر اداسین بھاؤ سے دیکھتا ہے) آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ کمپنی کی دَشا آدمیوں کی دَشا سے اچھی ہے یا نہیں

(ڈائریکٹروں کے چہروں کو غور سے دیکھ کر)

آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ آپ یہ انیاے کر سکتے ہیں یا نہیں۔ لیکن میں یہ آپ سے کہوں گا کہ اگر آپ لوگ سوچتے ہیں کہ مزدور جو بھر بھی دیں گے تو آپ لوگ بھینکر بھول کرتے ہیں۔

(اسکنیل بری کے چہرے پر آنکھیں جما دیتا ہے)

یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ یونین ہماری مدد نہیں کر رہا ہے۔ اس سے آپ لوگ یہ سوچتے ہوں گے کہ ہم لوگ ایک شبھ مہورت میں آپ کے پیروں پر گر پڑیں گے، آپ لوگ سوچتے ہیں کہ ان آدمیوں کے بال بچے ہیں، اس لیے یہ دو ایک ہفتوں ہی کا معاملہ ہے۔

اینتھونی : ہمارے کیا وچار ہیں اگر تم اسے من ہی میں رکھو تو اچھا۔

رابرٹ : ہاں میں جانتا ہوں کہ اس سے ہمیں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ مسٹر اینتھونی، میں آپ کی اتنی تعریف ضرور کروں گا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں۔ اسپسٹ (واضح) کہتے ہیں۔

(اینتھونی کی اُور دیکھ کر)

مجھے آپ کی اُور (طرف) سے کوئی بھرم (وہم) نہیں ہے۔

اینتھونی : (وینگ (طنز) سے) دھنیہ واد۔

رابرٹ : اور میں بھی جو کچھ کہتا ہوں، اسپشٹ ہی کہتا ہوں۔ سن لیجیے مزدور لوگ اپنی بی بی بچوں کو کسی دیہات میں بھیج دیں گے اور چاہے بھوکوں مر جائیں مگر ہار نہ مانیں گے۔ میں آپ کو صلاح دیتا ہوں کہ مسٹر اینتھونی کہ آپ

کمپنی کا سروناش (تباہی) دیکھنے کے لیے تیار رہیے۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ لوگ مورکھ (بے وقوف) ہیں لیکن ہم ہوا کا رخ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی دَشا بہت اچھی نہیں ہے۔

اینتھونی : کرپا کر کے ہماری دَشا کے بارے میں اپنی رائے مت پرکٹ (واضح) کرو جاؤ اور اپنی دَشا پر پھر وچار کرو۔

رابرٹ : (آگے بڑھ کر) مسٹر اینتھونی، اب آپ جوان نہیں ہیں جب سے مجھے یاد ہے، آپ ہمیشہ اپنے مزدوروں کو شترو سمجھتے آئے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کمینے یا نردئی آدمی ہیں لیکن آپ نے کبھی انھیں اپنے وشے میں ایک شبد کہنے کا بھی اوسر نہیں دیا۔ آپ انھیں چار بار نیچا دکھا چکے ہیں۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ کو لڑائی اچھی لگتی ہے لیکن میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ یہ آپ کی آخری لڑائی ہے۔

(ٹینچ رابرٹ کی آستین چھوتا ہے)

انڈرووڈ : رابرٹ! رابرٹ

رابرٹ : کیا رابرٹ، رابرٹ کر رہے ہو؟ جب سبھاپتی اپنے من کی بات مجھ سے کہتے ہیں تو میں کیوں اپنی بات نہ کہنے پاؤں؟

وائلڈر : آج کیا ہونے والا ہے؟

اینتھونی : (وائلڈر کی اُور دیکھ کر دڑھتا سے مسکراتا ہے) ہاں، ہاں کہو رابرٹ جو کچھ جی میں آوے کہو۔

رابرٹ : (ذرا ٹھہر کر) اب مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔

اینتھونی : یہ بیٹھک پانچ بجے تک کے لیے استھگیت (ملتوی) ہے۔

وینکلین : (انڈرووڈ سے دھیمی آواز میں) اس طرح تو ہم کچھ بھی نہ طے کر سکیں گے۔

رابرٹ : (چٹکی لے کر) ہم سبھاپتی اور ڈائریکٹروں کو دھنیہ واد دیتے ہیں کہ انھوں نے دَیا کر کے ہماری دَشا سن لی۔

(وہ دھیرے دھیرے دوار کی طرف جاتا ہے، مزدور لوگ بھونچکے ہو کر ایک

جگہ جمع ہوجاتے ہیں۔ تب راؤس اپنا سر اٹھاکر رابرٹ کے سامنے سے ہوتا ہوا باہر چلا جاتا ہے اس کے پیچھے اور آدمی بھی چلے جاتے ہیں)

رابرٹ : (دروازے پر ہاتھ رکھ کر کوٹتا (کڑواہٹ) سے) بندگی صاحبو!

(چلا جاتا ہے)

ہارنس : (چٹکی لیتا ہوا) آپ لوگوں نے جو رواداری کا بھاؤ پرکٹ (ظاہر) کیا ہے اس پر میں آپ کو بدھائی دیتا ہوں۔ آپ کے آگیانوسار (تعمیل حکم) میں 5.11 بجے آؤں گا۔ بندگی

(وہ کچھ سر جھکاکر اینتھونی کو دھیان سے دیکھتا ہے۔ انتھونی بھی استھر بھاؤ (پرسکون جذبے) سے اس کی اُور دیکھتا ہے۔ تب ہارنس اور انڈرووڈ دونوں باہر چلے جاتے ہیں۔ ایک چھن سناٹا چھایا رہتا ہے۔ انڈرووڈ ڈیوڑھی میں پھر آتا ہے)

وائلڈر : (بری طرح چڑکر) اب؟

(دوہرے دروازے کھل جاتے ہیں)

اے نڈ : (ڈیوڑھی میں کھڑی ہوکر) بھوجن تیار ہے

(ایڈگار یکایک اٹھ کر اپنی بہن کے پاس ہوتا ہوا باہر چلا جاتا ہے)

وائلڈر : کیوں اسکنیٹل بری، بھوجن کرنے آتے ہو؟

اسکنیٹل بری : (کٹھنتا سے اٹھ کر) ہاں ہاں! اس کے سوا اور کیا کرنا ہے

(وہ دوہرے دروازے سے چلے جاتے ہیں)

وینکلین : (آہستہ سے) کیوں سبھاپتی جی کیا آپ سچ مچ اَنت تک لڑنا چاہتے ہیں؟

(اینتھونی سر ہلاتا ہے)

وینکلین : ہوشیار رہیے، کب دبنا چاہیے یہ جان لیں سب سے بڑی سِدھّی (کامیابی) ہے۔

(اینتھونی کوئی جواب نہیں دیتا)

وینکلین : (بڑی گمبھیرتا سے) یہی وِناش کا مارگ ہے مسز انڈرووڈ، تمھارے پتاجی نے

پرانے زمانے کے ٹارجنوں کو بھی مات کردیا۔

(وہ دوہرے دروازے سے چلا جاتا ہے)

اے نڈ : میں پتاجی سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

(فرینک، انڈروڈ اور وینکلین دونوں باہر چلے جاتے ہیں۔ ٹینچ میز کی چاروں طرف گھوم کر پھیلے ہوئے قلموں اور کاغذوں کو سنبھال کر رکھ رہا ہے)

اے نڈ : کیا آپ نہیں آرہے ہیں، دادا؟ اینتھونی سر ہلاکر نہیں کہتا ہے۔ اے نڈ ٹینچ کی طرف مارمیک (دل نشیں) بھاؤ سے دیکھتی ہے۔

اے نڈ : کیوں مسٹر ٹینچ، آپ بھوجن نہیں کرنے جارہے ہیں؟

ٹینچ : (ہاتھ میں کاغذ لیے ہوئے) دھنیہ واد۔

(وہ پیچھے تاکتا ہوا دھیرے دھیرے چلا جاتاہے)

اے نڈ : (دروازے کو بند کرکے) دادا، معاملہ طے ہوگیا نہ

اینتھونی : نہیں۔

اے نڈ : (بہت نراش ہوکر) ارے، آپ لوگوں نے کچھ نہیں کیا؟

(اینتھونی سر ہلاکر نہیں کرتا ہے)

اے نڈ : فرینک کہتے ہیں کہ رابرٹ کے سوا اور سب کے سب کچھ سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں، سچ۔

اینتھونی : میں نہیں کرنا چاہتا۔

اے نڈ : ہم لوگوں کے لیے یہ اِستیتھی (حالت) بہت ہی بھینکر ہے اگر آپ منیجر کی استری ہوتے اور یہاں کا سارا حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو آپ کی آنکھیں کھل جاتیں۔

اینتھونی : سچ؟

اے نڈ : ہمیں ساری دُرگتی دیکھنی پڑتی ہے، آپ کو میری نوکرانی اے نی کا خیال آتا ہے جس نے رابرٹ سے ویواہ کیا تھا؟

(اینتھونی سر ہلاتا ہے)

اس کی دَشا بہت ہی خراب ہے اس کو دل کی بیماری ہے۔ جب سے ہڑتال شروع ہوئی اسے ٹھیک بھوجن بھی نہیں مل رہا ہے، میری آنکھوں دیکھی بات ہے دادا۔

اینتھونی : غریب ہے بے چاری، اسے جس چیز کی ضرورت ہو، دے دو۔

اے نڈ : رابرٹ اسے ہم لوگوں سے کوئی چیز نہ لینے دے گا۔

اینتھونی : (سامنے تاکتا ہوا) اگر مزدور لوگ جان دینے پر تلے ہیں تو میرا کیا دوش ہے؟

اے نڈ : سب کے سب کشٹ میں ہیں، دادا۔ میری خاطر سے اسے بند کردو۔

اینتھونی : (اسے تیبر درشٹھی سے دیکھ کر) بیٹی، تم اس بات کو نہ سمجھ سکوگی۔

اے نڈ : اگر میں ڈائریکٹر ہوتی تو کچھ نہ کچھ ضرور کرتی۔

اینتھونی : کیا کرتی؟

اے نڈ : اس جھگڑے کا کارن یہی ہے کہ آپ کو دبنا برا لگتا ہے یہ بالکل۔

اینتھونی : ہاں ہاں، کہو۔

اے نڈ : بالکل اناوشیک ہے۔

اینتھونی : تم کیا جانتی ہو کہ کون سی بات آوشیک ہے؟ اپنے اُپنیاس پڑھو، گانا گاؤ، گپ شپ کرو، مگر مجھے یہ بتلانے کی چیشٹھا مت کرو کہ اس منٹے (لڑائی) کا کارن کیا ہے۔

اے نڈ : میں یہاں رہتی ہوں اور سب کچھ آنکھوں سے دیکھتی ہوں۔

اینتھونی : تم نے کبھی سوچا ہے کہ جن لوگوں پر تمھیں اتنی دَیا آرہی ہے ان کے اور ہمارے بیچ میں کون سی دیوار کھڑی ہے؟

اے نڈ : (اداسینتا سے) میں نے آپ کا مطلب نہیں سمجھا دادا۔

اینتھونی : اگر وہ لوگ جنھیں ایشور نے آنکھیں دی ہیں پرستھیتی (حالات) کو نہ دیکھیں اور اپنے حق کے لیے کھڑے ہونے کا ساہس نہ کریں تو تھوڑی ہی دنوں میں تمھاری اور تمھارے بال بچوں کی دَشا انھیں آدمیوں جیسا ہوجائے گی۔

اے نڈ : مزدوروں کی جو دَشا ہے اسے آپ نہیں جانتے۔

اینتھونی : خوب جانتا ہوں۔

اے نڈ : آپ نہیں جانتے دادا، اگر آپ جانتے تو آپ۔

اینتھونی : تم خود اس پَرشن کی سیدھی سادی باتوں کو نہیں جانتی ہو، اگر ہم مزدوروں کی شرطوں کو آنکھ بند کرکے مانتے چلے جائیں تو سمجھتی ہو تمھاری کیا دَشا ہوگی

(وہ اپنا ہاتھ گلے رکھتا ہے اور اسے دباتا ہے)

پہلے تمھارے کومل منوبھاؤ (کشش) وِدا ہو جائیں گے۔ تمھاری سبھیتا (تہذیب) اور تمھاری سکھ سامگریوں کا کہیں پتہ نہ لگے گا۔

اے نڈ : (اداسینتا سے) اور میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس معاملے سے اس کا کیا سمبندھ ہے۔

اینتھونی : یہ سمجھنے کے لیے تمھیں ایک یا دو پشت چاہیے۔

اے نڈ : یہ سب کچھ آپ اور رابرٹ کے کارن ہورہا ہے، دادا۔ اور آپ اسے جانتے ہیں

(اینتھونی اپنا نیچے کا ہونٹ نکال لیتا ہے)

اس سے کمپنی کا سروناش (تباہی) ہوجائے گا۔

اینتھونی : اس وِشے میں میں تمھاری رائے نہیں مانگتا ہے۔

اے نڈ : (چڑکر) یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ رابرٹ کی استریاں کشٹ بھوگے اور میں کھڑی تماشا دیکھتی رہوں اور دادا، بچوں کا بھی تو خیال کیجیے میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔

اینتھونی : (نرِدیتا سے مسکراکر) آخر تمھاری کیا منشا ہے؟

اے نڈ : اسے آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔

(اینتھونی کیول اس کی اُور تاکتا ہے)

اے نڈ : (بدلی ہوئی آواز میں اس کی آستین کھینچتی ہوئی) دادا! آپ کو معلوم ہے، یہ چِنتا

آپ کے لیے ہانی کارک ہے۔ آپ کو یاد ہے ڈاکٹر فیشر نے کیا کہا تھا؟

اینتھونی : کوئی بوڑھا آدمی بوڑھی عورت کی سی بات سننا پسند نہیں کرتا۔

اے نڈ : لیکن اگر آپ کے لیے یہ سِدھانت کی بات ہو، تب بھی آپ بہت کچھ نہ کر چکے۔

اینتھونی : تمھارا یہ خیال ہے۔

اے نڈ : اب ان باتوں میں نہ پڑیئے دادا، آپ کو ہمارا خیال کرنا چاہیے۔

(اس کے چہرے سے یاچنا (درخواست) کا بھاؤ پرکٹ ہوتا ہے)

اینتھونی : رکھتا ہوں۔

اے نڈ : یہ بھار آپ سہہ نہ سکیں گے۔

اینتھونی : (آہستہ سے) میں ابھی مروں گا نہیں، وشواس رکھو۔

(ٹینچ کاغذ لے کر پھر آتا ہے۔ وہ ان کی طرف کنکھیوں سے دیکھتا ہے۔ تب ہمت کرکے آگے بڑھتا ہے)

ٹینچ : چھما کیجیے میڈم میں نے سوچا کھانا کھانے کے پہلے ان کاغذوں کو نپٹا دوں۔

(اے نڈ اکتاکر اسی طرف دیکھتی ہے، تب اپنے باپ کی اور دیکھ کر یکایک ٹوٹ پڑتی ہے اور دیوان خانے میں چلی جاتی ہے)

ٹینچ : (بہت ڈرتا ہوا اینتھونی کے سامنے کاغذ اور قلم رکھتا ہے) کرپا کرکے ان کاغذوں پر دستخط کر دیجیے۔

(اینتھونی قلم لے کر دستخط کرتا ہے)

ٹینچ : (سوکھتے کا ایک ٹکڑا لیے ایڈگار کی کرسی کے پیچھے کھڑا ہوجاتا ہے اور ڈرتے ڈرتے بولنا شروع کرتا ہے) یہاں مجھے حضور ہی نے نوکر رکھا۔

اینتھونی : کیا بات ہے؟

ٹینچ : یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب مجھے دیکھنا پڑتا ہے کمپنی ہی میرا آدھار ہے۔ اگر اس میں کچھ گڑبڑ ہوا تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔

(اینتھونی سر ہلاتا ہے)

اور میرے گھر میں حال ہی میں دوسرا بچہ ہوا ہے، اس لیے اس سمے میں

اور بھی چنتیت ہوں، ہماری طرف بازار کا بھاؤ بھی بڑا تیز ہے؟

اینتھونی : (کٹھور ونود (تفریح) کے ساتھ) ہماری طرف بھی تو بازار کا بھاؤ اتنا ہی تیز ہے۔

ٹینچ : جی نہیں (بہت ڈر کر) مجھے معلوم ہے کہ کمپنی کی آپ کو بڑی چنتا ہے۔

اینتھونی : ہاں، ہے میں نے ہی اسے کھولا تھا۔

ٹینچ : جی ہاں، اگر ہڑتال جاری رہی تو بہت برا ہوگا میں سمجھتا ہوں کہ ڈائریکٹروں کی سمجھ میں اب یہ بات آنے لگی ہے۔

اینتھونی : وینگ سے سچ؟

ٹینچ : میں جانتا ہوں کہ اس وِشے میں آپ کے وچار بڑے کٹر ہیں اور کٹھنائیوں کا سامنا کرنا آپ کی عادت ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ڈائریکٹر لوگ اسے پسند نہیں کرتے کیونکہ آپ انھیں اصلی حال معلوم ہونے لگا ہے۔

اینتھونی : (کٹھورتا سے) شاید تمھیں بھی پسند نہ ہوگا۔

ٹینچ : (پھیکی ہنسی کے ساتھ) یہ بات نہیں ہے حضور! میرے بال بچے اوشیہ ہیں اور پتنی بھی بیمار ہے۔ میری دَشا میں ان باتوں کا خیال کرنا لاچاری ہے۔

(اینتھونی سر ہلاتا ہے)

لیکن میں یہ نہیں کہہ رہا تھا، اگر آپ مجھے چھما کریں۔

(ہچکتا ہے)

اینتھونی : تو پھر کہتے کیوں نہیں؟

ٹینچ : میرے پتا مجھ سے کہا کرتے تھے کہ آدمی جب بوڑھا ہوجاتا ہے تو اس کے دل پر ہر ایک بات کا گہرا اثر پڑتا ہے۔

اینتھونی : (پتا بھاؤ (پدرانہ جذبہ) کیا کہتے ہو، ٹینچ کہو؟

ٹینچ : مجھے کہتے اچھا نہیں لگتا حضور۔

اینتھونی : (کٹھورتا سے) تم کو بتلانا پڑے گا۔

ٹینچ : (ذرا دم لے کر نربھیتا سے بولتا ہوا) میرا خیال ہے کہ ڈائریکٹر لوگ آپ کو دغا

دیں گے۔

اینتھونی : (چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے) گھنٹی بجاؤ۔

(ٹینچ ڈرتا ہوا گھنٹی بجاتا ہے اور آگ کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے)

ٹینچ : یہ بات کہنے کے لیے مجھے چھما کیجیے۔ میں کیول آپ کے خیال سے کہہ رہا تھا۔

(فراسٹ بڑے کمرے سے آتا ہے، وہ میز کے پائے کے پاس آتا ہے اور اینتھونی کی طرف دیکھتا ہے۔ ٹینچ اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کے لیے کاغذوں کو سنبھالنے لگتا ہے)

اینتھونی : میرے لیے وسکی اور سوڈا لاؤ۔

فراسٹ : کھانے کے لیے بھی کچھ لاؤں حضور؟

(اینتھونی سرہلاکر نہیں کرتا ہے۔ فراسٹ چھوٹی میز کے پاس آتا ہے اور شراب تیار کرتا ہے)

ٹینچ : (دھیمی آواز میں بالکل گڑگڑاکر) اگر آپ کوئی سمجھوتہ کر لیتے تو میرا چت بہت کچھ شانت ہو جاتا

(وہ سر اٹھاکر اینتھونی کو دیکھتا ہے، جو استھر بھاؤ سے بیٹھا رہتا ہے)

سچ مچ اس سے مجھے بڑی چنتا ہورہی ہے۔ مجھے کئی ہفتوں سے اچھی نیند نہیں آتی۔

(اینتھونی اس کے چہرے کی اُور تاکتا ہے تب دھیرے سے سر ہلاتا ہے)

ٹینچ : (نراش ہوکر) آپ کو منظور نہیں ہے؟

(وہ کاغذوں کو سنبھالتا رہتا ہے، فراسٹ وسکی اور سوڈا ایک کشتی میں لاتا ہے اور اینتھونی کے داہنے ہاتھ کے پاس رکھ دیتا ہے وہ اینتھونی کو چنتت آنکھوں سے دیکھ کر الگ کھڑا ہو جاتا ہے)

فراسٹ : کیا آپ کوئی چیز نہ کھائیں گے؟

(اینتھونی سر ہلاکر نہیں کرتا ہے)

آپ کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر نے آپ سے کیا کہا تھا؟

ایتھونی: ہاں معلوم ہے

(فراسٹ یکایک سمیپ چلا جاتا ہے اور دھیمی آواز میں بولتا ہے)

فراسٹ: حضور اس ہڑتال نے آپ کو بہت چنتا میں ڈال رکھا ہے۔ آپ ناحق اس کے پیچھے اتنے حیران ہو رہے ہیں

(ایتھونی کچھ شبد منہ سے نکالتا ہے جو سنائی نہیں دیتے)

بہت اچھا حضور۔

(وہ گھوم کر ہال میں چلا جاتا ہے، ٹینچ دوبارہ بولنے کی چیشٹھا کرتا ہے لیکن سبھاپتی سے آنکھیں مل جانے کے کارن آنکھیں نیچی کرلیتا ہے تب اداس بھاؤ سے گھوم کر وہ بھی چلا جاتا ہے۔ ایتھونی اکیلا رہ جاتا ہے۔ وہ گلاس اٹھاتا ہے اسے ہلاتا ہے اور ایک سانس میں پی جاتا ہے تب گہری سانس لے کر اسے رکھ دیتا ہے اور اپنی کرسی پر تکیہ لگا دیتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا باب

منظر 1

(ساڑھے تین بجے ہیں رابرٹ کے جھونپڑے کے رسوئی گھر میں دھیمی آگ جل رہی ہے۔ کمرہ صاف اور ستھرا اینٹ کا فرش ہے۔ سفید پوتی ہوئی دیوار ہے، جو دھوئیں سے کالی ہوگئی ہے۔ سجاوٹ کے سامان بہت تھوڑے ہیں چولھوں کے سامنے ایک دروازہ ہے جو اندر کی طرف کھلتا ہے دروازے کے سامنے برف سے بھری ہوئی گلی ہے۔ لکڑی کے میز پر ایک پیالہ اور ایک طشتری، ایک چائے دان، چھری اور روٹی اور پنیر کی ایک رکابی رکھی ہوئی ہے۔ چولہے کے پاس ایک پرانی آرام کرسی ہے۔ جس پر ایک چیتھڑا لپٹا ہوا ہے اس پر مسز رابرٹ بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ ایک دبلی اور کالے بالوں والی عورت ہے۔ اوسطا 35 کے لگ بھگ ہوگی آنکھوں سے دینتا برستی ہے۔ اس کے بالوں میں کنگھی نہیں کی ہوئی ہے۔ پیچھے کی طرف ایک فیتے سے باندھ دیے گئے ہیں۔ آگ کے پاس ہی مسز یو ہیں۔ ان کے بال لال اورمنہ چوڑا ہے۔ میز کے پاس مسز راؤس بیٹھی ہے، وہ ایک بوڑھی عورت ہیں۔ بالکل سفید بال سن ہوگئے ہیں دروازے کے پاس مسز بلجین اس طرح کھڑی ہیں مانو جانے والی ہوں۔ وہ ایک چھوٹی سی پیلے رنگ کی دبلی پتلی عورت ہے۔ ایک کرسی پر کہنیوں کو میز پر رکھے اور چہرے کو ہاتھوں سے تھامے مسز ٹامس بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ بائیس سال کی روپ وتی استری ہے۔اس کے گال کی ہڈیاں اونچی ہیں آنکھیں گہری اور بال کالے اور الجھے ہوئے، وہ نہ بولتی ہے نہ ہلتی ہے کیول باتیں سن رہی ہے)

مسز یو: بس اس نے مجھے چھ پنس دیے اور اس ہفتے میں مجھے پہلی بار انہی پیسوں

کے درشن ہوئے۔ یہ آگ بہت مند ہے۔ مسز راؤس آکر ہاتھ پیر سینک لو، تمہارا چہرہ برف کی طرح سفید ہوگیا ہے سچ۔

مسز راؤس : (کانپتی ہوئی شانت بھاؤ سے) ہوگا لیکن اصلی سردی تو اسی سال پڑی جس دن میرے بوڑھے پتی یہاں نوکر ہوئے۔ 79 کا سال تھا جب کہ تم میں سے کسی کا جنم بھی نہ ہوا ہوگا۔ نہ مسز ٹامس کا نہ مسز بلجبین کا۔

(ان کی اُور باری باری سے دیکھتی ہے)

کیوں اے نی رابرٹ اس وقت تمھاری کیا عمر تھی۔

مسز رابرٹ : سات سال

مسز راؤس : بس سات سال؟ تب تو تم بالکل بچی تھیں۔

مسز یو: (گھمنڈ سے) میری عمر دس سال کی تھی مجھے یاد ہے۔

مسز راؤس : (شانت بھاؤ سے) تب کمپنی کو کھلے ہوئے تین سال بھی نہ ہوئے تھے۔ دادا تیزاب گھر میں کام کرتے تھے۔ وہی ان کی ٹانگ سڑ گئی تھی۔ میں ان سے کہتی تھی دادا تمہاری ٹانگ سڑ گئی ہے۔ وہ کہتے تھے سڑے یا گلے میں کھاٹ پر نہیں پڑ سکتا۔ اور دو دن کے بعد انھوں نے کھاٹ پکڑ لی اور پھر نہ اٹھے۔ ایشور کی مرضی تھی تب ہرجانے والا قانون نہ تھا

مسز یو : کیا اس جاڑے میں کوئی ہڑتال نہیں ہوئی تھی؟

(وکٹ ہاسیہ کے بھاؤ سے)

یہاں جاڑا تو میرے لیے بہت برا ہے۔ کیوں مسز رابرٹ سردی خوب پڑ رہی ہے یا ابھی جی نہیں بھرا؟ کیوں مسز بلجبین بھوک لگی ہے نہ؟

مسز بلجبین : چار دن ہوئے ہم نے روٹی اور چائے کھائی تھی۔

مسز یو : شکروار کو دھلائی والا کام تمھیں ملا یا نہیں؟

مسز بلجبین : (دکھی ہوکر) انھوں نے مجھے کام دینے کا وعدہ تو کیا تھا لیکن جب میں شکروار کو گئی تو کوئی جگہ ہی نہ تھی۔ اب مجھے اگلے ہفتے میں پھر جانا ہے۔

مسز یو : اچھا یہاں بھی آدمیوں کی بھرمار ہے؟ میں تو یو کی برف کے میدان میں

بھیج دیتی ہوں کہ امیروں کو برف پر چلائیں جو کچھ مل جائے وہی سہی۔
انھیں گھر کی چنتا سے تو چھٹی مل جاتی ہے۔

مسز بلجبین : (روکھی اور اداس آواز سے) مردوں کو تو جانے دو، لڑکوں کا حال اور بھی برا ہے۔ میں تو انھیں سلا دیتی ہوں پڑے رہنے سے بھوک کچھ کم لگتی ہے لیکن رو رو کر سب ناک میں دم کردیتے ہیں۔

مسز یو : تمھارے لیے تو اتنی کُشل (اچھا) ہے کہ بچے چھوٹے ہیں جو پڑھنے جاتے ہیں انھیں تو اور بھی بھوک لگتی ہے کیا بلجبین تمھیں کچھ نہیں دیتے؟

مسز بلجبین : (سر ہلاکر نہیں کرتی ہے تب کچھ سوچ کر) کچھ بس ہی نہیں چلتا تو کیا کریں؟

مسز یو : (بناوٹ سے) کیا کمپنی میں ان کے حصے نہیں ہیں؟

مسز راؤس : (اٹھ کر کانپتی ہوئی کنتو پرسنہ (خوش) مکھ سے) اچھا اب چلتی ہوں اتنی رابرٹ۔

مسز رابرٹ : ٹھہرو، ذرا چائے تو پیتی جاؤ۔

مسز راؤس : (کچھ مسکراکر) رابرٹ آئے گا تو وہ بھی تو چائے پیے گا۔ میں توجاکر کھاٹ پر پڑ رہوں گی۔ کھاٹ ہی پر بدن میں گرمی آوے گی۔

(لڑکھڑاتی ہوئی دوار کی اُور چلتی ہے)

مسز یو : (اٹھ کر اسے ہاتھ کا سہارا دیتی ہوئی) تم آؤ اماں، میرا ہاتھ پکڑ لو۔ یہی تو ہم سب کی گتی (حالت) ہوگی۔

مسز راؤس : (ہاتھ پکڑ کر) اچھا خوش رہو بیٹیو۔

(دونوں چلی جاتی ہیں پیچھے مسز بلجبین بھی جاتی ہیں)

مئیز : (اب تک چپ رہنے کے بعد بولتی ہے) دیکھو اینی میں نے جارج راؤس سے کہا۔ جب تک یہ ہڑتال بند نہ ہوجائے میرے پیچھے نہ پڑو۔ تمھیں شرم نہیں آتی کہ تمھاری ماں مر رہی ہے اور گھر میں لکڑی کا نام نہیں تم چاہے بھوکا مر ہی جائیں لیکن تمھیں تمباکو پینے کو چاہیے اس نے کہا۔ مئیز میں قسم کھاتا ہوں کہ ان تین ہفتوں سے نہ تمباکو کی صورت دیکھی نہ شراب کی۔

میں نے کہا پھر کیوں اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہو؟ بولا، میں رابرٹ کی بات کو نہیں ڈُلکھ سکتا۔ بس جہاں دیکھو رابرٹ رابرٹ اگر وہ نہ بولے تو آج ہڑتال بند ہوجائے۔ اس کی باتیں سن کر سبھی پر نشہ چڑھ جاتا ہے۔

(وہ چپ ہوجاتی ہے مسز رابرٹ کے مُکھ سے دکھ کا بھاؤ پرکٹ ہوتا ہے)

تم یہ کب چاہوگی کہ رابرٹ ہار جائے۔ وہ تمھارا سوامی ہے سائے کی طرح سب کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

(مسز رابرٹ کی اُور دیکھ کر منھ بناتی ہے)

جب تک راؤس رابرٹ سے الگ نہ ہوجائے گا، میں اس سے بات نہ کروں گی اگر وہ اس کا ساتھ چھوڑ دے تو پھر سب چھوڑ دیں۔ سب یہی چاہ رہے ہیں کہ کوئی آگے چلے۔ دادا ان سے بگڑے ہوئے ہیں۔ سب سے سب من میں انھیں گالیاں دیتے ہیں۔

مسز رابرٹ : تمھیں رابرٹ سے اتنی چڑھ ہے۔

(دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کی اُور تاکتی ہیں)

میز : کیوں چڑھوں؟ جن کی ماں اور بچے ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہوں انھیں یہ ضد شوبھا نہیں دیتی سب کائیر ہیں۔

مسز رابرٹ : میز

میز : (مسز رابرٹ کو چبھتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر) سمجھ میں نہیں آتا تمھیں کیسے منھ دکھاتا ہے۔

(آگ کے سامنے بیٹھ کر ہاتھ سینکتی ہے)

ہارنس پھر آگیا۔ آج سبھی کو کچھ نہ کچھ نشچے (فیصلہ) کرنا پڑے گا۔

مسز رابرٹ : (نرم دھیمی آواز میں) رابرٹ انجینئروں اور بھٹی والوں کا پچھ نہ چھوڑیں گے یہ اوچت نہیں ہے۔

میز : میں ان باتوں میں نہیں آنے کی یہ اس کا گھمنڈ ہے۔

(کوئی دوار کھٹکھٹاتا ہے۔ دونوں عورتیں گھوم کر ادھر دیکھتی ہیں اے نڈ اندر

آتی ہے۔ وہ ایک گون اون کی ٹوپی پہنے ہوئے ہے اور گلہری کی کھال کا
ایک جائکٹ وہ دروازہ بند کرکے اندر آتی ہے)

اے نڈ : میں اندر آؤں اپنی۔

مسز رابرٹ : (جھک کر) آپ ہیں مس اے نڈ، میز مسز انڈروڈ کو کرسی دو۔

(میز اے نڈ کو وہ کرسی دیتی ہے جس پر آپ بیٹھی ہوئی تھی)

اے نڈ : دھنیہ واد اب طبیعت کچھ اچھی ہے؟

مسز رابرٹ : ہاں، مالکن اب تو کچھ اچھی ہے۔

اے نڈ : (میز کی اُور اس طرح دیکھتی ہے مانو اس سے کہہ رہی ہو تم چلی جاؤ) تم نے مربے کیوں لوٹادیے؟ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔

مسز رابرٹ : آپ نے مجھ پر بڑا انوگرہ کیا لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔

اے نڈ : ٹھیک ہے یہ رابرٹ کی کرتوت ہوگی۔ ہے۔نہ؟ تم لوگوں کو اتنا کشٹ (تکلیف) سہتے ان سے کیسے دیکھا جاتا ہے۔

میز : (چونک کر) کیسا کشٹ؟

اے نڈ : (چکت ہوکر) کیا میں کچھ جھوٹ کہتی ہوں؟

میز : کون کہتا ہے کہ ہمیں کشٹ ہے مسز رابرٹ؟

مسز رابرٹ : میز

میز : (اپنا شال سر پر ڈال کر) ہمارے بیچ میں آپ بولنے والی کون ہوتی ہیں؟ ہم نہیں چاہتے کہ آپ ہمارے گھر میں آکر تاک جھانک کریں۔

اے نڈ : (اُسے کرودھ سے دیکھ کر لیکن بغیر اٹھے ہوئے) میں تم سے نہیں بولتی۔

میز : (غصے سے بھری ہوئی نیچی آواز میں) آپ کا دیا بھاؤ آپ کو مبارک رہے، آپ سمجھتی ہیں کہ آپ ہم لوگوں میں مل سکتی ہیں لیکن یہ آپ کی بھول ہے جاکر منیجر صاحب سے کہہ دینا۔

اے نڈ : (کٹھور سور میں) یہ تمھارا گھر نہیں ہے؟

میز : (دوار کی اُور گھوم کر) نہیں۔ یہ میرا گھر نہیں ہے۔ میرے مکان میں کبھی نہ

آ جائے گا۔

(وہ چلی جاتی ہے اے نڈ میز کو انگلیوں سے کھٹکھٹاتی ہے)

مسز رابرٹ : میز ٹامس کو چھما کیجیے، حضور۔ وہ آج بہت دکھی ہے۔

اے نڈ : (اس کی اور دیکھ کر) اس کی کیا بات ہے میں تو سمجھتی ہوں کہ سب کے سب مورکھ (بے وقوف) ہیں کاٹھ کے الو۔

مسز رابرٹ : (کچھ مسکراکر) ہاں، ہاں تو۔

اے نڈ : کیا رابرٹ باہر گئے ہیں۔

مسز رابرٹ : جی ہاں۔

اے نڈ : یہ انھیں کی کرتوت ہے کہ کوئی بات طے نہیں ہوتی۔ جھوٹ تو نہیں ہے۔

مسز رابرٹ : (اے نڈ کی اور تاکتی ہوئی اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو اپنی چھاتی پر لگاتے ہوئے) لوگ کہتے ہیں کہ تمھارے باپ۔

اے نڈ : میرے باپ اب بوڑھے ہوگئے ہیں اور تم بوڑھے آدمیوں کا سوبھاؤ جانتی ہو۔

مسزرابرٹ : مجھے کھید ہے کہ میں نے یہ بات چھیڑی۔

اے نڈ : (اور نرمی سے) تم نے واجبی بات کہی۔ تم کو اس کا کھید کیوں ہو؟ میں جانتی ہوں کہ اس میں رابرٹ کا بھی دوش (قصور) ہے اور میرے پتا کا بھی۔

مسز رابرٹ : مجھے بوڑھے آدمیوں پر دَیا آتی ہے۔ حضور بڑھاپے سے ایشور بچائے میں تو مسٹر ایتھونی کو ہمیشہ بہت ہی نیک آدمی سمجھتی تھی۔

اے نڈ : (بھاؤکتا سے) تمھیں یاد نہیں ہے وہ تمھیں کتنا چاہتے تھے؟ اب بتلاؤ اپنی میں کیا کروں؟ مجھے کوئی نہیں بتاتا۔ تمھیں جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ یہاں ایک بھی میسر نہیں

(آگ کے پاس جاکر وہ دیگچی اتار لیتی ہے اور کوئلہ ڈھونڈنے لگتی ہے)

اور تم اتنی منحوس ہوکہ جھول اور ساری چیزیں لوٹا دیں۔

مسز رابرٹ : (کچھ مسکراکر) ہاں حضور۔
اے نڈ : (جھنجھلاکر) کیا تمھارے یہاں کوئلہ بھی نہیں ہے؟
مسز رابرٹ : کرپا (مہربانی) کرکے پتیلی کو پھر اوپر رکھ دو۔ رابرٹ آئیں گے تو انھیں چائے کے لیے دیر ہوجائے گی۔ چار بجے انھیں مزدوروں سے ملنا ہے۔
اے نڈ : (دیگچی اوپر رکھ کر) اس کا ارتھ یہ ہے کہ وہ پھر مزدوروں کا مزاج گرم کر دیں گے۔ کیوں اپنی تم ان کو منع نہیں کرسکتی؟
(مسز رابرٹ دین بھاؤ سے مسکراتی ہے)
تم نے کبھی آزمایا ہے؟
(اپنی کوئی اُتر نہیں دیتی)
کیا وہ جانتے ہیں کہ تمھاری کیا حالت ہے؟
مسز رابرٹ : میرا دل کمزور ہے حضور، اور کوئی بیماری نہیں ہے۔
اے نڈ : جب تم ہمارے ساتھ تھیں تب تو تمھیں کوئی روگ نہ تھا۔
مسز رابرٹ : (گرو سے) رابرٹ مجھ پر بڑی دیا رکھتے ہیں۔
اے نڈ : لیکن تمھیں جس چیز کی ضرورت ہو، وہ ملنی چاہیے اور تمھارے پاس کچھ نہیں ہے۔
مسز رابرٹ : (وِینت (نرم) بھاؤ سے) سب یہی کہتے ہیں کہ تمھاری صورت مرنے والوں کی سی نہیں ہے۔
اے نڈ : بے شک نہیں ہے، اگر تمھیں اچھا بھوجن اگر تم چاہو تو میں ڈاکٹر کو تمھارے پاس بھیج دوں؟ ان کی دوا سے تمھیں اوشیہ لابھ ہوگا۔
مسز رابرٹ : (کچھ آپتی کرکے) ہاں، حضور۔
اے نڈ : میز ٹامس کو یہاں مت آنے دیا کرو، وہ تمھیں اور دق کرتی ہے مجھ سے مزدوروں کی کون سی بات چھپی ہے؟ مجھے ان کی دَشا دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے، لیکن تم جانتی ہو کہ انھوں نے بات کو کتنا بڑھا دیا ہے۔
مسز رابرٹ : (انگلیوں کو برابر ہلاتی ہوئی) لوگ کہتے ہیں مجوری بڑھوانے کے لیے کوئی

دوسرا اپائے نہیں ہے۔

اے نڈ : (تیز تا (مستعدی) سے) یہی تو کارن ہے کہ یونین ان کی مدد نہیں کرنا میرے سوامی کو مجوروں کا بڑا خیال ہے لیکن وہ کہتے ہیں ان کی مجوری کم نہیں ہے۔

مسز رابرٹ : یہ بات ہے؟

اے نڈ : یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ ان کی منھ مانگی مجوری دے کر کمپنی کیسے چلے گی۔

مسز رابرٹ : (بل پوروَک) لیکن نفع تو بہت ہو رہا ہے، حضور۔

اے نڈ : تم لوگ سوچتی ہو کہ حصے دار لوگ بڑے مالدار ہیں۔ لیکن یہ بات نہیں ہے، ان میں سے بہتوں کی دَشا مجوروں سے اچھی نہیں۔

(مسز رابرٹ مسکراتی ہیں)

انھیں بھلمنشی کا نباہ بھی تو کرنا پڑتا ہے۔

مسز رابرٹ : ہاں، حضور۔

اے نڈ : تم لوگوں کو کوئی ٹیکس یا محصول نہیں دینا پڑتا اور سیکڑوں باتیں ہیں جو انھیں کرنی پڑتی ہے۔ اور تمھیں نہیں کرنی پڑتی۔ اگر مجور لوگ شراب اور جوئے میں اتنا نہ اڑا دیں تو چین سے رہ سکتے ہیں۔

مسز رابرٹ : یہ لوگ تو کہتے ہیں کہ کام اتنا کٹھن ہے کہ من بہلانے کے لیے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔

اے نڈ : لیکن اس طرح کی بری بری باتیں تو نہیں؟

مسز رابرٹ : (کچھ چڑ کر) رابرٹ تو کبھی چھوتے بھی نہیں تو جوا تو انھوں نے کبھی زندگی میں نہیں کھیلا۔

اے نڈ : لیکن یہ معمولی مجور، وہ انجینئر ہیں، اونچے درجے کے آدمی ہیں۔

مسز رابرٹ : ہاں، بی بی۔ رابرٹ کہتے ہیں کہ اور کسی طرح کے من بہلاؤ کا مجوروں کے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔

اے نڈ : (سوچ کر) ہاں، کٹھن تو ہے۔

مسز رابرٹ : (کچھ اِپرشا سے) لوگ تو کہتے ہیں، یہ بھدر لوگ بھی یہی برائیاں کرتے ہیں۔

اے نڈ : (مسکرا کر) میں اسے مانتی ہوں، اپنی لیکن تم خود جانتی ہو، یہ بالکل گپ ہے۔

مسز رابرٹ : (بڑے کشٹ سے بول کر) بہت سے آدمی تو کبھی شراب خانے کی طرف تاکتے ہی نہیں، لیکن ان کی بچت بھی بہت کم ہوتی ہے اور یدیِ کوئی بیمار پڑ گیا تو وہ بھی غائب ہو جاتی ہے۔

اے نڈ : لیکن ان کے کلب بھی تو ہیں؟

مسز رابرٹ : کلب ایک پریوار کو ہفتے میں کیول 18 شیلنگ دیتا ہے اور اتنے میں کیا ہوتا ہے۔ رابرٹ کہتے ہیں مجور لوگ ہمیشہ فاقے مست رہتے ہیں، کہتے ہیں آج کا 6 پنس کل کے ایک شیلنگ سے اچھا ہے۔

اے نڈ : لیکن اسی کو تو جوا کہتے ہیں۔

مسز رابرٹ : (آویش کے پرواہ میں) رابرٹ کہتے ہیں کہ مجوروں کا سارا جیون جنم سے لے کر مرنے تک جوا ہی ہے۔

(اے نڈ پربھاوِت ہو کر آگے جھک جاتی ہے۔ مسز رابرٹ کا آویش بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انتم شبدوں میں وہ اپنے ہی دکھ سے وِکل ہو جاتی ہے)

رابرٹ کہتے ہیں کہ مجور کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی سانسیں گنی جانے لگتی ہیں۔ بھئے ہوتا ہے، ایک سانس کے بعد دوسری سانس لے گا بھی یا نہیں اور اسی طرح اس کا جیون کٹ جاتا ہے اور جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو اناتھالیہ یا قبر کے سوا اس کے لیے دوسرا ٹھکانہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک آدمی بہت چالاک نہ ہو اور کوڑی کوڑی پر نگاہ نہ رکھے اور بچوں کا پیٹ نہ کاٹے وہ کچھ بچا نہیں سکتا۔ اس لیے تو وہ بچوں سے چڑھتے ہیں، چاہے میری اِچھا بھی ہو۔

اے نڈ : ہاں، ہاں جانتی ہوں۔

مسز رابرٹ : نہیں بی بی، آپ نہیں جانتی، آپ کے بچے ہیں اور ان کے لیے آپ کو کبھی چنتا نہ کرنی پڑے گی۔

اے نڈ : (نمرتا سے) اتنی باتیں مت کرو،

(اپنی اِچھا نہ رہنے پر بھی کہتی ہے)

لیکن رابرٹ کو تو اس اَوشکار کے لیے کافی روپے دیے گئے تھے۔

مسز رابرٹ : (اپنا کچھ سنبھالتی ہوئی) رابرٹ نے جو کچھ جوڑا تھا وہ سب خرچ ہو گیا۔ وہ بہت دنوں سے اس ہڑتال کی تیاری کررہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جب دوسرے لوگ کشٹ اٹھا رہے ہیں تو میں ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ مگر سب کا یہ حال نہیں ہے۔ بہت سے تو کسی سے کوئی مطلب ہی نہیں رکھتے۔ ہاں، ان کی آمدنی ہوتی ہے۔

اے نڈ : جب انھیں اتنا کشٹ ہے، تو اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتے۔

(بدلی ہوئی آواز میں)

لیکن رابرٹ کو تمھارا تو خیال کرنا چاہیے۔ دیگچی کھول گئی ہے چائے بنا دوں؟

(چائے دانی اٹھاتی ہے اور اس میں چائے پاکر پانی ڈال دیتی ہے)

تم بھی تو ایک پیالا لو۔

مسز رابرٹ : نہیں بی بی، مجھے چھما کرو۔

(کوئی آواز سن رہی ہے جیسے کسی کی آہٹ ہو)

میں چاہتی ہوں کہ رابرٹ سے آپ کی بھینٹ نہ ہو، وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

اے نڈ : لیکن میں تو بنا ملے نہ جاؤں گی، اینی۔ میں بالکل شانت رہوں گی وعدہ کرتی ہوں۔

مسز رابرٹ : ان کے لیے یہ جیون اور مرن کا پرشن ہے۔

اے نڈ : (بہت کوملتا سے) میں انھیں باہر لے جاکر باتیں کروں گی ہم تمھیں دق نہیں کریں گے۔

مسز رابرٹ : (چھین (لحاتی) سُور میں) نہیں، بی بی۔

(وہ زور سے چونک پڑتی ہے، رابرٹ یکایک اندر آجاتا ہے)

رابرٹ : (اپنی ٹوپی اتار کر چٹکی لیتا ہوا) اندر آنے کے لیے چھما کرنا، تم کسی لیڈی سے باتیں کر رہی ہو۔

اے نڈ : مسٹر رابرٹ، میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

رابرٹ : مجھے کس سے باتیں کرنے کا سوبھاگیہ پراپت ہورہا ہے۔

اے نڈ : آپ تو مجھے جانتے ہیں، میں مسز انڈرووڈ ہوں۔

رابرٹ : (دَویش (بغض) بھرے ہوئے ابھیوادن کے ساتھ) ہمارے سبھاپتی کی بیٹی۔

اے نڈ : (تیتر تا سے) میں یہاں آپ سے کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔ ایک منٹ کے لیے ذرا باہر چلے آئیے۔

(وہ مسز رابرٹ کی اُور تاکتی ہے)

رابرٹ : (اپنی ٹوپی لٹکاتا ہو) مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا ہے، دیوی جی۔

اے نڈ : لیکن مجھے بہت ضروری باتیں کرنی ہے۔

(وہ دوار کی اُور چلتی ہے)

رابرٹ : (یکایک کٹھور ہوکر) میرے پاس کچھ سننے کے لیے سمے نہیں ہے۔

مسز رابرٹ : ڈیوڈ

اے نڈ : بہت کم سمے لوں گی مسٹر رابرٹ۔

رابرٹ : (کوٹ اتار کر) مجھے کھید ہے کہ میں ایک مہیلا کی، مسٹر اینتھونی کی بیٹی کی بات بھی نہیں سن سکتا۔

اے نڈ : (دُودھے میں پڑ جاتی ہے پھر یکایک دِڑھ ہوکر) مسٹر رابرٹ، میں نے سنا ہے کہ مجوروں کی دوسری سبھا (مجلس) ہونے والی ہے۔

(رابرٹ سر جھکاکر سویکار کرتا ہے)

میں آپ کے پاس بھکشا مانگنے آئی ہوں، ایشور کے لیے کچھ سمجھوتہ کرنے کی چیشٹھا کرو، تھوڑا سا دب جاؤ چاہے اپنی ہی خاطر کیوں نہ دینا پڑے۔

رابرٹ : (آپ ہی آپ) مسٹر اینتھونی کی بیٹی مجھ سے یہ کہتی ہیں کہ کچھ دب جاؤں۔ چاہے اپنی خاطر کیوں نہ ہو۔

اے نڈ : سب کی خاطر، اپنی پتنی کی خاطر۔

رابرٹ : اپنی پتنی کی طرف، سب کی خاطر، مسٹر اینتھونی کی خاطر۔

اے نڈ : آپ کو میرے پتا سے کیوں اتنی چڑ ہے؟ انھوں نے تو آپ سے کبھی کچھ نہیں کہا۔

رابرٹ : کبھی کچھ نہیں کہا؟

اے نڈ : جس طرح آپ اپنی رائے نہیں بدل سکتے اسی طرح وہ بھی اپنی رائے نہیں بدل سکتے۔

رابرٹ : اچھا، مجھے یہ آج معلوم ہوا کہ میری بھی کوئی رائے ہے۔

اے نڈ : وہ بوڑھے آدمی ہیں اور آپ

(اس کو اپنی طرف تاکتے دیکھ کر وہ رک جاتی ہے)

رابرٹ : (آواز اونچی کیے بغیر) اگر میں مسٹر اینتھونی کو مرتے دیکھوں اور میرے ہاتھ اٹھانے سے ان کی جان بچتی ہو، تو بھی میں ایک انگلی نہ ہلاؤں گا۔

اے نڈ : آپ آپ۔

(وہ رک جاتی ہے اور اپنے ہونٹ کاٹنے لگتی ہے)

رابرٹ : ہاں، میں ایک انگلی بھی نہیں اٹھاؤں گا، اور یہ سچ ہے۔

اے نڈ : (رکھائی سے) یہ تم اوپری من سے کہہ رہے ہو۔

رابرٹ : نہیں، میں دل سے کہہ رہا ہوں۔

اے نڈ : لیکن کیوں ایسا کہتے ہو؟

رابرٹ : (چمک کر) اس لیے کہ مسٹر اینتھونی انیائے کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں۔

اے نڈ : واہیات بات۔

(مسز رابرٹ اٹھنے کی چیشٹا کرتی ہے لیکن اپنی کرسی پر گر پڑتی ہے)

اے نٹ : (تیزی سے آگے بڑھ کر) اینی۔

رابرٹ : میں نہیں چاہتا کہ آپ میری پتنی کی دیہہ میں ہاتھ لگائیں۔

اے نٹ : (ایک پرکار کی گھرنا سے پیچھے ہٹ کر) میں سمجھتی ہوں کہ تم پاگل ہوگئے ہو۔

رابرٹ : ایک پاگل آدمی کا گھر کسی مہیلا کے لیے اچھی جگہ نہیں ہے۔

اے نٹ : میں تم سے ڈرتی نہیں۔

رابرٹ : (سر جھکا کر) مسٹر اینتھونی کی بیٹی بھلا کسی سے ڈر سکتی ہے، مسٹر اینتھونی ان میں سے دوسروں کی طرح کائیر نہیں ہیں۔

اے نٹ : (چونک کر) تو شاید تم اس جھگڑے کو بڑھائے رکھنا وِیرتا سمجھتے ہو۔

رابرٹ : کیا مسٹر اینتھونی غریب استریوں اور بچوں کی گردن پر چھری چلانا وِیرتا سمجھتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر اینتھونی دھنی آدمی ہیں۔ کیا وہ ان لوگوں سے لڑنے میں اپنی بہادری سمجھتے ہیں جو دانے دانے کو محتاج ہیں؟ کیا وہ اسے بہادری سمجھتے ہیں کہ بچوں کو دکھ سے رلایا جائے اور عورتیں سردی کے مارے ٹھٹھریں؟

اے نٹ : (اپنا ہاتھ اٹھا کر مانو کوئی وار بچا رہی ہے) میرے پتا جی اپنے سِدھانت پر چل رہے ہیں اور آپ اسے جانتے ہیں۔

رابرٹ : میں بھی وہی کر رہا ہوں۔

اے نٹ : آپ ہمیں شترو سمجھتے ہیں اور اپنی ہار مانتے آپ کی کور دبتی ہے۔

رابرٹ : مسٹر اینتھونی بھی تو ہار نہیں مانتے۔ چاہے منھ سے کچھ ہی کیوں نہ کہیں۔

اے نٹ : بہر حال، آپ کو اپنی پتنی پر دیا کرنی چاہیے۔

(مسز رابرٹ جو کہ چھاتی کو ہاتھ سے دبائے ہے، ہاتھ اٹھالیتی ہے اور سانس روکنا چاہتی ہے)

رابرٹ : اس کے سوا مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے

(وہ روٹی اٹھا لیتا ہے، دروازے کی کنڈی کھٹکتی ہے اور انڈرووڈ آتا ہے۔ وہ

کھڑا ہو کر ان کی طرف تاکتا ہے۔ اے نڈ پھر کر اس کی طرف دیکھتی ہے اور دُویدھا میں پڑ جاتی ہے)

انڈرووڈ : اے نڈ۔

رابرٹ : وینگ سے آپ کو اپنی بی بی کے لیے یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی مسٹر انڈرووڈ۔ ہم شُہدے نہیں ہیں۔

انڈرووڈ : اتنا معلوم ہے، رابرٹ مسز رابرٹ تو اب اچھی ہیں

(رابرٹ بنا جواب دیے منھ پھیر لیتا ہے)

آؤ اے نڈ۔

اے نڈ : مسٹر رابرٹ، میں آپ کی پتنی کی خاطر ایک بار آپ سے پھر وینے (عاجزی) کرتی ہوں۔

رابرٹ : (میٹھی چھری چلاکر) اگر آپ برا نہ مانیں تو اپنے پتا اور سوامی کی خاطر یہ وینے (عاجزی) کیجیے

(اے نڈ جواب دینے کی اِچھا کو دبا کر چلی جاتی ہے۔ انڈرووڈ دروازہ کھولتا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے۔ رابرٹ آگ کے پاس جاتا ہے اور اٹھتی ہوئی چنگاریوں کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے)

رابرٹ : کیسا جی ہے، پریہ؟ اب تو کچھ اچھی ہو نہ؟

(مسز رابرٹ کچھ مسکراتی ہے، وہ اپنا اوور کوٹ لاکر اسے اوڑھا دیتا ہے۔ گھڑی دیکھ کر)

چار بجنے میں دس منٹ ہیں۔

(مانو اسے کوئی بات سوجھ جاتی ہے)

میں نے اس کے چہرے دیکھے ہیں اس بوڑھے ڈاکو کے سوا اور کسی میں دم نہیں ہے۔

مسز رابرٹ : ذرا ٹھہر جاؤ اور کچھ کھالو ڈیوڈ۔ آج تو تم نے دن بھر کچھ نہیں کھایا۔

رابرٹ : (گلے پر ہاتھ رکھ کر) جب تک یہ بھیڑیے یہاں سے چلے نہ جائیں گے مجھ سے کچھ نہ کھایا جائے گا

(ادھر سے ادھر ٹہلتا ہے)

مجھے مجوروں سے ابھی بہت ماتھاپچی کرنی پڑے گی۔ کسی میں ہمت نہیں ہے۔ سب کائیر ہیں، بالکل اندھے، کل کی کسی کو فکر ہی نہیں۔

مسز رابرٹ : یہ سب عورتوں کے کارن ہورہا ہے ڈیوڈ۔

رابرٹ : ہاں، عورتوں کو ہی وہ سب بدنام کرتے ہیں، جب اپنا پیٹ کاں کوں کرتا ہے تو عورتوں کی یاد آتی ہے، عورت انھیں شراب پینے سے نہیں روکتی، لیکن ایک شبھ کاریہ میں جب کچھ تکلیف ہوتی ہے تو عورتوں کی دہائی دینے لگتے ہیں۔

مسز رابرٹ : لیکن ان کے بچوں کا تو خیال کرو، ڈیوڈ۔

رابرٹ : اگر وہ غلام پیدا کرتے چلے جائیں اور جنھیں پیدا کرتے ہیں ان کے بھوشیہ کی کچھ بھی چنتا نہ کریں۔

مسز رابرٹ : (سانس بھر کر) بس رہنے دو، ڈیوڈ، اس کی چرچا ہی مت کرو، مجھ سے نہیں سنا جاتا، میں نہیں سن سکتی۔

رابرٹ : سنو، ذرا سنو۔

مسز رابرٹ : (ہانپتی ہوئی) نہیں نہیں، ڈیوڈ، مجھ سے مت کہو۔

رابرٹ : ہیں ہیں، طبیعت کو سنبھالو

(وِیتھیت (دردمند) ہوکر)

مورکھ برے دن کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں رکھتے۔ جانتے ہی نہیں کوڑی کفن کو نہیں، انھیں خوب جانتا ہوں، ان کی دشا دیکھ کر میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔ شروع شروع میں تو سب قابو میں نہ آتے تھے لیکن اب سبھوں نے ہمت ہار دی۔

مسز رابرٹ : تم یہ آشا کیسے کرسکتے ہو؟ ڈیوڈ۔ وہ بھی تو آدمی ہیں۔

رابرٹ : کیسے آشا کروں،جو کچھ میں کرسکتا ہوں، اس کی آشا دوسروں سے بھی کرسکتا ہوں۔ میں تو چاہے بھوکوں مر جاؤں سر کبھی نہ جھکاؤں، جو کام ایک

آدمی کر سکتا ہے وہ دوسرا آدمی بھی کر سکتا ہے۔

مسز رابرٹ : اور عورتیں کہاں جائیں گی؟

رابرٹ : یہ عورتوں کا کام نہیں ہے۔

مسز رابرٹ : (دَویش کے بھاؤ سے چمک کر) نہیں۔ عورتیں مرا کریں۔ تمھیں ان کی کیا پرواہ جان دے دینا ہی ان کا کام ہے۔

رابرٹ : (آنکھ ہٹاکر) مرنے کی کون بات ہے؟ کوئی نہیں مرے گا جب تک ہم ان کو مزہ نہ چکھا دیں گے۔

(دونوں کی آنکھیں پھر مل جاتی ہیں اور وہ پھر اپنی آنکھ ہٹا لیتا ہے)

اتنے دنوں سے اسی اوسر کا انتظار کر رہا ہوں کہ ان ڈاکوؤں کو نیچا دکھاؤں اور سب کے سب اپنا سا منہ لیے گھر لوٹ جائیں۔ میں ان کی صورت دیکھ چکا ہوں وشواس مانو سب گھٹنے ٹیکنے کو تیار ہیں۔

(کھونٹی کے پاس جاکر اپنا کوٹ اتار لیتا ہے)

مسز رابرٹ : (اس کے پیچھے آنکھیں لگائے ہوئے نرمی سے) اپنا اورکوٹ لے لو، ڈیوڈ۔ باہر بڑی ٹھنڈ ہوگی۔

رابرٹ : (اس کے پاس آکر آنکھیں چراتے ہوئے) نہیں نہیں، چپ چاپ لیٹی رہو، میں بہت جلد آؤں گا۔

مسز رابرٹ : (وِیتھیت (دردمند) ہوکر کِنتو کومل بھاؤ سے) تم اسے لیتے ہی کیوں نہ جاؤ۔

(وہ کوٹ اٹھاتی ہے، لیکن رابرٹ اسے پھر اوڑھا دیتا ہے، وہ اس سے آنکھیں ملانا چاہتا ہے لیکن نہیں ملا سکتا۔ مسز رابرٹ کوٹ میں لپٹی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں جو رابرٹ کے پیچھے لگی ہوئی ہیں دَویش اور پریم دونوں ملے ہوئے ہیں۔ وہ پھر اپنی گھڑی دیکھتا ہے اور جانے کے لیے گھومتا ہے۔ دیوڑھی میں اس کی جین ٹامس سے مڈبھیڑ ہوجاتی ہے۔ یہ ایک دس سال کا لڑکا ہے جس کے کپڑے بہت ڈھیلے ہیں اور ہاتھ میں ایک چھوٹی سی سیٹی لیے ہوئے ہے)

مسز رابرٹ : کہو جین، کیسے چلے؟

جین : دادا آرہے ہیں، بہت میز بھی آرہی ہے۔

(وہ میز پر بیٹھ جاتا ہے، پھر اپنی سیٹی گھمانے لگتا ہے اور تین اوٹ پٹانگ سُور (آواز) بجاتا ہے۔ تب کوئل کی بولی کی نقل کرتا ہے، دروازہ کھٹکتا ہے اور بوڑھا ٹامس اندر آتا ہے)

ٹامس : میڈم کو پرنام کرتا ہوں، اب تو آپ کچھ اچھی ہیں؟

مسز رابرٹ : ہاں، مسٹر ٹامس دھنیہ واد۔

ٹامس : (شانت ہوکر) رابرٹ اندر ہیں؟

مسز رابرٹ : ابھی وہ جلسے میں گئے ہیں، مسٹر ٹامس۔

ٹامس : (مانو اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے گپ شپ کرنے کی اِچھا سے) یہ بہت برا ہوا، میڈم میں ان سے یہ کہنے آیا تھا کہ ہمیں لندن والوں سے سمجھوتہ کرلینا چاہیے۔ یہ دکھ کی بات ہے کہ وہ جلسے میں چلے گئے۔ وہاں دیواروں سے سر ٹکرانا پڑے گا، دیکھ لینا۔

مسز رابرٹ : (کچھ اٹھ کر) وہ سمجھوتہ تو نہیں کریں گے مسٹر ٹامس۔

ٹامس : تمھیں رنج نہیں کرنا چاہیے، میڈم۔ یہ تمھارے لیے برا ہے۔ میری بات مانو، اب ان کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہے۔ بس انجینئر لوگ اور جارج راؤس ان کے ساتھ ہیں۔

(گمبھیرتا سے)

اس ہڑتال میں اب دھرم نہیں ہے، میری بات مانو، مجھے آکاش وانی (ندائے غیب) ہوئی ہے اور میں نے اس سے شنکا، سمادھان (اندیشہ کا تدارک) کیا ہے۔

(جین سیٹی بجاتا ہے)

ہش دوسرے کیا کہتے ہیں۔ اس کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ دھرم اس ہڑتال کو بند کردینا چاہتا ہے۔ میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے اور یہ میری رائے کہ ہمارا ہیت (فائدہ) اسی میں ہے۔ اگر میری رائے

نہ ہوتی، تو میں نہ کہتا، لیکن یہ میری رائے ہے، میری بات مانو۔

مسز رابرٹ : اپنے اُدویگ (بے قراری) کو چھپانے کی چیشٹھا کر کے) اگر آپ لوگ دب گئے تو نہ جانے رابرٹ کا کیا حال ہوگا۔

ٹامس : یہ ان کے لیے لجّا کی بات نہیں ہے۔ آدمی جو کچھ کر سکتا ہے وہ انھوں نے کیا۔ لیکن وہ مانو سوبھاؤ کو پلٹ دینا چاہتے ہیں۔ بالکل سیدھی سی بات ہے، کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا، لیکن جب دھرم منع کر رہا ہے تو انھیں اس کی بات ماننی چاہیے۔

(جین کوئل کی نقل کرتا ہے)

کیا چیں چیں لگا رکھی ہے۔

(دوار کے پاس جاکر)

یہ دیکھو میری بیٹی آگئی۔ تمھارا جی بہلائے گی۔ اچھا اب پرنام کرتا ہوں، میڈم، رنج مت کرنا، کڑھنا برا ہے، میری بات مانو۔

(مِیز اندر آتی ہے اور کھلے ہوئے دوار پر کھڑی ہوکر سڑک کی اُور دیکھتی ہے)

مِیز : دادا، آپ کو دیر ہوجائے گی، جلسہ شروع ہورہا ہے۔

(اس کی آستین پکڑ لیتی ہے)

ایشور کے لیے دادا اب کی بار اور ان کا ساتھ دو۔

ٹامس : (اپنی آستین چھڑاکر رعب سے) کیا بکتی ہے، بیٹی۔ میں وہی کروں گا جو اُچت (مناسب) ہے۔

(وہ چلا جاتا ہے، مِیز جو ابھی دیوڑھیوں کے بیچ میں تھی دھیرے دھیرے اندر آتی ہے مانو اس کے پیچھے کوئی اور آرہا ہو)

راؤس : (دالان میں آکر) مِیز۔

(مسز رابرٹ کی طرف بیٹھ کر کے کھڑی ہوجاتی ہے اور سر اٹھاکر ہاتھ پیچھے کیے ہوئے اس کی طرف دیکھتی ہے)

راؤس : (جس کے چہرے سے کرودھ اور گھبراہٹ جھلک رہی ہے) مِیز میں جلسے میں جارہا

ہوں۔

(میز وہیں کھڑی آدر بھاؤ (عزت کے جذبے) سے مسکراتی ہے)

میری بات سنتی ہو؟ دونوں سائیں سائیں جلد جلد باتیں کرتے ہیں۔

میز : ہاں سنتی ہوں، جاؤ اور ہمت ہو تو اپنی ماں کو مار ڈالو

(راؤس اس کی دونوں باہیں پکڑ لیتا ہے، وہ سر کو پیچھے کیے ہوئے استھر کھڑی رہتی ہے۔ وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور چپ چاپ کھڑا ہوجاتا ہے)

راؤس : میں نے رابرٹ کا ساتھ دینے کی قسم کھاتی ہے، تم چاہتی ہو کہ میں اپنے قول سے پھر جاؤں۔

میز : (مند سور (دھیمی آواز) میں اس کی ہنسی اڑاکر) خوب پریم کرتے ہو۔

راؤس : میری بات سنو میز۔

میز : (مسکراکر) میں نے سنا ہے کہ پریمی وہی کہتے ہیں جو ان کی پریمیکا کہتی ہے

(جین کوئل کی بولی بولتا ہے)

لیکن معلوم ہوتا ہے یہ بھرم ہے۔

راؤس : تم چاہتی ہو کہ میں انھیں دغا دوں۔

میز : (اپنی آنکھیں آدھی بند کرکے) میری خاطر سے دو۔

راؤس : (ہاتھ سے ماتھا پیٹ کر) چلو، یہ میں نہیں کہہ سکتا۔

میز : (جلدی سے) میری خاطر سے کرو۔

راؤس : (دانتوں کو دباکر) میرے ساتھ کولٹاؤں (حرافوں) کی چال مت چلو، میز۔

میز : (جین کی طرف جلدی سے اپنا ہاتھ بڑھاکر) میں بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے یہ کر رہی ہوں۔

راؤس : (کرودھ (غصہ) سے بھری ہوئی کن بتوں میں) میز او میز۔

میز : (اس کا منھ چڑاکر) لیکن تم میرے لیے اپنا وچن نہیں توڑ سکتے؟

راؤس : (روندھے ہوئے کنٹھ سے) نہیں میز، توڑ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم

(وہ گھومتا ہے اور قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے، میز کے چہرے پر ہلکی سی

مسکراہٹ آجاتی ہے، وہ کھڑی اس کے پیچھے تاکتی ہے تب میز کے پاس آتی ہے)

میز : رابرٹ کو تو میں نے مار لیا۔

(وہ دیکھتی ہے کہ مسز رابرٹ پھر کرسی پر لیٹ گئی ہے)

میز : (اس کے پاس جاکر اور اس کے ہاتھوں کو چھوکر) ارے، تم تو پتھر کی طرح ٹھنڈی ہورہی ہو۔ ایک گھونٹ برانڈی پی لو، جین، دوڑ، لائن، کی دوکان پر۔ کہنا میں نے مسز رابرٹ کے لیے منگوائی ہے۔

مسز رابرٹ : (چھین سَور (لحاتی آواز) میں) میں ابھی اٹھ بیٹھوں گی میز۔ جین کو چائے تو دے دو۔

میز : (جین کو ایک ٹکڑا روٹی دے کر) لے، نٹ کھٹ کہیں کے، سیٹی بند کر،

(آگے کے پاس جاکر)

آگ تو ٹھنڈی ہوئی جاتی ہے۔

مسز رابرٹ : (کچھ مسکراکر) اس سے ہوتا ہی کیا ہے۔

(جین سیٹی بجانے لگتا ہے)

میز : مت، مت، نہیں مانے گا آؤں؟

(جین سیٹی بند کردیتا ہے)

مسز رابرٹ : (مسکراکر) اسے کھیلنے کیوں نہیں دیتی، میز۔

میز : (آگ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی کان لگائے ہوئے) بس ٹکر ٹکر تاکا کرو یہ استری کا کام ہے۔ مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا، سنتے سنتے جی اوب گیا۔ بس بیٹھی منھ تاکا کرو۔ سنتی ہو، جلسے میں سبھوں کا شور، مجھے تو سنائی دے رہا ہے۔

(وہ کہنیوں کے بل میز پر جھک جاتی ہے اور ٹھڈی ہاتھوں پر رکھ لیتی ہے، اس کے پیچھے مسز رابرٹ آگے جھکی ہوئی کھڑی ہے، ہڑتالیوں کے جلسے کی آوازیں سن کر اس کی گھبراہٹ اور مون ویتھا (خاموش اذیت) بڑھ جاتی ہے۔)

(پردہ گرتا ہے)

منظر 2

(چار بج چکے ہیں جُھٹپٹا سے (شام کا وقت) کا سمے ہے۔ ایک کھولے ہوئے کیچڑ سے بھرے میدان میں مزدور جمع ہیں، آگے کانٹے دار تاروں کا باڑ ہے، جس کے اس پار ایک نہر کی اونچی پٹری ہے، نہر میں ایک نوکا (کشتی) بندھی ہوئی ہے، دوری پر دلدل ہے اور برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں ہیں، کارخانے کی اونچی دیوار نہر سے اس میدان میں ہوتی ہوئی جاتی ہے۔ دیوار میں پیپوں اور تختوں کا ایک بھدا سا منچ ہے۔ اس پر ہارنس کھڑا ہے، اس بھیڑ سے کچھ دور ہٹ کر رابرٹ دیوار کا ٹیکے لگایا کھڑا ہے۔ اونچی پٹری پر دو ملاح نشچنت (بے فکر) لیٹے ہوئے سگریٹ پی رہے ہیں)

ہارنس : (ہاتھ پھیلا کر) بس، میں نے تم لوگوں سے صاف صاف کہہ دیا۔ میں اگر کل تک بولتا رہوں، تب بھی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

جاگو : (سانولا رنگ چہرہ پیلا اسپینوں کی سی صورت، چھوٹی خسخسی داڑھی) مہاشئے آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، وہ لوگ ہم میں سے کسی کو چھوڑ سکتے ہیں؟

بلچین : (دھمکاکر) منھ دھو رکھیں۔

(مجوروں کے گروہ میں لوگ بک جھک کرنے لگتے ہیں)

براؤن : (گول چہرہ) پائیں گے کہاں؟

ائیونس : (ٹھگنا، چنچل، دل جلا، صورت سے لڑاکا) گھر کے بھیدیوں کی کبھی کمی نہیں رہتی۔ ایسے آدمی ہمیشہ رہیں گے جو پہلے اپنی جان کی خیر مناتے ہیں۔

(پھر مجوروں کے گروہ میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ کچھ لوگ کھسکنے لگتے ہیں، بوڑھا ٹامس گروہ میں مل جاتا ہے اور سامنے کھڑا ہوجاتا ہے)

ہارنس : (ہاتھ اٹھاکر) ایسے گرگے ان لوگوں کو نہیں مل سکتے لیکن اس سے آپ کا کوئی لابھ نہیں۔ آپ لوگ ذرا نیائے سے کام لیجیے، تمھاری مانگوں کا نتیجہ

یہ ہوتا ہے کہ ہمیں ایک ساتھ ایک درجن ہڑتالوں کا سامنا کرنا پڑتا اور ہم اس کے لیے تیار نہ تھے۔ پنچایت کا اُدیشیہ ہے۔ نیائے کسی ایک کے لیے نہیں سب کے لیے۔ کسی ایماندار آدمی سے پوچھو، وہ صاف کہہ دے گا تم سے بھول ہوئی میں یہ نہیں کہتا کہ تمھیں جتنا پانے کا حق ہے تم اس سے زیادہ مانگ رہے ہو، تم نے اپنے لیے گڈھا کھود لیا ہے۔ اب سوال یہ ہے تم وہیں پڑے رہوگے یا زور لگاکر باہر نکلوگے۔

لوئس : (سجیلا آدمی کالی مونچھیں) آپ نے خوب کہا مہاشئے دونوں میں کون سی بات پسند کرتے ہو؟

(گروہ کے لوگ پھر کھسکنے لگتے ہیں اور راؤس جلدی سے آکر ٹامس کے پاس کھڑا ہوجاتا ہے)

ہارنس : اپنی مانگوں کو کاٹ چھانٹ کر ٹھیک کرلو، پھر ہم تمھارے لیے جان دینے کو تیار ہیں۔ لیکن اگر تمھیں انکار ہے تو پھر یہ آشا مت رکھو کہ میں یہاں آکر اپنا سے نشٹ کروں گا۔ میں ان آدمیوں میں نہیں ہوں جو انٹ سنٹ بکا کرتے ہیں شاید یہ بات آپ لوگوں کو معلوم ہوگی، میرا واشواس ہے کہ تم لوگ اپنی دھن کے پکے ہو، اگر یہ ٹھیک ہے تو تم لوگ کام پر آنے کا نشچے کروگے چاہے کوئی تمھیں کتنی ہی الٹی صلاح دے۔

(رابرٹ پر آنکھیں گڑا دیتا ہے)

پھر ہم دیکھیں گے کہ کیسے تمھاری شرطیں نہیں پوری ہوتیں۔ بولو کیا منظور ہے؟ ہم سے مل کر وجے پانا چاہتے ہو یا اسی طرح بھوکوں مرنا؟

(مجوروں میں دیر تک کاؤں کاؤں ہوتی ہے)

جاگو : (غراکر) وہی باتیں کیجیے جن کا آپ کو گیان ہے۔

ہارنس : (اونچے سُور میں) گیان

(ادگاروں (ابال) کو روک کر)

متر ور مجھ سے کوئی بات چھپی نہیں ہے جو کچھ تم پر بیت رہی ہے وہ مجھ پر

بیت چکی ہے اس وقت بیت چکی ہے جب

(ایک لونڈے (لڑکے) کی طرف اشارہ کرکے)

میں اس لونڈے سے بڑا نہ تھا۔ تب پنچایتیں وہ نہ تھیں جو آج ہیں۔ یہ کیسے اتنی بلوان ہوگئی۔ اسی میل میں انھیں اتنا بلوان بنا دیا ہے وشواس (یقین) مانو، سب کچھ سہہ چکا ہوں، میری آتما پر اب تک اس کی نشانی بنی ہوئی ہے تم پر جو کچھ پڑی ہے وہ میں سب جانتا ہوں۔ لیکن پورا ایک ٹکڑے سے بڑا ہوتا ہے اور تم کیول (صرف) ایک ٹکڑا ہو۔ اگر تم ہمارا ساتھ دوگے تو ہم بھی تمھارا ساتھ دیں گے۔

(اپنی آنکھوں سے ان کی ٹولیوں کا انومان کرکے وہ کان لگائے کھڑا رہتا ہے۔ آدمیوں میں اور ٹھائیں ٹھائیں ہونے لگتی ہے ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بن جاتی ہیں، گرین، بلجین اور لوئس باتیں کرتے ہیں)

لوئس یونین کا یہ آدمی بہت سوچ سمجھ کر باتیں کرتا ہے۔

گرین : (دھیرے سے) ہاں، اگر کسی نے میری باتوں پر کان دیا ہوتا تو میں گت دو مہینوں سے یہی کہتا چلا آتا ہوں۔

(ملاح ہنستے دکھائی دیتے ہیں)

لوئس : (ان کی اور انگلی اٹھاکر) باڑھ کے اس پار ان دونوں گندھوں کو دیکھو۔

بلجین : (اُداس کرودھ سے) اگر ان سبھوں نے کھِل کھِل کیا تو دانت توڑ کر پیٹ میں ڈال دوں گا۔

جاگو : (یکایک) آپ کہتے ہیں کہ بھٹی والوں کو کافی مجوری ملتی ہے؟

ہارنس : میں نے یہ نہیں کہا کہ انھیں کافی مجوری ملتی ہے، میں نے یہ کہا کہ انھیں اتنی ہی مجوری ملتی ہے جتنی ایسے ہی کاموں کے لیے دوسرے کارخانے میں ملتی ہے۔

ایونس : یہ جھوٹی بات ہے

(ہلچل مچ جاتی ہے)

ہارپر کے کارخانے کا نام تو آپ نے سنا ہوگا؟

ہارنس: (شیتل وینگ سے) دوست، جھوٹ کا بیوپار تمھارے گھر ہوتا ہوگا، ہارپر کے یہاں اوسری دیر تک رہتی ہے، حساب لگانے سے مجوری ایک ہی پڑتی ہے۔

ہنری راؤس: (اپنے بھائی جارج کی ہو بہو نقل، ہاں رنگ سانولا ہے) سنیچر کو اوور ٹائم کے لیے آپ دونی مجوری کا سمرتھن کریں گے؟

ہارنس: ہاں کریں گے۔

جاگو: آپ نے ہمارے چندوں کا کیا کیا؟

ہارنس: (رکھائی سے) ہم بتا چکے ہیں کہ ہم ان کا کیا کریں گے؟

ائیونس: بس، کریں گے، جب سنیے، کریں گے۔ آپ ہمارے ساتھیوں کو توڑنا چاہتے ہیں۔ (ہلچل)

بلجبین: (چلاکر) کیا جھگڑا مچا رہے ہو؟

(ایئونس کرودھ سے ادھر ادھر تاکتا ہے)

ہارنس: (اونچے سُور (آواز) میں) جن کے آنکھیں ہیں انھیں معلوم ہے کہ پنچایتیں نہ چور ہیں نہ دغاباز۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا، اب تم اپنا لیکھا ڈیوڑھا سمجھ لو۔ جب میری ضرورت ہو گھر سے بلا لینا۔

(وہ کود کر نیچے آتا ہے، لوگ راستہ چھوڑ دیتے ہیں وہ ان کے بیچ سے ہوتا ہوا نکل جاتا ہے۔ ایک ملاح اپنے پائپ کو ہلاہلاکر اس کی اُور مکھول سے دیکھ رہا ہے۔ مجوروں کی ٹولیاں بن جاتی ہیں اور بہت سی آنکھیں رابرٹ کی اُور اٹھتی ہیں جو دیوار کے سہارے اکیلا کھڑا ہے)

ایئونس: یہ چاہتا ہے کہ تم تھوک کر چاٹو، بس یہی منشا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم ہماری باتوں کو دُلکھ دو۔ تھوک کر تو نہ چاٹیں گے، چاہے بھوکوں مر جائیں۔

بلجبین: تھوک کر چاٹنے کی بات کون کر رہا ہے، ذرا زبان سنبھال کر بولو، سمجھ گئے۔

لوہار: (ایک یووک جس کے بال کالے اور باہیں لمبی ہیں) عورتیں کیا کریں گی؟

ائیونس: جو ہم جھیل سکتے ہیں وہ عورتیں بھی جھیل سکتی ہیں یا اس میں کوئی

سند یہہ ہے؟

لوہار : گھر میں استری (عورت) نہیں ہے نہ؟

ایئونس : چاہتا بھی نہیں۔

ٹامس : (اونچے سُور میں) بھائیوں میں ہمیں یہ اختیار دو کہ لندن سے سمجھوتہ کر سکیں۔

ڈویز : (سانولا سست اور اداس) منچ پر چڑھ جاؤ، اگر تمھیں کچھ کہنا ہے تو منچ پر چڑھ کر کہو۔

(ٹامس کا شور مچ جاتا ہے لوگ اسے دھکیل کر منچ کی طرف لاتے ہیں وہ زور لگاکر اس پر چڑھتا ہے اور ٹوپی اتار کر لوگوں کے چپ ہوجانے کا انتظار کرتا ہے، سب چپ ہوجاتے ہیں)

لال بالوں والا یووک : ہاں بوڑھے دادا، ٹامس۔

(کوئی بیٹھے ہوئے گلے سے ہنستا ہے، دونوں ملاح باتیں کرتے ہیں پھر سناٹا چھا جاتا ہے اور ٹامس بولنے لگتا ہے)

ٹامس : ہم سب ایک ساتھ ڈوب رہے ہیں اور پرکرتی نے ہمیں اس گہرائی میں ڈال دیا ہے۔

ہنری راؤس : لندن نے ڈالا ہے لندن نے۔

ایئونس : پنچایت نے ڈالا ہے۔

ٹامس : نہ لندن نے ڈالا ہے نہ پنچایت نے ڈالا ہے۔ یہ پرکرتی کا کام ہے۔ پرکرتی کے شامنے شر جھکانے میں کسی کا اپمان نہیں ہوشکتا۔ کیونکہ پرکرتی بہت بڑی چیز ہے۔ آدمی کی اش کے سامنے کوئی گنتی نہیں۔ میں نے جتنا زمانہ دیکھا ہے اتنا یہاں اور کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ میری بات مانو پرکرتی سے لڑنا بہت بری بات ہے۔ دوسروں کو کشٹ میں ڈالنا بری بات ہے۔ جب اشا شے کسی کا کوئی اپکار نہ ہو۔

(کوئی ہنستا ہے ٹامس جھلاکر بولتا ہے)

تم ہنش کش بات پر رہے ہو؟ میں کہتا ہوں، یہ میری بات ہے، ہم ایک سدھانت کے لیے لڑ رہے ہیں۔ کشی کی یہاں یہ کہنے کا شاہش نہیں ہوشکتا کہ میں شدھانت کا بھکت نہیں ہوں، لیکن جب پرکرتی کہتی ہے بش اش کے آگے قدم مت اٹھاؤ تو کان میں تیل ڈال کر بیٹھنا اچھی بات نہیں؟

(رابرٹ ہنس پڑتا ہے کچھ لوگ دھیمے سور (آواز) میں اس کا سمرتھن (تائید) کرتے ہیں)

اش پرکرتی کا رخ دیکھ کر چلنا چاہیے۔ آدمی کا دھرم ہے کہ وہ سچا ایماندار اور دیالو بنے۔ دھر تمھیں یہی اپدیش دیتا ہے۔

(رابرٹ سے کرودھ کے ساتھ)

اور میری بات سنو ڈیوڈ، دھرم کہتا ہے کہ پرکرتی کے شامنے تال ٹھونکے بنا تم یہ شب کچھ کرشکتے ہو۔

جاگو : اور پنچایت۔

ٹامس : میں پنچایت کا بھروشہ نہیں کرتا، ان لوگوں نے ہماری کچھ پرواہ نہیں کی۔ ہم شے کہتے تھے جو ہم کہیں وہ کرو، میں بیش شال سے بھٹی والوں کا جمادار ہوں۔

(جوش کے ساتھ)

میں پنچایت سے پوچھتا ہوں کیا تم میری طرح دعوے کے شاتھ کہہ شکتے ہو کہ بھٹی والے جو کام کرتے ہیں اش کی ٹھیک مجوری کیا ہے؟ پچیش شال شے میں پنچایت کو برابر چندہ دیتا آتا ہوں اور

(بگڑ کر)

اس کا کچھ نتیجہ نہیں۔ یہ بے ایمانی نہیں تو اور کیا ہے، چاہے مسٹر ہارنش لاکھ باتیں بنا دیں۔

(لوگ بڑبڑاتے ہیں)

ایئونس : سنو سنو۔

ہنری راؤس : کہتے چلو، کہتے چلو، تو پھر اسے دھتا کیوں نہیں بتاتے۔

ٹامس : میری بات شنو، اگر کوئی آدمی ہمارا وشواش نہیں کرتا تو کیا میں اش کا وشواش کر سکتا ہوں؟

جاگو : بالکل ٹھیک۔

ٹامس : سمجھ لو کہ وہ شب بے ایمان ہیں اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو۔

(لوگ بڑبڑاتے ہیں)

لوہار : یہی تو ہم لوگ کر رہے ہیں یا کچھ اور؟

ٹامس : (اور جوش میں آکر) مجھے شکھایا گیا تھا کہ اپنے پیر پر کھڑے ہو، مجھے شکھایا گیا تھا کہ اگر تمھارے پاش کوئی چیز خریدنے کے لیے پیشے نہیں تو ادھر آنکھ اٹھاکر مت دیکھو۔ دوشروں کے دھن پر موج کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ ہم شچی لڑائی لڑے اور اگر ہار گئے تو اش میں ہمارا کوئی دوش نہیں۔ ہمیں یہ اختیار دے دو کہ ہم لندن سے اپنے بوتے پر شمجھوتہ کرلیں۔ اگر اش میں شفل (کامیاب) نہ ہوں تو ہمیں چاہیے کہ اپنی ہار مردوں کی طرح شہیں یہ نہیں کہ کتوں کی موت مریں، دوشرے کی دم کے پیچھے لگے رہیں کہ وہ ہمارا اُدھار کردیں گے۔

ائیونس : (دبی آواز سے) یہ کون چاہتا ہے؟

ٹامس : (گردن اٹھاکر) کون بولتا ہے؟ اگر میں کشی سے بھڑوں اور وہ مجھے دے پٹکے تو میں کشی کی گوہار نہ لگاؤں گا۔ دھول جھاڑ کر پھر اٹھوں گا۔ اگر وہ مجھے شفائی کے شاتھ پٹک دے گا تو دھول جھاڑتا ہوا اپنی راہ لوں گا۔ ٹھیک ہے یا نہیں؟

(سب لوگ ہنستے ہیں)

جاگو : پنچایت کی چھیہ (زوال)

ہنری راؤس : پنچایت کی جے۔

(اور لوگ شور میں مل جاتے ہیں)

ایونس : تھوک کر چاٹنے والے۔

(بلیجین اور لوہار ائیونس کو گھونسا دیکھاتے ہیں)

ٹامس : (سر ہلاکر) میں بوڑھا آدمی ہوں یہ شمجھ لو۔

(سب چپ ہوجاتے ہیں پھر بک بک ہونے لگتی ہے)

لوئس : بوڑھا الو، پنچایت کا وِرودھی۔

بلیجین : میرا بس چلے تو ان بھٹی والوں کا سر توڑ کے رکھ دوں۔

گرین : اگر لوگوں نے پہلے میری باتوں پر کان دیا ہوتا۔

ٹامس : (ماتھا پونچھ کر) اب میں اش بات پر آرہا ہوں جو میں کہنے جارہا تھا۔

ڈویز : (دبی زبان سے) اب اس کا سمے بھی ہے۔

ٹامس : (دھارمک بھاؤ سے) دھرم کہتا ہے یہ لڑائی بند کردو۔

جاگو : جھوٹی بات ہے دھرم کہتا ہے لڑائی چھڑی رہے۔

ٹامس : (گورو (فخر) سے) شچ، مجھے ایشور نے کان دیے ہیں۔

لال بالوں والا یووک : ہاں، بہت بڑے بڑے۔

(ہنستا ہے)

ٹامس : (جھلاکر) یا تم شچے ہو یا میں شچا ہوں تم دونوں طرف نہیں جاشکتے۔

لال بالوں والا یووک : لیکن دھرم تو جاسکتا ہے،

(شیور ہنستا ہے، گروہ میں دبی زبان سے باتیں ہونے لگتی ہیں)

ٹامس : (شیور کی اُور اور آنکھیں جماکر) آہا، تم شب کے شب اپنے پیروں میں کلہاڑی مار رہے ہو۔ اشی لیے میں تم کو جتائے دیتا ہوں کہ اگر تم دھرم کی جڑ کاٹوگے تو میں تمھارا شاتھ نہ دوں گا اور نہ کوئی دوشرا ایشور بھکت آدمی شاتھ دے سکتا ہے

(وہ منچ سے اتر جاتا ہے جاگو منچ کی اُور آتا ہے اسے مت جانے دو کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

جاگو : اسے مت جانے دو؟ کہتے شرم بھی نہیں آتی

(وہ منچ پر چڑھ جاتا ہے)

مجھے تم لوگو سے بہت کچھ نہیں کہنا ہے۔ اس معاملے کو سیدھے سادے ڈھنگ سے دیکھو۔ اتنی دور تو تم مزے سے چلے آئے، اب تم سفر سے منھ موڑ رہے ہو، کیا بھلمنسی ہے؟ اب تک ہم سب ایک ناؤ میں تھے۔ اب تم دو ناؤں پر بیٹھنا چاہتے ہو، ہم انجینئروں نے اب تک تمھارا ساتھ دیا اب تم ہمیں دغا دے رہے ہو۔ اگر ہمیں یہ پہلے سے معلوم ہوتا تو ہم تمھارے ساتھ چلتے ہی کیوں؟ بس مجھے اتنا ہی کہنا ہے بوڑھے ٹامس نے بیبل کی دہائی دی ہے۔ پر بیبل کا آشیہ (منشا) ٹھیک نہیں سمجھا۔ اگر تم لندن یا ہارنس کی شرن جاتے ہو تو اس کا یہ آشیہ ہے کہ تم اپنی چمڑی بچانے کے لیے ہمیں گچا دے رہے ہو۔ مگر تم دھوکا کھاؤ گے بھائیوں، یہ بھلے آدمیوں کا کام نہیں ہے۔

(وہ منچ سے اتر پڑتا ہے اس کے چھوٹے سے بھاشن کے ساتھ مجوروں میں وَیگرَ (مضطرب) اَشانتی رہتی ہے۔ راؤس آگے بڑھ کر منچ پر کود کر چڑھ جاتا ہے۔ چہرہ کرودھ سے تلملایا ہوا ہے مجوروں کے دل میں آپرستا (مایوسی) کی بھنبھناہٹ)

راؤس : (بہت اُتجِت (ولولہ) ہوکر) بھائیوں میں کورا بکی نہیں ہوں میں جو کہتا ہوں وہ میرے ہردیئے سے نکل رہا ہے آدمی کا سوبھاؤ دیکھیے کیا اب ہم سے ایسا ہوسکتا ہے؟

رابرٹ : (آگے بڑھ کر) راؤس۔

راؤس : (اسے رُوش (غصہ) سے دیکھ کر) سم ہارنس نے جو کچھ کہا واجب کہا۔ میں نے اپنی رائے بدل دی ہے؟

ایئونس : ارے، تو کیا ادھر مل گئے؟

(لوگ چکِت ہوکر تاکنے لگتے ہیں)

لوئس : (انیوکتی (تعجب) کے بھاؤ سے) کیوں بھائی یہ کیوں پلٹ گیا؟

راؤس : (آپے سے باہر ہوکر) اس نے واجب کیا۔ اس نے کہاتم ہمارا ساتھ دو اور ہم

تمھارا ساتھ دیں گے۔ اتنے دنوں سے ہم اسی معاملے میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور یہ کس کا دوش (قصور) ہے؟

(رابرٹ کی طرف انگلی دکھاتا ہے)

اس آدمی کا۔ وہ کہتا تھا نہیں لٹیروں سے لڑو، ان کا گلا گھونٹ دو۔ لیکن ان کا گلا نہیں گھونٹا۔ ہمارا اور ہمارے گھر والوں کا گلا گھونٹ گیا۔ یہ سچی بات ہے بھائیوں میں وانی (کلام) کا بہادر نہیں ہوں۔ مجھ میں جو رکت اور مانس ہے وہ بول رہا ہے میرا ہردیے بول رہا ہے۔

(کٹھور پرلجیت (شرمندہ) بھاؤ سے رابرٹ کو دیکھ کر)

وہ مہاشیہ ابھی پھر بولیں گے لیکن میری بات مانو، ان کی باتوں پر کان مت دو۔ (لوگ سانسیں بھرنے لگتے ہیں) اس آدمی کی وانی میں آگ بھری ہوئی ہے۔

(رابرٹ ہنستا ہوا نظر آتا ہے)

سیم ہارنس ٹھیک کہتا ہے۔ پنچایت کے بنا ہم ہیں کیا مٹھی بھر سوکھی پتیاں یا دھوئیں کی ایک پھونک۔ میں وانی کا بہادر نہیں ہوں، لیکن میری بات مانو، اس جھگڑے کو بند کرو۔ بال بچوں کو بھوکوں مارنے سے یہ کہیں اچھا ہے۔

(سمرتھن کی آوازیں وِرودھ کی آوازوں کو دبا دیتی ہے)

ایئونس: تم نے یہ چولا کیوں بدلا جی؟

راؤس: (کرودھاتر (غصہ) بھاؤ سے) سیم ہارنس سمجھ بوجھ کر بولتا ہے ہمیں اختیار دو کہ لندن والوں سے سمجھوتہ کرالیں۔ میں بولنا نہیں جانتا، لیکن کہتا ہوں اس ستیاناشی (بربادی) وپتّی کا اَنت کردو۔

(وہ اپنی مفلر کو لپیٹتا ہے، سر کو پیچھے کی اور جھٹک کر منچ سے اتر پڑتا ہے مجور دل تالیاں بجاتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ آوازیں آتی ہیں "بس اتنا بہت ہے، یونین کی جے" ہارنے کی جے اسی وقت رابرٹ منچ پر آتا ہے، سب چپ ہوجاتے ہیں)

لوہار: ہم تمھاری بات نہیں سننا چاہتے، مت بکو۔

ہنری راؤس : نیچے آؤ

(یوں ہانک لگاتے ہوئے سموہ (گروہ) منچ کی اور چلتا ہے)

ایونس : (جھلاکر) بولنے دو، بولنے دو، رابرٹ، رابرٹ۔

بلجین : (دبی زبان سے) اچھا ہو کہ یہ کھسک جائے، کہیں میں اس کی کھوپڑی نہ توڑ ڈالوں۔

(رابرٹ سموہ کے سامنے کھڑا ہوکر اسے اپنی آنکھوں سے تولتا ہے۔ یہاں تک کہ دھیرے دھیرے لوگ چپ ہوجاتے ہیں۔ وہ بولنا شروع کرتا ہے دونوں میں سے ایک ملاح اٹھ کر کھڑا ہوجاتا ہے)

رابرٹ : تو تم لوگ میری بات نہیں سننا چاہتے؟ تم راؤس اور اس بوڑھے آدمی کی بات سنوگے میری بات نہ سنوگے تم یونین کے سائمن ہارنس کی بات سنوگے جس نے تمھارے ساتھ اتنا سندر وہوار کیا ہے۔ شاید تم لندن والے آدمیوں کی بات بھی سنوگے میری بات نہ سنوگے۔ اچھا؟ تم سانسیں کھینچ رہے ہو، کیوں؟ تم یہی تو چاہتے ہو کہ تمھاری گردن ان کے پیروں کے نیچے ہو؟

(بلجین کو منچ کی اور آتے دیکھ کر شانت کرونا سے)

کیوں جان بلجین، تم میرے دانت توڑنا چاہتے ہو؟ مجھے بولنے دو، پھر شوق سے توڑو، اگر تمھیں اس میں آنند آئے۔

(بلجین چپ چاپ اور جھلایا ہوا کھڑا ہوجاتا ہے)

کیا میں جھوٹا ہوں کائر ہوں، دغاباز ہوں؟ مجھے وشواس ہے کہ اگر یہ باتیں مجھ میں ہوتیں تو تم شوق سے میری بات سنتے۔

(بھنبھناہٹ بند ہوجاتی ہے اور سناٹا چھا جاتا ہے)

یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جسے ہڑتال سے اتنا دھکا پہنچا ہو جتنا مجھے پہنچ رہا ہے؟ تم میں کوئی ایسا ہے جس نے یہ جھگڑا شروع ہونے کے بعد سے 800 پونڈ کی چپت کھائی ہو؟ اگر کوئی ہے تو سامنے آوے۔ ٹامس نے کتنا بل کھایا ہے۔ دس پونڈ، پانچ پونڈ یا کتنا؟ تم نے ابھی ان کی باتیں سنی ہیں۔ آپ

نے فرمایا ہے ''کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نیم (قانون) کا پکا نہیں ہوں۔

(تیکھن وینگ کے ساتھ)

لیکن جب پرکرتی کہتی ہے۔'' بس تو ہمیں اس کی آگیاں ماننی چاہیے۔ میں تم سے کہتا ہوں کیا آدمی پرکرتی سے یہ نہیں کہہ سکتا ''اگر تیرا قابو ہو تو ہمیں یہاں سے جو بھر ہٹا دے؟''

(اہنکار کے بھاؤ (جذبہ) سے)

ان کا سدھانت ان کا پیٹ ہے۔ مگر ٹامس صاحب کہتے ہیں ''آدمی نشکپٹ، سچا، نیائی اور دیالو ہوکر بھی پرکرتی کی آگیاں پالن کرسکتا ہے۔'' میں تم سے کہتا ہوں پرکرتی نہ نشکپٹ (مخلص) ہے نہ سچی ہے نہ نیائی نہ دیالو۔ تم لوگ جو پہاڑی کے اوپر رہتے ہو اور برفیلی رات کو اندھیرے میں تھکے ماندے گھر جاتے ہو، کیا تمھیں قدم پر دانتوں پسینا نہیں آتا؟ کیا تم اس دیالو پرکرتی کی کومل دیالوتا کے بھروسے آرام سے لیٹے ہوئے جاتے ہو؟ ذرا ایک بار آزما کر دیکھو اور تمھیں معلوم ہوجائے گا کہ پرکرتی کتنی دیالو ہے۔

(گھونسا تان کر)

پرکرتی کی جو یہ سوا کرتا ہے وہی مرد ہے۔ ٹامس صاحب فرماتے ہیں گھٹنے ٹیک دو، سر جھکا دو، یہ ویرتھ کا جھگڑا مٹا دو، تب تمھارا ''شترو ایک ٹکڑا تمھارے سامنے پھینک دے گا۔''

جاگو: کبھی نہیں۔

ٹامس: میں نے یہ نہیں کہا۔

رابرٹ: (چبھتی ہوئی آواز میں) مِترور تم نے چاہے یہ نہ کہا ہو پر تمھارا مطلب یہی تھا۔ اور دھرم کے وِشے میں تم نے کیا کہا؟ تم نے کہا ''دھرم اسے منع کرتا ہے'' پرکرتی بھی اسے منع کرتی ہے۔ اگر دھرم اور پرکرتی میں اتنی ایکتا ہے تو مجھے یہ بات آج ہی معلوم ہوئی ہے۔ اس یووک نے۔

(راؤس کی اُور اشارہ کرکے)

کہا ہے کہ میری وانی (کلام) میں نرک کی آگ بھری ہوئی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اس ساری آگ کو اس گھٹنا ٹیکنے والے پرستاؤ کو جلانے اور جھلسنے میں لگا دیتا، گھٹنا ٹیکنا کایروں اور نمک حراموں کا کام ہے۔

ہنری راؤس : (جارج راؤس کو بڑھتے دیکھ کر) ذرا اس کی خبر لو، جارج۔ اس کی باتیں نہ سنو۔

رابرٹ : (انگلی دکھاکر) وہیں کھڑے رہو، جارج راؤس، یہ نجی جھگڑے چکانے کا موقع نہیں۔

(راؤس ٹھہر جاتا ہے)

لیکن بولنے والوں میں سے ایک رہ جاتا ہے۔ مسٹر سائمن ہارنس مسٹر ہارنس یا پنچایت کسی نے بھی ہمارے ساتھ بڑا اُپکار نہیں کیا ہے۔ انھوں نے کہا اپنے ساتھیوں کو تیلانجلی (فاتحہ) دے دو، نہیں تو ہم تمھیں تیلانجلی دے دیں گے اور یہی انھوں نے کیا ہمیں منجدھار میں چھوڑ دیا۔

ایئونس : بے شک چھوڑ دیا۔

رابرٹ : سائمن ہارنس صاحب بڑے چتور آدمی ہیں، لیکن موقع نکل گیا۔

(ورڑھ وشواس (مستحکم یقین) سے)

مگر سائمن ہارنس صاحب جو چاہیں کہیں، ٹامس صاحب جو چاہیں کہیں، راؤس صاحب جو چاہیں کہیں، میدان ہمارے ہاتھ ہے۔

(سموہ اور سمیپ آجاتا ہے اور اُتسک ہوکر اس کی اُور دیکھتا ہے)

تم سے پیٹ کی تکلیف نہیں سہی جاتی۔ تم بھول گئے کہ یہ لڑائی کس لیے چھڑی۔ میں تم سے کتنی ہی بار بتلا چکا ہوں آج ایک بار اور بتائے دیتا ہوں۔ یہ اس دیش کے رَکت اور مانس اور رَکت چوسنے والوں کی لڑائی ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو منھ سے نکلنے والی ہر ایک سانس اور ہاتھ سے چلنے والی ہر ایک چوٹ کے ساتھ اپنی دیہہ گھلاتے ہیں، دوسری طرف وہ جنتو ہے جو ان کا مانس کھاکر موٹا ہورہا ہے اور ڈیالوپرکرتی کے نیمانوسار

(قانون کے مطابق) دن دن پھولتا چلا جاتا ہے۔ یہ جنتو پونجی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو آدمیوں کے ماتھے کا پسینہ اور ان کے مستسک کی پیڑا اپنے داموں مول لیتی ہے۔ کیا مجھ سے یہ بات چھپی ہے؟ کیا میرے مستیسک کا رتن سات سو پونڈ میں نہیں خرید لیا گیا اور اس سے گھر بیٹھے ایک لاکھ پونڈ نفع نہیں ہوا؟ یہ وہ چیز ہے جو تم سے ادھک سے ادھیک لینا اور تمھیں کم سے کم دینا چاہتی ہے۔ یہ پونجی ہے یہ وہ چیز ہے جو تم سے کہتی ہے۔ "پیارو ہمیں تمھاری دَشا پر بڑا دکھ ہے، ہم جانتے ہیں تم بڑے کشٹ میں ہو" لیکن تمھارے اُدھار کے لیے اپنے نفع کی ایک کوڑی بھی نہیں چھوڑتی۔ یہ پونجی ہے، مجھ سے کوئی بتلائے ان میں سے کون غریبوں کی مدد کے لیے انکم ٹیکس پر ایک پائی بھی بڑھانے پر راضی ہوگا؟ یہ پونجی ہے، ایک سفید چہرہ اور پتھر کا دل رکھنے والا دیو۔ تم نے اسے پچھاڑ لیا ہے، کیا اَنت کے سمے تم اس نشور دیہہ (فنا پذیر بدن) کے کشٹ سے میدان چھوڑ دوگے؟ آج سویرے جب میں لندن کے ان مہانو بھاؤں سے ملنے گیا تو میں نے ان کے ہردے تک پیٹھ (رسائی) کر دیکھا۔ ان میں سے ایک کا نام اسکیٹل بری ہے۔ مانس کا ایک لوندا جو ہمیں کھاکر پرچاہے وہ دوسرے حصے داروں کی طرح جو بنا ہاتھ پاؤں ہلائے آنند سے سالانہ نفع لیتے چلے جاتے ہیں، بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بڑا موٹا بیل جو اسی وقت چونکتا ہے۔ جب اس کے مراتب (وظیفہ) میں بادھا پڑتی ہے میں نے اس کی آنکھیں دیکھی اور مجھے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں ڈر سمایا ہوا ہے، اپنی، اپنے نفع کی اپنے مختنانے کی اور حصے داروں کی شنکا اسے مارے ڈالتی تھی۔ ایک کو چھوڑ کر اور سب گھبرائے ہوئے ہیں۔ ان بالکوں کی بھانتی جو رات کو جنگل میں بھٹک گئے ہوں اور پتّی کے ذرا سے کھڑکنے پر چونک پڑتے ہیں۔ میں تم سے آگیاں مانگتا ہوں

(وہ ذرا دم لے کر ہاتھ پھیلاتا ہے، یہاں تک کہ بالکل سناٹا چھا جاتا ہے)

کہ مجھے ان مہاشیوں سے یہ کہنے کا پورا اختیار دے دو "کہ آپ لوگ لندن سدھاریں، مجوروں کو آپ سے کچھ نہیں کہنا ہے۔"

(کچھ جھنجھلاہٹ ہوتی ہے)

مجھے یہ اختیار دو اور میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ایک سپتاہ (ہفتہ) میں تمھاری سب مانگیں پوری ہوجائیں گی۔

ائیونس، جاگو آدی (وغیرہ) : ہاں، ان کو پورا اختیار دو، پورا اختیار شاباش شاباش۔

رابرٹ : یہ لڑائی ہم اس چھوٹی سی چار دن کی زندگی کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں۔

(بھنبھناہٹ بند ہوجاتی ہے)

اپنے لیے، اپنی اس چھوٹی سی نشور دیہہ (فنا پذیر بدن) کے لیے نہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو ہمارے بعد ہمیشہ آتے رہیں گے۔

(ہاردِک ویتھا (دلی اذیت) سے)

بھائیوں اگر ان کا کچھ بھی خیال ہے تو ان کے سر پر ایک پتھر اور مت لڑھ کاؤ، آکاش پر اور بھینکر اندھ کار مت پھیلاؤ کہ وہ ساگر کی اودام ترنگوں میں سما جائیں۔ میں ان کے لیے بڑی سے بڑی آفتیں جھیلنے کو تیار ہوں۔ہم سب اس کے لیے تیار ہیں۔ اس میں کسے انکار ہوسکتا ہے۔

(دانت پیس کر)

اگر ہم اسے اجلے منہ اور لال ہونٹ والے دیتیہ کی گردن مروڑ سکیں، جو آدی سے ہمارا اور ہمارے بال بچوں کا جیون، رقت چوس رہا ہے۔

(شانت ہوکر لیکن اتینت (نہایت) گمبھیرتا سنجیدگی اور ویہلتا (مضطرب) کے ساتھ)

اگر ہم میں اتنا جیوٹ (حوصلہ) نہیں کہ اس دیتیہ کو چھاتی سے چھاتی اور آنکھ سے آنکھ ملاکر اتنی دور کھدیڑیں کہ وہ ہمارے پیروں پر گر پڑے، تو وہ سدیو (ہمیشہ) اسی بھانتی ہمارا رقت چوستا چلا جائے گا اور ہم ہمیشہ اسی طرح کتوں سے بھی ادھم (کمینہ) بنے پڑے رہیں گے۔

(سمپورن (مکمل) نہہ شبدتا (خاموشی) رابرٹ دھیرے دھیرے دیہہ کو ہلاتا

کھڑا رہتا ہے اس کی آنکھیں آدمیوں کے چہروں کو اتجت (پرجوش) کر رہی ہیں)

ائیونس اور جاگو: (یکایک) رابرٹ

(یہی دھونی اور کنٹھوں سے نکلتی ہے۔ سموہ کچھ سکھاتا ہے میز پٹری کے نیچے نیچے آکر منچ کے نکٹ (قریب) کھڑی ہوجاتی ہے اور رابرٹ کی اُور دیکھ کر کچھ کہنا چاہتی ہے۔ یکایک سندیہ سے (مشتبہ) سناٹا چھا جاتا ہے۔)

رابرٹ: بوڑھے مہاشیہ کہتے ہیں "پرکرتی کے پیروں کو چومو، میں کہتا ہوں پرکرتی کو ٹھوکر مارو، دیکھیں وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے

(میز کو دیکھتا ہے اس کی بھویں سکڑ جاتی ہیں وہ آنکھیں ہٹا لیتا ہے)

میز: (منچ کے پاس آکر دھیمی آواز سے) تمھاری استری مر رہی ہے۔

(رابرٹ اس کی اُور گھورتا ہے مانو اتتھان (ترقی) کے شکھر پر سے نیچے گر پڑا ہو)

رابرٹ: (کچھ بولنے کی چیشٹھا (کوشش) کرکے) میں تم سے کہتا ہوں، انھیں جواب دو انھیں جواب دو۔

(سموہ (جماعت) کی بھنبھناہٹ میں اس کی آواز دب جاتی ہے)

ٹامس: (آگے بڑھ کر) کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟

رابرٹ: کیا بات ہے؟

ٹامس: تمھاری استری مر گئی جی۔

(رابرٹ ہچکتا ہے، تب سر ہلا کر نیچے کود پڑتا ہے اور پٹری کے نیچے نیچے چلا جاتا ہے۔ لوگ اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ کھڑا ہوا ملاح اپنی لالٹین کھولتا ہے اور اسے جلانے لگتا ہے، اندھیرا ہوا جاتا ہے)

میز: انھوں نے ویرتھ اتنی جلدی کی۔ اینی رابرٹ تو مر گئی۔

(تب اس سناٹے میں جوش کے ساتھ)

کیا تم سب کے سب اندھے ہوگئے ہو؟ ابھی اور کتنی عورتوں کا خون کرنا چاہتے ہو؟

(سموہ اس کے پاس سے ہٹ جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں

گھبرائے ہوئے جمع ہوجاتے ہیں، میز جلدی سے پڑی کے نیچے چلی جاتی ہے۔ لوگ چپ چاپ اس کے پیچھے تاکتے رہتے ہیں)

لوئس : تم سب اس اگنی کنڈ میں جلوگے۔

بلجبین : (غراکر) میں تمھارے دانت توڑ دوں گا۔

گرین : اگر تم نے میری بات مانی ہوتی۔

ٹامس : اسے دھرم سے وِیمکھ ہونے کا یہ ڈنڈ ملا ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ یہی ہونے والا ہے۔

ایؤنس : اسی لیے تمھیں اور بھی اس کا ساتھ دینا چاہیے۔

(تالی بجتی ہے)

کیا اس وِپتّی میں تم اس کا ساتھ چھوڑ دوگے؟ اس کی استری مر گئی ہے، کیا اس دَشا میں تم اس سے دغا دوگے؟

(سموہ ایک ساتھ تالیاں بھی بجاتا ہے اور کڑکڑاتا بھی ہے)

راؤس : (منچ کے سامنے آکر) اس کی استری مر گئی۔ کیا اب بھی تمھیں کچھ نہیں سوجھتا؟ تم لوگوں کے گھر میں تو استریاں ہیں، ان کی رکچھا کیسے ہوگی؟ بہت دن نہ بیتیں گے کہ تم لوگوں پر بھی یہی وِپتّی آوے گی۔

لوئس : ٹھیک، ٹھیک۔

ہنری راؤس : تم نے سچ کہا، جارج بالکل سچ۔

(لوگ دبی زبان میں حامی بھرتے ہیں)

راؤس : ہم لوگ اندھے نہیں ہیں، اندھا رابرٹ ہے، تم لوگ کب تک اس کا منھ تاکتے رہوگے؟ ہنری راؤس، بلجبین، ڈیوس، اسے دَھتا بتانا چاہیے۔

(اور لوگ بھی یہی ہانک لگاتے ہیں)

ایؤس : (جھلاکر) گرے ہوئے آدمی کو ٹھوکر مارتے تمھیں شرم نہیں آتی؟

ہنری راؤس : زبان بند کرو۔

(بلجبین کو گھونسا تانتے دیکھ کر ایؤنس ہاتھ پھیلا دیتا ہے، ملاح جس نے لالٹین جلائی ہے، اسے سر کے اوپر اٹھاتا ہے)

راؤس : (منچ پر کود کر) اُسی کی خونی ضد نے تو اُس کی یہ حالت کی۔ کیا تم اب بھی اُس آدمی کے پیچھے پیچھے چلوگے جسے خود نہیں معلوم کہ میں کہاں جارہا ہوں؟

ائیونس : اس کی استری مر گئی ہے۔

راؤس : تو یہ اس کی اپنی ہی کرنی کا پھل تو ہے۔ میں کہتا ہوں اب بھی اس کا ساتھ چھوڑ دو، نہیں تو وہ اسی طرح تمھاری استریوں اور ماتاؤں کی جان لے لے گا۔

ڈیوس : اس کا برا ہو۔

ہنسری راؤس : اب اس کی کون سنتا ہے۔

براؤن : بہت سن چکے۔

لوہار : حد سے زیادہ۔

(سب لوگ یہی رٹ لگانے لگتے ہیں، صرف ائیونس، جاگو اور گرین چپ رہتے ہیں۔ گرین لوہار سے بحث کرتا دکھائی دیتا ہے)

راؤس : (چلاکر) بھائیو، ہم پنچایت کے ساتھ میل کرلیں گے۔

(تالیاں بجتی ہیں)

ائیونس : (جھلاکر) ارے دغابازو۔

بلجیین : (غصے سے بھرا ہوا اس کے سامنے جاکر) تو کسے دغاباز کہہ رہا ہے گدھے؟

(ائیونس گھونسا اٹھاتا ہے، وار چلاتا ہے اور گھونسا چلاتا ہے، دونوں لڑنے لگتے ہیں، ملاح لالٹین اٹھائے تماشہ دیکھ رہے یں، بوڑھا ٹامس آگے بڑھتا ہے اور ان میں بیچ بچاؤ کرتا ہے)

ٹامس : تمھیں یوں جھگڑا کرنے میں شرم نہیں آتی۔

(لوہار، براؤن، لوئس اورلال بالوں والا یووک، ائیونس اور بلجیین کو آگے کردیتے ہیں، اسٹیج پر بہت ہلکی روشنی ہے۔)

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا باب

منظر 1

[پانچ بج گئے ہیں، انڈرووڈ کے دیوان خانے میں، جو سُروچی (پوری دلچسپی) کے ساتھ سجا ہوا ہے، اے نڈ سوفا پر بیٹھی ہوئی بچوں کا فراک سی رہی ہے۔ ایڈگار ایک چھوٹی سی لمبی ٹانگ کی میز پر کمرے کے بیچ میں بیٹھا ہوا ایک ایک چینی کی صندوقچی کو گھما رہا ہے۔ اس کی آنکھیں دوہرے دروازوں کی طرف لگی ہوئی ہے جو دیوان خانے میں کھلتا ہے]

ایڈ گار : (چینی کی ڈبیہ کو رکھ کر اور اپنی گھڑی کو ایک نظر دیکھ کر) ٹھیک پانچ بجے ہیں، فرینک کے سوا اور سب وہاں آکر بیٹھے ہوئے ہیں، وہ کہاں ہیں؟

اے نڈ : ایک شرط نامے کے وشے میں گیس گواین کے مکان تک گئے ہیں کیا تمھیں ان کی ضرورت ہوگی؟

اے نڈ : ہاں،

ایڈگار : میں چاہتا ہوں کہ وہ وہیں بیٹھے رہیں۔

(اے نڈ آنکھ اٹھاتی ہے) یہ بڑا بے ہودہ کام ہے، بہن، (اس چھوٹی صندوقچی کو پھر اٹھا لیتا ہے اور اسے برابر گھماتا ہے)

اے نڈ : میں آج تیسرے پہر رابرٹ کے گھر گئی تھی۔

ایڈگار : یہ تو اچھی بات نہ تھی۔

اے نڈ : وہ اپنی استری کو مارے ڈالتا ہے۔

ایڈگار : تمھارا مطلب ہے، ہم لوگ مارے ڈالتے ہیں۔

اے نڈ : (چونک کر) رابرٹ کو مان جانا چاہیے۔

ایڈ گار: مجوروں کے پکچھ میں بھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

اے نٹ: مجھے اب ان پر اس کی آدھی دَیا بھی نہیں آتی جتنی وہاں جانے کے پہلے آتی تھی۔ وہ ہم لوگوں کو وِرودھ جاتی بھید (نسلی تفرقہ) پھیلاتے ہیں۔ بے چاری اپنی کی دَشا خراب تھی آگ بجھی جاتی تھی اور کھانے کو اس کے لائق کچھ نہ تھا۔

(ایڈگار اس سرے سے اس سرے تک ٹہلنے لگتا ہے)

لیکن پھر بھی رابرٹ کا دم بھر رہی تھی۔ جب ہم یہ ساری دُردَشا (بدحالی) آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور انوبھو کرتے ہیں کہ ہم کچھ کر نہیں سکتے، تو آنکھیں بند کرلینی پڑتی ہیں۔

ایڈ گار: اگر بند ہو سکیں۔

اے نٹ: جب میں وہاں گئی تو سولہوں آنہ ان کے پکچھ میں تھی، لیکن جونہی میں وہاں پہنچی تو میرے من میں کچھ اور ہی بھاؤ آنے لگے۔ لو کہتے ہیں کہ مجوروں پر دَیا کرنی چاہیے۔ وہ نہیں جانتے اسے وِہوار میں لانا کتنا کٹھن ہے، مجھے تو نراشا ہوتی ہے۔

ایڈگار: شاید۔

اے نٹ: مجوروں کو اس دَشا میں پڑے دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے، مجھے تو اب بھی آشا ہے کہ دادا کچھ رعایت کریں گے۔

ایڈگار: وہ کچھ نہ کریں گے (نراش ہوکر) یہ ان کا دھرم ہوگیا ہے۔ اس کا ستیاناس (تباہی) ہو۔ میں جانتا ہوں جو کچھ ہونے والا ہے، انھیں بہومت سے ہارنا پڑے گا۔

اے نٹ: ڈائریکٹروں کی اتنی ہمت نہیں ہے۔

ایڈ گار: ہے کیوں نہیں، سبھوں کے ہوش اڑ گئے ہیں۔

اے نٹ: (کرودھ سے) وہ ماننے والے نہیں ہیں۔

ایڈگار: (کندھا ہلاکر) بہن، اگر تمھیں رائیں کم ملیں گی تو ماننا ہی پڑے گا۔

اے نڈ : اوہ (گھبرا کر کھڑی ہوجاتی ہے) لیکن کیا وہ استعفیٰ دے دیں گے؟

ایڈ گار : اوشیہ یہ تو ان کے سِدھانتوں (اصولوں) کی جڑ ہی کاٹ دیتا ہے۔

اے نڈ : لیکن ایڈگار، اس کمپنی پر انھوں نے اپنا تن من سب سمرپن کردیا۔ ان کے لیے تو کچھ رہ ہی نہ جائے گا۔ بھینکر سمسیا کھڑی ہوجائے گی۔

(ایڈگار اپنے کندھے ہلاتا ہے)

دیکھو ٹیڈ، وہ بہت بوڑھے ہوگئے ہیں ان سبھوں کو منع کرنا۔

ایڈ گار : (اپنے بھاؤں کو چھپانے کے لیے ابل پڑتا ہے) اس ہڑتال میں میں سولہوں آنہ مجوروں کے پکچھ میں ہوں۔

اے نڈ : وہ تیس سال سے اس کمپنی کے سبھاپتی ہیں، سب ان ہی کا کیا ہوا ہے اور سوچو انھیں کیسی کیسی کٹھنائیاں جھیلنی پڑی ہیں۔ انھوں نے اس کا بیڑا پار لگایا ٹیڈ تم انھیں۔

ایڈگار : تم چاہتی کیا ہو؟ تم نے ابھی کہا کہ تمھیں آشا ہے، دادا کچھ رعایت کر دیں گے۔ اب تم چاہتی ہو کہ رعایت نہ کرنے میں میں ان کا ساتھ دوں، یہ کھیل نہیں ہے اے نڈ۔

اے نڈ : (تیز ہوکر) تو میرے لیے بھی دادا کے ہاتھوں سے ان سب اختیاروں کے نکل جانے کا بھئے کھیل نہیں ہے، جو ان کے جیون کے آدھار (بنیاد) ہیں۔ اگر وہ راضی نہ ہوئے اور انھیں ہار ماننی پڑی تو ان کی کمر ہی ٹوٹ جائے گی۔

ایڈگار : تمھیں نے تو کہا ہے کہ آدمیوں کو اس دَشا میں دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے۔

اے نڈ : لیکن یہ بھی تو سوچو، ٹیڈ کہ دادا سے یہ چوٹ سہی نہ جائے گی۔ تمھیں کسی طرح ان لوگوں کو روکنا چاہیے، اور سب ان سے ڈرتے ہیں۔ اگر تم ان کی طرف ہوجاؤ تو کوئی ان کا کچھ نہیں کرسکتا۔

ایڈ گار : (ماتھے پر ہاتھ رکھ کر) اپنے دھرم کے وِرودھ تمھارے دھرم کے وِرودھ (خلاف)! جونہی اپنی بات آجاتی ہے۔

اے نڈ : یہ اپنی بات نہیں ہے، دادا کی بات ہے۔

ایڈگار : ہم ہوں یا ہمارا پریوار ایک ہی بات ہے اپنی بات آئی اور کھیل بگڑا۔

اے نڈ : (چڑ کر) تم دل لگی کر رہے ہو اور میں سچ کہتی ہوں۔

ایڈ گار : مجھے ان سے اتنا ہی پریم ہے جتنا تم کو بھی، مگر یہ بالکل بری بات ہے۔

اے نڈ : مجوروں کی کیا دَشا ہوگی، یہ ہم کچھ نہیں جانتے، یہ سب انومان ہے، لیکن دادا کا کوئی ٹھکانہ نہیں، کیا تمھارا مطلب ہے کہ وہ تمھیں مجوروں سے۔

ایڈ گار : ہاں، ان سے کہیں پرے ہیں۔

اے نڈ : تب تمھاری بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

ایڈگار : شاید۔

اے نڈ : اگر اپنی خاطر کرنا پڑتا تو اور بات تھی، لیکن اپنے باپ کے لیے میں اسے شرم کی بات نہیں سمجھتی، معلوم ہوتا ہے، تم اس کا مَرم (راز) نہیں سمجھ رہے ہو۔

ایڈ گار : خوب سمجھ رہا ہوں۔

اے نڈ : ان کو بچانا تمھارا مکھیہ دھرم ہے۔

ایڈگار : کہہ نہیں سکتا۔

اے نڈ : (منت کرکے) ارے ٹیڈ، جیون سے ان کا یہی ایک سمبندھ رہ گیا ہے یہ ان کے پران ہی لے کر چھوڑے گا۔

ایڈ گار : (اُدگار (ابال) کو روک کر) ہاں، ہے تو ایسا ہی۔

اے نڈ : وچن (وعدہ) دو۔

ایڈ گار : مجھ سے جو کچھ ہوسکے گا، کروں گا۔

(وہ دہرے دروازوں کی اُور گھومتا ہے، پردے دار دروازہ کھلتا ہے اور اینتھونی اندر آتا ہے، ایڈگار دہرے دروازوں کو کھول کر چلا جاتا ہے۔ اسکینٹل بری کی دھیمی آواز یہ کہتے ہوئے سنائی دیتی ہے، پانچ بج گئے۔ یہ جھگڑا ختم نہ ہوگا۔ ہمیں اس ہوٹل میں پھر بھوجن کرنا پڑے گا" دروازے بند ہوجاتے

ہیں، اینتھونی آگے بڑھتا ہے)

اینتھونی : میں نے سنا، تم رابرٹ کے گھر گئی تھیں۔

اے نڈ : جی ہاں۔

اینتھونی : تم جانتی ہو کہ اس کھائی کے پار کرنے کی چیشٹھا کرنا کتنا کٹھن ہے۔

(اے نڈ کرُتے کو چھوٹی میز پر رکھ دیتی ہے اور اس کے سامنے تاکتی ہے۔ جیسے کوئی چلنی کو بالو سے بھرے)

اے نڈ : ایسا نہ کہیے، دادا۔

اینتھونی : تم سمجھتی ہو کہ اپنے دستانے دار ہاتھوں سے تم دلیش کی وِپتّی (مصیبت) کو دور کر سکتی ہو۔

(وہ آگے بڑھ جاتا ہے)

اے نڈ : دادا (اینتھونی دہرے دروازے پر رک جاتا ہے) مجھے تمھاری ہی چنتا ہے۔

اینتھونی : (اور نَمر (نرم) ہوکر) بیٹی، میں اپنی رکچھا آپ کر سکتا ہوں۔

اے نڈ : تم نے سوچا ہے، اگر ہاں. (انگلی دکھاتی ہے) تمھاری ہار ہوگئی تو کیا ہوگا؟

اینتھونی : میری ہار ہو کیوں؟

اے نڈ : دادا، ان لوگوں کو اس کا اوسر نہ دیجیے، آپ کا جی اچھا نہیں ہے، آپ کے وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اینتھونی : (اداس مسکراہٹ کے ساتھ) میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں؟

اے نڈ : لیکن ان لوگوں کا بہومت ہو جائے گا۔

اینتھونی : (دروازے پر ہاتھ رکھ کر) یہی تو دیکھنا ہے۔

اے نڈ : میں آپ کے پیروں پڑتی ہوں، دادا۔

(اینتھونی اس کی اُور پیار سے دیکھتا ہے) وہاں نہ جایئے گا (اینتھونی سر ہلاتا ہے، وہ دروازہ کھولتا ہے آوازوں کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے)

اسکنیٹل بری : ساڑھے چھ بجے والی گاڑی پر بھوجن مل سکتا ہے نہ؟

ٹینچ : جی نہیں، میں تو سمجھتا ہوں، نہیں مل سکتا۔

وائلڈر : میں تو سب کچھ کہہ ڈالوں گا۔ اس دُوِیدھے (کشمکش) سے جی بھر گیا۔

ایڈگار : (چونک کر) کیا؟

(یہ آوازیں ترنت بند ہو جاتی ہیں۔ اینتھونی دروازے کو بند کرتا ہوا اس کے بیچ سے نکل جاتا ہے۔ اے نڈ بھیہ کے بھاؤ کے ساتھ لپک کر دروازے کے پاس آجاتی ہے وہ مٹھیے کو پکڑ لیتی ہے اور اسے گھمانے لگتی ہے۔ تب وہ آتش خانے کے پاس جاتی ہے اور اس کے جنگلے کے پیروں سے کھنکھناتی ہے۔ یکایک وہ گھنٹی بجاتی ہے۔ فراسٹ اس دروازے سے آتا ہے جو بڑے کمرے میں کھلتا ہے)

فراسٹ : حاضر ہوں۔

اے نڈ : دیکھو فراسٹ، مزدور آج آئیں تو انھیں یہاں لانا، ہال میں بڑی ٹھنڈک ہے۔

فراسٹ : مرغی خانے میں نہ لے جاؤں حضور؟

اے نڈ : نہیں، میں ان کا اَنادر (توہین) نہیں کرنا چاہتی۔ ذرا سی بات میں برا مان جاتے ہیں۔

فراسٹ : جی ہاں، حضور (رک کر) مسٹر اینتھونی نے آج دن بھر کچھ نہیں کھایا۔

اے نڈ : مجھے معلوم ہے۔

فراسٹ : بس، دو گلاس وسکی اور سوڈا پیا۔

اے نڈ : سچ، تمھیں ان کو یہ چیزیں نہ دینی چاہیے تھیں۔

فراسٹ : (گمبھیرتا سے) حضور، مسٹر اینتھونی کا مزاج سمجھ میں نہیں آتا۔ انھیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اب وہ جوان نہیں ہیں، ان چیزوں سے انھیں ہانی (نقصان) ہوگی۔ جو کچھ جی میں آتا ہے وہی کرتے ہیں۔

اے نڈ : ہم سب بھی تو یہی چاہتے ہیں۔

فراسٹ : ہاں، حضور۔ (دھیرے سے) ہڑتال کے بارے میں میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ چھما کیجیے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اور لوگ مسٹر اینتھونی کی بات مان جائیں اور پیچھے سے مجوروں کی مانگیں پوری کردیں تو جھگڑا مِٹ جائے۔ مجھے معلوم

ہے کہ کبھی کبھی ان کے ساتھ یہ چال ٹھیک پڑتی ہے۔

(اے نڈ سر ہلاتی ہے)

اگر ان کی بات کاٹی جاتی تو وہ جھلّا اٹھتے ہیں۔

(اس بھاؤ سے مانو اس نے کوئی نئی بات کھوج پائی ہو)

میں نے اپنی ہی دَشا میں دیکھا ہے کہ جب مجھے کرودھ آجاتا ہے تو پیچھے اس پر پچھتاتا ہوں۔

اے نڈ : (مسکراکر) تمھیں کبھی کرودھ بھی آتا ہے، فراسٹ؟

فراسٹ : ہاں حضور، کبھی کبھی بہت کرودھ آتا ہے۔

اے نڈ : میں نے نہیں دیکھا۔

فراسٹ : (شانت بھاؤ (سنجیدہ جذبہ) سے) نہیں حضور، آتا ہے۔

(اے نڈ دوار کے پیچھے کی طرف پیروں سے ٹھیلتی ہے۔ درد بھری آواز میں)

آپ تو جانتی ہیں میں مسٹر اینتھونی کے ساتھ اس وقت سے ہوں جب میں 15 سال کا تھا اس بڑھاپے میں کوئی انھیں چھیڑتا ہے تو مجھے دکھ ہوتا ہے، میں نے مسٹر وینکلین سے اس وشے میں بات چیت کی تھی۔

(دھیمے سُور میں)

وہ ڈائریکٹروں میں سب سے سمجھ دار معلوم ہوتے ہیں، لیکن انھوں نے مجھ سے کہا یہ تو ٹھیک ہے فراسٹ، لیکن یہ ہڑتال بڑے جوکھیم کی بات ہے۔ میں نے کہا بے شک دونوں طرف کے لیے جوکھیم کی بات ہے لیکن مالک کی کچھ خاطرداری توکیجیے۔ بس ذرا پُچارا دے دیجیے یہ سمجھیے کہ اگر کسی کے سامنے پتھر کی دیوار آجائے تو وہ اس سے سر نہیں ٹکراتا، اس کے اوپر سے ہوکر نکل جاتا ہے۔" اس پر وہ بولے "تم اپنے مالک کو یہ صلاح کیوں نہیں دیتے"؟

(فراسٹ اپنے ہنوں کی اُور (طرف) دیکھتا ہے)

بس، اتنی بات ہوئی حضور، میں نے آج مسٹر اینتھونی سے کہا "ذرا سی بات کے لیے آپ کیوں جان کھپاتے ہیں؟" تو مجھ سے بولے "بک بک مت کرو، فراسٹ، جو تمھارا کام ہے وہ کرو یا ایک مہینے کی نوٹس لو۔" ان باتوں کے لیے چھما کیجیے گا حضور۔

اے نڈ : (دہرے دروازوں کے پاس جاکر اور کان لگاکر) کیوں، فراسٹ تم رابرٹ کو جانتے ہو؟

فراسٹ : ہاں حضور، اس کی باتو سے تو کچھ نہیں معلوم ہوتا لیکن اس کی صورت دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کیسا آدمی ہے۔

اے نڈ : (رک کر) ہاں۔

فراسٹ : وہ ان معمولی سیدھے سادے سامیہ وادیوں (اشتراکیوں) میں نہیں ہے۔ وہ غصے ور ہے اس کے اندر آگ بھری ہوئی ہے آدمی کو اختیار ہے کہ وہ جو رائے چاہے رکھے، لیکن جب وہ ضد پکڑ لیتا ہے تب اُپدرو (فساد) کرنے لگتا ہے۔

اے نڈ : میں سمجھتی ہوں، دادا کا بھی رابرٹ کے وِشے میں یہی خیال ہے۔

فراسٹ : اسی سے تو مسٹر اینتھونی اس سے چڑتے ہیں۔

(اے نڈ اس کی اُور چبھتی ہوئی نگاہ ڈالتی ہے، اسے چنتت دیکھ کر کھڑی کھڑی اپنے ہونٹ کاٹنے لگتی ہے اور دہرے دروازوں کی اُور تاکتی ہے)

دونوں آدمیوں میں کھینچا تانی ہورہی ہے، مجھے رابرٹ سے ذرا بھی سہانوبھوتی (ہمدردی) نہیں، میں نے سنا ہے کہ اوروں کی طرح وہ بھی معمولی مجور ہے۔ اگر اس نے کوئی نئی چیز نکالی ہے تو دوسروں سے اس کی دَشا اچھی بھی تو ہے، میرے بھائی نے ایک نئے قسم کی کل بنا ڈالی۔ کسی نے اسے پُرسکار نہیں دیا، لیکن پھر بھی اس کا پرچار چاروں طرف ہورہا ہے،

(اے نڈ، دہرے دروازوں کے اور سمیپ (قریب) آجاتی ہے)

ایک قسم کا آدمی ہوتا ہے، جو سارے سنسار سے اس لیے جلا کرتا ہے کہ ویدھاتا (خالق) نے اسے امیر کیوں نہیں بنایا، میں تو یہ کہتا ہوں کہ شریف اپنے سے چھوٹے آدمیوں کو اسی طرح اپنے برابر سمجھتا ہے جیسے وہ خود چھوٹا ہوتا تو سمجھتا۔

اے نڈ : (کچھ ادھیر (بے قرار) ہوکر) ہاں، میں جانتی ہوں، فراسٹ۔ تم ذرا اندر جاکر پوچھو کہ آپ لوگ چائے پینا چاہتے ہیں؟ کہنا میں نے بھیجا ہے۔

فراسٹ : بہت اچھا، حضور۔

(وہ دروازے کھولتا ہے اور اندر جاتا ہے، جوشیلی بلکہ غصے سے بھری ہوئی بات چیت کی چھینک (عارضی) آواز سنائی دیتی ہے)

وائلڈر : میں آپ سے سہمت (متفق) نہیں ہوں۔

وینکلین : روز ہی تو یہ وپتی (مصیبت) سر پر سوار رہتی ہے۔

ایڈگار : (ادھیر(بے قرار) ہوکر) لیکن پرستاؤ کیا ہے؟

اسکینڈل بری : ہاں، آپ کے پتاجی کیا کرتے ہیں؟ کیا چائے لائے ہو؟ میرے لیے مت لانا۔

وینکلین : میری سمجھ میں سبھاپتی نے یہ کہا ہے۔

(فراسٹ پھر دروازے کو بند کرتا ہوا اندر آتا ہے)

اے نڈ : (دروازے سے ہٹ کر) کیا وہ اب چائے نہ پئیں گے؟

(اب وہ چھوٹی میز کے پاس جاتی ہے اور بچے کے فراک کی طرف تاکتی ہوئی چپ چاپ کھڑی رہتی ہے، ایک ٹہلنی ہال سے اندر آتی ہے)

ٹہلنی : مس ٹامس آئی ہیں، حضور۔

اے نڈ : (سر اٹھاکر) ٹامس؟ کون مس ٹامس؟ کیا وہ؟

ٹہلنی : ہاں حضور۔

اے نڈ : (اوپری من سے) وہ کہاں ہے؟

ٹہلنی : ڈیوڑھی میں۔

اے نڈ : کوئی ضرورت نہیں۔

(کچھ ہچکچاتی ہے)

فراسٹ : کیا اسے جواب دے دوں، حضور؟

اے نڈ : میں باہر آتی ہوں، نہیں، اسے اندر بلالو ائلین۔

(شہلنی اور فراسٹ باہر جاتے ہیں ائلین اپنے ہونٹ سکڑ کر چھوٹی میز پر بیٹھ جاتی ہے اور بچے کا فراک سینے لگتی ہے)

(شہلنی میز ٹامس کو اندر لاتی ہے اور چلی جاتی ہے، میز دروازے کے پاس کھڑی ہوجاتی ہے)

اے نڈ : چلی آؤ، کیا بات ہے؟ کس لیے آئی ہو؟

میز : مسز رابرٹ کے پاس سے ایک سندیشہ (سوغات) لائی ہوں۔

اے نڈ : سندیش کیا؟

میز : اس نے آپ سے کہا ہے کہ اس کی ماں کی خبر لیتی رہیے گا۔

اے نڈ : یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

میز : (رکھائی سے) سندیشہ تو یہی ہے۔

اے نڈ : لیکن کیا بات ہے، کیوں؟

میز : اینی رابرٹ مر گئی ہے۔

(دونوں چپ ہوجاتی ہیں)

اے نڈ : (گھبرا کر) لیکن ابھی ایک ہی گھنٹہ ہوا میں اس کے پاس سے چلی آئی ہوں۔

میز : ٹھنڈ اور بھوک سے مر گئی۔

اے نڈ : (اٹھ کر) ہٹو، مجھے تو وشواس نہیں آتا۔ بے چاری کا دل، تم میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟ میں نے تو اسے مدد دینی چاہی تھی۔

میز : (اپنے کرودھ کو دباکر) میں نے سمجھا شاید آپ جاننا چاہتی ہیں۔

اے نڈ : (اتیجت (مشتعل) ہوکر) تم مجھ پر انیائے کر رہی ہو کیا تم دیکھتی نہیں ہو کہ میں تم لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں؟

میز : جب تک مجھے کوئی نہیں ستاتا، میں اسے نہیں ستاتی۔

اے نڈ : (رُکھے پن سے) میں نے تمھارے ساتھ کیا برائی کی ہے؟ تم مجھ سے اس طرح کیوں بول رہی ہو؟

میز : (ویدنا سے ویہل (مضطرب) ہوکر) تم اپنی ویلاس چھوڑ کر ہماری ٹوہ لینے جاتی ہو، تم چاہتی ہو کہ ہم لوگ ایک سپتاہ بھوکوں مریں۔

اے نڈ : (اپنی بات پر اڑ کر) بے سر پیر کی باتیں نہ کرو۔

میز : میں نے اسے مرتے دیکھا، اس کے ہاتھ ٹھٹھر کر کالے ہوگئے تھے۔

اے نڈ : (شوک سے ویکل (بے چین) ہوکر) اُف، پھر اس نے کیوں مجھ سے مدد نہیں لی؟ اس وَیرتھ کے ابھیمان سے کیا فائدہ۔

میز : دیہہ کو گرم رکھنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو ابھیمان ہی سہی۔

اے نڈ : (جھلاکر) میں تمھاریں باتیں نہیں سننا چاہتی تم کیا جانتی ہو مجھے کتنا دکھ ہورہا ہے؟ اگر تم سے اچھی دَشا میں ہوں تو اس میں میرا کیا اَپرادھ (جرم) ہے؟

میز : ہم کو آپ کی دولت نہیں چاہیے۔

اے نڈ : تم نہ کچھ سمجھتی ہو اور نہ سمجھنا چاہتی ہو، یہاں سے چلی جاؤ۔

میز : کٹوتا (کڑواہٹ) سے) آپ میٹھی باتیں بھلے ہی کریں، لیکن آپ ہی نے اس کی جان لی، آپ اور آپ کے باپ نے۔

اے نڈ : (کرودھ اور آویش سے) کیوں کوستی ہو؟ میرے پتا تو اس منحوس ہڑتال کے کارن آپ ہی بے حال ہورہے ہیں۔

میز : (کٹھور گرؤ (فخر) کے ساتھ) تب ان سے کہہ دو، مسز رابرٹ مر گئی، انھیں فائدہ دے گا۔

اے نڈ : چلی جاؤ۔

میز : جب کوئی ہمارے پیچھے پڑتا ہے تو ہم بھی اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

(وہ یکایک تیزی سے اے نڈ کی طرف بڑھتی ہے اس کی آنکھیں چھوٹی میز پر رکھے ہوئے بچے کے فراک پر جمی ہوئی ہیں۔ اے نڈ فراک کو اٹھا لیتی

ہے، مانو وہ بچہ ہی ہو، دونوں آنکھیں ملائے ایک گز کے انتر پر کھڑی ہوجاتی ہیں)

میز : (کچھ مسکرا کر فراک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اچھا یہ بات ہے، یہ اس کے بچے کا فراک ہے، یہ بہت اچھا ہے کہ آپ کو اس کی ماں کی رکچھا کرنی پڑے گی۔ اس کے بچوں کی نہیں، بڑھیا بہت دنوں تک آپ کو کشٹ نہ دے گی۔

اے نڈ : چلی جاؤ۔

میز : میں آپ سے اس کا سندیشہ (سوغات) کہہ چکی۔

(وہ پھر کر ہال میں چلی جاتی ہے، جب تک چلی نہیں جاتی، اے نڈ نِشچل (غیر متزلزل) کھڑی رہتی ہے۔ پھر میز پر جھک کر اس فراک کے اوپر اپنے سر جھکا دیتی ہے جسے وہ ابھی تک لیے ہوئے ہے۔ دہرے دروازے کھلتے ہیں اور ایتھونی مُندگتی (ست رفتار) سے آتے ہیں، وہ اپنی لڑکی کے سامنے سے ہوکر جاتے ہیں اور ایک آرام کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں ان کا چہرہ لال ہے)

اے نڈ : (اپنے آویش (جوش) کو چھپاکر) کیا بات ہے دادا؟

(ایتھونی سر ہلا دیتے ہیں پر کچھ بولتے نہیں)

کیا بات ہے؟

(ایتھونی جواب نہیں دیتے، اے نڈ دہرے دروازوں کے پاس جاتی ہے، وہاں ایڈگار آتا ہوا اسے مل جاتا ہے دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگتے ہیں)

کیا بات ہے ٹیڈ؟

ایڈ گار : وہی بے ہودہ وائلڈر، ویکتیِ گت اچھیپ (الزام تراشی) کرنے لگا، صاف گالیاں دے رہا تھا۔

اے نڈ : اس نے کہا کیا؟

ایڈ گار : کہتا تھا، دادا اتنے بوڑھے اور نربل ہوگئے ہیں کہ انھیں کچھ سوجھتا ہی نہیں، دادا ابھی اس کے جیسے چھ آدمیوں کے برابر ہیں۔

اے نڈ : اور کیا

(دونوں اینتھونی کی اُور دیکھتے ہیں دروازے کھل جاتے ہیں۔ وینکلین اسکینٹل
بری کے ساتھ آتا ہے)

اسکینٹل بری : (ایک سُور میں) مجھے یہ بات پسند نہیں ہے۔

وینکلین : (آگے بڑھ کر) پردھان جی، وائلڈر نے آپ سے معافی مانگی ہے، کوئی آدمی اس کے سوا کور کیا کرسکتا ہے؟

(وائلڈر جس کے پیچھے پیچھے ٹینچ ہے اندر آتا ہے اور اینتھونی کے پاس جاتا ہے)

وائلڈر : (بے دلی سے) میں اپنے شبدوں کو واپس لیتا ہوں، مہاشیہ مجھے کھید ہے۔

(اینتھونی سر ہلاتا ہے)

اے نڈ : کیوں مسٹر وینکلین، تم نے کچھ نشچے نہیں کیا؟

(وینکلین سر ہلاتا ہے)

وینکلین : پردھان جی ہم سب یہاں ہیں اب آپ کیا کہتے ہیں؟ ہم اس معاملے پر وچار کریں یا دوسرے کمرے میں چلے جائیں۔

اسکینٹل بری : ہاں، ہاں ہمیں وِچار کرنا چاہیے، کچھ نہ کچھ نشچے کرنا ضروری ہے۔

(وہ چھوٹی کرسی سے گھوم کر سب سے بڑی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور آرم کی سانس لیتا ہے۔ وائلڈر اور وینکلین بھی بیٹھتے ہیں اور ٹینچ ایک سیدھے تکیے کی کرسی کھینچ کر پردھان کے پاس رجسٹر اور قلم لے کر بیٹھ جاتا ہے)

اے نڈ : (دھیرے سے) میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں ٹیڈ،

(دونوں دہرے دروازوں سے باہر چلے جاتے ہیں)

وینکلین : سچی بات یہ ہے، پردھان جی کہ اب اس بھرم سے اپنے کو تسکین دینا کہ ہمارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا، اُچت نہیں ہے، اگر عام جلسے کے پہلے اس ہڑتال کا اَنت نہیں ہوجاتا تو حصے دار لوگ ہماری بری گتی بنائیں گے۔

اسکینٹل بری : (چونک کر) کیا بات ہے؟

وینکلین : یہ تو ہوگا ہی۔

اینتھونی : بنانے دو۔

وائلڈ : تو ہم اپنی جگہ پر رہ چکے۔
وینکلین : (اینتھونی سے) مجھے اسی نیتی (حکمت عملی) کے لیے بلیدان ہوجانے میں کوئی بھَے نہیں ہے جس پر مجھے وشواس ہو، لیکن کسی دوسرے کے سدھانتوں کے لیے جلنا مجھے منظور نہیں۔
اسکنیٹل بری : بات تو سچی ہے، پردھان (صدر) جی آپ کو اس کی فکر کرنی چاہیے۔
اینتھونی : دوسرے کارخانے والوں کے ہت کے وِچار سے ہمیں درڑھ (مستحکم) رہنا چاہیے۔
وینکلین : اس کی بھی ایک سیما ہے۔
اینتھونی : شروع میں تو آپ لوگ جوش سے بھرے ہوئے تھے۔
اسکنیٹل بری : (رونی صورت بناکر) ہم نے سمجھا تھا، مزدور لوگ دب جائیں گے، لیکن یہ خیال غلط نکلا۔
اینتھونی : دبیں گے۔
وائلڈر : (اٹھ کر کمرے میں اس سرے سے اس سرے تک ٹہلتا ہوا) ویوسائی آدمی ہو اور مزدوروں کو بھوکوں مار ڈالنے کے سنتوش کے لیے اپنے نام میں بٹا نہیں لگانا چاہتا۔

(آنکھوں میں آنسو بھرکر)

یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ ایسی دَشا میں ہم حصے داروں کو کیسے منہ دکھا سکیں گے۔
اسکنیٹل بری : ہیئر ہیئر ہیئر !!!
وائلڈر : (اپنے کو دھِکّار کر) اگر کوئی مجھ سے یہ آشا رکھے کہ میں ان سے یہ کہوں گا، میں نے تمھیں 50 ہزار پونڈ کی چپت دی، اور چاہے اتنا ہی گھاٹا اور ہوجائے تو بھی اپنی ٹیک نہ چھوڑوں گا تو

(اینتھونی کی اور دیکھ کر)

مجھ سے یہ نہ ہوگا، یہ اُچت نہیں ہے، میں آپ کا وِرودھ نہیں کرنا چاہتا۔

وینکلین : (نمرتا سے) دیکھیے، پردھان جی، ہم لوگ بالکل سوادھین نہیں ہیں، ہم سب ایک کل کے پرزے ہیں، ہمارا کام کیول اتنا ہے کہ جتنا لابھ کمپنی کو ہوسکے، اتنا ہونے دیں اگر آپ مجھ پر آچھیپ لگائیں کہ تمھارا کوئی سدھانت نہیں ہے تو میں کہوں گا کہ ہم کیول پرتی ندھی ہیں۔ بدھی کہتی ہے کہ اگر یہ ہڑتال چلتی رہی تو ہمیں جتنی ہانی ہوگی وہ مجوری کی بچت سے نہ پوری ہوگی۔ واستو میں پردھان جی، جن اچھی سے اچھی شرطوں پر ہوسکے یہ جھگڑا بند کردینا چاہیے۔

اینتھونی : ایسا نہیں ہوسکتا۔

(سب کے سب سناٹے میں آجاتے ہیں)

وائلڈر : تو ادھر بھی ہڑتال ہی سمجھیے۔

(نراشا سے اپنے ہاتھوں کو پٹک کر) میرا اسپین کا جانا ہوچکا!

وینکلین : (وینگ ملے ہوئے سور میں) پردھان جی، آپ نے اپنی وجے (کامیابی) کا پھل دیکھ لیا؟

وائلڈر : (آکسمیک (اتفاقی) آویش کے ساتھ) میری استری بیمار ہے۔

اسکینٹل بری : یہ تو آپ نے بری سنائی۔

وائلڈر : اگر میں اسے بھینکر شیت (خطرناک ٹھنڈ) سے نہ نکال لے گیا تو ایشور ہی جانے کیا ہوگا۔

(ایڈگار دہرے دروازے سے اندر آتا ہے وہ بہت گمبھیر دکھائی دیتا ہے)

ایڈ گار : (اپنے باپ سے) آپ نے سنا؟ مسز رابرٹ مر گئی۔

(سب اس کی طرف تاکنے لگتے ہیں مانو اس سماچار کی گروتا (بھاری پن) پر وچار کرتے ہوں)

اے نڈ آج شام کو اس کے گھر گئی تھی وہاں نہ کوئلہ تھا، نہ کھانا تھا اور نہ کوئی اور چیز تھی، بس حد ہوگئی،

(سناٹا ہوجاتا ہے سب ایک دوسرے سے آنکھیں چراتے ہیں کیول اینتھونی بیٹے کی طرف گھور کر دیکھتا ہے)

اسکنیٹل بری : کیا آپ کا خیال ہے، ہم لوگ اس غریبن کی کچھ مدد کرسکتے تھے؟

وائلڈر : (اُتیجت ہوکر) عورت بیمار تھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے، کم سے کم مجھ پر نہیں ہے۔

ایڈ گار : (گرم ہوکر) میں کہتا ہوں کہ ہم سب ذمے دار ہیں۔

اینتھونی : لڑائی، لڑائی ہے!

ایڈ گار : عورتوں سے نہیں!

وینکلین : بہودھا (زیادہ تر) عورتوں کے ہی ماتھے جاتی ہے۔

ایڈ گار : اگر یہ ہم کو معلوم ہے تو ہماری ذمے داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

اینتھونی : یہ عطائیوں کے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔

ایڈ گار : آپ مجھے جو چاہیں کہیں، میں اس سے اُوب گیا ہوں، ہمیں معاملے کو اتنا طول دینے کا کوئی اِدھکار نہ تھا۔

وائلڈر : مجھے یہ بات رتی بھر بھی پسند نہیں، وہ اوندھی کھوپڑی والا سامیہ وادی پتر (اشتراکی خط) اس معاملے کو توڑ مروڑ کر اپنا مطلب گانٹھے گا۔ دیکھ لینا، کوئی اوٹ پٹانگ کہانی گڑھ کر یہ دکھائے گا کہ عورت بھوکوں مر گئی، میرا بھی اس میں کوئی دوش (قصور) نہیں۔

ایڈ گار : آپ اس سے کنارے نہیں رہ سکتے، ہم میں سے کوئی نہیں رہ سکتا۔

اسکنیٹل بری : (کرسی کے بازو پر گھونسا مار کر) لیکن میں تو اس کا وِرودھ کرتا ہوں۔

ایڈ گار : آپ جتنا وِرودھ چاہیں کریں، سچ کو جھوٹ نہیں کرسکتے۔

اینتھونی : بس، اب مت باندھو۔

ایڈ گار : (کرودھ سے ان کے سامنے کھڑے ہوکر) جی نہیں، میں آپ سے وہی کہتا ہوں جو میرے دل میں ہے۔ اگر ہم یہ سوچیں کہ مزدوروں کو کشٹ نہیں ہورہا ہے تو یہ جھوٹ ہے، اور اگر انھیں کشٹ ہورہا ہے تو یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عورتوں کو زیادہ کشٹ ہورہا ہے اور بچوں کی دَشا تو کچھ کہی نہیں جاسکتی۔ مانو سوبھاؤ (انسانی سلوک) کا اتنا گیان ہم کو ہے۔

(اسکنیٹل بری کرسی سے کھڑا ہوجاتا ہے)

میں یہ نہیں کہتا، لیکن میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ہمارا سچ کی اُور سے آنکھیں بند کرلینا بے جا تھا۔ ہم نے ان آدمیوں کو نوکر رکھا ہے اور اس اَپرادھ سے نہیں بچ سکتے۔ مَردوں کی تو مجھے زیادہ پرواہ نہیں ہے لیکن میں عورتوں کو اس طرح مارنا نہیں چاہتا۔ اس سے تو یہ کہیں اچھا ہے کہ میں بورڈ سے استعفیٰ دے دوں،

(اینتھونی کے سوا اور سب کھڑے ہوجاتے ہیں، اینتھونی کرسی کی بانھ پکڑے پُتر کی اُور تاکتا ہوا بیٹھا رہتا ہے)

اسکنیٹل بری: بھائی جان آپ جن شبدوں میں اپنے بھاؤ پرکٹ کر رہے ہیں وہ مجھے پسند نہیں۔

وینکلین: آپ حد سے آگے بڑھے جارہے ہیں۔

وائلڈر: میرا بھی ایسا ہی وچار ہے۔

ایڈگار: (آپے سے باہر ہوکر) ان باتوں کی اُور سے آنکھیں میچ (چرا) لینے سے کام نہ چلے گا۔ اگر آپ لوگ عورتوں کا خون اپنی گردن پر لینا چاہتے ہوں تو لیں میں نہیں لینا چاہتا۔

اسکنیٹل بری: بس، بس بھائی جان۔

وائلڈر: ہماری گردن کہیے، میری گردن نہیں، میں اپنی گردن پر یہ پاپ نہیں لینا چاہتا۔

ایڈگار: ہم لوگ بورڈ میں پانچ ممبر ہیں، اگر ہم چار اس کے وِرودھ تھے تو ہم نے کیوں اس معاملے کو اتنی دور جانے دیا؟ اس کا کارن آپ لوگ خوب جانتے ہیں ہمیں آشا تھی کہ ہم مردوں کو بھوکوں مار ڈالیں گے لیکن ہوا یہ کہ ہم عورتوں کی جان لینے لگے۔

اسکنیٹل بری: (اُونمت (مدہوش) ہوکر) میں اسے نہیں مانتا، کسی طرح نہیں، میرے ہردے میں دَیا ہے، ہم سبھی سجّن ہیں۔

ایڈ گار: (شلیشنگ (ترکیبی) بھاؤ سے) ہماری سمجھتا میں کوئی بادھا نہیں ہے۔ یہ ہماری کلپنا (تصور) کا دوش ہے مسٹر اسکنیٹل بری۔

اسکنیٹل بری: واہیات! میری کلپنا تمہاری کلپنا سے گھٹ کر نہیں ہے۔

ایڈ گار: جیسی ہونی چاہیے ویسی نہیں ہے۔

وائلڈر: میں نے پہلے ہی کہا تھا!

ایڈ گار: تو پھر کیوں نہیں روکا؟

وائلڈر: تو کیا بات رہ جاتی؟

(اینتھونی کی اُور دیکھتا ہے)

ایڈ گار: اگر آپ اور میں اور ہم سب نے جو کہہ رہے ہیں کہ ہماری کلپنا اتنی اچھی ہے

اسکنیٹل بری: (گھبرا کر) میں نے یہ نہیں کہا۔

ایڈ گار: (ان سنی کرکے) اس کی جڑ کاٹ دی ہوتی تو یہ معاملہ کب کا ٹھنڈا ہوگیا ہوتا اور یہ دکھیا اس طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرتی، کون کہہ سکتا ہے کہ ابھی ایک درجن اور عورتیں اسی طرح فاقے نہیں کر رہی ہیں۔

اسکنیٹل بری: بھائی صاحب، خدا کے لیے اس شبد کا اس اس بورڈ کے جلسے میں پریوگ (استعمال) نہ کیجاے، یہ یہ بھینکر ہے۔

ایڈ گار: کوئی وجہ نہیں کہ میں اس کا پریوگ (استعمال) نہ کروں۔

اسکنیٹل بری: تو میں تمھاری باتیں نہ سنوں گا نہ میں کان ہی دوں گا، مجھے دکھ ہوتا ہے (اپنے کان بند کرلیتا ہے)

وینکلین: ہم میں سے کوئی سمجھوتے کے وِرودھ نہیں ہے سوائے تمھارے پتا کے۔

ایڈ گار: مجھے وشواس ہے کہ اگر حصے داروں کو معلوم ہو جائے کہ

وینکلین: میرا خیال ہے کہ آپ کو ان کی کلپنا میں بھی یہی دوش ملے گا۔ اگر کسی استری کا دل کمزور ہے تو کیا اس لیے۔

ایڈ گار: ایسے اُپدروں میں سبھی کے دل کمزور ہو جاتے ہیں، یہ بچہ بھی جانتا ہے، اگر

ہم نے ڈکیتی کی چال نہ چلی ہوتی تو اس طرح اس کے پران نہ جاتے اور یہ تباہی نظر نہ آتی جو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ جسے ذرا بھی بدھی ہے وہ سمجھ سکتا ہے۔

(جب تک ایڈگار بولتا ہے، اینتھونی اس کی طرف دیکھتا رہتا ہے، وہ اب اٹھنا چاہتا ہے لیکن ایڈگار کو پھر بولتے دیکھ کر رک جاتا ہے)

میں مجوروں کی، اپنی یا کسی دوسرے کی صفائی نہیں دے رہا ہوں۔

وینکلین : شاید آپ کو صفائی دینی پڑے، عدالت کی رنش کچھ جوری شاید ہمارے اوپر کچھ بھدے آچھیپ (الزام تراشی) کرے، ہمیں اپنی آبرو کی رکچھا بھی تو کرنی ہے۔

اسکنیٹل بری : (کانوں کو بند کیے ہوئے) عدالت کی جوری! نہیں نہیں یہ ویسا معاملہ نہیں ہے۔

ایڈگار : مجھ سے اب اور کایرتا نہ ہوگی۔

وینکلین : کایرتا)کڑا شبد ہے، مسٹر ایڈگار اینتھونی، اگر یہ گھٹنا ہوجائے ہم آدمیوں کی مانگیں پوری کردیں تو وہ البتہ ہماری کایرتا سی معلوم ہوگی۔ ہمیں بہت ساودھان رہنا چاہیے۔

وائلڈر : بے شک، ہمیں افواہوں کے سوا، اس معاملے کی کوئی خبر نہیں ہے، سب سے سگم (آسان) اُپائے یہ ہے کہ ساری بات مسٹر ہارنس پر چھوڑ دیں کہ وہ ہماری طرف سے طے کردیں یہ سیدھا راستہ ہے اور اسی پر ہمیں آجانا چاہیے تھا۔

اسکنیٹل بری : (گروَو (فخر) سے) ٹھیک!

(ایڈگار کی طرف پھر کر)

اور آپ کے وشے میں میں اتنا ہی کہتا ہوں کہ جن شبدوں میں آپ نے اس معاملے کو بیان کیا ہے وہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے، آپ کو ان شبدوں کو واپس لینا چاہیے۔ آپ ہماری رائے کو جانتے ہوئے بھی یہاں فاقے اور

کا یرتا کی چرچا کرتے ہیں، آپ کے باپ کے سوا ہم سب لوگوں کی یہ رائے ہے کہ میل ہی سب سے اچھی نیتی ہے۔ آپ کے کتھن (بیان) بالکل انوچیت اور اَوِچار سے بھرا ہوا ہے۔ اور میں اس کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا کہ مجھے اس سے کشٹ ہوا ہے۔

(وہ اپنا ہاتھ پرستاؤ پتر کے بیچ میں رکھتا ہے)

ایڈ گار : (دُراگرہ (ضدبندی) سے) میں ایک شبد بھی واپس نہ لوں گا۔

(وہ کچھ اور کہنے جارہا ہے لیکن اسکنیٹل بری پھر کانوں پر ہاتھ رکھ لیتا ہے، سہسا (دفعتاً) ٹینچ یادداشت کے رجسٹر کو اٹھاکر گھومانے لگتا ہے پھر سب کو یہ گیات (علم) ہوجاتا ہے کہ ہم کوئی اَسوبھاویک (غیر فطری) کام کر رہے ہیں اور سب ایک ایک کرکے بیٹھ جاتے ہیں۔ کیول (صرف) ایڈ گار کھڑا رہتا ہے۔)

وائلڈر : (اس بھاؤ سے مانو کوئی آچھیپ (الزام) مٹانے کی چیشٹھا (کوشش) کر رہا ہے) میں مسٹر ایڈگار اینتھونی کی باتوں کی پروا نہیں کرتا۔ پولیس کی جوری، یہ وچار ہی لچر ہے، میں پردھان جی کے پرستاؤ میں یہ سنسودھن (ترمیم) کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جھگڑا ترنت فیصلے کے لیے مسٹر سائمن ہراسن کے سپرد کردیا جائے، انھیں شرطوں پر جو آج انھوں نے بتلائی تھی۔ کوئی سمرتھن کرتا ہے؟

(ٹینچ رجسٹر میں لکھتا ہے)

وینکلین : میں سمرتھن کرتا ہوں۔

وائلڈر : تو میں پردھان جی سے نیودن کروں گا کہ وہ اسے بورڈ کے سامنے رکھیں۔

اینتھونی : (لمبی سانس لے کر دھیرے دھیرے) ہارے اوپر چوٹیں کی گئی ہیں۔

(وائلڈر اور اسکنیٹل بری کی اُور وینگ بھرے ہوئے تیرسکار سے دیکھ کر)

میں اسے اپنی گردن پر لیتا ہوں۔ میرا اوستھا (عمر) 76 ورش (سال) کی ہے۔ 32 سال ہوئے اس کمپنی کا جنم ہوا تھا۔ اس کے جنم ہی سے میں اس کا پردھان ہوں۔ میں نے اس کے اچھے دن بھی دیکھے اور برے دن بھی۔ اس کے ساتھ میرا سمبندھ اس سال شروع ہوا جب یہ یُووک پیدا ہوا۔

(ایڈگار سر جھکاتا ہے، اینتھونی اپنی کرسی کو پکڑ کر پھر کہنا شروع کرتا ہے)

میں 50 سال سے مجوروں کے ساتھ وہوار کر رہا ہوں۔ میں نے ہمیشہ انھیں ٹھوکر ماری ہے۔ خود کبھی ٹھوکر نہیں کھائی۔ میں اس کمپنی کے مجوروں سے چار بار بھیڑ چکا ہوں اور چاروں بار میں نے انھیں نیچا دکھایا ہے۔ لوگ کہتے ہیں مجھ میں پہلا سا دم دوا نہیں ہے،

(وائلڈر کی اُور تاکتا ہے)

کچھ بھی ہو مجھ میں اب بھی اپنی توپوں کے پاس ڈٹے رہنے کی ہمت ہے۔

(اس کا سَور اور اونچا ہو جاتا ہے۔ دہرے دروازے کھلتے ہیں اور اے نڈ آتی ہے۔ انڈروڈ اس کو روکتا ہوا پیچھے پیچھے آتا ہے)

مزدوروں کے ساتھ ہم نے نیائے کا وہوار کیا ہے۔ ان کو ٹھیک مزدوری دی گئی ہے۔ ہم ہمیشہ ان کی شکایتیں سننے کے لیے تیار رہے ہیں، کہا جاتا ہے، زمانہ بدل گیا، زمانہ بدل گیا ہو لیکن میں نہیں بدلا اور نہ بدلوں گا۔ کہا جاتا ہے کہ سوامی اور سیوک برابر ہیں۔ لچر ہے ایک گھر میں کیول ایک سوامی ہو سکتا ہے۔ جہاں دو آدمی ہوں گے اس میں جو اِدھک یوگیہ ہوگا، اسی کی چلے گی، کہا جاتا ہے کہ پونجی اور شرم (محنت) کے سوارتھ (خودغرضی) میں کوئی انتر نہیں ہے۔ لچر بات! ان کے سوارتھوں (خودغرضی) میں دھروں (قطب تاروں) کا انتر (فرق) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بورڈ کل کا صرف ایک پرزہ ہے۔ لچر بات! ہمیں کل ہیں ہمیں اس کا مستسک ہیں اور اس کی نسیں ہیں۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اس کو چلائیں اور بنا کسی ڈر یا رعایت کے اس کا نشچے کریں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ مجوروں سے ڈریں! حصے داروں سے ڈریں! اپنے ہی سائے سے ڈریں۔ اس کے پہلے میں مر جانا چاہتا ہوں

(وہ دم لیتا ہے اور اپنے پُتر سے آنکھیں ملاکر پھر کہتا ہے)

مجوروں کے ساتھ نپٹارا کرنے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ دَمن

(سرکوبی) آج کے ادھکچری باتیں اور ادھکچرے وہواروں ہی نے ہمیں اس دَشا میں ڈال دیا ہے، دیا اور نرمی جسے یہ یُووک اپنی سماج نیتی کہتا ہے، اس کی جڑ ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ تم چنے بھی چباؤ اور شہنائی بھی بجاؤ۔ یہ ادھکچری بھاؤکتا (جذباتیت) اسے چاہے سامیہ واد کہو چاہے کچھ اور، کوری گپ ہے، سوامی، سوامی ہے اور سیوک، سیوک ہے۔ تم ان کی ایک بات مانو، اور وہ چھ اور مانگیں گے۔

(رکھائی سے مسکرا کر)

وہ اولیور ٹیوسٹ کی بھانتی کبھی سنتوشٹ نہیں ہوتے۔ اگر میں ان کی جگہ پر ہوتا تو میں بھی ویسا ہی کرتا۔ لیکن میں ان کی جگہ پر نہیں ہوں۔ میری باتوں کی گرہ باندھ لو، اگر تم ان سے یہاں دبے، وہاں دبے تو ایک دن تمھیں معلوم ہوگا کہ تمھارے پیروں کے نیچے زمین کھسک گئی ہے اور تم دیوالیے پن کے دلدل میں پھنس گئے ہو۔ اور تمھارے ساتھ وہ لوگ بھی دلدل میں ڈوب رہے ہوں گے جن کے سامنے تم نے گھٹنے ٹیکے ہیں۔ مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ میں سوِچھاچاری (من مرضی) شاسک (حاکم) ہوں جسے اپنی ٹیک کے سوا اور کسی بات کی چنتا نہیں ہے، لیکن میں اس دیش کا بھوش (مستقبل) سوچتا ہوں، جس پر اَوِوستھا (بدانتظامی) کی کابی باڑھ کا سنکٹ آنے والا ہے۔ جس پر جن شاسن (عوامی حکومت) کا سنکٹ آنے والا ہے اور نہ جانے کون کون سے سنکٹ آنے والے ہیں۔ اگر میں اپنے آچرن سے اسی وِپتّی کو اپنے دیش پر لاؤں تو میں اپنے بھائیوں کو منھ نہ دکھا سکوں گا۔

(اینتھونی سامنے کی اُور شونیہ (خلا) میں تاکتا ہے اور پورا سناٹا چھایا ہوا ہے۔
فراسٹ بڑے کمرے سے آتا ہے اور اینتھونی کے سوا اور سب لوگ اس کی اُور چنیست ہوکر تاکتے ہیں)

فراسٹ : (اینتھونی سے) حضور، مزدور لوگ یہاں آگئے،

(اینتھونی اسے چلے جانے کا اشارہ کرتا ہے)

کیا ان لوگوں یہاں لاؤں۔

اینتھونی : ٹھہرو

(فراسٹ چلا جاتا ہے اینتھونی گھوم کر اپنے پتر کی اُور تاکتا ہے)

اب میں اس آچھیپ (الزام تراشی) پر آتا ہوں جو میرے اوپر کیا گیا ہے۔

(ایڈگار گھِرنا (نفرت) کا سنکیت کرتا ہے اور سر کچھ جھکاکر چپ چاپ کھڑا رہتا ہے)

ایک عورت مر گئی ہے مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اس کا خون میری گردن پر ہے، مجھ سے کہا جاتا ہے اور بھی کتنی ہی عورتوں، بچوں کے بھوکوں مارنے اور ایڑیاں رگڑنے کا اپرادھ بھی میری گردن پر ہے۔

ایڈگار : میں نے، ہماری گردن پر کہا تھا۔

اینتھونی : ایک ہی بات ہے۔

(اس کا سُور اونچا ہوتا جاتا ہے اور منوویک بھاؤ) اترو اُتر (بتدریج) بڑھتا جاتا ہے)

مجھے یہ نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر میرا دوندی (حریف) ایک سچی لڑائی میں جس کا کارن میں نہیں ہوں، نیچا دیکھے تو یہ میرا دوش ہے اگر میں کشتی کھا جاؤں اور یہ سمبھو ہے، تو میں شکایت نہ کروں گا کہ وہ میرا ذمہ ہوگا۔ اور یہ اس کا ہے میں چاہوں تو بھی تو ان مجوروں کو ان کی استریوں اور بچوں سے الگ نہیں کرسکتا۔ سچی لڑائی سچی لڑائی ہے، انھیں چاہیے کہ لڑائی چھیڑنے کے پہلے اس کا نتیجہ سوچ لیا کریں۔

ایڈگار : (دھیمے سُور میں) لیکن کیا یہ سچی لڑائی ہے، پتاجی؟ ان کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے ان کے پاس کیول (صرف) یہی ایک ہتھیار ہے۔

اینتھونی : (کٹھورتا (سختی) سے) اور تم اتنے نرِلجّ (بے حیا) ہوکہ یہ ہتھیار چلانا سکھاتے ہو، آج کل یہ رواج سا چل پڑا ہے کہ لوگ اپنے شتروں کا پکش لیتے

ہیں۔ میں نے ابھی وہ کلا (ہنر) نہیں سکھی ہے۔ یہ میرا دوش ہے کہ انھوں نے اپنی پنچایت سے بھی لڑائی ٹھان لی؟

ایڈ گار : دیا بھی تو کوئی چیز ہے۔

اینتھونی : اور نیائے کا پد (عہدہ) اس سے بھی اونچا ہے۔

ایڈگار : مگر ایک آدمی کے لیے جو نیائے ہے وہ دوسرے کے لیے انیائے ہے۔

اینتھونی : (اپنے ادگار (ابال) کو دباکر) تم مجھ پر انیائے کا دوش لگاتے ہو، جس میں پشوتا (حیوانیت) ہے، نردیتا (بے رحمی) ہے،

(ایڈگار گھرنا سوچک (نفرت کی نشاندہی) سنکیت کرتا ہے، سب کے سب ڈر جاتے ہیں)

وینکلین : ٹھہریئے، ٹھہریئے، پردھان جی۔

اینتھونی : (کٹھور سور میں) یہ میرے ہی پتر کے شبد ہیں۔ یہ اس یگ کے شبد ہیں جسے میں نہیں سمجھتا یہ دُربل سنتانوں کے شبد ہیں

(سب لوگ بھنبھنانے لگتے ہیں، اینتھونی پربل (زوردار) پریتن (کوشش) سے اپنے اوپر قابو پاتا ہے)

ایڈ گار : (دھیرے سے) یہ باتیں میں نے اپنے وِشے میں بھی کہی تھیں دادا،

(دونوں ایک دوسرے کی اُور دیر تک تاکتے ہیں اور اینتھونی اپنا ہاتھ ایک ایسے سنکیت سے پھیلاتا ہے مانو ان ویکتیوں کو ہٹا دینا چاہتا ہو، تب اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیتا ہے اور اس طرح ہلاتا ہے مانو اسے چکر آگیا ہو، لوگ اس کی طرف بڑھتے ہیں لیکن وہ انھیں پیچھے ہٹا دیتا ہے)

اینتھونی : اس کے پہلے کہ میں اس سنشودھیت (ترمیم شدہ) پرستاؤ کو بورڈ کے سامنے رکھوں، میں ایک شبد اور کہنا چاہتا ہوں (وہ ایک ایک کے چہرے کی اُور دیکھتا ہے) اگر اسے سیویکار کرتے ہیں تو اس کا یہ آشیہ (مطلب) ہوگا کہ ہم نے جو کچھ کرنے کی ٹھانی تھی وہ ہم پورا نہ کرسکیں گے۔ اس کا یہ آشیہ ہے کہ پونجی کے ساتھ ہمارا جو کرتبیہ ہے اسے ہم پورا نہ کرسکیں گے۔ اس آشیہ ہے کہ ہمیشہ ایسے ہی حملے ہوتے رہیں گے اور ہم کو ہمیشہ دینا پڑے گا۔

دھوکے میں نہ آیئے۔ یدی اب کی بار آپ میدان چھوڑ کر بھاگے تو پھر آپ کے قدم کبھی نہیں جمیں گے۔ آپ کو کتوں کی طرح اپنے ہی آدمیوں کے کوڑوں کے سامنے بھاگنا پڑے گا۔ اگر آپ کو یہی منظور ہے تو آپ اس سنشودھن کو سیویکار کریں۔

(وہ پھر ایک ایک کرکے چہرے کی اُور دیکھتا ہے۔ اور اَنت میں ایڈگار کی طرف آنکھیں جمادیتا ہے، سب آنکھیں زمین کی اُور کیے بیٹھے ہیں۔ اینتھونی سنکیت کرتا ہے اور ٹینچ اس کے ہاتھ میں کارروائی کا رجسٹر دیتا ہے۔ وہ پڑھتا ہے)

مسٹر وائلڈر نے پرستاؤ کیا اور مسٹر وینکلین نے اس کا سمرتھن کیا۔ مزدوروں کی مانگیں تژنت (فوراً) مسٹر سائمن ہارنس کے ہاتھوں میں دے دی جائیں کہ آج صبح انھوں نے جو شرطیں بتائی تھیں اس کے انوسار (مطابق) معاملے کو طے کردیں۔"

(یکایک زور سے)

جو لوگ پکش میں ہیں ہاتھ اٹھاویں۔

(ایک منٹ تک کوئی نہیں ہلتا، تب جوں ہی اینتھونی پھر بولنا چاہتا ہے، وائلڈر اور وینکلین جلدی سے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں۔ تب اسکنیٹل بری اور سب سے پیچھے ایڈگار ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ ایڈگار اب بھی سر نہیں اٹھاتا)

جو لوگ اس کے وِپکش (حزب مخالف) میں ہو؟

(اینتھونی اپنا ہی ہاتھ اٹھا دیتا ہے) (اسپشٹ سُور (صاف آواز) میں)

سنشودھن (ترمیم) سیویکار ہوگیا۔ میں بورڈ سے استعفیٰ دیتا ہوں۔

(اے نڈ لمبی سانس لیتی ہے اور سناٹا چھا جاتا ہے، اینتھونی اِستھر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا سر دھیرے دھیرے جھک رہا ہے۔ یکایک وہ سانس لیتا ہے مانو اس کا سارا جیون اس کے بھیتر اُمڈ پڑا ہو)

پچاس سال! بجتو آپ نے میرے منھ میں کالک لگا دی۔ مزدوروں کو لاؤ

(وہ سامنے تاکتا ہوا استھر بیٹھا رہتا ہے۔ سبھاسدگن (رکن مجلس کے لوگ) جلدی سے اکٹھ (جمع) ہوجاتے ہیں۔ ٹینچ سہمی ہوئی آواز سے بڑے کمرے

میں آواز دیتا ہے۔ انڈروڈ زبردستی اے نڈ کو کمرے سے کھینچ لے جاتا ہے)

وائلڈر : (گھبرا کر) اس سے کیا کہنا ہوگا؟ ابھی تک ہارنس کیوں نہیں آیا؟ کیا اس کے آنے کے پہلے ہمیں آدمیوں سے ملنا چاہیے؟ میں نہیں۔

ٹینچ : آپ لوگ اندر آجائیں۔

(ٹامس، گرین، بلجین اور راؤس اندر آتے ہیں اور چھوٹی میز کے سامنے ایک قطار میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ٹینچ بیٹھ جاتا ہے اور لکھتا ہے۔ سب کی آنکھیں اینتھونی کی اُور لگی ہوئی ہیں جو بالکل شانت ہے)

وینکلین : (چھوٹی میز کے پاس آکر سشنک (مشکوک) مَیتری (میل جول) کے ساتھ) دیکھو ٹامس، اب کیا کرنا ہے؟ تمھاری سبھا نے کیا طے کیا؟

راؤس : ہم ہارنس کے پاس ہمارا جواب ہے وہ آپ سے بتلائیں گے۔ ہم ان کی راہ دیکھ رہے ہیں، وہ ہماری طرف سے جواب دیں گے۔

وینکلین : یہی بات ہے، ٹامس؟

ٹامس : (رکھائی سے) جی ہاں! رابرٹ نہ آئیں گے ان کی بی بی مر گئی ہے۔

اسکنیٹل بری : ہاں ہاں، ہم سن چکے ہیں، غریب عورت!

فراسٹ : (بڑے کمرے سے آکر) مسٹر ہارنس آئے ہیں۔

(ہارنس کے آنے پر وہ چلا جاتا ہے، ہارنس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، وہ ڈائریکٹروں کو سلام کرتا ہے، مزدوروں کی طرف دیکھ کر سر ہلاتا ہے اور کمرے کے بیچ میں چھوٹی میز کے پیچھے کھڑا ہوجاتا ہے)

ہارنس : سجنو۔

(سب کو سلام کرتا ہے، ٹینچ اس کاغذ کو لیے جس پر وہ لکھ رہا ہے، آجاتا ہے اور سب دھیمے سُوروں (آوازوں) میں باتیں کرنے لگتے ہیں)

وائلڈر : ہم تمھاری راہ دیکھ رہے تھے، ہارنس، آشا ہے کہ ہم کچھ طے۔

فراسٹ : (بڑے کمرے سے آکر) رابرٹ آئے ہیں

(وہ چلا جاتا ہے رابرٹ جلدی سے اندر آتا ہے اور اینتھونی کی اُور تاکتا ہوا کھڑا ہوجاتا ہے۔ اس کا چہرہ اداس اور مرجھایا ہوا ہے)

رابرٹ : مسٹر اینتھونی، مجھے کھید ہے کہ مجھے ذرا دیر ہوگئی۔ میں ٹھیک وقت پر یہاں آجاتا لیکن ایک بات ہوگئی اس لیے نہ آسکا۔

(مزدوروں سے)

کوئی بات چیت ہوئی؟

ٹامس : نہیں! لیکن تم کیوں آئے، بھلے آدمی؟

رابرٹ : آپ لوگوں نے آج ہمیں اپنی اوستھا پر پھر وچار کرنے کے لیے آدیش دیا تھا۔ ہم نے اس پر وچار کرلیا ہے، ہم یہاں مزدوروں کا جواب دینے کے لیے آئے ہیں۔

(اینتھونی سے)

آپ لندن جائیں، آپ سے ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے، ہم اپنی شرطوں میں جو بھر بھی کمی نہ کریں گے، اور نہ ہم کام پر آئیں گے، جب تک ہماری سب شرطیں نہ مان لی جائیں۔

(اینتھونی اس کی اُور تاکتا ہے لیکن بولتا نہیں، مزدوروں میں ہلچل ہوتی ہے جیسے سب گھبرا گئے ہوں)

ہارنس : رابرٹ!

رابرٹ : (اس کی اُور کرودھ (غصہ) سے دیکھ کر پھر اینتھونی سے) اب تو آپ صاف صاف سمجھ گئے۔ کیا یہ صاف اور سیدھا جواب ہے؟ آپ کا یہ سوچنا غلط تھا کہ ہم گھٹنے ٹیک دیں گے۔ آپ دیہہ پر وجے پاسکتے ہیں لیکن آتما (روح) پر وجے نہیں پاسکتے۔ آپ لندن لوٹ جائیں، آدمیوں کو آپ سے کچھ نہیں کہنا ہے۔

(وِودھے سے ذرا رک کر وہ استھر اینتھونی کی اُور ایک قدم بڑھاتا ہے)

ایڈگار : رابرٹ، ہم سب تمھارے لیے دکھی ہیں لیکن

رابرٹ : مہاشے، اپنا دکھ آپ اپنے پاس رکھیں، مگر اپنے باپ کو بولنے دیجیے۔

ہارنس : (کاغذ کا ٹکڑا ہاتھ میں لیے ہوئے چھوٹی میز کے پیچھے سے بولتا ہے)

رابرٹ، رابرٹ! (اینٹھونی سے، آولیش کے ساتھ) آپ کیوں نہیں جواب دیتے؟

ہارنس : رابرٹ!

رابرٹ : (تیزی سے مڑ کر) بات کیا ہے؟

ہارنس : (گمبھیرتا سے) تم بنا پرمان کے باتیں کر رہے ہو۔ تمھارے ہاتھ میں اب فیصلہ نہیں رہا۔

(وہ ٹینچ کو اشارہ کرتا ہے، ٹینچ ڈائریکٹروں کو اشارہ کرتا ہے۔ وہ اس کے شرط نامے پر ہستاکشر کر دیتے ہیں)

اس کاغذ کو دیکھو۔

(کاغذ کو اوپر اٹھاکر)

انجینئروں اور بھٹی والوں کی شرطوں کے سوا اور سب شرطیں منظور کی گئیں۔ سنیچر کے دن سمے کے اوپر کام کرنے کے لیے دونی مزدوری۔ رات کی ٹولیاں بدستور، یہ شرطیں منظور کرلی گئی ہیں۔مزدور لوگ کل سے کام کرنے جائیں گے، ہڑتال سَماپت ہوگئی۔

رابرٹ : (کاغذ کو پڑھ کر آدمیوں پر بگڑتا ہے، وہ اس کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں۔ کیول (صرف) راؤس اپنی جگہ پر رہتا ہے۔ بھیشن (شدید) شانتی کے ساتھ) تم لوگوں نے مجھے دغا دی۔ تمھارے لیے میں نے موت کی بھی پرواہ نہ کی۔ تم مجھے چرکا دینے کے لیے اسی اوسر کا انتظار کر رہے تھے۔

(مزدور لوگ ایک ساتھ جواب دیتے ہیں)

راؤس : یہ جھوٹ ہے۔

ٹامس : کہاں تک تمھارا ساتھ دیتے؟

گرین : اگر تم نے میری بات مانی ہوتی۔

بلجین : (دبی زبان سے) زبان بند کرو۔

رابرٹ : تم اسی اوسر کا انتظار کر رہے تھے۔

ہارنس : (ڈائریکٹروں کا شرط نامہ لے کر اور اسے ٹینچ کو دے کر) بس معاملہ طے ہوگیا۔ مترو

اب تم لوگ جاسکتے ہو۔

(مزدور لوگ دھیرے دھیرے چلے جاتے ہیں)

وائلڈر : (نیچی اور اکھڑی ہوئی آواز میں) اب تو یہاں ہمارے ٹھہرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

(دروازے تک آتا ہے)

میں اس گاڑی کے لیے اب بھی کوشش کروں گا تم آتے ہو اسکنیٹل بری؟

اسکنیٹل بری : (وینکلین کے ساتھ اس کے پیچھے جاتا ہوا) ہاں، ہاں، ذرا ٹھہرو۔

(رابرٹ کو بولتے ہوئے سن کر وہ ٹھہر جاتا ہے)

رابرٹ : (اینتھونی سے) لیکن آپ نے تو ان شرطوں پر دستخط ہی نہیں کیا! وہ لوگ اپنے پردھان کے بنا کوئی شرط نہیں کرسکتے۔ آپ ان شرطوں پر کبھی دستخط نہ کیجیے گا!

(اینتھونی چپ چاپ اس کی اُور تاکتا ہے)

خدا کے لیے! یہ نہ کہیے کہ آپ نے دستخط کر دیا

(آویش مئے (پرجوش) کرودرنا سے)

مجھے اس کا وشواس تھا۔

ہارنس : (ڈائریکٹروں کا شرط نامہ دکھاکر) بورڈ نے ہستاکشر کردیا۔

(رابرٹ ہستاکشروں کو بے دلی کے ساتھ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیتا ہے اور اپنی آنکھیں بند کرلیتا ہے)

اسکنیٹل بری : (ہاتھ کی آڑ کرکے ٹینچ سے) پردھان جی کی خبر رکھنا۔ ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ انہوں نے آج بھوجن بھی نہیں کیا۔ اگر استریوں اور بچوں کے لیے کوئی فنڈ کھولا جائے تو میری طرف سے 20 پاؤنڈ لکھ دینا۔

(وہ اپنی بھاری دیہہ (جسم) کو سنبھالتا ہوا جلدی سے بڑے کمرے میں چلا جاتا ہے اور وینکلین جو رابرٹ اور اینتھونی کو چہرہ مروڑ مروڑ کر دیکھ رہا ہے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ ایڈگار سوفا پر بیٹھا ہوا زمین کی طرف تاکتا رہتا ہے۔ ٹینچ دفتر میں لوٹ کر کارروائی کا رجسٹر لکھتا ہے۔ ہارنس چھوٹی میز کے پاس کھڑا

رابرٹ کو گمبھیر (سنجیدہ) بھاؤ سے دیکھتا رہتا ہے)

رابرٹ : تو اب آپ اس کمپنی میں پردھان نہیں ہیں۔

(پاگلوں کی طرح ہنس کر)

ہا ہا ہا! ان سبھوں نے آپ کو نکال باہر کیا۔ اپنے پردھان کو بھی نکال باہر کیا! ہا، ہا ہا!

(کھیشن دھریہ (مستقل مزاجی) کے ساتھ)

سو ہم دونوں نکال دیے گئے۔ مسٹر اینتھونی!

(اے نڈ دہرے دروازے سے لپکی ہوئی اپنے باپ کے پاس آتی ہے اور اس کے پاس جھک جاتی ہے)

ہارنس : (رابرٹ کے پاس آکر اور اس کی آستین پکڑ کر) تمھیں شرم نہیں آتی رابرٹ! چپکے سے گھر جاؤ، بھلے آدمی، گھر جاؤ۔

رابرٹ : (ہاتھ چھوڑاکر) گھر!

(دونوں ساتھ ساتھ جاتے ہیں)

اے نڈ : (دھیمی آواز میں اپنے باپ سے) دادا، اپنے کمرے میں آیئے! اپنے کمرے میں آیئے۔

(اینتھونی زور لگاکر اٹھتا ہے وہ رابرٹ کی طرف پھرتا ہے جو اس کی طرف تاک رہا ہے، دونوں کئی سکنڈ تک ایک دوسرے کو ٹکٹکی لگائے دیکھتے ہیں۔ اینتھونی ہاتھ اٹھاتا ہے جیسے سلام کرنا چاہتا ہو، لیکن ہاتھ گر پڑتا ہے، رابرٹ کے مکھ پر شتروبھاؤ (دشمنی کا جذبہ) کی جگہ آشچریہ انکیت (نشان لگایا ہوا) ہوجاتا ہے۔ دونوں اپنے سر سمان کے بھاؤ سے جھکا لیتے ہیں۔ اینتھونی دھیرے دھیرے اپنے پردے دار دروازے کی طرف جاتا ہے۔ یکایک وہ لڑکھڑاتا ہے جیسے گرنے گرنے ہورہا ہو، پھر سنبھل جاتا ہے۔ اے نڈ اور ایڈگار جو کمرے میں دوڑ کر آیا ہے اس کو سہارادیتے ہیں۔ رابرٹ کئی سکنڈ تک اینتھونی کو دھیان سے دیکھتا ہوا کھڑا رہتا ہے،تب بڑے کمرے میں چلا جاتا ہے)

ٹینچ : (ہارنس کے پاس آکر) میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ مسٹر ہارنس! لیکن

کتنا دردناک ماجرا تھا!

(ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہے۔ ہارنس جو شانت اور دڑھ ہے ٹیینچ کی اُور دیکھ کر مسکراتا ہے)

کتنی جھاؤں جھاؤں ہوئی! اس کا یہ کہنے سے کیا مطلب تھا کہ ہم دونوں نکال دیے گئے؟ مانا اس بے چارے کی بیوی مر گئی، لیکن اسے پردھان سے اس طرح نہ بولنا چاہیے تھا۔

ہارنس : ایک عورت تو مر ہی گئی۔ اس پر ہمارے دونوں رتنوں کو نیچا دکھانا پڑا! یکایک۔

(انڈرووڈ آتا ہے)

ٹیینچ : (ہارنس کی اُور دیکھ کر یکایک اُدوِگن (مضطرب) ہوکر) آپ نے دیکھا یہ تو وہی شرطیں ہیں جو آپ نے اور میں نے لکھی تھیں اور ہڑتال شروع ہونے سے پہلے دونوں پکشو (طرف داروں) کو دکھائی تھیں، پھر وہ جھگڑا کس لیے ہوا؟

ہارنس : (دھیمے سُور (آواز) میں) یہی تو دل لگی ہے۔

(انڈرووڈ دروازے ہی پر کھڑا کھڑا ہاں کا سنکیت (اشارہ) کرتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

چاندی کی ڈبیا

فہرست کردار

جان وارتھوِک	:	ممبر پارلیمنٹ، دھنی اور لبرل دل کا
مسز وارتھوِک	:	اس کی استری
جیک وارتھوِک	:	ان کا بیٹا
روپر	:	ان کا وکیل
مسز جونس	:	ان کی نوکرانی
مارلو	:	ان کا خدمت گار
ہیویلر	:	ان کی خدمت گارن
جونس	:	مسز جونس کا شوہر
مسز سِڈن	:	گھر کی مالکن
اِسنو	:	جاسوس
پولس مجسٹریٹ		
ایک اَپریچت (اجنبی) استری		
دو چھوٹی اناتھ لڑکی		
لِونس	:	ان لڑکیوں کا باپ
داروغہ		
مجسٹریٹ کا کلرک		
اردلی		
پولیس کے سپاہی، کلرک اور انیئے (دیگر) دَرشک		

سمے: ورتمان، پہلے دو انکوں کی گھٹنا، ایسٹر ٹویز ڈے کو ہوتی ہے، تیسرے انک کی گھٹنا ایسٹر ویڈنیسڈے کو

انک 1

پہلا منظر — راکنگھم گیٹ، جان وارتھوِک کا بھوجنالیہ

دوسرا منظر — ایضاً

تیسرا منظر — ایضاً

انک 2

پہلا منظر — جونس کا گھر، مرتھر اسٹریٹ

دوسرا منظر — جان وارتھوِک کا بھوجنالیہ

انک 3

پہلا منظر — لندن کا پولیس کورٹ

انک 1

پہلا منظر

[پردہ اٹھتا ہے، اور وارتھوِک کا نئے ڈھنگ سے سجا ہوا بڑا کھانے کا کمرہ دکھائی دیتا ہے۔ کھڑکی کے پردے کھینچے ہوئے ہیں۔ بجلی کی روشنی ہو رہی ہے۔ ایک بڑی گول کھانے کی میز پر ایک طشتری رکھی ہوئی ہے، جس میں وہسکی، ایک نلکی اور ایک چاندی کی سگریٹ کی ڈبیا ہے۔ آدھی رات گزر چکی ہے۔

بازار کے باہر کچھ ہلچل سنائی دیتی ہے۔ دروازہ جھونکے سے کھلتا ہے، جیک وارتھوِک کمرے میں اس طرح آتا ہے، مانو گر پڑا ہو۔ وہ دروازے کا کنڈا پکڑ کر کھڑا سامنے دیکھ رہا ہے اور آنند (خوشی) سے مسکرا رہا ہے۔ وہ شام کے کپڑے پہنے ہوئے ہے، اور وہ ہیٹ لگائے ہوئے ہے جو تماشا دیکھتے وقت لگائی جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا مخمل کا زنانہ بٹوا ہے۔ اس کے لڑکونچے چہرے پر تازگی جھلک رہی ہے، داڑھی اور مونچھ منڈی ہوئی ہے۔ اس کے بازو پر ایک اوور کوٹ لٹک رہا ہے]

جیک : اہا! میں مزے سے گھر پہنچ گیا۔

(وِواد کے بھاؤ سے)

کون کہتا ہے کہ میں بنا مدد کے دروازے نہیں کھول سکتا تھا؟

(وہ لڑکھڑاتا ہے، بٹوے کو جھلاتا ہوا اندر آتا ہے، ایک زنانہ رومال اور لال ریشم کی تھیلی گر پڑتی ہے)

خوب جھانسا دیا۔

(سبھی چیزیں گر پڑتی ہیں)

کیسا چکما دیا ہے چڑیل کو، اس کا بیگ صاف اڑا لایا،

(بٹوے کو جھلاتا ہے)

خوب جھانسا دیا۔

(چاندی کی ڈبیا سے ایک سگریٹ نکال کر منہ میں رکھ لیتا ہے)

اس گدھے کو کبھی کچھ نہیں دیا!

(اپنی جیب ٹٹولتا ہے اور ایک شِلنگ (ایک قسم کی انگریزی کرنسی) باہر نکالتا ہے۔ وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑتی ہے اور لڑھک جاتی ہے۔ وہ اسے کھوجتا ہے)

احسان کو بھولنا نیچتا (کم ظرفی) ہے! مگر کچھ بھی نہیں

(وہ ہنستا ہے)

میں اس سے کہہ دوں گا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

(وہ دروازے سے رگڑتا ہوا نکلتا ہے اور دالان سے ہوتا ہوا ذرا دیر میں لوٹ آتا ہے اس کے پیچھے پیچھے جونس آتا ہے، جو نشے میں چور ہے، جونس کی عمر لگ بھگ تیس سال ہے۔ گال پچکے ہوئے، آنکھوں کے گرد گڈھے پڑے ہوئے، کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، وہ اس طرح تاکتا ہے جیسے بیکار ہو اور پھلکوے کی بھانتی (طرح) کمرے میں آتا ہے)

جیک : ٹھہرو اور چاہو جو کچھ کرو مگر شور مت کرنا، دروازہ بند کردو اور تھوڑی سی پیو۔

(بڑی گمبھیرتا (سنجیدگی سے))

تم نے مجھے دروازہ کھولنے میں مدد دی۔ مگر میرے پاس کچھ ہے نہیں، یہ میرا گھر ہے، میرے باپ کا نام وارتھوِک ہے۔ وہ پارلیمنٹ کا ممبر ہیں اُدار ممبر ہے۔ یہ میں تم سے پہلے ہی بتا چکا۔ تھوڑی — سی پیو۔

(وہ شراب ڈھالتا ہے اور پی جاتا ہے)

مجھے نشہ نہیں ہے،

(صوفا پر لیٹ کر)

کوئی حرج نہیں، تمھارا کیا نام ہے؟ میرا نام وارتھوِک ہے، میرے باپ کا بھی یہی نام ہے، میں بھی لبرل ہوں، تم کیا ہو؟

جونس : (بھاری تیز آواز میں) میں تو پکا اُنودار ہوں، میرا نام ہے جونس، میری بیوی یہاں کام کرتی ہے، وہ مزدورنی ہے، یہاں کام کرتی ہے۔

جیک : جونس؟

(ہنستا ہے)

ایک دوسرا جونس میرے ساتھ کالج میں پڑھتا ہے۔ میں خود سامیہ وادی نہیں ہوں، میں لبرل ہوں...... دونوں میں بہت کم اَنتر ہے کیونکہ لبرل دل کے سدھانت (اصول) میں یہ ہیں۔ ہم سب قانون کے سامنے برابر ہیں۔ بے ہودہ بات ہے بالکل واہیات،

(ہنستا ہے)

میں کیا کہنے جارہا تھا، مجھے تھوڑی سی وہسکی دو۔

(جونس اسے وہسکی دیتا ہے اور نلکی سے پانی کا چھینٹا مارتا ہے)

میں تم سے یہ کہنے جارہا تھا کہ میری اس سے تکرار ہوگئی۔

(بٹوے کو جھلاتا ہے)

تھوڑی سی پی لو جونس، تمھارے بغیر یہ کام ہی نہ ہوسکتا۔ اسی سے میں تمھیں پلا رہا ہوں، اگر کوئی جان بھی جائے کہ میں نے اس کے روپے اڑا دیے تو کیا پرواہ، چڑیل!

(صوفا پر پیر رکھ لیتا ہے)

شور مت کرو اور جو چاہو سو کرو۔ شراب انڈیلو اور خوب ڈٹ کر پیو، سگریٹ لو، جو چاہے سو لو، تمھارے بغیر وہ ہرگز نہ پھنستی۔

(آنکھیں بند کر کے)

تم ٹوری ہو، میں خود لبرل ہوں، تھوڑی سی پیو۔ میں بڑا بانکا آدمی ہوں۔

(اس کا سر پیچھے کی طرف لٹک جاتا ہے، وہ مسکراتا ہوا سوجاتا ہے اور جونس کھڑا ہو کر اس کی طرف تاکتا ہے، تب جیک کے ہاتھ سے گلاس چھین کر پی جاتا ہے۔ وہ بٹوے کو جیک کی قمیض کے سامنے سے اٹھا لیتا ہے، اسے روشنی میں دیکھتا ہے اور سونگھتا ہے)

جونس : کسی اچھے آدمی کا منہ دیکھ کر اٹھا تھا۔

(جیک کے سامنے کی جیب میں اسے ٹھونس دیتا ہے)

جیک : (بڑبڑاتا ہوا)

کیا چکما دیا۔

(جیک چاروں طرف کنکھیوں سے دیکھتا ہے، وہ وہسکی انڈیل کر پی جاتا ہے تب چاندی کی ڈبیا سے ایک سگریٹ نکال کر دو ایک دم لگاتا ہے اور وہسکی پیتا ہے پھر اسے بالکل ہوش نہیں رہتا)

جونس : بڑی اچھی اچھی چیزیں جمع کی ہیں۔

(وہ زمین پر پڑی ہوئی لال تھیلی کو دیکھتا ہے)

ہے مال بڑھیا۔

(وہ اسے انگلی سے چھوتا ہے، کشتی میں رکھ دیتا ہے اور جیک کی طرف تاکتا ہے۔)

ہے موٹا آسامی۔

(وہ آئینے میں اپنی صورت دیکھتا ہے، وہ اپنے ہاتھ اٹھاکر اور انگلیوں کو پھیلاکر وہ اس کی طرف جھکتا ہے، تب پھر مٹھی باندھ کر جیک کی طرف تاکتا ہے، مانو نیند میں میں اس کے مسکراتے ہوئے چہرے پر گھونسا مارنا چاہتا ہے، یکایک وہ باقی بچی ہوئی وہسکی گلاس میں انڈیلتا ہے اور پی جاتا ہے۔ تب کپٹ سے ہرش (فریب دینے والی شادمانی) کے ساتھ وہ چاندی کی ڈبیا اور تھیلی اٹھاکر جیب میں رکھ لیتا ہے۔)

بچا میں تمھیں چڑکا دوں گا۔ اس پھیر میں نہ رہنا۔
(گڑگڑاتی ہوئی ہنسی کے ساتھ وہ دروازے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا جاتا ہے۔
اس کا کندھا سوئچ سے ٹکرا جاتا ہے، روشنی بجھ جاتی ہے، کسی بند ہوتے
ہوئے دروازے کی آواز سنائی دیتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

(پردہ پھر تڑنت (فوراً) اٹھتا ہے)

دوسرا منظر

[وارتھوک کے کھانے کا کمرہ، جیک ابھی تک سویا ہوا ہے، صبح کی روشنی پردے سے ہوکر آرہی ہے۔ وقت ساڑھے آٹھ بجے کا ہے۔ ہویلر جو ایک پھرتیلی عورت ہے، کوڑے کی ٹوکری لیے آتی ہے اور مسز جونس آہستہ آہستہ کوئلے کی ٹوکری لیے داخل ہوتی ہے]

ہویلر : (پردہ اٹھاکر) جب تم کل چلی گئی تو وہ تمھارا نِکمٹ شوہر تمھاری ٹوہ میں چکر لگا رہا تھا، میں سمجھتی ہوں، شراب کے لیے تم سے روپے مانگ رہا تھا۔ وہ آدھ گھنٹے تک یہاں کونے میں پڑا رہا۔ جب میں کل رات کو ڈاک لینے گئی تو میں نے اسے ہوٹل کے باہر کھڑے دیکھا۔ اگر تمھاری جگہ میں ہوتی تو کبھی اس کے ساتھ نہ رہتی۔ میں کبھی ایسے آدمی کے ساتھ نہ رہتی، جو مجھ پر ہاتھ صاف کرتا۔ مجھ سے یہ برداشت ہی نہ ہوتا۔ تم لڑکوں کو لے کر کیوں نہیں اسے چھوڑ دیتی ہو؟ اگر تم یہ برداشت کرتی رہوگی تو وہ اور بھی سر چڑھ جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ محض شادی کرلینے سے کوئی آدمی کیوں تمھیں دق کرے۔

مسز جونس : (کالی آنکھیں اور کالے بال، چہرہ انڈاکار، آواز چکنی، نرم اور میٹھی، صورت سے سَہَن

شیل معلوم ہوتی ہے، اداسی میں باتیں کرتی ہے۔ وہ نیلے رنگ کا کپڑا پہنے ہوئے ہے اور اس کے جوتے میں سراخ ہے)

وہ آدھی رات کو گھر آیا اور اپنے ہوش میں نہ تھا، اس نے مجھے جگایا اور پیٹنے لگا۔ اسے سر پیر کی کچھ خبر ہی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ میں اسے چھوڑنا تو چاہتی ہوں مگر ڈرتی ہوں، نہ معلوم میرے ساتھ کیا کرے۔ جب وہ نشے میں ہوتا ہے تو اس کے کرودھ (غصہ) کا وارا پار نہیں رہتا۔

ہویلر : تم اسے قید کیوں نہیں کروا دیتی؟ جب تک تم اسے بڑے گھر نہ پہنچا دوگی، تمھیں چین نہیں ملے گا۔ اگر میں تمھاری جگہ ہوتی تو کل ہی پولیس میں اطلاع کر دیتی، وہ بھی سمجھتا کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔

مسز جونس : ہاں مجھے جانا تو چاہیے کیونکہ جب وہ نشے میں ہوتا ہے تو میرے ساتھ بری طرح پیش آتا ہے، لیکن بہن! بات یہ ہے کہ انھیں آج کل بڑا کشٹ ہے۔ دو مہینے سے گھر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہی فکر انھیں ستا رہی ہے۔ جب کہیں مزدوری لگ جاتی ہے تب وہ اتنا اُجڈپن نہیں کرتے۔ جب ٹھالے (بیکار) بیٹھتے ہیں تبھی ان کے سر بھوت سوار ہوتا ہے۔

ہویلر : اگر تم ہاتھ پیر نہ ہلاؤگی، تو اس سے گلا نہ چھوٹے گا۔

مسز جونس : اب یہ دُرگتی نہیں سہی جاتی، مجھے رات رات بھر جاگتے گزر جاتی ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ کچھ کماکر لاتا ہو کیونکہ گھر کا سارا بوجھ میرے سر ہے۔ ایسی ایسی گالیاں دیتا ہے، کیا کہوں؟ کہتا ہے کہ تو شُہدوں کو ساتھ لیے پھرتی ہے۔ بالکل جھوٹی بات ہے، مجھ سے کوئی آدمی نہیں بولتا، ہاں، وہ خود عورتوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ اس کی انھیں سب باتوں سے میرا جی جلا کرتا ہے۔ مجھے دھمکاتا ہے کہ اگر تم نے مجھے چھوڑا تو سر کاٹ لوں گا۔ یہ سب شراب اور چنتا کا پھل ہے۔ ہاں یوں آدمی وہ برا نہیں ہے، کبھی کبھی وہ مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے لیکن میں نے اس کے ہاتھوں اتنے دکھ بھوگے ہیں کہ اس کی میٹھی باتیں بھی بری لگتی ہیں۔ میں

تو اس کی باتوں کا جواب تک نہیں دیتی۔ جب نشے میں نہیں ہوتا، تو لڑکوں سے بھی پریم کرتا ہے۔

ہویلر : تمھارا مطلب ہے، جب وہ نشے میں ہوتا ہے؟

مسز جونس : ہاں،

(اسی آواز میں)

وہ چھوٹے صاحب صوفا پر سوئے ہوئے ہیں۔

مسز جونس : (نرم آواز میں)

معلوم ہوتا ہے، نشے میں ہیں۔

ہویلر : شہدا ہے، شہدا، مجھے وشواس ہے کہ تمھارے شوہر کی طرح اس نے بھی رات کو پی تھی۔ اس کی بیکاری ایک دوسری طرح کی تھی، جس میں پینے ہی کی سوجھتی ہے۔ جاکر مارلو سے کہہ آؤں۔ یہ اس کا کام ہے

(وہ چلی جاتی ہے)

جیک : (جاگ کر) کون ہے؟ کیا بات ہے؟

مسز جونس : میں ہوں سرکار مسز جونس۔

جیک : (اٹھ بیٹھتا ہے اور چاروں طرف تاکتا ہے) میں کہاں ہوں؟ کیا وقت ہے؟

مسز جونس : نو کا عمل ہوگا حضور ، نو۔

جیک : نو؟ کیوں؟ کیا؟

(اٹھ کر زبان چلاتا ہے اور سر پر ہاتھ پھیر کر مسز جونس کی طرف گھور کر دیکھتا ہے)

دیکھو، مسز جونس یہ نہ کہنا کہ تم نے مجھے کہاں سوتے پایا۔

مسز جونس : نہ کہوں گی، نہ کہوں گی سرکار۔

جیک : اتفاق کی بات ہے! مجھے یاد نہیں آتا ہے کہ میں یہاں کیسے سوگیا۔ شاید چارپائی پر جانا بھول گیا۔ عجیب بات ہے مارے درد کے سر پھٹا جاتا ہے دیکھو مسز جونس، کسی سے کچھ کہنا مت۔

(باہر جاتا ہے دیوڑھی میں مارلو سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ مارلو جوان اور کمبھیر ہے۔ اس کی داڑھی مونچھ صاف ہے اور بال ماتھے کی طرف سے کنگھی کر کے مرغے کی کلغی کی طرح اوپر اٹھادیے گئے ہیں۔ ہے تو وہ خانساماں لیکن اچھے چال چلن کا آدمی ہے۔ وہ مسز جونس کو دیکھتا ہے اور ہونٹ دبا کر مسکراتا ہے)

مارلو: پہلی بار نہیں پی ہے اور نہ اَنتم بار ہی ہے۔ ذرا کچھ بوکھلایا ہوا معلوم ہوتا تھا کیوں مسز جونس؟

مسز جونس: اپنے ہوش میں نہ تھے، لیکن میں نے دھیان نہیں دیا۔

مارلو: تمھاری تو عادت پڑی ہوئی ہے تمھارے شوہر کا کیا حال ہے؟

مسز جونس: (نرم آواز سے)

کل رات کو تو ان کی حالت اچھی نہ تھی۔ کچھ سر پیر کی خبر ہی نہ تھی۔ بہت رات گئے آئے اور گالیاں بکتے رہے، لیکن اس وقت سو رہے ہیں۔

مارلو: اسی طرح مزدوری ڈھونڈی جاتی ہے، کیوں؟

مسز جونس: ان کی عادت تو یہ ہے کہ روز سویرے کام کی تلاش میں نکل جاتے ہیں اور کبھی کبھی اتنے تھک جاتے ہیں کہ گھر آتے ہی گر پڑتے ہیں، بھلا یہ کیسے کہوں کہ وہ کام نہیں کھوجتے، ضرور کھوجتے ہیں روزگار مندہ ہے۔

(وہ ٹوکری اور جھاڑو سامنے رکھ کر چپ چاپ کھڑی ہوجاتی ہے۔ زندگی کی اگلی پچھلی باتیں کسی جنگل کے منظر کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگتی ہے اور وہ انھیں منجمد اُداسین آنکھوں سے دیکھتی ہے)

لیکن میرے ساتھ وہ بری طرح پیش آتے ہیں۔ کل رات انھوں نے مجھے پیٹا اور ایسی ایسی گالیاں دیں کہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

مارلو: بینک کی چھٹی تھی، کیوں؟ اسے ہوٹل کا چسکا پڑ گیا ہے۔ یہ بات ہے میں اسے روز بڑی رات تک کونے میں بیٹھے دیکھتا ہوں، وہیں پھرا کرتا ہے۔

مسز جونس: کام کی کھوج میں دن بھر دوڑتے دوڑتے بہت تھک جاتے ہیں اور کہیں کوئی دوسرا روزگار نہیں ملتا، اس لیے اگر ایک گھونٹ بھی پی لیتے ہیں تو

سیدھے دماغ پر چڑھ جاتی ہے۔ لیکن جس طرح وہ میرے ساتھ پیش آتے ہیں اس طرح اپنی بیوی کے ساتھ نہ پیش آنا چاہیے۔ کبھی کبھی تو وہ مجھے گھر سے نکال دیتے ہیں اور میں ساری رات ماری ماری پھرتی ہوں۔ وہ مجھے گھر میں گھسنے بھی نہیں دیتے۔ پیچھے سے پچھتاتے ہیں، اور وہ میرے پیچھے پیچھے لگے رہتے ہیں، گلیوں میں مجھ پر تاک لگائے رہتے ہیں، انھیں ایسا نہ چاہیے، کیونکہ میں نے کبھی ان کے ساتھ دغا نہیں کی اور میں ان سے کہتی ہوں کہ مسز وارتھوِک کو تمھارا آنا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن اس پر انھیں کرودھ (غصہ) آجاتا ہے اور وہ امیروں کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ ان کی نوکری بھی اسی وجہ سے چھٹی کہ وہ مجھے بری طرح ستاتے تھے۔ تب سے وہ امیروں کے جانی دشمن ہوگئے ہیں۔ انھیں دیہات میں سائسی کی اچھی جگہ مل گئی تھی لیکن جب مجھے مارنے پیٹنے لگے تو بدنام ہوگئے۔

مارلو : سزا ہوگئی؟

مسز جونس : ہاں، مالکن نے کہا، میں ایسے آدمی کو نہیں رکھوں گا، جس کی لوگ اتنی نِندا کرتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ لیکن یہاں کا کام چھوڑ دوں تو میرا نباہ نہ ہو۔ میرے تین بچے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ وہ میرے پیچھے پیچھے گلیوں میں گھومیں اور شور و غل مچائیں۔

مارلو : (خالی بوتل کو اوپر اٹھاکر)

ایک بوند بھی نہیں! اگر اب کی تمھیں مارے تو ایک گواہ لے کر سیدھے کچہری چلی آنا۔

مسز جونس : ہاں میں نے ٹھان لیا ہے ضرور جاؤں گی۔

مارلو : ہاں! سگریٹ کی ڈبیا کہاں ہے؟

(وہ چاندی کی ڈبیا ڈھونڈتا ہے۔ مسز جونس کی طرف دیکھتا ہے جو ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل جھاڑو دے رہی ہے وہ رک جاتی ہے اور کھڑا کھڑا کچھ سوچنے

لگتا ہے۔ وہ طشتری میں سے دو ادھ جلے سگریٹ اٹھا لیتا ہے اور ان کا نام پڑھتا ہے)

منسٹر : ڈبیا کہاں چلی گئی؟

(وہ وچار پورن بھاؤ (غور وفکر کرنے کا انداز) سے پھر مسز جونس کو دیکھتا ہے اور جیک کا اوور کوٹ لے کر جیبیں ٹٹولتا ہے، ہویلر ناشتے کی طشتری لیے آتی ہے)

مارلو : (ہویلر سے الگ)

تم نے سگریٹ کی ڈبیا دیکھی ہے؟

ہویلر : نہیں۔

مارلو : تو وہ غائب ہوگئی، میں نے رات اسے طشتری میں رکھ دیا تھا اور انھوں نے سگریٹ پیا بھی۔

(سگریٹ کے جلے ہوئے ٹکڑے دکھاکر)

ان جیبوں میں نہیں ہے، آج اوپر کب لے گئے؟ جب وہ نیچے آئیں تو ان کے کمرے میں خوب تلاش کرنا۔ یہاں کون کون آیا تھا۔

ہویلر : اکیلی میں اور مسز جونس۔

مسز جونس : یہ کمرہ تو ہوگیا، کیا بیٹھک بھی صاف کرلوں؟

ہویلر : (اسے سندیہہ (شک) سے دیکھ کر)

تم نے دیکھا ہے؟ پہلے اس چھوٹی کوٹھری کو صاف کردو۔

(مسز جونس ٹوکری اور بروش لیے باہر چلی جاتی ہے، مارلو اور ہویلر ایک دوسرے کے منہ کی طرف تاکتے ہیں)

مارلو : پتا تو چل ہی جائے گا۔

ہویلر : (ہچکچاکر)

ایسا تو نہیں ہوا ہے کہ اس نے

(دوار کی طرف دیکھ کر سر ہلاتی ہے)

مارلو : دِڑھتا (مضبوطی) سے۔
نہیں، میں کسی پر سندیہہ نہیں کرتا۔

ہویلر : لیکن مالک سے تو کہنا ہی پڑے گا۔

ارلو : ذرا ٹھہرو، شاید مل ہی جائے، ہمیں کسی پر سندیہہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ بات مجھے پسند نہیں۔

(پردہ گرتا ہے)

(ترنت ہی پھر پردہ اٹھتا ہے)

تیسرا منظر

[وارتھوک اور مسز وارتھوک میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں۔ پتی کی عمر 50 اور 60 کے بیچ میں ہے۔ چہرے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو کچھ سمجھتا ہے۔ سر گنجا ہے، آنکھوں پر عینک ہے اور ہاتھ میں ٹائمس پتر ہے۔ استری کی عمر 50 کے لگ بھگ ہوگی۔ اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ بال کھچڑی ہوگئے ہیں۔ چہرہ سُندر ہے، مُدرا دِڑھ ہے۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔

وارتھوک : (پتر کے پیچھے سے)
بارن سائیڈ کے بائی الیکشن میں مزدور دَل کا آدمی آگیا پریے (پیاری)۔

مسز وارتھوک : مزدور دَل کا دوسرا آدمی آگیا! سمجھ میں نہیں آتا لوگ کیا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

وارتھوک : میں نے تو پہلے ہی کہا تھا، مگر اس سے ہوتا کیا ہے۔

مسز وارتھوک : واہ! تم ان باتوں کو اتنی تُچھ (حقیر) کیوں سمجھتے ہو، میرے لیے تو یہ آفت سے کم نہیں اور تم اور تمھارے لبرل بھائی ان آدمیوں کو اور شہہ

دیتے ہو۔

وارتھوک : (بھنویں چڑھاکر)

سب دَلوں کے پرَتی نیدھیوں (نمائندے) کا ہونا اُچت سدھار کے لیے ضروری ہے۔

مسز وارتھوک : تمھارے سدھار کی بات سن کر میرا جی جل اٹھتا ہے۔ سماج سدھار کی ساری باتیں پاگلوں کی سی ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کا کیا منشا ہے۔ وہ سب کچھ اپنے لیے چاہتے ہیں۔ یہ سامیہ وادی (سرمایہ دار) اور مزدور دل کے لوگ پرلے سرے کے مطلبی ہیں، نہ ان میں دیش بھکتی ہے۔ یہ سب اونچے درجے کے لوگ ہیں وہ بھی وہی چاہتے ہیں جو ہمارے پاس موجود ہے۔

وارتھوک : جو ہمارے پاس ہے وہ چاہتے ہیں!

(آکاش کی طرف دیکھتا ہے)

تم کیا کہتی ہو پریے؟

(منہ بناکر)

میں کان کے لیے کوے کے پیچھے دوڑنے والوں میں نہیں ہوں۔

مسزوارتھوک : ملائی دوں؟ سب کے سب بوکھل ہیں۔ دیکھتے جاؤ تھوڑے دنوں میں ہماری پونجی پر ٹیکس لگے گا۔ مجھے تو وِشواش ہے کہ وہ ہر ایک چیز پر کر (محصول) لگا دیں گے۔ انھیں دیش کا تو کوئی خیال ہی نہیں۔ تم لبرل اور کنزرویٹو سب ایک سے ہو۔ تمھیں ناک کے آگے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ تم میں ذرا بھی وچار نہیں ہے۔ تمھیں چاہیے کہ آپس میں مل جاؤ اور اس اَنکھوے کو ہی اکھاڑ دو۔

وارتھوک : بالکل واہیات بک رہی ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ لبرل اور کنزرویٹو مل جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے یہ کتنی، لبرلوں کا سِدھانت ہی یہ ہے کہ جنتا (عوام) پر وِشواس کیا جائے۔

مسز وارتھوک : چپکے سے ناشتہ کرو جان، مانو تم میں اور کنزرویٹیو میں بڑا بھاری فرق ہے، سبھی بڑے آدمیوں کے ایک ہی سِدھانت اور ایک ہی سوارتھ (خودغرضی) ہوتے ہیں۔

(شانت (خاموش) ہوکر)

اف! تم جوالامکھی (آتش فشاں پہاڑ) پر بیٹھے ہو جان۔

وارتھوِک : کیا؟

مسز وارتھوِک : میں نے کل پتر میں ایک چٹھی پڑھی تھی اس آدمی کا نام بھولتی ہوں، لیکن اس نے ساری باتیں کھول کر رکھ دی تھیں، تم لوگ کسی بات کی اصلیت نہیں سمجھتے۔

وارتھوِک : ہوں! ٹھیک۔

(بھاری سُور (آواز) میں)

میں لبرل ہوں، اس وِشے (موضوع) کو چھوڑو۔

مسز وارتھوِک : ٹوسٹ دوں؟ میں اس آدمی کے وِچاروں (رائے) سے سَہمت (راضی) ہوں! شِکشا (تعلیم) نیچی شَرینی (درجہ) کے آدمیوں کو چوپٹ کررہی ہے، اس سے ان کا سر پھر جاتا ہے اور یہ سبھی کے لیے ہانی کر (نقصان دہ) ہے۔ میں نوکروں کے رنگ ڈھنگ میں اب وہ بات ہی نہیں پاتی۔

وارتھوِک : (کچھ سندیہہ کے ساتھ)

اگر تبدیلی سے کوئی اچھی بات پیدا ہوجائے تو میں اس کا سُواگت (استقبال) کرنے کو تیار ہوں۔

(ایک خط کھولتا ہے)

اچھا ماسٹر جیک کا کوئی نیا معاملہ ہے، ''ہائی اسٹریٹ آکسفورڈ، مہاشئے (جناب) ہمارے پاس مسٹر جان وارتھوِک کی 40 پونڈ کی ہُنڈی آئی ہے۔'' اچھا یہ خط اس کے نام ہے! ''ہم اب اس چیک کو بھیجتے ہیں جو آپ نے ہمارے یہاں بھنایا تھا، پر جیسا میں اپنے پہلے پتر میں لکھ چکا ہوں، جب وہ آپ کے

بینک میں بھیجا گیا تو ان لوگوں نے اسے نہیں سکارا۔ ہوڈیے ماس اینڈ سنس، ٹیلرس" خوب!

(چیک کو دھیان سے دیکھ کر)

ہے مزیدار بات! اس لونڈے پر تو مقدمہ چل سکتا ہے۔

مسز وارتھوک : جانے بھی دو جان، جیک کی نیت بری نہ تھی۔ اس نے یہی سمجھا ہوگا کہ میں کچھ روپے اوپر لے رہا ہوں۔ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ بینک کو وہ چیک بھنا دینا چاہیے تھا۔ ان لوگوں کو معلوم ہوگا کہ تمھاری کتنی شاخ ہے۔

وارتھوک : (پتر اور چیک کو پھر لفافے میں رکھ کر)

عدالت میں لالا کی آنکھیں کھل جاتیں۔

(جیک۔ آجاتا ہے، اسے دیکھتے ہی وہ چپ ہوجاتا ہے، باسکیٹ کے بٹن بند کریتا ہے، ٹھڈی پر اُسترا لگ گیا ہے، اسے دبا لیتا ہے)

جیک : (ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ کر اور پرسن مکھ (خوش مزاج) بننے کی اِچھا کرکے) کھید ہے مجھے دیر ہوگئی۔

(پیالوں کو اُروچی سے دیکھ کر)

اما، مجھے تو چائے دیجیے، میرے نام کا کوئی خط ہے؟ ...

(وارتھوک اسے خط دیتا ہے)

یہ کیا بات ہے، اسے کھول کس نے ڈالا؟ میں آپ سے کہہ چکا میرے خطوں......

وارتھوک : (لفافے کو چھوکر)

میرا خیال ہے کہ یہ میرا ہی نام ہے۔

جیک : (کھِن(تنک کر))

آپ ہی کا نام تو میرا بھی نام ہے، اسے میں کیا کروں۔

(خط پڑھتا ہے اور بڑبڑاتا ہے)

بدمعاش!

وارتھوِک : (اسے دیکھ کر)

تم اتنے سستے چھٹنے کے لائق نہیں ہو۔

جیک : کیا ابھی آپ مجھے کافی نہیں کوس چکے!

مسز وارتھوِک: کیوں اسے دق کرتے ہو جان؟ کچھ ناشتہ کرلینے دو۔

وارتھوِک : اگر میں نہ ہوتا تو جانتے ہو تمھاری کیا دشا (حالت) ہوتی؟ یہ سنیوگ (اتفاق) کی بات ہے۔ مان لو تم کسی غریب آدمی یا کلرک کے بیٹے ہوتے۔ ایسا چیک بھنانا جسے تم جانتے ہو کہ چل نہ سکے گا، کیا کوئی معمولی بات ہے! تمھاری ساری زندگی بگڑ جاتی۔ اگر تمھارے یہی ڈھنگ ہیں، تو ایشور (اللہ) ہی مالک ہے۔ میں تو ایسی باتوں سے ہمیشہ دور رہا۔

جیک : آپ کے ہاتھ میں ہمیشہ روپے رہتے ہوں گے۔ اگر آپ کے پاس روپے کا ڈھیر ہو تو پھر اس کی ضرورت۔

جان : میری حالت ٹھیک اس کی الٹی تھی۔ میرا باپ کبھِی مجھے کافی روپے نہ دیتا تھا۔

جیک : آپ کو کتنا ملتا تھا؟

جان : اس میں کوئی سار نہیں۔ سوال ہے، کیا تم اَنوبھو (محسوس کرنا) کرتے ہو کہ تم نے کتنا بڑا اَپرادھ (جرم) کیا ہے۔

جیک : یہ سب میں کچھ نہیں جانتا، ہاں اگر آپ کا خیال ہے کہ میں نے بجا کیا تو مجھے دکھ ہے۔ میں تو یہ پہلے ہی کہہ چکا، اگر میں پیسے پیسے کو محتاج نہ ہوتا تو کبھی ایسا کام نہ کرتا۔

وارتھوِک : چالیس پونڈ میں سے اب کتنے بچ رہے؟

جیک : (ہچکچاتا ہوا)

ٹھیک یاد نہیں، مگر زیادہ نہیں ہے۔

وارتھوِک : آخر کتنا؟

(اُدَسنڈ تا (لاپرواہی) سے)

جیک : ایک پیسہ بھی نہیں بچا۔

وارتھوِک : کیا؟

جیک : مارے درد کے سر پھٹا جاتا ہے۔

(اپنے ہاتھ پر سر جھکا لیتا ہے)

مسز وارتھوِک : سر میں درد کب سے ہونے لگا بیٹا؟ کچھ ناشتہ تو کرلو۔

جیک : (سانس کھینچ کر) بڑا درد ہورہا ہے!

مسز وارتھوِک : کیا اُپائے (طریقہ) کروں؟ میرے ساتھ آؤ بیٹا! میں تمھیں ایسی چیز کھلا دوں گی کہ سارا درد ترُنت جاتا رہے گا۔

(دونوں کمرے سے چلے جاتے ہیں اور وارتھوِک خط کو پھاڑ کر انگیٹھی میں ڈال دیتا ہے، اتنے میں مارلو آجاتا ہے اور چاروں طرف آنکھیں دوڑاکر جانا چاہتا ہے)

وارتھوِک : کیا ہے مارلو؟ کیا کھوج (تلاش) رہے ہو؟

مارلو : مسٹر جان کودیکھ رہا تھا؟

وارتھوِک : مسٹر جان سے کیا کام ہے؟

مارلو : میں نے سمجھا شاید یہاں ہوں۔

وارتھوِک : (سندیہہ کے بھاؤ سے) ہاں! لیکن ان سے تمھیں کیا کام ہے؟

مارلو : (لاپروائی سے) ایک عورت آئی ہے کہتی ہے ان سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

وارتھوِک : عورت! اتنے سویرے! کیسی عورت ہے؟

مارلو : (سَور سے بنا کوئی بھاؤ پرکٹ کیے ہوئے)

کہہ نہیں سکتا حضور، کوئی خاص بات نہیں، ممکن ہے کچھ مانگنے آئی ہو۔ میرا خیال ہے کوئی خیرات مانگنے والی ہے۔

وارتھوِک : کیا ان عورتوں کے سے کپڑے پہنے ہے؟

مارلو : جی نہیں، معمولی کپڑے پہنے ہے۔

وارتھوِک : کچھ مانگنا چاہتی ہے؟

مارلو : جی نہیں۔

وارتھوِک : تم اسے کہاں چھوڑ آئے ہو؟

مارلو : بڑے کمرے میں حضور!

وارتھوِک : بڑے کمرے میں! تم کیسے جانتے ہو کہ وہ چورنی نہیں ہے؟ گھر کی کچھ ٹوہ لینے آئی ہو؟

مارلو : مجھے ایسی نہیں معلوم ہوتی۔

وارتھوِک : خیر، یہاں لاؤ، میں خود اس سے ملوں گا۔

(مارلو چپکے سے سر ہلاکر بھے (ڈر) پرکٹ کرتا چلا جاتا ہے۔ ذرا دیر میں ایک پیلے مکھ کی یووتی (نوجوان لڑکی) کو ساتھ لیے لوٹتا ہے۔ اس کی آنکھیں کالی ہیں، چہرہ سندر، کپڑے طرہ دار ہیں اور کالے رنگ کے۔ لیکن کچھ پھوہڑ ہے۔ سر پر ایک کالی ٹوپی ہے جس پر سفید کناری ہے۔ اس پر پرما کے بینجنی پھولوں کا ایک گچھا بے ڈھنگے پن سے لگا ہوا ہے۔ مسٹر وارتھوِک کو دیکھ کر وہ ہکا بکا ہو جاتی ہے، مارلو چلا جاتا ہے)

اَپریچِت استری (اجنبی عورت) : ارے! کشما (معاف) کیجیے گا۔ کچھ بھول ہو گئی ہے۔

(وہ جانے کے لیے گھومتی ہے)

وارتھوِک : آپ کس سے ملنا چاہتی ہیں شری متی جی؟

اَپریچِت : (رک کر اور پیچھے کی طرف دیکھ کر)

میں مسٹر جان وارتھوِک سے ملنا چاہتی تھی۔

وارتھوِک : جان وارتھوِک تو میرا ہی نام ہے شری متی جی، میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟

اپریچِت : جی، میں یہ نہیں۔

(آنکھیں جھکا لیتی ہے، وارتھوِک اسے دھیان سے دیکھتا ہے اور ہونٹوں کو سکوڑتا ہے)

وارتھوِک : شاید آپ میرے بیٹے سے ملنا چاہتی ہیں؟

اپریچت : (جلدی سے) ہاں، ہاں، یہی بات ہے۔

وارتھوک : پوچھ سکتا ہوں کہ مجھے کس سے باتیں کرنے کا سوبھاگیہ پراپت ہورہا ہے؟

اپریچت : (اس کے مکھ پر وِنے (التجا) اور آگرہ کا بھاؤ دکھائی دیتا ہے) میرا نام ہے مگر ضرورت ہی کیا ہے، میں جھمیلا نہیں کرنا چاہتی، میں ذرا ایک منٹ کے لیے آپ کے بیٹے سے ملنا چاہتی ہوں۔

(ساہس سے)

سچ تو یہ ہے کہ میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے۔

وارتھوک : (اپنی بے چینی کو دباکر)

میرے بیٹے کی تو آج طبیعت کچھ خراب ہے۔ اگر ضرورت ہو تو میں ... کا کام کرسکتا ہوں، آپ اپنی ضرورت بیان کریں۔

اپریچت : جی، لیکن میرا ان سے ملنا ضروری ہے۔ میں اسی ارادے سے آئی ہوں۔ میں کوئی جھمیلا نہیں کرنا چاہتی، لیکن بات یہ ہے، رات کو...... آپ کے بیٹے نے اڑا دی — انھوں نے میری......

(رک جاتی ہے)

وارتھوک : (کٹھورسُور (سخت لہجے) میں)

ہاں ہاں کہیے، کیا؟

اپریچت : وہ میرا بٹوا اٹھا لے گئے۔

وارتھوک : آپ کا بٹوا —

اپریچت : مجھے بٹوے کی چنتا نہیں ہے۔ اس کی مجھے ضرورت نہیں، میں سچ کہتی ہوں میرا ارادہ بالکل نہیں ہے کہ کوئی جھمیلا ہو۔

(اس کا چہرہ کانپنے لگتا ہے)

لیکن — لیکن — میرے سب روپے اسی بٹوے میں تھے۔

وارتھوک : کس چیز میں — کس چیز میں؟

اپریچت: میرے بٹوے میں ایک چھوٹی سی تھیلی میں رکھے ہوئے تھے۔ لال رنگ کی

ریشمی تھیلی تھی۔ سچ کہتی ہوں، میں نہ آتی — میں کوئی جھمیلا نہیں کرنا چاہتی، لیکن مجھے رُوپے ملنے چاہیے کہ نہیں؟

وارتھوِک : کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ میرے بیٹے نے —؟

اپریچت : جی، سمجھ لیجیے، وہ اپنے — میرا یہ مطلب کہ وہ —

وارتھوِک : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

اپریچت : (اپنے پیر پٹک کر موہک بھاؤ (موہ لینے والا انداز) سے مسکراتی ہے)
اوہ! آپ سمجھتے نہیں — وہ پٹے ہوئے تھے، مجھ سے تکرار ہوگئی۔

وارتھوِک : (اسے بے شرمی کی بات سمجھ کر)
کیسے؟ کہاں؟

اپریچت : (نیہہ شنک بھاؤ سے) میرے گھر پر، وہاں ایک دعوت تھی اور آپ کے سوپُتر —

وارتھوِک : (گھنٹی بجاکر)
میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو یہ گھر کیسے معلوم ہوا؟ کیا اس نے اپنا نام اور پتہ بتلا دیا تھا؟

اپریچت : (نظر پھیر کر) میں نے ان کے اوورکوٹ سے نکال لیا۔

وارتھوِک : (تانے کی مسکراہٹ کے ساتھ)
اچھا! آپ نے ان کے اوور کوٹ سے نکال لیا۔ وہ اس وقت اس پرکاش میں آپ کو پہچان جائے گا۔

اپریچت : پہچان جائے گا؟ کیا اس میں بھی کوئی شک ہے۔

(مارلو آتا ہے)

وارتھوِک : مسٹر جان سے کہو نیچے آویں۔

(مارلو چلا جاتا ہے اور وارتھوِک بے چین ہوکر کمرے میں ٹہلنے لگتا ہے)

آپ کی اور اس کی جان پہچان کتنے دن سے ہے؟

اپریچت : کیول کیول گڈ فرائیڈے سے۔

وارتھوِک : میری سمجھ میں نہیں آتا، میں پھر کہتا ہوں، میری سمجھ میں نہیں آتا۔

(وہ اپریچت استری کو کنکھیوں سے دیکھتا ہے، جو آنکھ نیچے کیے کھڑی ہاتھ مل رہی ہے۔ اتنے میں جیک آجاتا ہے، اسے دیکھ کر وہ ٹھٹھک جاتا ہے اور اپریچت استری سنکیوں کی بھانتی (طرح) کھلکھلا پڑتی ہے، سناٹا چھا جاتا ہے)

وارتھوِک : (گمبھیر تا سے)

یہ یُووتی مہیلا کہتی ہے کہ گئی رات کو — کیوں شری متی جی گئی رات کو ہی نہ — تم نے ان کی کوئی چیز اٹھالی۔

اپریچت : (آتر تا سے)

میرا بٹوہ اور میرے سب روپے اسی لال ریشمی تھیلی میں تھے۔

جیک : بٹوہ؟

(اِدھر اُدھر تاکتا ہے کہ نکل بھاگنے کا موقع کہیں ہے)

میں بٹوہ کیا جانوں۔

وارتھوِک : (تیز آواز میں)

گھبراؤ مت، تمھیں گئی رات کو ان شری متی جی سے ملنے سے انکار ہے؟

جیک : انکار! انکار کیوں ہونے لگا؟

(استری سے دھیمے سُور میں)

تم نے میرا نام کیوں بتلا دیا؟ تمھیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟

اپریچت : (آنکھوں میں آنسو بھر کر)

میں سچ کہتی ہوں میں نہیں چاہتی تھی، تم نے اسے میرے ہاتھ سے چھین لیا تھا۔ تمھیں خوب یاد ہوگا اور اس تھیلی میں میرے سب روپے تھے۔ میں رات ہی تمھارے پیچھے آتی، لیکن میں بھیڑ نہیں مچانا چاہتی تھی اور دیر بھی بہت ہوگئی تھی — پھر تم بالکل —

وارتھوِک : جاتے کہاں ہو؟ بتلاؤ کیا ماجرا ہے؟

جیک : (چڑھ کر)

مجھے کچھ یاد نہیں۔

(استری سے دھیمی آواز میں)

تم نے خط کیوں نہ لکھ دیا؟

اپریچت : (ناراض ہوکر) مجھے روپے کی ابھی اس وقت ضرورت ہے، مجھے آج مکان کا کرایہ دینا ہے۔

(وارتھوک کی طرف دیکھتی ہے)

غریبوں پر سب دانت لگائے رہتے ہیں۔

جیک : سچ مچ مجھے تو کچھ یاد نہیں، رات کی کوئی بات مجھے یاد نہیں۔

(سر پر ہاتھ رکھتا ہے)

بادل سا چھا گیا ہے اور سر میں درد بھی زور کا ہو رہا ہے۔

اپریچت : لیکن آپ نے روپے تو لیے تھے، یہ آپ نہیں بھول سکتے۔ آپ نے کہا بھی تھا کہ کیسا چرکا دیا۔

جیک : خیر تو یہاں ہوگا، ہاں اب مجھے کچھ کچھ یاد آرہاہے، لیکن میں نے اسے لیا ہی کیوں تھا؟

وارتھوک : ہاں تم نے لیا ہی کیوں، یہی تو میں پوچھتا ہوں؟

(وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف گھوم جاتا ہے)

اپریچت : (مسکراکر) تم اپنے ہوش میں نہ تھے، ٹھیک ہے نہ؟

جیک : (شرم سے مسکراکر) مجھے بہت کھید (افسوس) ہے، لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں؟

وارتھوک : ہاں کرسکتے ہو، تم اس کا روپیہ لوٹا سکتے ہو۔

جیک : میں جاکر تلاش کرتا ہوں، لیکن سچ مچ میرے پاس روپے ہیں نہیں۔

(وہ جلدی سے چلا جاتا ہے اور وارتھوک ایک کرسی رکھ کر اس استری کو بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہے۔ تب ہونٹ سکوڑے ہوئے وہ کھڑا ہوجاتا ہے اور اسے دھیان سے دیکھتا ہے۔ وہ بیٹھ جاتی ہے اور اس کی طرف دبی ہوئی آنکھ

سے دیکھتی ہے۔ تب وہ گھوم جاتی ہے اور نقاب کھینچ کر چوری سے اپنی آنکھیں پوچھتی ہے اتنے میں جیک آجاتا ہے)

جیک : (خالی بٹوے کو دکھاتا ہوا کھن بھاؤ (ناگواری کے انداز میں) سے)
یہی ہے نہ؟ میں نے چاروں طرف چھان ڈالا تھیلی کہیں نہیں ملتی۔ تمھیں ٹھیک یاد ہے وہ اس بٹوے میں تھی؟

اپریچت : (آنکھوں میں آنسو بھر کر)
یاد؟ ہاں خوب یاد ہے، لال رنگ کی ریشمی تھیلی تھی۔ میرے پاس جو کچھ تھا سبھی اسی میں تھا۔

جیک : مجھے سچ مچ بڑا دکھ ہے، سر میں بڑا درد ہورہا ہے۔ میں نے خدمت گار سے پوچھا، لیکن وہ کہتا ہے میں نے نہیں پایا۔

اپریچت : میرے روپے آپ کو دینے پڑیں گے۔

جیک : اوہ! سب طے ہوجائے گا میں سب ٹھیک کردوں گا، کتنے روپے تھے؟

اپریچت : (کھن ہوکر)
سات پونڈ تھے اور بارہ شلنگ، وہی میری کل سمپتی (سرمایہ) تھی۔

جیک : سب ٹھیک ہوجائے گا، میں تمھیں ایک بھیج دوں گا۔

اپریچت : (اُتسکتا(بے قراری) سے)
نہیں صاحب، مجھے ابھی دے دیجیے، جو کچھ میری تھیلی میں تھا، وہ سب دے دیجیے، مجھے آج کرایہ دینا ہے، وہ سب ایک دن کے لیے بھی نہ مانیں گے۔ میں پہلے ہی پندرہ دن پچھڑ گئی ہوں۔

جیک : مجھے بہت دکھ ہے، میں سچ کہتا ہوں میرے جیب میں ایک کوڑی بھی نہیں ہے۔

(وہ دبی آنکھوں سے وارتھوک کو دیکھتا ہے)

اپریچت : (اُتیجت (مشتعل) ہوکر)
چلیے چلیے، میں نہ مانوں گی یہ میرے روپے ہیں اور آپ نے لے لیے ہیں،

میں بغیر روپے لیے گھر نہ جاؤں گی، سب مجھے نکال دیں گے۔

جیک : (سر پکڑ کر)

لیکن جب میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو دوں کیا؟ میں کہہ نہیں رہا ہوں کہ میرے پاس ایک کوڑی بھی نہیں ہے؟

اپریچت : (اپنا رومال نوچ کر)

دیکھیے مجھے ٹالیے نہیں۔

(ونے (عاجزی) سے دونوں ہاتھ جوڑ لیتی ہے، تب یکایک سَروکش (غصہ) ہو کر کہتی ہے)

اگر تم نہ دوگے تو میں دعویٰ کردوں گی، یہ صاف چوری ہے، چوری۔

وارتھوک : (بے چینی سے)

ذرا ٹھہریے، نیائے تو یہی ہے کہ آپ کے روپے دیے جائیں اور میں اس معاملے کو طے کیے دیتا ہوں۔

(روپے نکال کر)

یہ آٹھ پونڈ ہیں، فاضل پیسے تھیلی کی قیمت اور گاڑی کا کرایہ سمجھ لیجیے، مجھے اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، دھنیواد دینے (شکریہ ادا کرنا) کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

(گھنٹی بجاکر وہ چپ چاپ دروازہ کھول دیتا ہے، اپریچت استری روپے کو بٹوے میں رکھ لیتی ہے اور جیک کی طرف سے وارتھوک کو دیکھتی ہے۔ اس کا مکھ پُلکت (شگفتہ) ہو اٹھتا ہے وہ منہ اپنے ہاتھ سے چھپا لیتی ہے اور چپکے سے چلی جاتی ہے۔ وارتھوک دروازہ بند کردیتا ہے)

وارتھوک : (گمبھیر بھاؤ سے)

کیوں، کیسی دل لگی رہی!

جیک : (ویَرکت (بے نیازی) بھاؤ سے)

سنیوگ کی بات۔

وارتھوک : اس طرح وہ چالیس پونڈ اڑا گئے! پہلے ایک بات پھر دوسری بات میں ایک
بار پھر پوچھتا ہوں کہ اگر میں نہ ہوتا تو تمھاری کیا دَشا ہوتی؟ معلوم ہوتا
ہے تم نے ایمان کو تاک پر رکھ دیا۔ تم ان لوگوں میں ہو جو سماج کے لیے
کلنک ہیں۔ تم جو کچھ نہ کر گزرو، وہ تھوڑا ہے۔ نہیں معلوم تمھاری ماں کیا
کہیں گی؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں تمھارے اس چلن کے لیے کوئی عذر
نہیں ہوسکتا۔ یہ چت کی دُربلتا (کمزوری) ہے۔ اگر کسی غریب آدمی نے یہ
کام کیا ہوتا تو کیا تم سمجھتے ہو، اس کے ساتھ لیش ماتر (ذرہ برابر) بھی دَیا
کی جاتی؟ تمھیں اس کا سبق ملنا چاہیے، تم اور تمھاری طرح کے اور آدمی
سماج کے لیے وِش پھیلانے والے ہیں۔

(کرودھ سے)

اب پھر کبھی میرے پاس مدد کے لیے مت آنا۔ تم اس یوگیہ نہیں ہو کہ
تمھاری مدد کی جائے۔

جیک : (اپنے پتا کی طرف کرودھ سے دیکھتا ہے اس کے منہ پر لجّا یا پشچاتاپ (پچھتاوا) کا کوئی بھاؤ
نہیں ہے)

اچھی بات ہے، نہ آؤں گا، دیکھوں آپ اسے کہاں تک پسند کرتے ہیں۔
اس وقت بھی آپ نے میری مدد نہ کی ہوتی، اگر آپ کے پران اس بھے
(ڈر) سے سوکھ نہ جاتے کہ یہ بات پتروں (اخبار) میں چھپ جائے گی۔
سگریٹ کہاں ہے؟

وارتھوک : (بے چینی سے اسے دیکھ کر)

خیر، اب میں اس بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

(گھنٹی بجاتا ہے)

اس بار میں اور چھوڑے دیتا ہوں۔

(مارلو آتا ہے)

جاؤ۔

(ٹائمس (ایک انگریزی اخبار کا نام) کے پیچھے اپنا منہ چھپا لیتا ہے)

جیک : (پریشان ہوکر)

سگریٹ کہاں ہے، مارلو؟

مارلو : میں رات وہسکی کے ساتھ سگریٹ کا بکس بھی رکھ دیا تھا، پھر اس وقت اس کا کہیں پتا نہیں۔

جیک : میرے کمرے میں دیکھا؟

مارلو : جی ہاں میں نے سارا گھر چھان ڈالا۔ میں نے ئیسٹر سگریٹ کے دو ٹکڑے طشتری میں پائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رات کو پیا ہوگا۔

(ہچکچاتا ہوا)

میرا تو خیال ہے کہ کوئی ڈبیا کو اڑا لے گیا۔

جیک : (بے چینی سے)

چرا لے گیا؟

وارتھوک : کیا چیز ہے، سگریٹ کی ڈبیا؟ اور تو کوئی چیز نہیں غائب ہوئی؟

مارلو : جی نہیں، میں نے فلیٹ دیکھ لیا۔

وارتھوک : آج سویرے گھر میں تو کچھ گڑبڑ نہ تھی، کوئی کھڑکی کھلی تو نہ تھی۔

مارلو : جی نہیں۔

(جیک سے آہستہ سے)

رات آپ اپنی کنجی دروازے میں چھوڑ گئے تھے۔

(وارتھوک کی نظر بچاکر کنجی دے دیتا ہے)

جیک : ٹھیک ہے۔

وارتھوک : آج صبح کون کون کمرے میں آیا تھا؟

مارلو: میں، ہویلر اور مسز جونس، بس اور تو کوئی نہیں آیا۔

وارتھوک : تم نے مسز وارتھوک سے پوچھا؟

(جیک سے)

جا کر اپنی ماں سے پوچھو ان کے پاس تو نہیں ہے۔ یہ بھی کہہ دو کہ خوب دیکھ لیں، کوئی اور چیز تو گم نہیں ہوئی۔

(جیک اپنی ماں کے پاس جاتا ہے)

ایسی باتوں سے خواہ مخواہ چنتا ہو جاتی ہے۔

مارلو : جی ہاں حضور۔

وارتھوِک : تمھارا کسی پر سندیہہ ہے؟

مارلو : جی نہیں۔

وارتھوِک : یہ مسز جونس؟ وہ یہاں کتنی دنوں سے کام کر رہی ہے؟

مارلو : اسی مہینے سے تو آئی ہے۔

وارتھوِک : کیسی عورت ہے؟

مارلو : مجھے اس سے اَدھیک پَرِیچے (جان پہچان) نہیں۔ دیکھنے میں تو سیدھی سادی شریف عورت معلوم ہوتی ہے۔

وارتھوِک : کمرے میں آج کس نے جھاڑو لگائی؟

مارلو : ہویلر اور مسز جونس نے۔

وارتھوِک : (اپنی پہلی انگلی اٹھا کر)

اچھا مسز جونس کسی وقت کمرے میں اکیلی بھی آئی تھی؟

مارلو : (اس کا چہرہ مدھم پڑ جاتا ہے) جی ہاں۔

وارتھوِک : تمھیں کیسے معلوم؟

مارلو : (اَنچھتا کے بھاؤ سے) میں نے اسے یہاں دیکھا۔

وارتھوِک : ہویلر بھی اکیلی اس کمرے میں آئی تھی؟

مارلو : جی نہیں، لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں مسز جونس بہت ایماندار —

وارتھوِک : (ہاتھ اٹھا کر) میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مسز جونس دوپہر تک یہاں رہی؟

مارلو : جی ہاں — نہیں نہیں، وہ باورچی کو تلاش کرنے ترکاری والے کی دکان پر

گئی تھی۔

وارتھوک : ٹھیک! وہ اس سے گھر میں ہے؟

مارلو : جی ہاں ہے۔

وارتھوک : بہت اچھا، میں اس معاملے کو صاف کرکے ہی دم لوں گا۔ سِدھانت کے وِچار سے (اصول کے مطابق) یہ ضروری ہے کہ اصلی چور کا پتا لگایا جائے۔ یہ تو سماج سنگٹھن (تنظیم) کی جڑ کو ہلانے والی بات ہے؟

مارلو : جی ہاں۔

وارتھوک : اس مسز جونس کی دَشا کیسی ہے؟ اس کا شوہر کہیں کام کرتا ہے؟

مارلو : کام تو شاید کہیں نہیں کرتا۔

وارتھوک : بہت اچھی بات ہے، اس وِشے میں کسی سے کچھ مت کہنا، ہویلر سے کہو زبان نہ کھولے اور مسز جونس کو یہاں بھیجو۔

مارلو : بہت اچھا۔

(مارلو چلا جاتا ہے۔ اس کا چہرہ بہت چنتت (متفکر) ہے۔ وارتھوک وہیں رہتا ہے۔ اس کا چہرہ نیائے گمبھیر اور کچھ پرسنیہ ہے جیسا جانچ کرنے والے منشیوں کا ہوجاتا ہے، مسز وارتھوک اور جیک آتے ہیں)

وارتھوک : کیوں پرے، تم نے تو ڈبیا نہیں دیکھی؟

مسز وارتھوک : نا! لیکن وِچتر بات ہے جان! مارلو کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ خدمت گارِن میں بھی مجھے وشواس ہے کوئی نہیں — ہاں باورچی۔

وارتھوک : اچھا باورچی؟

مسز وارتھوک : ہاں! مجھے کسی پر سندیہہ کرنے سے گھِرنا ہے۔

وارتھوک : اس سے منوبھاؤں کا پَرشن نہیں، نیائے کا پَرشن ہے۔ نیتی کی رَکشا —

مسز وارتھوک : اگر مزدورنی اس کے وشے میں کچھ جانتی ہو، تو مجھے آشچریہ نہ ہوگا۔ لورا نے اس کی سفارش کی تھی۔

وارتھوک : (نیائے کے بھاؤ سے)

میں نے مسز جونس کو بلایا ہے۔ یہ مجھ پر چھوڑ دو اور یاد رکھو جب تک اَپرادھ ثابت نہ ہوجائے کوئی اپرادھی نہیں ہے۔ میں اس کا خیال رکھوں گا۔ میں اسے ڈرانا نہیں چاہتا، میں اس کے ساتھ ہر طرح کی رعایت کروں گا۔ میں نے سنا ہے بہت پھٹے حالوں رہتی ہے۔ اگر ہم غریبوں کے ساتھ اور کچھ نہ کرسکیں تو اس کے ساتھ جہاں تک ہوسکے ہمدردی تو کرنا ہی چاہیے۔

(مسز جونس آتی ہے پرسن-مکھ ہوکر)

او، گڈ مارننگ مسز جونس۔

مسز جونس: (دھیمی اور روکھی آواز میں) گڈ مارننگ سر، گڈ مارننگ میڈم۔

وارتھوِک: میں نے سنا ہے تمھارے پتی آج کل خالی بیٹھے ہوئے ہیں؟

مسز جونس: ہاں حضور، آج کل ان کے پاس کوئی کام نہیں ہے۔

وارتھوِک: تب تو میرے خیال میں وہ کچھ کماتے ہی نہ ہوں گے۔

مسز جونس: ہاں حضور، آج کل وہ کچھ نہیں کماتے۔

وارتھوِک: اور تمھارے کتنے بچے ہیں؟

مسز جونس: تین بچے ہیں حضور، لیکن بچے بہت نہیں کھاتے۔

وارتھوِک: سب سے بڑے کی کیا عمر ہے؟

مسز جونس: نو سال کی حضور۔

وارتھوِک: اسکول جاتے ہیں؟

مسز جونس: ہاں حضور، تینوں بلاناغہ مدرسے جاتے ہیں۔

وارتھوِک: (کٹھورتا سے)

تو جب تم دونوں میاں بیوی کام پر چلے جاتے ہو تو بچے کھاتے کیا ہیں؟

مسز جونس: حضور، میں انھیں کھانا دے کر بھیجتی ہوں۔ لیکن روز کہاں کھانا میسر ہوتا ہے حضور، کبھی کبھی بے چاروں کو بنا کچھ بھوجن دیے ہی بھیج دیتی ہوں، ہاں جب میرا میاں کہیں کام سے لگا رہتا ہے تو بچوں پر بڑا پریم کرتا ہے،

لیکن جب خالی ہوتا ہے تو اس کی مَتی ہی بدل جاتی ہے۔

وارتھوِک : شاید پیتا بھی ہے؟

مسز جونس : جی ہاں حضور، جب پیتا ہے تو کیسے کہہ دوں کہ نہیں پیتا۔

وارتھوِک : تب تو شاید تمھارے سب روپے پینے ہی میں اڑا دیتا ہوگا؟

مسز جونس : جی نہیں، وہ میرے روپے پیسے نہیں چھوتے، ہاں جب اپنے ہوش میں نہیں رہتے تب ان کا مَن بدل جاتا ہے تب وہ مجھے بری طرح پیٹتے ہیں۔

وارتھوِک : وہ ہے کیا؟ کون پیشہ کرتا ہے؟

مسز جونس : پیشہ! سائس ہے حضور۔

وارتھوِک : سائس! ان کی نوکری چھوٹ کب سے گئی؟

مسز جونس : ان کی نوکری چھوٹے کئی مہینے ہوگئے حضور! تب سے کوئی ٹکاؤ کام نہیں ملا حضور اب تو موٹروں کا زمانہ ہے، انھیں کون پوچھتا ہے۔

وارتھوِک : تمھاری شادی ان سے کب ہوئی تھی مسز جونس؟

مسز جونس : آٹھ سال ہوئے حضور — وہی سال۔

مسز وارتھوِک : (تیور (تیز) سور سے)

آٹھ! تم نے تو بڑے لڑکے کی عمر نو سال بتلائی تھی۔

مسز جونس : ہاں حضور، اسی لیے تو ان کی نوکری چھوٹی تھی۔ میرے ساتھ حرام زدگی کی اور مالک نے کہا ایسے آدمی کو رکھنے سے دوسرے آدمی بھی بگڑیں گے، نکال دیا۔

وارتھوِک : تمھارا مطلب...... کچھ ٹھیک......

مسز جونس : ہاں حضور، جب نوکری چھوٹ گئی تو مجھ سے شادی کرلی۔

مسز وارتھوِک : تو شادی کے پہلے ہی تم،

وارتھوِک : جانے بھی دو پریے،

مسز وارتھوِک : (کرودھ سے) کتنی بے حیائی کی بات ہے!

وارتھوِک : (جلدی سے) تم آج کل کہاں رہتی ہو مسز جونس؟

مسز جونس : ہمارے گھر نہیں ہیں حضور، ہمیں اپنی بہت سی چیز الگ کردینی پڑی حضور۔

وارتھوِک : الگ کردینی پڑی! کیا مطلب؟ کیا گرو رکھ دی؟

مسز جونس : ہاں حضور، الگ کردی، آج کل مرتھر اسٹریٹ میں رہتے ہیں، حضور یہاں سے بالکل پاس ہے، نمبر 34، بس ایک کوٹھری ہے۔

وارتھوِک : کرایہ کیا ہے؟

مسز جونس : سجے ہوئے کمرے کے چھ شلنگ ہفتے کے پڑتے ہیں حضور۔

وارتھوِک : تو تمھارے ذمے کرایہ باقی بھی پڑا ہوگا؟

مسز جونس : جی ہاں، کچھ باقی ہے حضور۔

وارتھوِک : لیکن تمھیں تو اچھی مزدوری ملتی ہے کیوں؟

مسز جونس : پیچھے (جمعرات) کو ایک دن اسٹیم فورڈ پلیس میں کام کرتی ہوں، سوم، بدھ اور شکر (جمعہ) کو یہاں آتی ہوں، آج تو آدھی چھٹی ہے حضور، کل بینک بند نہ تھا۔

وارتھوِک : سمجھ گیا۔ ہفتے میں چار دن آدھا کراؤن روز پاتی ہونہ؟ کیوں؟

مسز جونس : ہاں حضور اور میرا کھانا بھی ملتا ہے، لیکن جس دن آدھی چھٹی ہوتی ہے اس دن اٹھارہ پینس ہی ملتے ہیں۔

وارتھوِک : اور تمھارا شوہر تو جو کچھ پاتا ہوگا، پینے میں اڑا دیتا ہوگا۔

مسز جونس : ہاں صاحب، کبھی کبھی اڑا دیتے ہیں کبھی کبھی مجھے دے دیتے ہیں۔ اگر انھیں کام ملے تو کرنے کو تیار ہیں حضور، لیکن معلوم ہوتا ہے بہت سے آدمی خالی بیٹھے ہوئے ہیں۔

وارتھوِک : اہوں! ان باتوں میں پڑنے سے کیا فائدہ۔

(سہانو بھوتی (ہمدردی) دکھاکر)

یہاں تمھارا کام بہت کڑا تو نہیں ہے؟ کیوں؟

مسز جونس : نہیں حضور، ایسا کچھ کڑا تو نہیں ہے، جہاں جب رات کو سونے نہیں پاتی
تب کچھ اکھرتا ہے۔
وارتھوک : ہوں! اور تم سب کمروں میں جھاڑو لگاتی ہو! کبھی کبھی باورچی کو بلانے بھی
جانا پڑتا ہے؟ کیوں نہ؟
مسز جونس : ہاں حضور!
وارتھوک : آج بھی تمھیں جانا پڑا تھا؟
مسز جونس : ہاں حضور، بھاجی والے کی دکان تک گئی تھی۔
وارتھوک : ٹھیک! تو تمھارا شوہر کچھ کماتا نہیں اور بدمعاش ہے؟
مسز جونس : جی نہیں، بدمعاش نہیں ہے میں سمجھتی ہوں وہ بہت اچھا آدمی ہے، ہاں
کبھی کبھی مجھے پیٹتا ہے، میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتی حالانکہ میرے من میں
آتا ہے کہ اس کے پاس سے چلی جاؤں، کیونکہ میری سمجھ میں ہی نہیں آتا
کہ اس کے ساتھ رہوں کیسے۔ وہ آئے دن مجھے مارا کرتا ہے۔ تھوڑے دن
ہوئے، اس نے مجھے یہاں ایک گھونسا مارا تھا۔

(اپنی چھاتی کو چھوتی ہے)

ابھی تک درد ہورہاہے، میں تو سمجھتی ہوں اسے چھوڑ دوں آپ کیا کہتے
ہیں حضور؟
وارتھوک : واہ! میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ اپنے شوہر کو چھوڑ دینا بری بات
ہے، بہت بری بات۔
مسز جونس : جی ہاں! مجھے یہی ڈر لگتا ہے کہ اسے چھوڑ دوں تو نہ جانے میری کیا گتی
کرے۔ بڑا غصّیل ہے حضور۔
وارتھوک : اس معاملے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں تو نیتی کی بات کہتا ہوں۔
مسز جونس : ہاں حضور، میں جانتی ہوں ان معاملوں میں کوئی میری مدد نہ کرے گا۔
مجھے آپ ہی کوئی راہ نکالنی پڑے گی۔ انھیں بھی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔
لڑکوں کو بہت چاہتے ہیں حضور، اور انھیں بھوکے مدرسے جاتے دیکھ کر ان

کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

وارتھوک : (جلدی سے) خیر — دھنیہ واد (شکریہ) میرے جی میں آیا کچھ تمھارا حال چال پوچھوں، اب میں تمھیں اور نہ روکوں گا۔

مسز جونس : آپ کو دھنیہ واد دیتی ہوں، حضور۔

وارتھوک : اچھا گڈ مارننگ!

مسز جونس : گڈ مارننگ حضور، گڈ مارننگ بی بی۔

وارتھوک : (اپنی پتنی سے آنکھیں ملاکر) ذرا سن لو مسز جونس، میں سمجھتا ہوں تم کو بتلا دینا اُچت (مناسب) ہے، ایک چاندی کی سگریٹ کی ڈبیا غائب ہوگئی ہے۔

مسز جونس : (کبھی اِس کا منہ دیکھتی ہے، کبھی اُس کا) مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا، حضور۔

وارتھوک: تم نے تو شاید اسے نہیں دیکھا، کیوں؟

مسز جونس : (سمجھ جاتی ہے کہ میرے اوپر سندیہہ کیا جارہا ہے، گھبراکر) کہاں تھی حضور؟ بتلا دیجیے۔

وارتھوک : (بات بناکر) مارلو کہتا تھا؟ اس کمرے میں؟ ہاں اسی کمرے میں!

مسز جونس : جی نہیں، میں نے نہیں دیکھی۔ اگر میں دیکھتی تو کہہ دیتی۔

وارتھوک : (اسے اڑتی ہوئی نگاہ سے دیکھ کر) بھول تو نہیں رہی ہو؟ خوب یاد کرلو۔

مسز جونس : (اَدِچلت ہوکر) خوب یاد کرلیا

(دھیرے سے سر ہلاکر)

میں نے نہیں دیکھا اورنہ جانتی ہوں کہ کہاں ہے۔

(چپ چاپ چلی جاتی ہے)

(وارتھوک، اس کا بیٹا، اور پتنی ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

انک 2

پہلا منظر

(جونس کا گھر)

[مارتھر اسٹریٹ، سے دو بجے، کمرے میں کوئی سامان نہیں ہے، پھٹے ہوئے چکٹ کپڑے ہیں اور رنگی ہوئی دیواریں۔ صاف ستھری دَرِیدتا (غریبی، مفلسی) جھلک رہی ہے۔ جونس آدھے کپڑے پہنے چارپائی پر لیٹا ہوا ہے۔ اس کا کوٹ اس کے پیروں پر پڑا ہوا ہے اور کیچڑ سے بھرے ہوئے بوٹ پاس ہی زمین پر رکھے ہیں۔ وہ سورہا ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور مسز جونس آتی ہے۔ وہ پھٹا ہوا کالا جیکٹ پہنے ہوئے ہے۔ سر پر کالی ملاحوں جیسی ٹوپی ہے۔ وہ ٹائمس پتر میں لپٹا ہوا ایک پارسل لیے ہوئے ہے۔ پارسل نیچے رکھ دیتی ہے اور اس میں سے ایک اِیپرن (وہ کپڑا جو کام کرنے والی استریاں گاؤن کے اوپر لپیٹ لیتی ہیں)، آدھی روٹی، دو پیاز، تین آلو اور مانس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالتی ہے۔ تاک پر سے ایک چائے دان اتار کر اس کو دھوتی ہے اور ایک چائے کی پڑیا میں سے تھوڑی سی باریک چائے ڈالتی ہے۔ اسے انگیٹھی پر رکھتی ہے اور پاس ہی ایک لکڑی کی کرسی پر بیٹھ کر رونے لگتی ہے۔]

جونس : (جاگ کر جمھائی لیتا ہوا) اوہ تم ہو! کیا وقت ہے؟

مسز جونس : (آنکھیں پونچھ کر اور معمولی آواز میں) ڈھائی بجے ہیں۔

جونس : تم اتنی جلدی کیوں لوٹ آئیں؟

مسز جونس : آج آدھے دن کام تھا، جیم۔

جونس : (چت لیٹا ہوا اور نیند بھری آواز میں) کچھ کھانے کے لیے ہے؟

مسز جونس : مسز وارتھوک کے باورچی نے مجھے تھوڑا سا مانس دیا ہے میں اس کو ابالنے جارہی ہوں۔

(پکانے کی تیاری کرتی ہے)

کرائے کے 14 شِلنگ باقی ہیں جیم اور میرے پاس کل 2 شِلنگ اور چار پینس رہ گئے ہیں۔ آج ہی مانگنے آتے ہوں گے۔

جونس : (اس کی طرف پھر کر کہنیوں کے بل لیٹا ہوا) آئیں اور تھیلی اٹھا لے جائیں! کام کھوجتے کھوجتے تو میں تنگ آگیا ہوں۔ میں کیوں کام کے لیے چکر لگاتا ہوں؟ جیسے گلہری پنجڑے میں ناچتی ہے! "حضور مجھے کام دیجیے—" "حضور ایک آدمی رکھ لیجیے—" "میری بی بی اور تین بچے ہیں" ان باتوں سے میرا جی اُوب گیا۔ اس سے تو اچھا یہی ہے کہ یہیں پڑے پڑے مرجاؤں۔ لوگ مجھ سے کہتے ہیں "جونس کل جلوس میں شریک ہوجاؤ، ایک جھنڈا اٹھالو اور لال منہ والے نیتاؤں کی بات سنو۔ پھر اپنا سا منہ لیے گھر لوٹ جاؤ۔" کچھ لوگوں کو یہ پسند ہوگا، جب میں کام کی ٹوہ میں جاتا ہوں اور ان بدمعاشوں کو اپنی طرف سر سے پیر تک تاکتے دیکھتا ہوں تو جان پڑتا ہے میرے ہزاروں سانپ کاٹ رہے ہیں۔ میں کسی سے کوئی رعایت نہیں چاہتا۔ ایک آدمی پسینے کی کمائی کھانا چاہتا ہے پر اسے کام نہیں ملتا، کیسی دل لگی ہے! ایک آدمی چھاتی پھاڑ کر کام کرنا چاہتا ہے کہ کسی طرح پُران بچے اور اسے کوئی نہیں پوچھتا ہے!— یہ سَوادِھنتا (آزادی) ہے! اور نہ جانے کیا کیا ہے۔

(دیوار کی طرف منہ پھیر لیتا ہے)

تم اتنی سیدھی سادی ہو، تم نہیں جانتی کہ میرے بھیتر ہلچل مچی ہوئی ہے۔ میں ان بچوں کے کھیل سے تنگ آگیا ہوں۔ اگر کوئی انھیں چاہتا ہے تو میرے پاس آئے۔

(مسز جونس پکانا بند کردیتی ہے اور میز کے پاس چپ چاپ کھڑی ہوجاتی ہے)

میں سب کچھ کرکے ہار گیا، جو کچھ ہونے والا ہے، اس سے نہیں ڈرتا، میری باتوں کو گرہ باندھ لو، اگر تم سمجھتی ہو کہ میں ان کے پیروں پر گروں گا، تو تمھاری بھول ہے۔ میں کسی سے کام نہ مانگوں گا چاہے جان ہی کیوں نہ جاتے رہے۔ تم اس طرح کیوں کھڑی ہو جیسی کوئی دکھیاری، اَسِہائے مورت ہو؟ اسی سے میں تمھیں چھوڑتا نہیں، اب تمھیں کام کرنے کا ڈھنگ آگیا۔ لیکن اتنا سیدھاپن بھی کس کام کا، تمھارے منہ میں تو جیسے جیبھ ہی نہیں ہے۔

مسز جونس : (دھیرے سے) جب تم اپنے ہوش میں رہتے ہو تو ایسی اٹ پٹانگ باتیں کرتے ہو، جیسے نشے میں بھی نہیں کرتے، اگر تمھیں کام نہ ملا تو ہماری گزر کیسے ہوگی؟ مالک مکان ہمیں یہاں رہنے نہ دے گا۔ وہ تو آج اپنے روپے کے لیے آتا ہوگا۔

جونس : تمھارے اس وارتھوک کو دیکھتا ہوں۔ روز چین کی بنسی بجاتا ہوا پارلیمنٹ جاتا ہے اور وہاں گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتا ہے اور اس کے چھوکرے کو بھی دیکھتا ہوں، جو شان سے ادھر ادھر اینٹھتا پھرتا ہے۔ انھوں نے ایسا کون سا کام کیا ہے کہ وہ یوں گلچھرے اڑائیں، اپنی زندگی میں کبھی ایک دن بھی انھوں نے کام نہیں کیا۔ میں انھیں ہر روز دیکھتا ہوں۔

مسز جونس : میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اس طرح میرے پیچھے پیچھے نہ لگے رہا کرو، نہ جانے تم کیوں میرے پیچھے لگے رہتے ہو، تمھارا وہاں گھومنا انھیں اچھا نہیں لگتا، ان لوگوں کو بھی شک ہوتا ہے۔

جونس : میرا جہاں جی چاہے گا، وہاں جاؤں گا۔ آخر کہاں جاؤں، اس دن ایجوویر روڈ پر ایک جگہ گیا۔ منیجر سے بولا "حضور مجھے رکھ لیجیے، مجھے دو مہینے سے کوئی کام نہیں ملا، بنا کام کیے اب رہا نہیں جاتا۔ میں کام کرنے والا آدمی ہوں۔

آپ جو کام چاہیں مجھے دیں۔ میں کسی کام سے نہیں ڈرتا۔" اس نے کہا "بھلے آدمی، صبح سے اس وقت تک 30 آدمی آچکے ہیں، میں نے پہلے دو آدمی لے لیے۔ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔" میں نے بولا "آپ کو دھنیہ واد دیتا ہوں صاحب، سنسار میں آگ ہی لگ جائے تو اچھا۔" اس نے کہا "یوں گالی بکنے سے کام نہیں ملے گا، اب چل دو۔"

(ہنستا ہے)

چاہے تم بھوکوں مر رہے ہو، پر تمھیں منھ کھولنے کا حکم نہیں، اس کا خیال بھی مت کرو، چپ چاپ سہتے جاؤ، یہی سمجھدار آدمیوں کا دستور ہے۔ ذرا دور اور آگے چلا تو ایک لیڈی نے مجھ سے کہا۔

(آواز نیچی کرکے)

"کیوں جی کچھ کام کرکے دو چار پیسے کمانا چاہتے ہو؟" اور مجھے کتا دیا کہ اسے دکان کے باہر پکڑے کھڑا رہوں۔ خانسامے کی طرح موٹا تھا۔ منوں مانس کھا گیا ہوگا۔ اس کو پالنے میں ڈھیروں مانس لگ گیا ہوگا وہ یہ سمجھ کر دل میں خوش ہورہی تھی کہ میں نے ایک غریب آدمی کو اُپکار کیا، لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ تانبے کے زینے پر کھڑی مجھے تاک رہی تھی کہ میں اس کا موٹا تازہ کتا لے کر رفوچکر نہ ہوجاؤں۔

(وہ چارپائی کی پٹی پر بیٹھ جاتا ہے اور بوٹ پہنتا ہے تب اوپر تاک کر)

تم سوچ کیا رہی ہو؟

(بڑ تا کرکے) کیا تمھارے منہ میں زبان نہیں ہے؟

(کنڈی کھٹکتی ہے اور گھر کی مالکن مسز سِڈن آتی ہے وہ ایک چینٹ، پھوہڑ اور جلدباز عورت ہے، مزدوروں کے سے کپڑے پہنے ہوئے ہے)

مسز سِڈن: مسز جونس، جب تم آئی تب ہمیں تمھاری آہٹ مل گئی تھی، میں نے اپنے شوہر سے کہا لیکن وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن کے لیے بھی نہیں مان سکتا۔

جونس : (تیوریاں چڑھاکر مسخرے پن سے) شوہر کو بکنے دو، تم سَوادھین (آزاد) استریوں کی طرح اپنی مرضی پر چلو، یہ لو جینی، یہ انھیں دے دو۔

(اپنے پاجامے کی جیب سے ایک ساورن نکال کر اپنی استری کی طرف پھینکتا ہے، استری ہانپ کر اپنے ایپرن میں لے لیتی ہے، جونس پھر جوتے کا پھیتا باندھنے لگتا ہے)

مسز جونس : (ساورن کو چھپاکر منتی ہوئی) مجھے کھید ہے کہ اب کی اتنی دیر ہو گئی۔ تمھارے چودہ شلنگ آتے ہیں یہ ساورن لو، مجھے 6 شلنگ لوٹا دو۔

(مسز سِڈن ساورن لے لیتی ہے اور ادھر ادھر گھماتی ہے)

جونس : (جوتے کی طرف آنکھیں کیے ہوئے) تمھیں اَچرج (تعجب) ہو رہا ہوگا، کیوں؟

مسز سِڈن : تم کو بہت بہت دھنیہ واد! تم نے میرے اوپر بڑی کرپا (مہربانی) کی۔

(وہ سچ مچ وسمِت ہو جاتی ہے)

میں ریزگی لائے دیتی ہوں۔

جونس : (منھ بناکر) اس کی کیا ضرورت ہے؟

مسز سِڈن : تم کو بہت بہت دھنیہ واد! تم نے میرے اوپر بڑی کرپا کی۔

(چلی جاتی ہے)

(مسز جونس، جونس کی طرف تاکتی ہے جو ابھی تک پھیتے باندھ رہا ہے)

جونس : آج ذرا تقدیر کھل گئی۔ (لال تھیلی اور کچھ پھٹکر ریزگاری نکال کر) ایک تھیلی پڑی مل گئی، سات پونڈ سے کچھ زیادہ ہے۔

مسز جونس : یہ کیا کیا، جیمس؟

جونس : یہ کیا کیا، جیمس؟ کیا کیا۔ پڑی ملی اٹھالی، کھوئی ہوئی چیز ہے، اور کیا!

مسز جونس : لیکن اس پر کسی کا نام تو ہوگا! یا کچھ اور!

جونس : نام؟ نہیں کسی کا نام نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کی نہیں ہے جو ملاقاتی کارڈ لے کر چلتے ہیں۔ یہ کسی پکّی لیڈی کا ہے، ذرا سونگھو تو۔

(وہ تھیلی کو اس کی طرف پھینکتا ہے وہ اسے دھیرے سے ناک کے پاس لے

جاتی ہے)

اب تمھیں بتلاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا، تمھیں بتلاؤ۔

مسز جونس : (تھیلی کو رکھ کر) یہ تو میں نہیں بتلا سکتی، جیمس، کہ تمھیں کیا کرنا چاہیے تھا لیکن روپے تمھارے نہ تھے، تم نے کسی دوسرے کے روپے لے لیے۔

جونس : جس نے پایا اس کا ہوگیا، میں اسے ان دنوں کی مزدوری سمجھوں گا جب میں گلیوں میں اس چیز کے لیے ٹھوکر کھاتا پھرا جو میرا حق ہے۔ میں اسے پچھلی مزدوری سمجھ کر لے رہا ہوں۔

(وچتر گرو (عجب فخر) سے)

روپے میری جیب میں ہے جانی۔

(مسز جونس پھر بھوجن بنانے کی تیاری کرنے لگتی ہے، جونس اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھ رہا ہے)

ہاں میری جیب میں روپے ہیں اور اب کی میں اسے اڑاؤں گا نہیں، اسی سے کنیڈا چلا جاؤں گا، تمھیں بھی ایک پونڈ دے دوں گا۔

(چپ)

تم مجھے چھوڑنے کی کئی بار دھمکی دے چکی ہو، تم نے بارہا مجھ سے کہا ہے کہ میں تمھارے اوپر بڑی سختی کرتا ہوں، میں یہاں سے چلا جاؤں گا تب تو تم چین سے رہو گی۔

مسز جونس : (شِتھِلتا (نکاہت) سے) سختی تو تم نے میرے ساتھ کی ہے جونس، اور میں تمھیں جانے سے روک بھی نہیں سکتی، لیکن تمھارے جانے کی مجھے خوشی ہوگی یا نہیں، یہ میں نہیں جانتی۔

جونس : اس سے میری تقدیر پلٹ جائے گی۔ جب سے تمھارے ساتھ بیاہ ہوا تب سے کبھی بھلے دن نہ دیکھے۔ (کچھ نرمی سے) اور نہ تمھیں کبھی پکنک ہی ملا۔

مسز جونس : اگر ہماری تمھاری ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو بہت اچھا ہوتا، ہم لوگ ایک دوسرے کے لیے بنائے ہی نہیں گئے، لیکن تم ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑ

گئے اور اب تک پڑے ہوئے ہو اور تم میرے ساتھ کتنی بری طرح پیش آتے ہو، جیمس اس چھوکری رائس کے پھیر میں پڑے رہتے ہو؟ تمھیں شاید ان لڑکوں کا کبھی خیال بھی نہیں آتا جنھیں ہم نے پیدا کیا ہے، تم نہیں سمجھتے کہ ان کے پالنے میں مجھے کتنی کٹھنائی پڑتی ہے، اور تمھارے چلے جانے پر ان پر کیا پڑے گی۔

جونس : (کھِن مَن سے کمرے میں ٹہلتا ہوا) اگر تم سمجھ رہی ہو کہ میں لڑکوں کو چھوڑ دوں گا تو تم بھول کر رہی ہو؟

مسز جونس : یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم انھیں پیار کرتے ہو۔

جونس : (تھیلی کو انگلیوں پر پھراتا ہوا کچھ کرودھ سے) ابھی تو یوں ہی چلنے دو، میں نہ رہوں گا تو چھوکرے تمھارے ساتھ بڑے مزے میں رہیں گے۔ اگر میں جانتا کہ یہ حال ہوگا تو میں ایک کو بھی نہ پیدا کرتا۔ کیا فائدہ ہے اس سے کہ لڑکوں کو پیدا کرکے اس وِپتّی (مصیبت) میں ڈال دیا جائے؟ یہ پاپ ہے اور کچھ نہیں، لیکن ہماری آنکھیں بہت دیر میں کھلتی ہیں سنسار کا یہی ڈھنگ ہے۔

(تھیلی کو پھر جیب میں رکھ لیتا ہے)

مسز جونس : ہاں، یہ ان بے چاروں کے حق میں بہت اچھا ہوتا لیکن ہیں تو یہ تمھارے ہی لڑکے، اور مجھے تمھارے منہ سے ایسی باتیں سن کر اُچرج ہوتا ہے۔ اگر میرے پاس یہ نہ رہیں تو میرا تو ذرا بھی جی نہ لگے۔

جونس : (کھسیایا ہوا) یہی سب کا حال ہے، اگر میں وہاں کچھ کما سکا۔

(اسے اپنا کوٹ ہلاتے دیکھ کر کٹھور سُر (سخت لہجہ) میں)

کوٹ مت چھوؤ

(چاندی کی ڈبیا جیب سے گر پڑتی ہے اور سگریٹ چارپائی پر بکھر جاتے ہیں۔ ڈبیا کو وہ اٹھا لیتی ہے اور اسے دھیان سے دیکھتی ہے، وہ جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے ڈبیا چھین لیتا ہے)

مسز جونس : (چارپائی کو ٹیک کر جھکی ہوئی) او جیم! او جیم!

جونس : (ڈبیا کو میز پر پٹک کر) فضول بک بک مت کرو، جب میں یہاں سے چلوں گا تو اس ڈبیا کو اس تھیلی کے ساتھ پانی میں ڈال دوں گا۔ میں نے اسے اس وقت اٹھا لیا جب میں نشے میں تھا اور نشے میں جو کام کیے جاتے ہیں ان کا ذمہ دار کوئی نہیں ہوتا، یہ بَرہم وَاکیہ (بھگوان برھم کے کہے ہوئے جملے) ہیں۔ مجھے اس کی کیا ضرورت ہے، میں اسے لے کر کروں گا کیا؟ میں نے جل کر دمھ سے نکال لیا تھا، میں تم سے کہہ چکا میں چور نہیں ہوں، اور تم نے مجھے چور کہا تو برا ہوگا۔

مسز جونس : (ایپرن کی ڈوری اینٹھتی ہوئی) یہ مسز وارتھوِک کی ہے، تم نے میرے نام میں بٹا لگا دیا، ارے جیم تمھیں یہ سوجھی کیا؟

جونس : کیا مطلب؟

مسز جونس : وہاں اس کی تلاش ہورہی ہے لوگوں کا مجھ پر شبہ ہے، تمھیں یہ سوجھی کیا جیم؟

جونس : میں تم سے کہہ چکا ہوں نشے میں تھا۔ مجھے اس کی چاہ نہیں ہے، یہ میرے کس کام کی ہے، اگر میں اسے گِرو رکھنے جاؤں تو پکڑ جاؤں، میں چور نہیں ہوں، اگر میں چور ہوں تو لونڈا وارتھوِک مجھ سے کہیں بڑا چور ہے۔ یہ تھیلی جو میں نے پڑی پائی، وہی ایک لیڈی کے گھر سے اٹھا لایا تھا، لیڈی سے کچھ جھگڑا ہوگیا بس اس نے اس بے چاری کی تھیلی اڑا لی، برابر کہتا رہا کیا چرکا دیا، اس نے لیڈی کو چرکا دیا، میں نے لونڈے کو چرکا دیا، پہلے سرے کا مکھی چوس ہے، اور دیکھ لینا اس کے بال بھی بانکا نہ ہوگا۔

مسز جونس : (مانو آپ ہی آپ باتیں کر رہا ہو) اوہ جیم! ہماری لگی لگائی روزی چلی جائے گی!

جونس : اگر ایسا ہوا تو میں بھی ان کی خبر لوں گا، نہ تھیلی کہیں گئی ہے، نہ لونڈا وارتھوِک کہیں گیا ہے۔

(مسز جونس میز کے پاس آتی ہے اور ڈبیا کو اٹھا لینا چاہتی ہے، جونس اس کا

ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

تمھیں اس سے کیا مطلب ہے؟ میں کہتا ہوں سیدھے سے رکھ دو۔

مسز جونس : میں اسے لوٹا دوں گی اور جو جو ہوا ہے سب صاف صاف کہہ دوں گی۔

(وہ اس کے ہاتھ سے ڈبیا چھین لینا چاہتی ہے)

جونس : نہ مانوگی تم؟

(وہ ڈبیا کو چھوڑ دیتا ہے اور غرا کر اس پر جھپٹتا ہے، وہ چارپائی کے اس پار چلی جاتی ہے، وہ اس کے پیچھے لپکتا ہے، ایک کرسی الٹ جاتی ہے، دروازہ کھلتا ہے اور اِسنو اندر آتا ہے، وہ خفیہ پولیس کا آدمی ہے، اس وقت سادے کپڑے پہنے ہوئے ہے، اس کی مونچھیں کتری ہوئی ہیں، جونس ہاتھ گرا دیتا ہے، مسز جونس ہانپتی ہوئی کھڑکی کے پاس کھڑی ہوجاتی ہے، اِسنو تیزی سے میز کی طرف جاتا ہے اور ڈبیا اٹھا لیتا ہے)

اِسنو : اچھا یہاں تو چہل ہورہی ہے؛ جس چیز کی تلاش میں تھا وہی مل گئی۔ جے۔ بی ٹھیک وہی ہے۔

(وہ دروازے کے پاس جاتا ہے اور ڈبیا کے اکشروں(حروف) کو غور سے دیکھتا ہے، مسز جونس سے)

میں پولیس کا افسر ہوں، تمھیں مسز جونس ہو؟

مسز جونس : جی ہاں۔

اِسنو : مجھے حکم ہے کہ تمھیں جے وارتھوک، ممبر پارلیمنٹ نمبر 6، راکنگھم گیٹ کی یہ ڈبیا چرا لینے کے اَپرادھ (جرم) میں پکڑ لوں، تمھارا بیان ٹھیک نہ ہوا تو تم پھنس جاؤگی، کیا کہتی ہو؟

مسز جونس : (دھیمے سُر میں، وہ ابھی تک ہانپ رہی ہے اور چھاتی پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے) میں سچ کہتی ہوں صاحب، میں نے اسے نہیں لیا، میں پرائی چیز کبھی چھوتی ہی نہیں، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔

اِسنو : تم آج سویرے وہاں گئی تھی، جس کمرے میں یہ ڈبیا تھی اس میں تم نے

جھاڑو لگائی، تم کمرے میں اکیلی تھی، ڈبیا یہاں تمھارے گھر میں رکھی ہوئی ہے، پھر بھی تم کہتی ہو میں نے نہیں لیا؟

مسز جونس : جی ہاں، جو چیز نہیں لی، اسے کیسے کہہ دوں کہ لی ہے۔

اِسنو : تب وہ ڈبیا یہاں کیسے آگئی؟

مسز جونس : میں اس وِشے (موضوع) میں کچھ نہ کہنا ہی اُچت (موزوں) سمجھتی ہوں۔

اِسنو : یہ تمھارے پتی ہیں؟

مسز جونس : جی ہاں، یہ میرے پتی ہیں۔

اِسنو : میں انھیں گرفتار کرنے جارہا ہوں، تمھیں کچھ کہنا تو نہیں ہے؟

(جونس سر جھکائے مون بیٹھا رہتا ہے)

تو ٹھیک ہے چلو مسز جونس، میں تم کو اتنا ہی کشٹ (تکلیف) دوں گا کہ چپ چاپ میرے ساتھ چلی آؤ۔

مسز جونس : (ہاتھ ملتے ہوئے) اگر میں نے لیا ہوتا تو میں یہ کبھی نہ کہتی کہ میں نے نہیں لیا، میں نے نہیں لیا، آپ سے سچ کہتی ہوں، یہ میں جانتی ہوں کہ دیکھنے میں میں ہی اَپرادِھن ہوں، لیکن اصلی پتا میں نہیں بتا سکتی۔ میرے بچے مدرسے گئے ہیں، تھوڑی دیر میں آتے ہوں گے، مجھے نہ پاویں گے تو ان بے چاروں کا نہ جانے کیا حال ہوگا۔

اِسنو : تمھارا پتی ان کی دیکھ بھال کرے گا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

(وہ اس کا ہاتھ آہستہ سے پکڑتا ہے)

جونس : تم اس کا ہاتھ چھوڑ دو وہ ٹھیک کہتی ہے، ڈبیا میں نے لی۔

اِسنو : (اس کی طرف آنکھیں اٹھاکر) شاباش! شاباش! بہادر آدمی ہو، چلو مسز جونس۔

جونس : (کرودھ سے) اسے چھوڑ دے، سور، وہ میری بیوی ہے، وہ شریف عورت ہے اگر اسے پکڑا تو تم جانو گے۔

اِسنو : ذرا ہوش میں آؤ، ان باتوں سے کیا فائدہ، زبان سنبھال کر بات کرو،

خیریت اسی میں ہے۔

(وہ منہ میں سیٹی لگاتا ہے اور استری کو دوار (دروازہ) کی طرف کھینچتا ہے)

جونس : (جھپٹ کر) اسے چھوڑ دو اور ہاتھ ہٹالو، نہیں تو ہڈی توڑ دوں گا اسے کیوں نہیں چھوڑتا، میں تو کہہ رہا ہوں کہ میں نے لی ہے۔

اِسنو : (سیٹی بجاکر) ہاتھ ہٹالو، نہیں تو میں تمھیں بھی پکڑ لوں گا، اچھا نہ مانو گے؟

(جونس اس سے لپٹ جاتا ہے اور اسے ایک گھونسا مارتا ہے، ایک پولیس مین وردی پہنے ہوئے آتا ہے، ذرا دیر ہاتھا پائی ہوتی ہے اور جونس پکڑ لیا جاتا ہے، مسز جونس اپنا ہاتھ اٹھاتی ہے اور ان کے اوپر سر جھکا دیتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا منظر

[وارتھوک کا بھوج نالیہ (کھانے کا کمرہ) وہی شام ہے، وارتھوک پریوار پھل اور مٹھائیاں کھا رہا ہے]

مسز وارتھوک : جان (اخروٹوں کے چھلکوں کے ٹوٹنے کی آواز آتی ہے)

وارتھوک : تم ان اخروٹوں کا حال ان سے کیوں نہیں کہتی کھائے نہیں جاتے۔

(ایک گری منہ میں رکھ لیتا ہے)

مسز وارتھوک : یہ اس چیز کا موسم نہیں ہے، میں نے ہولی روڈ سے کہا تھا۔

(وارتھوک اپنا گلاس پورٹ سے بھرتا ہے)

جیک : دادا، ذرا سروتا بڑھایئے گا۔

(وارتھوک سروتا بڑھا دیتا ہے، وہ کسی وچار سے ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے)

مسز وارتھوک : لیڈی ہولی روڈ بہت موٹی ہوگئی ہیں، میں یہ بہت دنوں سے دیکھ رہی

ہوں۔

وارتھوِک : (اَن منے بھاؤ سے) موٹی؟

(وہ سروتا اٹھا لیتا ہے، چہرے پر لاپرواہی جھلنے لگتی ہے)

ہولی روڈ پریوار کا نوکروں سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا، کیوں؟

جیک : دادا ذرا سروتا۔

وارتھوِک : (سروتا بڑھاتے ہوئے) سماچار پتروں میں نکلا تھا، رسوئیادارِن تھی نہ؟

مسز وارتھوِک : نہیں خدمت گارِن تھی، میں نے لیڈی ہولی روڈ سے بات چیت کی تھی، وہ لڑکی اپنے پریمی کو ملنے کے لیے بلایا کرتی تھی۔

وارتھوِک : (بے چینی سے) میری سمجھ میں انھیں —

مسز وارتھوِک : تم کیا کہتے ہو جان اور دوسرا راستہ ہی کیا تھا؟ سوچو، دوسرے نوکروں پر کیا اثر پڑتا؟

وارتھوِک : ہاں بات تو ٹھیک تھی— لیکن میں یہ نہیں سوچ رہا تھا۔

جیک : (چھیڑنے کے لیے) دادا سروتا (وارتھوِک سروتا بڑھا دیتا ہے)

مسز وارتھوِک : لیڈی ہولی روڈ نے مجھ سے کہا— ''میں نے اسے بلایا اور اس سے کہا، فوراً میرے گھر سے نکل جا میں تمھارے چال چلن کو نِندنی (قابل مذمت) سمجھتی ہوں، میں کہہ نہیں سکتی، میں نہیں جانتی اور نہ میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم کیا کر رہی تھی، میں سدھانت کی رَکشا کے لیے تمھیں الگ کر رہی ہوں، میرے پاس سفارش کے لیے مت آنا''۔ اس پر اس لڑکی نے کہا ''اگر آپ مجھے نوٹس نہیں دیں گی تو مجھے ایک مہینے کی تنخواہ دے دیجیے، میں نے اپنی عزت میں داغ نہیں لگایا میں نے۔کچھ نہیں کیا، کچھ نہیں کیا!''

وارتھوِک : اچھا۔

مسز وارتھوِک : نوکر اب بہت سر چڑھ گئے ہیں، وہ سب اس بری طرح ملے رہتے ہیں کہ کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان کے مَن میں کیا ہے، ایسا جان پڑتا ہے

کہ تمھیں نہ معلوم ہو اس لیے سبھوں نے گٹ کرلیا ہو، یہاں تک کہ مارلو کا بھی یہی حال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے من کی اصلی بات کسی پر کھلنے ہی نہیں دیتا، مجھے اس چھپا چوری سے چڑھ ہے، اس سے پھر کسی پر بھروسہ نہیں رہتا، کبھی کبھی میرا ایسا جی چاہتا ہے کہ اس کا کان پکڑ کر ہلاؤں۔

جیک : مارلو بہت بھلا مانس ہے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ ہماری باتیں ہر ایک آدمی جان لے۔

وارتھوِک : اس کی تو چرچا نہ کرنا ہی اچھا ہے۔

مسز وارتھوِک : سب نیچ ذاتوں کا یہی حال ہے، تم یہ نہیں بتلا سکتے کہ وہ کب سچ بول رہے ہیں، آج جب میں ہولی روڈ کے گھر سے چلنے کے بعد بازار گئی تو ان بے کار آدمیوں میں سے ایک آکر مجھ سے باتیں کرنے لگا، میں سمجھتی ہوں مجھ میں اور گاڑی میں صرف بیس گز کا اَنتر ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوا کہ وہ سڑک پھاڑ کر نکل آیا۔

وارتھوِک : اچھا! آج کل کسی سے بات چیت کرنے میں بہت ہوشیار رہنا چاہیے، نہ جانے کیسا آدمی ہو۔

مسز وارتھوِک : میں نے اسے کچھ جواب تھوڑے ہی دیا، لیکن مجھے ترنت معلوم ہوگیا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

وارتھوِک : (ایک اخروٹ توڑ کر) یہ بڑا اچھا نیَم ہے، ان کی آنکھوں کو دیکھنا چاہیے۔

جیک : دادا ذرا سروتا۔

وارتھوِک : (سروتا بڑھاکر) اگر ان کی نگاہ سیدھی ہوتی ہے تو کبھی میں چھ پنیس دے دیتا ہوں، یہ میرے نیَم کے وِرودھ (خلاف) ہے، لیکن انکار کرتے تو نہیں بنتا۔ اگر تمھیں یہ دکھائی دے کہ وہ سست، کاہل اور کام چور ہیں تو سمجھ لو کہ شرابی یا کچھ ایسے ہی ہیں۔

مسز وارتھوک : اس آدمی کی آنکھیں بڑی ڈراؤنی تھیں وہ ایسے تاکتا تھا، مانو کسی کی خون کر ڈالے گا، اس نے کہا— میرے پاس آج کھانے کو کچھ نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح۔

وارتھوک : ولیم کیا کر رہا تھا؟ اسے وہاں کھڑا رہنا چاہیے تھا۔

جیک : (اپنی گلاس ناک کے پاس لے جاکر) کیوں دادا! کیا یہی سنہ 63 کی ہے؟

(وارتھوک گلاس کو اپنی آنکھوں کے پاس کیے ہوئے ہے، وہ اسے نیچے کرکے ناک کے پاس لے جاتا ہے)

مسز وارتھوک : مجھے ان لوگوں سے گھرنا (نفرت) ہے جو سچ نہیں بولتے۔

(باپ اور بیٹے گلاس کے پیچھے سے آنکھیں ملاتے ہیں)

سچ بولنے میں لگتا ہی کیا ہے؟ مجھے تو یہ بڑا آسان معلوم ہوتا ہے، اصلی بات کیا ہے، اس کا پتا ہی نہیں چلتا، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی ہمیں بنا رہا ہو۔

وارتھوک : (مانو فیصلہ سنا رہا ہو) نیچی ذاتیں اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی مارتی ہیں، اگر ہمارے اوپر بھروسہ رکھیں تو ان کی دَشا اتنی بری نہ ہو۔

مسز وارتھوک : لیکن اس پر بھی انھیں سنبھالنا مشکل ہے، آج مسز جونس ہی کو دیکھو۔

وارتھوک : اس وِشے میں میں وہی کروں گا جو نیائے سنگت (قابل انصاف) ہے۔ ابھی تیسرے پہر میں روپر سے ملا تھا، میں نے یہ ماجرا اس سے کہا، وہ آرہا ہوگا۔ یہ سب خفیہ پولیس کے بیان پر ہے، مجھے تو بہت سَندیہہ ہے۔ میں نے اس پر بہت وِچار کیا ہے۔

مسز وارتھوک : وہ عورت میری آنکھوں میں ذرا بھی نہیں جچتی۔ اسے کسی بات کی شرم ہی نہیں معلوم ہوتی تھی، دیکھو وہی معاملہ جس کی وہ چرچا کر رہی تھی، جب وہ اور اس کا مرد جوان تھے، کیسی بے حیائی کی بات تھی اور وہ بھی تمھارے اور جیک کے سامنے، میرا جی چاہتا تھا کہ اسے کمرے سے نکال دوں۔

وارتھوِک : اوہ! وہ تو جیسے ہیں، سب جانتے ہیں پر آپسی باتوں پر غور کرتے سے ہمیں تو سوچ لینا چاہیے۔

مسز وارتھوِک : شاید تم کہوگے کہ اس آدمی کے مالک نے اسے نکال دینے میں غلطی کی؟

وارتھوِک : بالکل نہیں، اس وِشے میں مجھے کوئی سندیہہ نہیں ہے، میں اپنے دل سے یہ پوچھتا ہوں۔

جیک : دادا، تھوڑی سی پورٹ!

وارتھوِک : (سورج کے اُدے اور اَست (طلوع اور غروب) کی ٹھیک ٹھیک نقل میں بوتل کو گھماتے ہوئے) میں اپنے دل سے یہ پوچھتا ہوں کہ ہم کسی کو نوکر رکھنے کے پہلے اس کے بارے میں کافی طور سے جانچ بھی کرلیا کرتے ہیں یا نہیں، خاص کر اس کے چال چلن کے بارے میں۔

جیک : اما، شراب کو ذرا ادھر دے دو۔

مسز وارتھوِک : (بوتل بڑھاکر) کیوں بیٹے تم بہت زیادہ تو نہیں پی رہے ہو؟

(جیک اپنا گلاس بھرتا ہے)

مارلو : (کمرے میں آکر) جاسوس اِسنو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

وارتھوِک : (بے چینی سے) اچھا کہو ابھی ایک منٹ میں آتا ہوں۔

مسز وارتھوِک : (بغیر سر گھمائے ہوئے) اسے یہیں بلالو، مارلو۔

(اِسنو اوور کوٹ پہنے اپنی بولر ہیٹ ہاتھ میں لیے آتا ہے)

وارتھوِک : (کچھ اٹھ کر) آیئے بندگی۔

اِسنو : بندگی صاحب! بندگی میم صاحب! میں یہ بتلانے آیا ہوں کہ اس معاملے میں میں نے کیا کیا۔ مجھے ڈر ہے کہ مجھے کچھ دیر ہوگئی ہے میں ایک دوسرے مقدمے میں چلا گیا تھا۔

(چاندی کی ڈبیا جیب سے نکالتا ہے، وارتھوِک پریوار میں سنسنی پھیل جاتی ہے)

میں سمجھتا ہوں یہ ٹھیک وہی چیز ہے۔

وارتھوِک : ٹھیک وہی، ٹھیک وہی۔

اِسنو : نشان اور انک (عدد) ویسے ہی ہیں، جیسے آپ نے بتلائے تھے، مجھے تو اس معاملے میں ذرا بھی ہچک نہیں ہوئی۔

وارتھوِک : شاباش، آپ بھی ایک گلاس پیجیے

(پورٹ کی بوتل کو دیکھ کر)

شیری کی۔

(شیری انڈیلتا ہے)

جیک یہ مسٹر اِسنو کو دے دو۔

(جیک اٹھا کر گلاس اسنو کو دے دیتا ہے، تب اپنی کرسی پر پڑ کر آسیہ (کاہلی) سے دیکھتا ہے)

اِسنو : (شراب پی کر اور گلاس کو نیچے رکھ کر) آپ سے ملنے کے بعد میں اس عورت کے ڈیرے پر گیا، نیچوں کی بستی ہے، اور میں نے سوچا کہ دیوڑھی کے نیچے ہی کانسٹبل کھڑا کردوں، شاید ضرورت پڑے اور میرا وِچار بالکل ٹھیک نکلا۔

وارتھوِک : سچ؟

اِسنو : جی ہاں، کچھ جھمیلا کرنا پڑا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمھارے گھر میں یہ چیز کیسے آئی، وہ مجھے کچھ جواب نہ دے سکی، ہاں برابر چوری سے انکار کرتی رہی، اس لیے میں نے اسے گرفتار کرلیا، تب اس کا شوہر مجھ سے الجھ پڑا، آخر میں نے حملہ کرنے کے اَپرادھ میں اسے بھی گرفتار کرلیا، گھر سے پولیس اسٹیشن تک جانے میں وہ بہت گرم ہوتا رہا، بالکل جامے سے باہر، بار بار آپ کو اور آپ کے لڑکے کو دھمکی دیتا تھا کہ سمجھ لوں گا، سچ پوچھیے تو بڑا فتنہ نکلا۔

مسز وارتھوِک : بڑا بھاری بدمعاش ہے۔

اِسنو :　ہاں، میم صاحب، بڑا ہی اُجڈ اسامی!

جیک :　(شراب کی چسکی لیتا ہوا، مزے میں آکر) پاجی کا سر توڑ دے۔

اِسنو :　میں نے پتا لگایا، پکا شرابی ہے۔

مسز وارتھوِک : میں تو چاہتی ہوں کہ کڑی سزا ملے۔

اِسنو :　دل لگی تو یہ کہ وہ ابھی تک یہی کہے جاتا ہے کہ ڈبیا میں نے خود چرائی۔

وارتھوِک : ڈبیا اس نے چرائی (مسکراتا ہے) اس میں اس نے کیا فائدہ سوچا ہے؟

اِسنو :　وہ کہتا ہے کہ چھوٹے صاحب پچھلی رات کو نشے میں تھے۔

(جیک آخروٹ توڑنا بند کردیتا ہے اور اِسنو کی طرف تاکنے لگتا ہے، وارتھوِک کی مسکراہٹ غائب ہوجاتی ہے، گلاس رکھ دیتا ہے، سناٹا چھا جاتا ہے، اِسنو باری باری سے ہر ایک کا چہرہ دیکھتا ہے اور کہتا ہے)

وہ مجھے اپنے گھر لائے اور خوب وہسکی پلائی، میں نے کچھ کھایا نہ تھا، نشہ زور کر گیا اور اسی نشے میں میں نے ڈبیا اٹھالی۔

مسز وارتھوِک : گستاخ، پاجی کہیں کا!

وارتھوِک : آپ کا خیال ہے کہ وہ کل اپنے بیان میں بھی یہی کہے گا۔

اِسنو :　یہی اس کی صفائی ہوگی، کہہ نہیں سکتا بیوی کو بچانے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے، یا (جیک کی طرف دیکھ کر) اس میں کچھ تتو (اصل) بھی ہے۔ اس کا فیصلہ تو مجسٹریٹ کے ہاتھ میں ہے۔

مسز وارتھوِک : (گرو (فخر) سے) تتو بھی ہے؟ کس میں کیا؟ آپ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، آپ سمجھتے ہیں میرا لڑکا ایسے آدمی کو کبھی اپنے گھر لائے گا!

وارتھوِک : (انگیٹھی کے پاس سے شانت رہنے کی چیشٹا (سعی) کرکے) میرا لڑکا اپنی صفائی کرلے گا، اچھا جیک، تم کیا کہتے ہو؟

مسز وارتھوِک : (تیور سوڑ میں) وہ کیا کہے گا؟ یہی اور کیا کہ سب من گڑھت ہے۔

جیک :　(دُبدھا (تذبذب) میں پڑ کر) بات یہ ہے، بات یہ ہے کہ مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔

مسز وارتھوِک : وہ تو میں پہلے ہی کہتی تھی

(اسنو سے)

وہ آدمی دیدا دلیر بدمعاش ہے۔

وارتھوِک : (اپنے من کو دباتے ہوئے) لیکن جب میرا لڑکا کہہ رہا ہے کہ اس معاملے میں کوئی تتو نہیں ہے تو کیا ایسی دَشا میں اس آدمی پر مقدمہ چلانا ضروری ہے۔

اِسنو : اس پر تو حملے کا جرم لگانا ہوگا، مسٹر جیک وارتھوِک بھی پولس کچہری چلے آئیں تو بڑا اچھا ہو، بچا جیل جائیں گے، یہ تو مانی ہوئی بات ہے، وِچتر بات یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ روپے بھی نکلے اور ایک لال ریشمی تھیلی بھی تھی۔

(وارتھوِک چونک پڑتا ہے، جیک اٹھتا ہے، پھر بیٹھ جاتا ہے)

میم صاحب کی تھیلی تو نہیں غائب ہوگئی؟

وارتھوِک : (جلدی سے) نہیں، نہیں ان کی تھیلی نہیں کھوئی۔

جیک : نہیں، تھیلی تو نہیں گئی۔

مسز وارتھوِک : (مانو سَوپن (خواب) دیکھتے ہوئے) نہیں!

(اسنو سے)

میں نوکروں سے پتا لگا رہی تھی، وہ آدمی گھر کے آس پاس چکر لگایا کرتا ہے، اگر لمبی سزا مل جائے تو کھٹکا نکل جائے، ایسے بدمعاشوں سے ہماری رکشا تو ہونی ہی چاہیے۔

وارتھوِک : ہاں، ہاں ضرور، یہ تو سِدھانت کی بات ہے لیکن اس معاملے میں ہمیں کئی باتوں پر وِچار کرنا ہے۔

(اسنو سے)

اس آدمی پر تو مقدمہ چلانا ہی چاہیے، کیوں آپ بھی تو یہی کہتے ہیں؟

اِسنو : اَوَشئے اس میں کیا سوچنا ہے۔

وارتھوک : (جیک کی طرف اداس بھاؤ سے تاکتے ہوئے) میری خواہش نہیں ہوتی کہ یہ مقدمہ چلایا جائے، غریبوں پر مجھے بڑی دَیا (رحم) آتی ہے۔ اپنے پد (عہدہ) کا وِچار کرتے ہوئے یہ ماننا میرا اکرتویہ (فرض) ہے کہ غریبوں کی حالت بہت خراب ہے۔ ان کی دشا میں بہت کچھ سُدھار کی ضرورت ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے، اگر کوئی ایسی راہ نکل آتی ہے کہ مقدمہ نہ چلانا پڑتا تو بڑی اچھی بات ہوتی۔

مسز وارتھوک : (تیز سُور میں) یہ کیا کہتے ہو جان؟ تم دوسروں کے ساتھ اَنیائے (بے انصافی) کر رہے ہو، اس کا آشے تو یہ ہے کہ ہم جائداد کو لوگوں کی دَیا پر چھوڑ دیں، جس کا جی چاہے لے لے۔

وارتھوک : (اسے اشارہ کرنے کی چیشٹا (کوشش) کرکے) میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے اَپرادھ نہیں کیا، میں اس کے سب پہلوؤں پر سوچ رہا ہوں۔

مسز وارتھوک : یہ سب فضول، ہر کام کا وقت ہوتا ہے۔

اِسنو : (چھکو بناوٹی آواز میں) میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں، جناب، کہ چوری کا الزام اٹھا لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ حملے کے مقدمے میں سبھی باتیں کھل ہی جائیں گی۔

(جیک کی طرف مارمک دِرِشٹی (نظر) سے دیکھتا ہے۔)

اور جیک میں پہلے عرض کرچکا ہوں وہ مقدمہ ضرور چلایا جائے گا۔

وارتھوک : (جلدی سے) ہاں، ہاں، یہ تو ہوگا ہی، اس استری کے وِچار سے میں کہہ رہا ہوں، یہ تو میرا اپنا خیال ہے۔

اِسنو : اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اس معاملے میں ذرا بھی دخل نہ دیتا، اس میں کوئی بادھا (رکاوٹ) پڑنے کا بھے (خوف) نہیں ہے۔ ایسے معاملے چٹ پٹ طے ہوجاتے ہیں۔

وارتھوک : (سندیہہ کے بھاؤ سے) اچھا یہ بات؟ اچھا یہ بات ہے؟

جیک : (سچیت(ہوشیار) ہوکر) اچھا! مجھے اپنے بیان میں کیا کہنا پڑے گا؟

اِسنو :   یہ تو آپ خود جان سکتے ہیں۔

(دروازے تک جاکر)

شاید کوئی نئی بات کھڑی ہوجائے، اچھا یہ ہے کہ آپ ایک وکیل کر لیجیے، ہم خانساماں کو یہ ثابت کرنے کے لیے طلب کریں گے کہ چیز واستو (حقیقت) میں چوری گئی۔ اب مجھے اجازت دیجیے، مجھے آج بہت کام ہے، گیارہ بجے کے بعد کسی وقت مقدمہ پیش ہوگا، بندگی حضور، بندگی میم صاحب! مجھے کل یہ ڈبیا عدالت میں پیش کرنی پڑے گی، اس لیے یدی (اگر) آپ کو کوئی آپتّی (اعتراض) نہ ہو تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں۔

(وہ ڈبیا اٹھا لیتا ہے اور سلام کر کے چلا جاتا، وارتھوِک اس کے ساتھ جانے کے لیے اٹھتا ہے، اور اپنے ہاتھوں کو کوٹ کے پیچھے رکھ کر نِراش (اداس) ہوکر بولتا ہے)

میں چاہتا ہوں کہ تم ان باتوں میں دخل نہ دیا کرو، مگر تمھاری ایسی عادت ہے کہ سمجھو یا نہ سمجھو دخل ہر ایک بات میں دوگی، مارا — سب معاملہ چوپٹ کردیا۔

مسز وارتھوِک : (رکھائی سے) میری سمجھ میں نہیں آتا تمھارا مطلب کیا ہے، اگر تم اپنے حق کے لیے نہیں کھڑے ہوسکتے، تو میں تو کھڑی ہوسکتی ہوں، مجھے تمھارے سِدھانت ذرا بھی نہیں بھاتے، انھیں لے کر تم چاٹا کرو۔

وارتھوِک : سدھانت! تم ہو کس پھیر میں، سدھانتوں کی یہاں چرچا ہی کیا؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ پچھلی رات کو جیک نشے میں چور تھا؟

جیک :   ابا جان!

مسز وارتھوِک : (بھے بھیت (خوف زدہ) ہوکر کھڑی ہوجاتی ہے) جیک یہ کیا بات ہے؟

جیک :   کوئی بات نہیں ہے لماّ۔ میں نے کیول بھوجن کیا تھا، سبھی کھاتے ہیں، میرا مطلب ہے، یعنی میرا مطلب ہے، آپ میرا مطلب سمجھ گئی ہوں گی، اسے

نشے میں چور ہونا نہیں کہتے، آکسفورڈ میں تو سبھی منہ کا مزہ بدل لیا کرتے ہیں۔

مسز وارتھوِک : یہ بڑی بے ہودہ بات ہے، اگر تم لوگ آکسفورڈ میں یہی سب کیا کرتے ہو—

جیک : (کرودھ سے) تو پھر آپ لوگوں نے مجھے وہاں بھیجا کیوں؟ جیسے اور سب رہتے ہیں ویسے ہی تو مجھے بھی رہنا پڑے گا، اتنی سی بات کو نشے میں چور کرنا حماقت ہے، ہاں مجھے کھید اَوَشیہ (ضرور) ہے۔ آج دن بھر سر میں بڑا درد رہا۔

وارتھوِک : چھی! اگر تمھیں معمولی سی تمیز بھی ہوتی اور تمھیں اتنا سا بھی یاد ہوتا کہ جب تم یہاں آئے تو کیا کیا باتیں ہوئی تو ہمیں معلوم ہوجاتا کہ اس بدمعاش کی باتوں میں کتنا سچ ہے، مگر اب تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا، گورکھ دھندا سا ہوکر رہ گیا۔

جیک : (گھورتا ہوا مانو ادھوری باتیں یادآرہی ہوں) کچھ کچھ یاد آتا ہے، پھر سب بھول جاتا ہوں۔

مسز وارتھوِک : کیا کہتے ہو جیک؟ کیا تمھیں اتنا نشہ تھا کہ تمھیں اتنا بھی یاد نہیں؟

جیک : یہ بات نہیں ہے، اماّ، مجھے یہاں آنے کی خوب یاد ہے، میں ضرور آیا ہوں گا۔

وارتھوِک : (غصے سے بے قابو ہوکر ادھر سے ادھر تک ٹہلتا ہوا) خوب! اور وہ منحوس تھیلی کہاں سے آگئی! خدا خیر کرے! ذرا سوچو تو جیک! یہ ساری باتیں پتروں میں نکل جائیں گی، کسی کو معلوم تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا، اس سے تو یہ کہیں اچھا ہوتا کہ ایک درجن ڈبیے کھوجاتے اور ہم لوگ زبان نہ کھولتے۔

(بیوی سے)

یہ سب تمھاری کرتوت ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا، اچھا ہو

کہیں روپر آجاتا۔

مسز وارتھوک : (تیز آواز سے) میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا بک رہے ہو، جان۔

وارتھوک : (اس کی طرف مڑ کر) نہیں تم! اجی— تم— تم کچھ جانتی نہیں۔ (تیز آواز سے) آخر! وہ روپر کہاں مر گیا۔ اگر وہ اس دلدل سے نکلنے کی کوئی راہ نکال دے، تو میں جانوں کہ وہ کسی کام کا آدمی ہے! میں بدگر کہتا ہوں کہ اس سے نکلنے کا اب کوئی راستہ نہیں ہے، مجھے تو کچھ سوجھتا نہیں۔

جیک : ادھر سنیے، ابّا جان کو کیوں دق کرتی ہو؟ میں کیول اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں تھک کر بے دم ہوگیا تھا اور مجھے اس کے سوا کچھ یاد نہیں ہے کہ میں گھر آیا۔

(بہت مند (دھیما) سُور میں)

اور روز کی طرح پلنگ پر جاکر سو رہا۔

وارتھوک : پلنگ پر چلے گئے؟ کون جانتا ہے تم کہاں چلے گئے مجھے تمھارے اوپر اب وِشواس (بھروسہ) نہیں رہا، مجھے کیا پتا کہ زمین پر پڑے رہے ہوگے۔

جیک : (بگڑ کر) زمین پر نہیں میں——

وارتھوک : (صوفا پر بیٹھ کر) اس کی کسے پرواہ ہے کہ تم کہاں سوئے تھے؟ اس وقت کیا ہوگا جب وہ کہہ دے گا...... ڈوب مرنے کی بات ہوگی!

مسز وارتھوک : کیا؟

(سناٹا)

بات کیا ہوئی، بولتے کیوں نہیں؟

جیک : کچھ نہیں۔

مسز وارتھوک : کچھ نہیں کچھ نہیں اسے تمھارا کیا مطلب ہے جیک؟ تمھارے دادا اس کے لیے آسمان سر پر اٹھا رہے ہیں۔

جیک : وہ تھیلی میری ہے۔

مسز وارتھوک : تمھاری تھیلی؟ تمھارے پاس تھیلی کب تھی؟ تم خوب جانتے ہو تمھارے پاس تھیلی نہ تھی۔

جیک : خیر، یہ دوسرے ہی کی صحیح، مگر کیول دل لگی تھی، مجھے اس سڑی سی تھیلی کو لے کر کیا کرنا تھا؟

مسز وارتھوک : تمھارا مطلب ہے کہ کیا کسی دوسرے کی تھیلی تھی اور اسے اس بدمعاش نے اڑا لی؟

وارتھوک : جی ہاں! تھیلی اس نے اڑا لی، جونس وہ آدمی نہیں ہے کہ اس بات پر پردہ ڈال دے، وہ اسے خوب نمک مرچ لگاکر بیان کرے گا، سماچار پتروں میں اس کی چرچا ہوگی۔

مسز وارتھوک : میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے، کس بات کا یہ سب قصور ہے؟

(جیک کے اوپر جھک کر پیار سے)

جیک بیٹا، بتاؤ تو کیا بات ہے، ڈرو مت، صاف صاف بتا دو، کیا بات ہے؟

جیک : اماّ، ایسی باتیں نہ کرو!

مسز وارتھوک : کیسی باتیں بیٹا؟

جیک : کچھ نہیں، یوں ہی، مجھے کچھ یاد نہیں کہ وہ چیز میرے پاس کیسے آگئی، مجھ سے اور اس سے ایک پکڑ ہوگئی— مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ میں کیا کررہا ہوں، میں نے— میں نے— شاید میں نے— تم سمجھ گئی ہوگی— شاید میں نے تھیلی اس کے ہاتھ سے چھین لی۔

مسز وارتھوک : اس کے ہاتھ سے؟ کس کے ہاتھ سے؟ کیسی تھیلی؟ کس کی تھیلی؟

جیک : اجی، مجھے کچھ یاد نہیں۔ (نراش اور اونچی آواز میں) کسی عورت کی تھیلی تھی۔

مسز وارتھوک : کسی عورت کی؟ نہیں! نہیں! جیک! ایسا نہ کہو!

جیک : (اچھل کر) تم مانتی ہی نہیں تھی تو میں کیا کرتا، میں تو نہیں بتانا چاہتا تھا، میرا کیا قصور ہے؟

(دروازہ کھلتا ہے اور مارلو ایک آدمی کو اندر لاتا ہے، ادھیڑ، کچھ موٹا آدمی ہے، شام کے کپڑے پہنے ہوئے ہے، مونچھیں لال اور پتلی ہیں، آنکھیں کالی اور تیز، اس کی بھنویں چینیوں کی سی ہیں)

مارلو : روپر صاحب آئے ہیں حضور!

(وہ کمرے میں چلا جاتا ہے)

روپر : (تیز آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ کر) کیسے مزاج ہیں؟

(جیک اور مسز وارتھوِک دونوں چپ بیٹھے رہتے ہیں)

وارتھوِک : (جلدی سے آکر) شکر ہے آپ تو آگئے! آپ کو یاد ہے میں نے آج شام کو آپ سے کیا کہا تھا، جاسوس ابھی یہاں آیا تھا۔

روپر : ڈبیا مل گئی؟

وارتھوِک : ہاں، ڈبیا تو مل گئی، پر ایک بات ہے، یہ مزدورنی کا کام نہ تھا، اس کے شرابی اور ٹھلوے شوہر نے وہ چیزیں چرائی تھیں وہ کہتا ہے کہ یہی رات کو اسے گھر میں لایا تھا۔

(وہ جیک کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے، جو ایسا دبک جاتا ہے مانو وار بچاتا ہے)

آپ کو ابھی اس کا وشواس (یقین) ہوگا۔

(روپر ہنستا ہے اور پرجوش ہوکر شبدوں (لفظوں) پر زور دیتا ہے)

یہ ہنسی کی بات نہیں ہے میں نے جیک کا قصہ بھی آپ سے کہا تھا، آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ بدمعاش دونوں چیزیں اٹھالے گیا، وہ ستیاناسی تھیلی بھی لے گیا، اخباروں میں اس کی چرچا ہوگی۔

روپر : (بھنویں چڑھاکر) ہوں! تھیلی! بڑے لوگوں کی دَشا (حالت)؟ آپ کے صاحب زادے کیا کہتے ہیں؟

وارتھوِک : اسے کچھ یاد نہیں، ایسا اندھیر کبھی دیکھا تھا؟ پتروں تک یہ بات پہنچے گی۔

مسز وارتھوِک : (ہاتھوں سے آنکھوں کو چھپاکر) نہیں! نہیں! یہ بات تو نہیں ہے۔

(وارتھوِک اور روپر گھوم کر اس کی طرف دیکھتے ہیں)

وارتھوک : اس عورت پر کہہ رہی ہے، یہ بات ابھی ابھی ان کے کانوں میں پڑی ہے۔

(روپر سر ہلاتا ہے اور مسز وارتھوک اپنے ہونٹوں کو دباکر مند دِرشٹی (نحیف نظر) سے جیک کو دیکھتی ہے اور میز کے سامنے بیٹھ جاتی ہے)

آخر کیا کرنا چاہیے روپر؟ وہ لُچّا جونس اس تھیلی والے معاملے کو خوب بڑھاوے گا، بات کا بتنگڑ بنا دے گا۔

مسز وارتھوک : مجھے وِشواس نہیں آتا کہ جیک نے تھیلی لی۔

وارتھوک : کیا ابھی کوئی سندیہہ ہے؟ وہ عورت آج سویرے اپنی تھیلی مانگنے آئی تھی؟

مسز وارتھوک : یہاں؟ اتنی بے حیا ہے، مجھے کیوں نہیں بتایا؟

(وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف تاکتی ہے، کوئی اسے جواب نہیں دیتا، سناٹا ہوجاتا ہے)

وارتھوک : (چونک کر) کیا کرنا ہوگا، روپر؟

روپر : (دھیرے سے جیک سے) تم نے کنجی تو دروازے میں نہیں چھوڑ دی تھی؟

جیک : (رکھائی سے) ہاں! چھوڑ تو دی تھی۔

وارتھوک : یا اِیشور (اے خدا) ابھی اور آگے نہ جانے کیا کیا ہوگا؟

مسز وارتھوک : مجھے وشواس ہے کہ تم اسے گھر میں نہیں لائے تھے، جیک۔ یہ سراسر جھوٹی بات ہے، میں جانتی ہوں اس میں سچائی کی گندھ تک نہیں ہے، مسٹر روپر۔

روپر : (یکایک) تم رات کہاں سوئے تھے؟

جیک : (ترنت (فوراً)) صوفا پر— وہاں—

(کچھ ہچکچاکر)

یعنی میں۔

وارتھوک : صوفا پر! کیا تمھارا مطلب یہ ہے کہ چارپائی پر گئے ہی نہیں!

جیک : (منہ لٹکاکر) نہیں۔

وارتھوک : اگر تمھیں کچھ بھی یاد نہیں ہے تو یہ اتنا کیسے یاد رہا؟

جیک : کیونکہ آج صبح میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے کو وہیں پایا۔
مسز وارتھوِک : کیا کہا؟
وارتھوِک : یاخدا!
جیک : اور مسز جونس نے مجھے دیکھا! میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے یوں دق نہ کریں۔
روپر : آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کسی کو شراب پلائی تھی؟
جیک : ہاں، میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ مجھے ایک آدمی کی یاد آرہی ہے— اس آدمی کے—

(اوپر کی طرف دیکھتا ہے)

کیا آپ مجھ سے چاہتے ہیں کہ—
روپر : (بجلی کی تیزی سے) جس کا چہرہ گندا ہے؟
جیک : (پرسنّ (خوش) ہوکر) ہاں وہی وہی! مجھے صاف یاد آرہا ہے۔

(وارتھوِک اچانک کھسک جاتا ہے)

مسز وارتھوِک کرودھ (غصہ) سے اوپر کی طرف دیکھتی ہے اور اپنے بیٹے کی بانہہ چھوتی ہے۔
مسز وارتھوِک : تم کو بالکل یاد نہیں ہے! یہ کتنی ہنسی کی بات ہے، مجھے اس آدمی کے یہاں آنے کا بالکل وشواس (یقین) نہیں ہے۔
وارتھوِک : تمھیں سچ بولنا چاہیے، چاہے یہی سچ کیوں نہ ہو؟ لیکن اگر تمھیں یاد آتا ہے کہ تم نے ایسی بے ہودگی کی تو تم پھر مجھ سے کوئی آشا (امید) نہ رکھو۔
جیک : (ان کی طرف گھورکر) آخر آپ لوگ مجھ سے چاہتے کیا ہیں؟
مسز وارتھوِک : جیک!
جیک : جی ہاں، میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ آپ لوگوں کی اِکشا (خواہش) کیا ہے؟

مسز وارتھوِک : ہم لوگ یہی چاہتے ہیں کہ تم سچ بولو اور کہہ دو کہ تم نے اس نیچ کو گھر میں نہیں بلایا۔

وارتھوِک : بیشک اگر تم خیال کرتے ہو کہ تم نے اس بے شرمی سے اسے وہسکی پلائی اور اپنی کرتوت اسے دکھائی اور تمھاری دَشا اتنی خراب تھی کہ تمھیں وہ باتیں بالکل یاد نہیں تو—

روپر : (جلدی سے) مجھے خود کوئی بات یاد نہیں رہتی، یادداشت اتنی کمزور ہے۔

وارتھوِک : (نراش بھاؤ سے) تو میں نہیں جانتا کہ تمھیں کیا کہنا پڑے گا!

روپر : (جیک سے) تمھیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اپنے کو اس جھمیلے میں مت ڈالو، عورت نے چیزیں چرائی یا مرد نے، چیزیں چرائیں آپ کو اس سے کچھ مطلب نہیں، آپ تو صوفا پر سو رہے تھے۔

مسز وارتھوِک : تم نے دروازے میں کنجی لگی ہوئی چھوڑ دی، یہی کیا کم ہے؟ اب اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (اس کے ماتھے کو پیار سے چھوکر) تمھارا سر آج کتنا گرم ہے؟

جیک : لیکن مجھے یہ تو بتلایئے کہ مجھے کرنا کیا ہوگا؟ (کرودھ سے) میں نہیں چاہتا کہ اس طرح چاروں طرف سے مجھے دق کریں۔

(مسز وارتھوِک اس کے پاس سے ہٹ جاتی ہے)

روپر : (جلدی سے) آپ یہ سب کچھ بھول جائیں، آپ تو سوئے تھے۔

جیک : کیا کل میرا کچہری جانا ضروری ہے؟

روپر : (سر ہلاکر) نہیں۔

وارتھوِک : (ذرا شانت چت ہوکر) سچ مچ!

روپر : جی ہاں!

وارتھوِک : لیکن آپ تو جائیں گے؟

روپر : جی ہاں!

جیک : (بناوٹی پرسنتا (خوشی) سے) بڑی عنایت ہے میں یہی چاہتا ہوں کہ مجھے وہاں جانا

نہ پڑے۔

(سر پر ہاتھ رکھ کر)

مجھے شما (معاف) کیجیے گا، آج سر میں زوروں کا درد ہے۔

(باپ کی طرف سے ماں کی طرف دیکھتا ہے)

مسز وارتھوِک : (جلدی سے گھوم کر) اچھا جاؤ بیٹا!

جیک : اچھا، اماّ!

(وہ چلا جاتا ہے، مسز وارتھوِک لمبی سانس کھینچتی ہے، سناٹا ہوجاتا ہے)

وارتھوِک : یہ بہت سستے چھوٹ گئے! اگر میں نے اس عورت کو روپے نہ دیے ہوتے تو اس نے ضرور دعویٰ کیا ہوتا۔

روپر : اب آپ کو معلوم ہوا کہ دھن کتنا اُپیوگی (کارآمد) ہے۔

وارتھوِک : مجھے اب بھی سندیہہ ہے کہ ہمیں سچ کو چھپا دینا چاہیے یا نہیں۔

روپر : چالان ہوگا۔

وارتھوِک : کیا؟ آپ کا منشا ہے کہ انھیں عدالت میں جانا پڑے گا؟

روپر : ہاں؟

وارتھوِک : اچھا! میں نے سمجھا تھا کہ آپ— دیکھیے مسٹر روپر! اس تھیلی کا ذکر مسٹر کاغذوں میں نہ آنے دیجیے گا۔

(روپر اپنی چھوٹی آنکھیں اس کے چہرے پر جما دیتا ہے اور سر ہلاتا ہے)

مسز وارتھوِک : مسٹر روپر، کیا آپ کے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے کہ جونس پریوار کا حال مجسٹریٹ سے کہہ دیا جائے، میرا مطلب یہ ہے کہ شادی کے پہلے ان کا آپس میں کتنا اُنُوچِت سَمبندھ (نامناسب تعلق) تھا، شاید جان نے آپ سے نہیں کہا۔

روپر : یہ تو کوئی مارکے کی بات نہیں۔

مسز وارتھوِک : مارکے کی بات نہیں۔

روپر : نجی بات ہے، شاید مجسٹریٹ پر بھی یہی بیت چکی ہو۔

وارتھوک : (پہلو بدل کر، مانو بوجھ کھسکا رہا ہو) تو آپ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں رکھیں گے؟

روپر : اگر ایشور کی کرپا ہوئی!

(ہاتھ بڑھاتا ہے)

وارتھوک : (ورکت بھاؤ سے ہاتھ ہلاکر) ایشور کی اِکشا؟ آپ چلے؟

روپر : جی ہاں! ایسا ہی میرے پاس ایک دوسرا مقدمہ بھی ہے۔

(مسز وارتھوک کو جھک کر سلام کرتا ہے اور چلا جاتا ہے، وارتھوک اس کے پیچھے پیچھے اَنت تک باتیں کرتا جاتا ہے۔ مسز وارتھوک میز پر بیٹھی ہوئی سسک سسک کر رونے لگتی ہے، وارتھوک لوٹتا ہے)

وارتھوک : (آپ ہی آپ) بدنامی ہوگی۔

مسز وارتھوک : (ترنت اپنے رنج کو چھپاکر) میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ روپر نے ایسی بات کو ہنسی میں کیوں اڑا دیا؟

وارتھوک : (وچتر بھاؤ سے تاک کر) تم— تمھاری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی، تمھیں رتی بھر بھی سمجھ نہیں ہے۔

مسز وارتھوک : (کرودھ سے) تم مجھ سے کہتے ہو کہ مجھ میں سمجھ نہیں ہے؟

وارتھوک : (گھبراکر) میں— بہت پریشان ہوں، ساری بات آدی سے انت تک (شروع سے آخر تک) میرے سدھانت کے وِرودھ (خلافِ اصول) ہیں۔

مسز وارتھوک : مت بکو، تمھارا کوئی سدھانت (اصول) بھی ہے، تمھارے لیے دنیا میں ڈرنے کے سوا اور کوئی سِدھانت نہیں ہے۔

وارتھوک : (کھڑکی کے پاس جاکر) میں اپنی زندگی میں کبھی نہ ڈرا۔ تم نے سنا ہے روپر کیا کہتا تھا؟ جس آدمی کے گھر میں ایسی واردات ہوگئی ہو، اس کے ہوش اڑا دینے کو اتنی بات کافی ہے، ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں، وہ ہمارے منہ سے نکل ہی پڑتا ہے، بھوت سا سر پر سوار رہتا ہے، میں ان باتوں کا عادی نہیں

ہوں۔

(وہ کھڑکی کو کھول دیتا ہے مانو اس کا دم گھٹ رہا ہو، کسی لڑکی کے سسکنے کی دھیمی آواز سنائی دیتی ہے)

یہ کیسی آواز ہے؟

(وہ سب کان لگا کر سنتے ہیں)

مسز وارتھوِک : (تیز آواز میں) مجھ سے رونا نہیں سنا جاتا، میں مارلو کو بھیجتی ہوں کہ اسے روک دے، مرے سارے روئیں کھڑے ہوگئے۔

(گھنٹی بجتی ہے)

وارتھوِک : میں کھڑکی بند کیے دیتا ہوں، پھر تمھیں کچھ نہ سنائی دے گا۔

(وہ کھڑکی بند کردیتا ہے اور سناٹا ہوجاتا ہے)

مسز وارتھوِک : (تیز آواز میں) اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ میرا دل دھڑک رہا ہے، مجھے کسی بات سے اتنی گھبراہٹ نہیں ہوتی، جتنی کسی بالک کے رونے سے۔

(مارلو آتا ہے)

یہ کیسے رونے کا شور ہے مارلو؟ کسی بچے کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

وارتھوِک : بچہ ہے، اس منڈیر سے چپٹا ہوا دکھائی تو پڑتا ہے۔

مارلو : (کھڑکی کھول کر اور باہر دیکھ کر) یہ مسز جونس کا چھوٹا لڑکا ہے، حضور! اپنی ماں کو کھوجتا ہوا یہاں آیا ہے۔

مسز وارتھوِک : (جلدی سے کھڑکی کے پاس جاکر) کیا غریب لڑکا ہے! جان، ہمیں یہ مقدمہ نہ چلانا چاہیے۔

وارتھوِک : (ایک کرسی پر دھم سے بیٹھ کر) لیکن اب تو بات ہمارے ہاتھ سے نکل گئی!

(مسز وارتھوِک کھڑکی کی طرف پیٹھ کر لیتی ہے، اس کے چہرے پر بے چینی کا بھاؤ دکھائی دیتا ہے، وہ اپنے ہونٹ دبائے کھڑی ہوتی ہے، رونا پھر شروع ہوجاتا ہے، وارتھوِک ہاتھوں سے اپنے کان بند کرلیتا ہے اور مارلو کھڑکی بند کردیتا ہے، رونا بند ہوجاتا ہے۔)

(پردہ گرتا ہے)

انک 3

پہلا منظر

[آٹھ دن گزر گئے ہیں، لندن کے پولیس کورٹ کا دِرِشے (منظر) ہے، ایک بجا ہے، ایک چندوے کے نیچے نیائے (انصاف) کا آس، اس چندوے کے اوپر شیئر اور گینڈے کی پرتیما (تصویر) بنی ہوئی ہے۔ آنکھ کے سامنے ایک مرجھائی ہوئی صورت کا نیائے دھیش (جج) اپنے کوٹ کے پچھلے بھاگ (حصہ) کو گرم کر رہا ہے اور دو چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو گھور رہا ہے جو نیلے اور نارنگی چیتھڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کپڑوں کا رنگ بالکل اڑ گیا ہے۔ یہ لڑکیاں کٹہرے میں لائی جاتی ہیں، گواہوں کے کٹہرے کے پاس ایک افسر اُوور کوٹ پہنے کھڑا ہے، اس کی داڑھی چھوٹی اور بھوری ہے، چھوٹی لڑکیوں کے بغل میں ایک گنجا پولیس کانسٹبل کھڑا ہے، اگلی بینچ پر وارتھوک اور روپر بیٹھے ہوئے ہیں، جیک ان کے پیچھے بیٹھا ہے۔ جنگلے دار کٹہرے میں کچھ پھٹے حال مرد اور عورتیں پیچھے کھڑی ہیں۔ کئی موٹے تازے کانسٹبل ادھر ادھر کھڑے آبیٹھے ہیں۔

مجسٹریٹ : (پتا بھاؤ (شفقت پدری) دکھاتے ہوئے کٹھور سُور (سخت لہجے) میں) اب ہمیں ان لڑکیوں کا جھگڑا طے کر دینا چاہیے۔

اہل مند : تھیر سالونس! ماڈلونس! (گنجا کانسٹیبل چھوٹی لڑکیوں کو دکھاتا ہے جو چپ چاپ اِستھتی (حالت) کو سمجھتی ہوئی وِرکت بھاؤ سے کھڑی ہے)

داروغہ : (داروغہ گواہوں کے کٹہرے میں آتا ہے) تم عدالت کے سامنے جو بیان دوگے، وہ بالکل سچ، پورا پورا سچ اور سچ کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ اِیشور تمہاری مدد کرے! اس کتاب کو چومو۔

(داروغہ کتاب چومتا ہے)

داروغہ : (ایک ہی آواز میں، ہر ایک آواز کے اَنت میں رکتا ہوا تاکہ اس کا بیان لکھا جاسکے) آج سویرے قریب دس بجے .میں نے ان دونوں لڑکیوں کو بلیو اسٹریٹ میں ایک سرائے کے باہر روتے ہوئے پایا۔ جب میں نے پوچھا کہ تمھارا گھر کہاں ہے تو انھوں نے کہا کہ ہمارا گھر نہیں ہے، ماں کہیں چلی گئی ہے۔ باپ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کے پاس کوئی کام نہیں ہے، جب پوچھا کہ تم لوگ رات کہاں سوئی تھی، تو انھوں نے اپنے پھوپھو کا نام لیا۔ حضور، میں نے تحقیقات کی ہے، عورت گھر سے نکل گئی ہے اور ماری ماری پھرتی ہے۔ باپ بے کار ہے اور معمولی سرائے میں رہتا ہے۔ اس کی بہن کے اپنے ہی آٹھ لڑکے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ میں ان لڑکیوں کا اب پالن نہیں کرسکتی۔

مجسٹریٹ : (چندوے کے نیچے اپنی جگہ پر آکر) تم کہتے ہو کہ ماں ماری ماری پھرتی ہے، تمھارے پاس کیا ثبوت ہے؟

داروغہ : حضور، اس کا شوہر یہاں موجود ہے۔

مجسٹریٹ : اچھی بات ہے، اسے پیش کرو۔

(لونس کا نام پکارا جاتا ہے، مجسٹریٹ آگے جھک جاتا ہے اور کٹھور دیا (سخت رحم) سے لڑکیوں کی طرف دیکھتا ہے۔ لونس اندر آتا ہے اس کے بال کھچڑی ہوگئے ہیں۔ کالر کی جگہ گلوبند لگائے ہوئے ہے۔ وہ گواہوں کے کٹہرے کے پاس کھڑا ہوجاتا ہے)

اچھا تم ان کے باپ ہو؟ تو تم ان لڑکیوں کو گھر میں کیوں نہیں رکھتے؟ یہ کیا بات ہے کہ تم ان کو اس طرح سڑکوں پر پھرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہو؟

لونس : حضور، میرا کوئی گھر نہیں ہے، میرے کھانے کا تو ٹھکانا نہیں ہے، میں بالکل بے کار ہوں اور نہ میرے پاس کچھ ہے جس سے ان کا پالن

کر سکوں۔

مجسٹریٹ : یہ کیسے؟

یونس : (شرماکر) میری بیوی نکل گئی اور ساری چیزیں گرو رکھ دیں۔

مجسٹریٹ : لیکن تم نے اسے ایسا کرنے کیوں دیا؟

یونس : حضور، میں اسے روک نہیں سکا، ادھر میں کام کی تلاش میں گیا، ادھر یہ نکل بھاگی۔

مجسٹریٹ : کیا تم اسے مارتے پیٹتے تھے؟

یونس : (زور دے کر) حضور، میں نے کبھی اسے تنکے سے بھی نہیں مارا؟

مجسٹریٹ : تب کیا بات تھی، کیا وہ شراب پیتی تھی؟

یونس : (دھیمی آواز میں) ہاں حضور!

مجسٹریٹ : اس کا چال چلن اچھا نہ تھا؟

یونس : (دھیمی آواز میں) ہاں حضور!

مجسٹریٹ : اب کہاں ہے؟

یونس : مجھے نہیں معلوم، حضور! وہ ایک آدمی کے ساتھ نکل گئی اور تب میں—

مجسٹریٹ : ہاں، ہاں، ٹھیک ہے! یہاں کوئی اسے جانتا تھوڑے ہی ہے؟

(گنجے کانسٹبل سے)

کیا یہاں کوئی جانتا ہے اسے؟

داروغہ : اس علاقے میں تو کوئی نہیں جانتا، حضور! لیکن میں نے پتا لگایا ہے کہ—

مجسٹریٹ : ہاں، ہاں، ٹھیک ہے! اتنا ہی کافی ہے۔

(باپ سے)

تم کہتے ہو کہ وہ گھر سے نکل گئی اور ان لڑکیوں کو چھوڑ گئی۔ تم ان کے لیے کیا انتظام کرسکتے ہو؟ تم دیکھنے میں تو ہٹے کٹے آدمی ہو!

یونس : ہاں، حضور، ہٹا کٹا تو ہوں، اور کام بھی کرنا چاہتا ہوں، لیکن اپنا کوئی بس

نہیں۔ کہیں مزدوری ملے تب تو؟

مجسٹریٹ : لیکن تم نے کوشش کی تھی؟

یونس : حضور، سب کچھ کر کے ہار گیا! کوشش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

مجسٹریٹ : اچھا

(سناٹا چھا جاتا ہے)

داروغہ : اگر حضور کا خیال ہو کہ یہ بچے اُناتھ (یتیم) ہیں تو ہم ان کو لینے کو تیار ہیں۔

مجسٹریٹ : ہاں، ہاں، میں جانتا ہوں! لیکن میرے پاس کوئی ایسی شہادت نہیں ہے کہ یہ آدمی اپنے بچوں کی ٹھیک طور سے دیکھ ریکھ نہیں کر سکتا۔

(وہ اٹھتا ہے اور آگ کے پاس چلا جاتا ہے)

داروغہ : حضور، ان کی ماں ان کے پاس آتی جاتی ہے۔

مجسٹریٹ : ہاں، ہاں! ماں اس یوگیہ (لائق) نہیں ہے کہ بچے اسے دیے جائیں۔

(باپ سے)

تم کیا کہتے ہو؟

یونس : حضور، میں اتنا ہی کہتا ہوں کہ اگر مجھے کام مل جائے تو میں بڑی خوشی سے ان کی پرورش کروں گا، لیکن میں کیا کروں حضور، میرے تو بھوجن کا ٹھکانا نہیں۔ سرائے میں پڑا رہتا ہوں، میں مضبوط آدمی ہوں، کام کرنا چاہتا ہوں، دوسروں سے دونی ہمت رکھتا ہوں، لیکن حضور دیکھتے ہیں کہ میرے بال پک گئے ہیں بخار کے سبب سے۔

(اپنے بال چھوتا ہے)

اس لیے میں جچتا نہیں، شاید اسی لیے مجھے کوئی نوکر نہیں رکھتا۔

مجسٹریٹ : (آہستہ سے) ہاں، ہاں! میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک معاملہ ہے۔

(لڑکیوں کی طرف کڑی آنکھوں سے دیکھ کر)

تم چاہتے ہو کہ یہ لڑکیاں اَناتھالیہ (یتیم خانہ) میں بھیج دی جائیں؟

لِونس : ہاں حضور، میری تو یہی اِکشا ہے۔

مجسٹریٹ : میں ایک ہفتے کی مہلت دیتا ہوں، آج ہی کے دن پھر لانا، اگر اس وقت اُچت ہوا تو میں حکم دے دوں گا۔

داروغہ : آج کے دن حضور!

(گنجا کانسٹبل لڑکیوں کا کندھا پکڑے لے جاتا ہے۔ باپ ان کے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ مجسٹریٹ اپنی جگہ پر لوٹ آتا ہے اور جھک کر کلرک سے سائیں سائیں باتیں کرتا ہے)

وارتھوِک : (ہاتھ کی آڑ سے) بڑا کرُونٹر دِرشے (تکلیف دہ منظر) ہے روپر مجھے تو ان پر بڑی دَیا آرہی ہے۔

روپر : پولیس کورٹ میں ایسے سیکڑوں آیا کرتے ہیں۔

وارتھوِک : بڑی دل دکھانے والی بات ہے، لوگوں کی دَشا جتنا ہی دیکھتا ہوں اتنا ہی میرے دل پر اثر ہوتا ہے۔ میں پارلیمنٹ میں ان کا پکش لے کر اَوشے کھڑا ہوؤں گا۔ میں ایک پَرَستاوَ (تجویز)—

(مجسٹریٹ کلرک سے بولنا بند کردیتا ہے)

کلرک : حراست والو!

(وارتھوِک یکایک رک جاتا ہے، کچھ ہلچل ہوتی ہے اور مسز جونس صدر دروازے سے اندر آتی ہے۔ جونس پولیس والوں کے ساتھ قیدیوں کے دروازے سے آتا ہے، وہ کٹہرے کے اندر ایک قطار میں کھڑے ہوتے ہیں)

کلرک : جیمس جونس! جیمس جونس!

اردلی : جین جونس!

وارتھوِک : (دھیرے سے) دیکھو روپر، اس تھیلی کا ذکر نہ آنے پائے۔ چاہے جو کچھ ہو تم اسے سَماچار پتروں میں نہ آنے دینا۔

(روپر سر ہلاتا ہے)

گنجا کانسٹبل : چپ رہو۔

(مسز جونس کالے پتلے پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ اس کی ٹوپی کالی ہے۔ وہ کٹہرے کے سامنے کی دیوار پر ہاتھ رکھے چپ چاپ کھڑی ہوجاتی ہے۔ جونس کٹہرے کی پچھلی دیوار ٹیک کر کھڑا ہوجاتا ہے اور ادھر ادھر ساہس بھری درشٹی (ہمت بھری نظر) سے تاکتا ہے۔ اس کا چہرہ اترا ہوا ہے اور بال بڑھے ہوئے ہیں)

کلرک : (اپنے کاغذ دیکھ کر) حضور، یہ وہی مقدمہ ہے جو پچھلے بدھوار کو زیر تجویز تھا۔ ایک چاندی کی سگریٹ کی ڈبیا کی چوری اور پولیس پر حملہ، دونوں ملزموں کا ساتھ ساتھ وچار ہورہا تھا، جیمس جونس، جین جونس۔

مجسٹریٹ : (گھور کر) ہاں، ہاں، مجھے یاد ہے۔

کلرک : جین جونس!

مسز جونس : ہاں، حضور!

کلرک : کیا تم سوِیکار (قبول کرنا) کرتی ہو کہ تم نے ایک چاندی کی سگریٹ کی ڈبیا جس کی قیمت 5 پونڈ 10 شِلنگ ہے، جان وارتھوِک، ممبر پارلیمنٹ کے مکان سے، اِسٹر منڈے کے دن گیارہ بجے رات اور ایسٹر ٹویزڈے آٹھ بجے دن کے بیچ میں چرائی تھی۔ بولو ہاں یا نہیں؟

مسز جونس : (دھیمے سوَر میں) نہیں حضور، میں نے نہیں—

کلرک : جیمس جونس، کیا تم سوِیکار (قبول) کرتے ہو کہ تم نے ایک چاندی کی سگریٹ کی ڈبیا جس کی قیمت 5 پونڈ 10 شِلنگ ہے، جان وارتھوِک ممبر پارلیمنٹ کے مکان سے اسٹر منڈے کو گیارہ بجے رات اور ایسٹر ٹویزڈے کے آٹھ بجے دن کے بیچ میں چرائی؟ اور جب پولیس ایسٹر ٹویزڈے کے تین بجے شام کے وقت اپنا کام کرنا چاہتی تھی، تو تم نے اس پر حملہ کیا؟ بولو ہاں یا نہیں۔

جونس : (رکھائی سے) ہاں، لیکن اس کے بارے میں مجھے بہت سی باتیں کہنی ہیں۔

مجسٹریٹ : (کلرک سے) ہاں، ہاں! لیکن یہ کیا بات ہے کہ ان دونوں پر ایک ہی جرم لگایا گیا ہے؟ کیا وہ میاں بیوی ہیں؟

کلرک : ہاں حضور! آپ کو یاد ہے کہ آپ نے مجرم کو حراست میں رکھا تھا کہ شوہر کے بیان پر اور بھی شہادت لی جاسکے۔

مجسٹریٹ : کیا تبھی سے یہ دونوں حوالات میں ہیں؟

کلرک : آپ نے عورت کو اسی کی ضمانت پر چھوڑ دیا تھا۔

مجسٹریٹ : ہاں، ہاں! یہ چاندی کی ڈبیا والا معاملہ ہے۔ مجھے اب یاد آیا، اچھا۔

کلرک : ٹامس مارلو؟

(ٹامس مارلو کی پکار ہوتی ہے۔ مارلو اندر آتا ہے اور گواہوں کے کٹہرے میں جاتا ہے۔ وہاں اسے حلف دی جاتی ہے، چاندی کی ڈبیا پیش کی جاتی ہے اور کٹہرے کی دیوار پر رکھی جاتی ہے)

کلرک : (مِسل پڑھتا ہوا) تمہارا نام ٹامس مارلو ہے؟ تم جان وارتھوک نمبر 6 راکنگھم گیٹ کے یہاں خانساماں ہو؟

مارلو : جی ہاں!

کلرک : کیا تم نے پچھلے ایسٹر کی رات کو چاندی کی ایک ڈبیا نمبر 6 راکنگھم گیٹ کے کھانے کے کمرے میں ایک طشتری میں رکھی! کیا یہی وہ ڈبیا ہے؟

مارلو : جی ہاں!

کلرک : اور جب تم صبح کو پونے نو بجے طشتری کو اٹھانے گئے تو تمھیں ڈبیا نہیں ملی؟

مارلو : ہاں حضور!

کلرک : تم اس مجرم عورت کو جانتے ہو؟

(مارلو سر ہلاتا ہے)

کیا نمبر 6 راکنگھم گیٹ میں مزدوری کا کاریہ (کام) کرتی ہے۔

(مارلو سر ہلاتا ہے)

جب تم نے ڈبیا پائی تو اس وقت مسز جونس اس کمرے میں تھی؟

مارلو : جی ہاں!

کلرک : پھر تم نے اس چوری کا حال جاکر اپنے مالک سے کہا اور اس نے تمھیں تھانے بھیجا؟

مارلو : جی ہاں!

کلرک : (مسز جونس سے) تمھیں ان سے کچھ پوچھنا ہے؟

مسز جونس : نہیں حضور! کچھ نہیں۔

کلرک : (جونس سے) جیمس جونس کیا تمھیں اس گواہ سے کچھ پوچھنا ہے؟

جونس : میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔

مجسٹریٹ : کیا تم کو ٹھیک یاد ہے کہ تم نے اسی وقت ڈبیا رکھی تھی جس وقت کہ تم کہہ رہے ہو؟

مارلو : ہاں حضور!

مجسٹریٹ : اچھی بات ہے، اب افسر (خفیہ پولیس) کو بلاؤ۔

(مارلو چلاجاتا ہے اور اِسنو کٹہرے میں آتا ہے)

اردلی : تم عدالت کے سامنے جو بیان دوگے، وہ سچ ہوگا، بالکل سچ ہوگا، اور سچ کے سوا کچھ نہ ہوگا، ایشور تمھاری مدد کرے۔

(اِسنو کتاب چومتا ہے)

کلرک : (بِسل چومتے ہوئے) تمھارا نام رابرٹ اِسنو ہے؟ تم .مٹرا پلیٹن پولیس دَل کے نمبر 19بی وِبھاگ (محکمہ) کے جاسوس ہو؟ آگیانوسار (حکم کے مطابق) ایسٹر ٹویزڈے کو تم قیدی کے مکان نمبر 34 مرتھر اسٹریٹ میں گئے تھے؟ اور کیا تم نے اندر جانے پر اس ڈبیا کو میز پر پڑی پایا؟

اِسنو : جی ہاں!

کلرک : کیا یہی ڈبیا ہے؟

اِسنو : (ڈبیا کو انگلی سے چھوکر) جی ہاں! ڈبیا کو اپنے قبضے میں کرلیا اور اس قیدی عورت پر اس ڈبیا کے چوری کا الزام لگایا؟

کلرک : اور کیا اس نے چوری سے انکار کیا؟

اِسنو : جی ہاں!

کلرک : کیا تم نے اسے حراست میں لے لیا؟

اِسنو : جی ہاں!

مجسٹریٹ : اس کا برتاؤ کیسا تھا؟

اِسنو : اس نے ذرا بھی حجت نہ کی۔ ہاں برابر انکار کرتی رہی۔

مجسٹریٹ : تم اسے جانتے ہو؟

اِسنو : نہیں حضور!

مجسٹریٹ : یہاں اور کوئی اسے جانتا ہے؟

گنجا کانسٹبل : نہیں حضور! دو میں سے ایک کو بھی نہیں جانتا؟ ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی شکایت نہیں ہے۔

کلرک : (مسز جونس سے) تمھیں اس افسر سے کچھ پوچھنا ہے؟

مسز جونس : نہیں حضور، مجھے کچھ نہیں پوچھنا ہے۔

مجسٹریٹ، : اچھی بات ہے، آگے چلو۔

کلرک : (مسِل پڑھتا ہوا) اور جب تم اس عورت کو گرفتار کر رہے تھے، کیا مرد قیدی نے مداخلت کی اور تمھیں اپنا کام کرنے سے روکا؟ اور کیا تم کو ایک گھونسا مارا؟

اِسنو : جی ہاں۔

کلرک : کیا اس نے کہا اسے چھوڑ دو، ڈبیا میں نے لی ہے۔

اِسنو : جی ہاں!

کلرک : اور تب تم نے سیٹی بجائی اور دوسرے کانسٹبل کی مدد سے اسے حراست میں

لے لیا؟

اِسنو : جی ہاں!

کلرک : کیا تھانے پر جاتے ہوئے وہ بہت غصے میں تھا اور تمھیں گالیاں دیں؟ اور بار بار کہتا رہا کہ ڈبیا میں نے لی ہے؟

(اِسنو سر ہلاتا ہے)

کیا اس پر تم نے اس سے پوچھا کہ ڈبیا تم نے کیسے چرائی؟ اور کیا اس نے کہا کہ میں چھوٹے مسٹر وارتھوِک کے بلانے پر مکان میں گیا؟

(وارتھوِک اپنی جگہ پر گھوم کر روپر کی طرف کڑی دُرشتی سے دیکھتا ہے)

کیا اس دن اسٹر منڈے کی آدھی رات تھی؟ اور میں نے وہسکی پی اور اسی کے نشے میں ڈبیا اٹھالی؟

اِسنو : جی ہاں۔

کلرک : کیا وہ برابر اسی طرح جھلاتا رہا؟

اِسنو : جی ہاں!

جونس : (بیچ میں بول کر) ضرور جھلاتا رہا، جب میں تم سے کہہ رہا تھا کہ ڈبیا میں نے لی ہے تو تم نے میری بیوی پر کیوں ہاتھ ڈالا؟

مجسٹریٹ : (گردن بڑھاکر ہش کرکے ڈانٹتا ہوا) تم جو کچھ کہنا چاہوگے اسے کہنے کا موقع تجھے ابھی ملے گا۔ اس افسر سے تمھیں کچھ پوچھنا ہے۔

جونس : (چڑھ کر) نہیں۔

مجسٹریٹ : اچھی بات ہے، ہم پہلے مجرم عورت کا بیان لیں گے۔

مسز جونس : حضور، میں تو اب بھی وہی کہتی ہوں جو اب تک برابر کہتی آرہی ہوں کہ میں نے ڈبیا نہیں چرائی۔

مجسٹریٹ : ٹھیک ہے، لیکن کیا تم کو معلوم تھا کہ کسی نے اسے چرایا؟

مسز جونس : نہیں حضور، اور میرے شوہر نے جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں کچھ

نہیں جانتی۔ ہاں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ سوموار کو بہت رات گئے گھر آئے۔ اس وقت ایک بج چکا تھا اور وہ اپنے آپے میں نہ تھے۔

مجسٹریٹ : کیا وہ شراب پیے تھا؟

مسز جونس : ہاں حضور!

مجسٹریٹ : اور وہ نشے میں تھا؟

مسز جونس : ہاں حضور، بالکل بے خبر تھا۔

مجسٹریٹ : اور اس نے تم سے کچھ کہا؟

مسز جونس : نہیں حضور، خالی مجھے گالیاں دیتا رہا اور صبح کو جب میں اٹھی اور کام کرنے چلی گئی تو وہ سوتا رہا، پھر میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ ہاں، مسٹر وارتھوِک نے جو میرے مالک ہیں، مجھ سے کہا کہ ڈبیا غائب ہوگئی ہے۔

مجسٹریٹ : ہاں! ہاں!

مسز جونس : تو جب میں اپنے شوہر کا کوٹ ہلانے لگی تو سگریٹ کی ڈبیا اس میں سے گر پڑی اور سارے سگرٹ چارپائی پر بکھر گئے۔

مجسٹریٹ : (اِسنو سے) وہ کہتی ہے کہ سگریٹ چارپائی پر بکھر گئے؟ تم نے سگریٹ چارپائی پر بکھرے دیکھے تھے؟

اِسنو : نہیں حضور، میں نے نہیں دیکھا۔

مجسٹریٹ : یہ تو کہتے ہیں کہ میں نے انھیں بکھرے نہیں دیکھا!

جونس : نہ دیکھا ہو، لیکن بکھرے تھے۔

اِسنو : حضور، میں نے کمرے کی سب چیزوں کے دیکھنے کا موقع ہی نہیں پایا۔ اس مرد نے میرا کام ہی ہلکا کردیا۔

مجسٹریٹ : (مسز جونس سے) اچھا تمھیں اور کیا کہنا ہے؟

مسز جونس : تو حضور، میں نے جب ڈبیا دیکھی، تو میرے ہوش اڑ گئے۔ اور میری سمجھ

میں نہ آیا کہ انھوں نے کیوں ایسا کام لیا۔ جب جاسوس افسر آیا تو ہم لوگوں میں اسی کے بارے میں کہاسنی ہورہی تھی کیونکہ حضور، اس نے مجھے تباہ کردیا، اب مجھے کون نوکر رکھے گا۔ میرے تین تین بچے ہیں حضور۔

مجسٹریٹ : (گردن بڑھاکر) ہاں ہاں! لیکن اس نے تم سے کہا کیا؟

مسز جونس : میں نے اس سے پوچھا کہ تمھارے اوپر ایسی کون سی آفت آگئی کہ تم نے ایسا کام کر ڈالا۔ اس نے کہا کہ یہ نشے کے کارن ہوا۔ میں نے بہت شراب پی لی تھی اور نہ جانے مجھ پر کیا سنک سوار ہوگئی تھی اور بات یہ ہے حضور کہ انھوں نے دن بھر کچھ نہیں کھایا تھا اور جب خالی پیٹ کوئی شراب پیتا ہے تو چٹ دماغ پر اثر ہوجاتا ہے۔ حضور نہ جانتے ہوں لیکن یہ بات سچ ہے اور میں قسم کھاکر کہتی ہوں کہ جب سے ہمارا بیاہ ہوا، اس نے کبھی ایسا کام نہیں کیا، حالانکہ ہم لوگوں کو بڑی بڑی آفتیں جھیلنی پڑیں۔ (کچھ زور دے کر بات کرتی ہوئی) مجھے وِشواس ہے کہ اگر وہ اپنے آپے میں ہوتے تو ایسا کام کبھی نہ کرتے۔

مجسٹریٹ : ہاں، ہاں! لیکن کیا تم نہیں جانتی کہ یہ کوئی عذر نہیں ہے؟

مسز جونس : ہاں جانتی ہوں، حضور۔

(مجسٹریٹ آگے جھک جاتا ہے اور کلرک سے باتیں کرتا ہے)

جیک : (پیچھے کی جگہ سے آگے کو جھک کر) دادا، میں کہتا ہوں۔

وارتھوِک : چپ رہو۔

(روپر سے باتیں کرتے ہوئے منہ چھپاکر)

روپر، اچھا ہو کہ تم اب کھڑے ہوجاؤ اور کہہ دو کہ اور سب باتوں اور قیدیوں کی غریبی کا خیال کرکے ہم اس مقدمے کو اور آگے نہیں بڑھانا چاہتے اور اگر مجسٹریٹ صاحب اسے اس آدمی کا فساد سمجھ کر کارروائی کریں—

گنجا کانسٹبل : خاموش!

(روپر سر ہلاتا ہے)

مجسٹریٹ : اچھا، اب اگر یہ مان لیا جائے کہ جو کچھ تم کہتی ہو وہ سچ ہے اور جو کچھ تمھارا شوہر کہتا ہے وہ بھی سچ ہے تو مجھے یہ وِچار کرنا پڑے گا کہ وہ کیسے گھر کے اندر پہنچا اور کیا تم نے اندر پہنچنے میں اس کی کچھ مدد کی؟ تم اس مکان میں مزدورنی کا کام کرتی ہو نہ؟

مسز جونس : جی ہاں حضور، لیکن اگر میں اس کو مکان کے اندر گھسنے میں مدد دیتی تو میرے لیے یہ بہت برا کام ہوتا اور میں نے جہاں جہاں کام کیا کبھی ایسا نہ کیا۔

مجسٹریٹ : خیر، یہ تو تم کہتی ہو، اب دیکھیں تمھارا شوہر کیا بیان دیتا ہے۔

جونس : (جو پیچھے کے کٹہرے میں ہاتھ ٹیکے ہوئے دھیمی روکھی آواز سے بولتا ہے) میں وہی کہتا ہوں جو کچھ میری بیوی کہتی ہے، میں کبھی پولیس کورٹ میں نہیں لایا گیا، اور میں ثابت کرسکتا ہوں کہ میں نے یہ کام نشے میں کیا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا اور وہ بھی یہی کہے گی کہ میں اس چیز کو پانی میں پھینکنے جارہا تھا یہ اس سے کہیں اچھا تھا کہ میں ان کے پیچھے پریشان ہوتا۔

مجسٹریٹ : لیکن تم مکان کے اندر گھسے کیسے؟

جونس : میں ادھر سے گزر رہا تھا۔ میں 'گوٹ اور بیلس' سرائے سے گھر جارہا تھا۔

مجسٹریٹ : گوٹ اور بیلس کیا چیز ہے؟ کیا سرائے ہے؟

جونس : ہاں، اس کونے پر، اس دن بینک کی چھٹی تھی اور میں نے دو گھونٹ پی لی تھی۔ میں نے چھوٹے مسٹر وارتھوِک کو غلط جگہ دروازے پر کنجی لگاتے ہوئے دیکھا۔

مجسٹریٹ : اچھا!

جونس : (آہستہ سے اور کئی بار رک کر) تو میں نے انھیں کنجی کا سراخ دکھا دیا۔ وہ

نوابوں کی طرح شراب میں چور تھا۔ تب وہ چلا گیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد لوٹ کر بولا، میرے پاس تمھیں دینے کو کچھ نہیں ہے، لیکن اندر آکر تھوڑی سی پی لو۔ تب میں اندر چلا گیا۔ آپ بھی ایسا ہی کرتے، تب میں نے تھوڑی سی وہسکی پی۔ آپ بھی اسی طرح پیتے۔ تب چھوٹے مسٹر وارتھوک نے مجھ سے کہا، تھوڑی سی شراب پی لو، اور تمباکو بھی پیو، تم جو چیز چاہو لے لو، یہ کہہ کر وہ صوفا پر سوگیا۔ تب میں نے تھوڑی سی اور شراب پی، اور سگریٹ بھی پیا۔ پھر میں آپ سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

مجسٹریٹ : کیا تمھارا مطلب ہے کہ تم نشے میں اتنے چور تھے کہ کچھ بھی یاد نہیں رہا؟

جیک : (باپ سے نرمی کے ساتھ) ٹھیک یہی بات ہے— جی۔

وارتھوک : چپ!

جونس : ہاں، میرا یہی مطلب ہے۔

مجسٹریٹ : پھر بھی تم کہتے ہو کہ تم نے ڈبیا چرائی؟

جونس : میں نے ڈبیا چرائی! ہرگز نہیں میں نے صرف لے لی تھی۔

مجسٹریٹ : (گردن آگے بڑھاکر) تم نے اسے چرایا نہیں؟ تم نے اسے صرف لے لیا؟ کیا تمھاری تھی؟ یہ چوری نہیں تو اور ہے کیا؟

جونس : میں نے اسے لے لیا۔

مجسٹریٹ : تم نے اسے لے لیا! تم اسے ان کے گھر سے اپنے گھر لے گئے۔

جونس : (غصے سے بات کاٹ کر) میرا کوئی گھر نہیں ہے۔

مجسٹریٹ : اچھی بات ہے، دیکھیں نویُوَک (نوجوان) مسٹر وارتھوک تمھارے بیان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(اِسنو گواہوں کے کٹہرے میں چلا جاتا ہے، گنجا کانسٹبل جیک کو اشارے سے بلاتا ہے اور وہ اپنی ٹوپی لیے گواہوں کے کٹہرے میں آتا ہے۔ روپر میز کے پاس چلا آتا ہے جو وکیلوں کے لیے الگ کی ہوئی ہے)

حلف دینے والا کلرک: تم عدالت کے سامنے جو بیان دوگے اسے سچ ہونا چاہیے، بالکل سچ ہونا چاہیے اور سوا سچ کے کچھ نہ ہونا چاہیے۔ ایشور تمھاری مدد کرے۔ اس کتاب کو چومو۔

(جیک کتاب چومتا ہے)

روپر: (جرح کرتے ہوئے) تمھارا کیا نام ہے؟

جیک: (دھیمی آواز میں) جان وارتھوک جونیئر۔

(کلرک اسے لکھ لیتا ہے)

روپر: کہاں رہتے ہو؟

جیک: نمبر 6، راکنگھم گیٹ۔

(اس کے سب جوابوں کو کلرک لکھتا جاتا ہے)

روپر: تم مالک کے لڑکے ہو؟

جیک: (بہت دھیمی آواز میں) ہاں۔

روپر: ذرا زور سے بولو کیا تم مجرم کو جانتے ہو؟

جیک: (جونس اِستری پُروش کی طرف دیکھ کر دھیمی آواز میں) میں مسز جونس کو جانتا ہوں۔

(اونچی آواز میں)

مرد کو نہیں جانتا۔

جونس: لیکن میں تم کو جانتا ہوں۔

گنجا کانسٹبل: چپ رہو۔

روپر: اچھا کیا تم ایسٹرمنڈے کی رات کو بہت دیر میں گھر آئے تھے؟

جیک: ہاں۔

مجسٹریٹ: اچھا، تم نے کنجی دروازے میں ہی لگی چھوڑ دی؟

روپر: اور اپنے آنے کے وِشے میں تمھیں صرف اتنا ہی یاد ہے؟

جیک : (دھیمی آواز میں) ہاں، اتنا ہی۔

مجسٹریٹ : تم نے اس مرد مجرم کا بیان سنا ہے اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

جیک : (مجسٹریٹ کی طرف مڑ کر دِڑھتا (مضبوطی) کے ساتھ) بات یہ ہے حضور کہ میں رات کو تھیٹر دیکھنے چلا گیا تھا وہاں کھانا کھایا اور بہت رات گئے گھر پہنچا۔

مجسٹریٹ : تمھیں یاد ہے کہ جب تم آئے تو یہ آدمی باہر کھڑا تھا؟

جیک : جی نہیں۔

(وہ ہچکچاتا ہے)

مجھے تو یہ یاد نہیں۔

مجسٹریٹ : (کچھ گڑبڑاکر) کیا اس آدمی نے تمھیں دروازہ کھولنے میں مدد دی؟ جیسا اس نے ابھی کہا ہے۔ کسی نے دروازہ کھولنے میں تمھیں مدد دی؟

جیک : جی نہیں! میں تو ایسا نہیں سمجھتا مجھے یاد نہیں۔

مجسٹریٹ : تمھیں یاد نہیں؟ لیکن یاد کرنا پڑے گا۔ تمھارے لیے یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے کہ جب تم آؤ تو دوسرا آدمی دروازہ کھول دے! کیوں؟

جیک : (لجا سے مسکراکر) نہیں۔

مجسٹریٹ : اچھا تب؟

جیک : (اَسمنجس (پش و پیش) میں پڑ کر) بات یہ ہے کہ شاید میں نے اس رات کو بہت زیادہ شامپین پی لی تھی۔

مجسٹریٹ : (مسکراکر) اچھا، تم نے بہت زیادہ شامپین پی لی تھی؟

جونس : میں اِس مہاشے سے ایک سوال پوچھ سکتا ہوں؟

مجسٹریٹ : ہاں، ہاں! تم جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو؟

جونس : کیا آپ کو یاد نہیں کہ آپ نے کہا تھا کہ میں اپنے باپ کی طرح لبرل ہوں اور مجھ سے پوچھا تھا کہ تم کیا ہو؟

جیک : (ماتھے پر ہاتھ رکھ کر) مجھے کچھ یاد آتا ہے۔

جونس : اور میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں پکا کنزرویٹو ہوں۔ تب آپ نے مجھ سے کہا کہ تم تو سامیہ واد سے معلوم پڑتے ہو۔ جو کچھ چاہو لے لو۔

جیک : (دِڑھتا کے ساتھ) نہیں مجھے اس طرح کی کوئی بات یاد نہیں ہے۔

جونس : لیکن مجھے یاد ہے اور میں اتنا ہی سچ بولتا ہوں جتنا آپ۔ میں اس کے پہلے کبھی پولیس کورٹ میں نہیں لایا گیا۔ ذرا ادھر دیکھیے کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ آپ کے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کی تھیلی تھی؟ اور—

(وارتھوک اچھل پڑتا ہے)

روپر : میں حضور سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ پَرشن (سوال) فضول ہے۔ کیونکہ قیدی نے خود اقبال کرلیا ہے کہ اسے کچھ یاد نہیں۔

(مجسٹریٹ کے چہرے پر مسکراہٹ دکھائی پڑتی ہے)

اندھا اندھے کو کیا راستہ دکھا رہا ہے۔

جونس : (بگڑ کر) میں نے اس سے زیادہ خراب کام نہیں کیا ہے، میں غریب آدمی ہوں میرے پاس نہ روپے ہیں نہ دوست ہیں۔ وہ دھنی (دولت مند) ہے وہ جو کچھ چاہے کرسکتا ہے۔

مجسٹریٹ : بس بس، ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں، تمھیں شانت (پرسکون) رہنا چاہیے۔ تم کہتے ہو، یہ ڈبیا میں نے لے لی۔ تم نے کیوں اسے لے لیا؟ کیا تمھیں روپے کی بہت ضرورت تھی؟

جونس : روپے کی تو مجھے ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔

مجسٹریٹ : کیا اسی لیے تم نے اسے لے لیا؟

جونس : نہیں۔

مجسٹریٹ : (اسنو سے) اس کے پاس کوئی چیز برآمد ہوئی؟

اِسنو : جی ہاں، حضور، اس کے پاس 6 پونڈ، 12 شِلنگ نکلے اور یہ تھیلی۔

(لال ریشمی تھیلی مجسٹریٹ کے ہاتھ میں رکھ دی جاتی ہے۔ وارتھوک اپنی جگہ سے اُچک پڑتا ہے لیکن پھر بیٹھ جاتا ہے)

مجسٹریٹ : (تھیلی کی طرف دیکھ کر) ہاں، ہاں! لاؤ اسے دیکھوں۔

(سب چپ ہو جاتے ہیں)

نہیں، تھیلی کے بارے میں کوئی بیان نہیں ہے، تمھیں وہ سب روپے کہاں ملے؟

جونس : (کچھ دیر چپ رہ کر یکایک بول اٹھتا ہے) میں اس سوال کے جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔

مجسٹریٹ : اگر تمھارے پاس اتنے روپے تھے تو تم نے ڈبیا کیوں لی؟

جونس : میں نے اسے جلن کی وجہ سے لی۔

مجسٹریٹ : (گردن بڑھاکر) تم نے اسے جلن کی وجہ سے لیا؟ خیر، یہ ایک بات ہے، لیکن کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم جلن کی وجہ سے دوسروں کی چیزیں لے کر شہر میں رہ سکتے ہو؟

جونس : اگر آپ کی حالت میری سی ہوتی، اگر آپ بھی بے کار ہوتے—

مجسٹریٹ : ہاں ہاں، میں جانتا ہوں چونکہ تم بے کار ہو، تم سمجھتے ہو کہ چاہے تم جو کچھ کرو، معاف ہو جائے گا۔

جونس : (جیک کی طرف انگلی دکھلاکر) آپ ان سے پوچھیے انھوں نے کیوں اس کی تھیلی—

روپر : (آہستہ سے) کیا حضور کو ابھی اس گواہ کی اور ضرورت ہے؟

مجسٹریٹ : (دینگ (طنز) سے)

نہیں! کوئی فائدہ نہیں۔

(جیک کٹہرے سے چلا جاتا ہے اور سر جھکائے ہوئے اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے)

جونس : آپ ان سے پوچھیے کہ انھوں نے کیوں اس عورت کی......

(لیکن گنجا کانسٹبل اس کی آستین پکڑ لیتا ہے)

گنجا کانسٹبل : چپ!

مجسٹریٹ : (زور دے کر) میری بات سنو! مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں کہ انھوں نے کیا لیا اور کیا نہیں لیا؟ تم نے پولیس کے کام میں مداخلت کیوں کی؟

جونس : ان کا کام یہ نہیں تھا کہ میری بیوی کو گرفتار کرتے! وہ ایک شریف عورت ہے اور اس نے کچھ نہیں کیا ہے۔

مجسٹریٹ : نہیں، پولیس کا یہی کام تھا تم نے افسر کو گھونسا کیوں مارا؟

جونس : ایسی حالت میں دوسرا آدمی بھی مارتا؟ اگر میرا بس چلتا تو پھر مارتا۔

مجسٹریٹ : اس پَرکار (طرح) بگڑ کر تم اپنے مقدمے کو کچھ مدد نہیں پہنچا رہے ہو۔ اگر سبھی تمھاری طرح کرنے لگیں تو ہمارا کام ہی نہ چلے۔

جونس : (آگے جھک کر، چِنتِت سُور (متفکر آواز) میں) لیکن اس کی کیا دَشا ہوگی؟ اس بدنامی سے اسے جو نقصان ہوا وہ کون بھرے گا۔

مسز جونس : حضور، بچوں کی فکر انہیں ستا رہی ہے کیونکہ میری نوکری جاتی رہی اور اس بدنامی کی وجہ سے مجھے دوسرا مکان لینا پڑا۔

مجسٹریٹ : ہاں ہاں، میں جانتا ہوں، لیکن اس نے اگر ایسا کام نہ کیا ہوتا تو کسی کا کچھ نہ ہوتا۔

جونس : (گھوم کر جیک کی طرف دیکھتے ہوئے) میرا کام اتنا برا نہیں ہے جتنا ان کا۔ پوچھتا ہوں ان کا کیا ہوگا؟

(گنجا کانسٹبل پھر کہتا ہے— چپ)

روپر : مسٹر وارتھوِک، یہ عرض کر رہے ہیں کہ قیدی کی غریبی کاخیال کر کے وہ ڈبیہ کے معاملے کو آگے نہیں بڑھانا چاہتے۔ شاید حضور، دنگے (فساد) کی کارروائی کریں گے۔

جونس : میں اس کو دبنے نہ دوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ سب کچھ انصاف کے ساتھ کیا جائے میں اپنا حق چاہتا ہوں۔

مجسٹریٹ : (ڈیسک کو پیٹ کر) تم کو جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکے اب چپ رہو۔

(سناٹا ہو جاتا ہے، مجسٹریٹ جھک کر کلرک سے باتیں کرتا ہے)

ہاں، میرا خیال ہے کہ اس عورت کو بری کردوں۔

(وہ دیابھاؤ (جذبہ رحم) سے مسز جونس سے کہتا ہے جو ابھی تک کٹہرے پر ہاتھ دھرے اَنشچل (ساکت) کھڑی ہے تمھارے لیے یہ دُربھاگیہ (بدقسمتی) کی بات ہے کہ اس آدمی نے ایسا کام کیا۔ اس کا پھل اس کو نہیں بھوگنا پڑا بلکہ تم کو بھوگنا پڑا۔ تمھیں یہاں دو بار آنا پڑا، تمھاری نوکری چھوٹ گئی۔

(جونس کی طرف تاکتا ہے)

اور یہی ہمیشہ ہوتا ہے، تم اب جاؤ، مجھے دکھ ہے کہ تم کو یہاں ویَرتھ (بلاوجہ) بلانا پڑا۔

مسز جونس : (دھیمی آواز سے) حضور! اَنیک دھنیہ واد۔

(وہ کٹہرے سے چلی جاتی ہے اور پیچھے پھر کر جونس کی طرف دیکھتی ہوئی اپنے ہاتھوں کو ملتی ہے اور کھڑی ہو جاتی ہے)

مجسٹریٹ : ہاں، میرے بس کی بات نہیں، اب جاؤ، تم خود سمجھ دار ہو۔

(مسز جونس پیچھے کھڑی ہوتی ہے، مجسٹریٹ اپنے ہاتھ پر سر جھکا لیتا ہے تب سر اٹھا کر جونس سے کہتا ہے)

میری بات سنو، کیا تم چاہتے ہو کہ یہ معاملہ یہیں طے کردیا جائے یا جیوری کے پاس بھیج دیا جائے۔

جونس : (بڑبڑاتا ہوا) میں جیوری نہیں چاہتا۔

مجسٹریٹ : اچھی بات ہے، میں یہیں طے کردوں گا۔ (ذرا رک کر) تم نے ڈبیا چرانا سَویکار (قبول) کرلیا ہے۔

جونس : چرانا نہیں۔

گنجا کانسٹبل : چپ!

مجسٹریٹ : اور پولیس پر حملہ کرنا۔

جونس : بھلا، کوئی بھی آدمی ایسی بے جا—

مجسٹریٹ : یہاں تمھارا ویوہار (سلوک) بہت برا تھا۔ تم یہ صفائی دیتے ہو کہ جب تم نے ڈبیا چرائی تب تم نشے میں تھے۔ یہ کوئی صفائی نہیں ہے۔ اگر تم شراب پی کر قانون کو توڑو گے تو تمھیں اس کا پھل بھوگنا پڑے گا اور میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ تم جیسے آدمی جو نشے میں چور ہوجاتا ہے اور جلن یا اسے جو کچھ تم کہنا چاہو اور اس کے پھیر میں پڑ کر دوسروں کی برائی کرتے ہیں۔ وہ سماج کے شترو (دشمن) ہیں۔

جیک : (اپنی جگہ پر جھک کر) دادا! وہی تو آپ نے مجھ سے بھی کہا تھا۔

وارتھوک : چپ!

(سب چپ ہوجاتے ہیں، مجسٹریٹ کلرک سے رائے لیتا ہے۔ جونس آگے جھکا ہوا پرتیکشا (انتظار) کرتا ہے)

مجسٹریٹ : یہ تمھارا پہلا قصور ہے اور میں تمھیں ہلکی سزا دینا چاہتا ہوں۔

(تیور سَور (تیز آواز) میں لیکن بنا کوئی بھاؤ پرکٹ (ظاہر) کیے ہوئے)

ایک مہینے کی کڑی قید۔

(وہ جھک کر کلرک سے باتیں کرتا ہے۔ گنجا کانسٹبل اور ایک دوسرا سپاہی مل کر جونس کو کٹہرے سے لے جاتے ہیں)

جونس : (رک کر اور پیچھے ہٹ کر) تم اسے نیائے (انصاف) کہتے ہو؟ جیک کا تو کچھ بھی نہیں بگڑا؟ اس نے شراب پی، اس نے تھیلی لی— میں نے تھیلی لی لیکن (زبان دباکر) اس کا روپیہ اسے بچا لے گیا۔ واہ رے انصاف!

(جونس کوٹھری میں بند کردیا جاتا ہے اور استری پروشوں کے منہ سے ایک سوکھی دھیمی آہ نکلتی ہے)

مجسٹریٹ : اب ہم ناشتہ کرنے جاتے ہیں۔ (وہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہے)

(عدالت میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ روپر اٹھتا ہے اور سماچار کے سَوادداتا (اخبار کے نمائندے) سے باتیں کرتا ہے۔ جیک سر اٹھاکر اکڑتا ہوا برآمدے میں

چلا جاتا ہے۔ وارتھوک بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے)

مسز جونس : (وِنیت بھاؤ سے اس کی طرف پھر کر)

حضور ! (وارتھوک اَسمنجس (پس و پیش) میں پڑجاتا ہے۔ پھر ہمت ہار کر وہ لجّت بھاؤ (شرمساری) سے انکار کرتا ہے اور جلدی سے کچہری سے چلا جاتا ہے۔ مسزجونس اس کی طرف دیکھتی کھڑی رہ جاتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

پریم چند کے ادبی کارناموں پر تحقیقی کام کرنے والوں میں مدن گوپال کی اہمیت مسلم ہے پریم چند کے خطوط کے حوالے سے بھی انھیں اولیت حاصل ہے۔ ان کی پہلی کتاب انگریزی میں بہ عنوان ''پریم چند'' 1944 میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اسی کتاب کی وجہ سے غیر ممالک میں بھی پریم چند کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ''ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ لندن'' نے لکھا ہے کہ مدن گوپال وہ شخصیت ہے جس نے مغربی دنیا کو پریم چند سے روشناس کرایا۔ اُردو ہندی ادیبوں کو غیر اُردو ہندی حلقے سے متعارف کرانے میں مدن گوپال نے تقریباً نصف صدی صرف کی ہے۔

مدن گوپال کی پیدائش اگست 1919 میں (ہانسی) ہریانہ میں ہوئی۔ 1938 میں سینٹ اسٹیفن کالج سے گریجویشن کیا۔ انھوں نے تمام زندگی علم وادب کی خدمت میں گزاری۔ انگریزی، اُردو اور ہندی میں تقریباً 60 کتابوں کے مصنف ہیں۔ پریم چند پر اکسپرٹ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ویسے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کے ماہر ہیں۔ مختلف اخبارات، سول ملیٹری گزٹ لاہور، اسٹیٹس مین اور جن ستہ میں بھی کام کیا۔ بعد ازاں حکومتِ ہند کے پبلکیشن ڈیویژن کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے 1977 میں ریٹائر ہوئے اس کے علاوہ دینک ٹریبون چندی گڈھ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے 1982 میں سبکدوش ہوئے۔